فرقہ واریت سے پاک قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

سہ ماہی

2016ء

العاصم

لاہور

سرپرست اعلیٰ

استاذ القراء والمجودین، الشیخ القاری المقری

محمد ادریس العاصم

فاضل مدینہ یونیورسٹی

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون

عُلومِ قراءات نمبر

نافع

مکی

بصری

شامی

عاصم

حمزہ

کسائی

ابوجعفر

یعقوب

خلف



علم العد

علم الضبط

علم الرسم

علم الوقف

علم التجوید

اعلان داخلہ

المدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن کے تمام شعبہ جات میں 10 شوال سے 30 شوال تک ہر سال داخلہ جاری رہتا ہے۔

شرائط داخلہ

1 داخلہ کے وقت سرپرست کا آنا ضروری ہے۔
2 طالب علم کی 2 عدد تصاویر
3 ہر طالب علم داخلہ کے وقت اپنے بے فارم کی فوٹو کاپی ہمراہ لائے۔
4 والد یا سرپرست کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی بہت ضروری ہے۔

نوٹ: طالب علم کو یہ بیان حلفی جمع کرانا ہوگا کہ وہ کسی قسم کی سیاسی، مذہبی یا گروہی سیاست میں ملوث نہیں اور نہ ہی ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے۔

المدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن

کے مختلف شعبہ جات

- شعبہ ناظرۃ القرآن
- شعبہ حفظ القرآن
- شعبہ تجوید القرآن
- شعبہ قراءات سبعہ
- شعبہ قراءات ثلاثہ
- شعبہ قراءات عشرہ کبری

0321-4862936 0321-6236987

فرقہ واریت سے پاک قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

سہ ماہی
العاصم
ماہنامہ لاہور

شمارہ نمبر 2 جلد نمبر 2	رجب تا رمضان المبارک 1437ھ	مئی تا جولائی 2016ء

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

[متفق علیہ]

”یہ قرآن سات حروف (وجوہ، لغات واقسام، تلفظ) پر اُتارا گیا ہے، پس اُن میں سے جو تمہارے لیے آسان وممکن ہو اُسے پڑھو۔“

خصوصی شمارہ
400 روپے

ناشر: چوہدری محمد ارشد صاحب نے لاہور پریس سے چھپوا کر المدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

پروف ریڈنگ

قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پروف ریڈنگ میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے، پھر بھی غلطی رہ جانے کا امکان ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (ادارہ)

علوم قراءات علوم دینیہ کی اساس

قاری ابوبکر العاصم
مدرس المدرسۃ العالیہ تجوید القرآن
مدیر العاصم لجنة المحققین للدراسات العلوم الاسلامیة

قراءات اور علوم قراءات دینی علوم میں بنیاد اور ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاتمۃ القراء فی الہند القاری المقری محمد عبدالرحمن مکی الہ آبادی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''فوائد مکیہ'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے۔ ① علم تجوید، ② علم وقف وابتداء، ③ علم رسم مصاحف عثمانیہ، ④ علم قراءات۔''

دورِ حاضر میں ان علوم قراءات میں دو مزید مضامین کا اضافہ ہوگیا ہے یعنی ⑤ علم الفواصل، ⑥ علم الضبط۔

موجودہ حالات میں دینی علوم میں نئی نئی تشریحات اور توضیحات ہورہی ہیں۔ علوم قراءات میں بھی الحمدللہ نت نئی تالیفات اور تصنیفات منظر عام پر آرہی ہیں۔ دینی علوم پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے قراءات اور دیگر علوم قراءات کا جاننا ازحد ضروری ہے۔

دنیاوی علوم میں اب ہر علم کے لیے الگ الگ شعبہ جات اور سپیشلائزیشن (تخصص) کی اصطلاحات متعارف ہورہی ہے۔ علوم قرآن کا شعبہ جو عموماً کلیۃ القرآن اور فیکلٹی آف قرآنک سٹڈیز کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی یونیورسٹیز میں مصروف عمل ہیں جس میں قراءات اور علوم قراءات سے متعلق ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالاجات لکھے جارہے ہیں۔

ادھر ہمارے دینی مدارس میں کیا حال ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ قراءات اور علوم قراءات کو علوم اسلامی میں دوسرے درجہ کا علم بنادیا گیا ہے۔ بڑے

بڑے جامعات جو یہ دعویٰ کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ہم ''ایک ایسا جامع الصفات عالم بنا رہے ہیں جو کہ تمام علوم میں جامع ہیں لیکن ان جامع الصفات عالم'' کی حالت زار یہ ہے کہ حروف کے مخارج تک درست نہیں ہوتے۔ میری بات شاید اہل علم حضرات کو کڑوی محسوس ہو لیکن معذرت کے ساتھ کہ۔

چمن میں میری تلخ نوائی بھی گوارہ کر

یہ مشاہدہ ہے جو بیان کیا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قراءات اور علوم قراءات جو ہماری گمشدہ میراث علمی ہے اس میں انفرادی طور پر تحقیق و تالیف کا کام کیا جائے گوہر ناتراشیدہ کو تراش کر آبدار بنا یا جائے۔ خوبصورت آوازوں کو ماہر اساتذہ قراءات صیقل کریں۔

الحمدللہ کوئی خالی خولی دعویٰ نہیں علمی طور پر اس کا مظہر ہم ''المدرسۃ العالیہ تجوید القرآن'' میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ ادارہ صرف اور صرف قراءات اور علوم قراءات کے لیے مخصوص ہے۔ اس ادارے کے فارغین جہاں میدان خطابت کے شاہ سوار ہیں تو دوسری جانب خوبصورت آوازوں کے ذریعے اپنے مقتدی حضرات کے دلوں کو بھی قرآن سے گرما رہے ہیں۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیز میں قرآن ، قراءات اور علوم قراءات کے شعبہ جات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالا جات لکھنے میں بھی پیش پیش ہیں۔ قراءات اور علوم قراءات میں وہ دیگر جامعات کے ''جامع الصفات عالم'' سے کسی صورت بھی کم نہیں ہیں۔ المدرسۃ العالیہ تجوید القرآن کے تعلیمی امور کے نگران اور علمی سرپرست اعلیٰ فضیلۃ الشیخ القاری المقری محمد ادریس العاصم ﷾ آمین کی شبانہ روز محنتوں کی بدولت ایسے عمدہ پڑھنے والے آج آپ کو ہر گاؤں ، شہر اور صوبے بلکہ دنیا کے ہر خطے میں مل جائیں گے جو بڑے فخر سے سینہ تان کر یہ بتائیں گے کہ وہ استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ القاری المقری محمد ادریس العاصم ﷾ کے فیض یافتہ ہیں۔ المدرسۃ العالیہ تجوید

القرآن جیسی مادر علمی کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ دو چار دس دن کی بات نہیں اس کے پیچھے استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ القاری المقری محمد ادریس العاصم ﷫ کی چالیس سالہ شبانہ روز محنت کارفرما ہے۔

تصنیفی تالیفی میدان میں بھی حضرت فضیلۃ الشیخ القاری المقری محمد ادریس العاصم ﷫ کی کتب قراءات اور علوم قراءات کے تشنگان کے لیے آب حیات کا کام دے رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ اس ضروری اور اہم فریضے کا ادراک کریں، قراءات اور علوم قراءات کی تعلیم کے لیے ایک علیحدہ ڈیپارٹمنٹ (شعبہ) مخصوص کریں اس میں محض خانہ پُری کے لیے کوئی استاذ قراءات نہ رکھیں بلکہ ماہر قاری مقری کل وقتی استاذ کا تقرر کریں۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قراءات اور علوم قراءات کے حصول کے لیے آنے والوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اب یہ مدارس دینیہ والوں پر منحصر ہے کہ وہ جامع الصفات عالم والے نام نہاد قراء فارغ کریں یا ایک ماہر قاری تیار کریں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک خوبصورت آواز والے قاری امام وخطیب کو جو عزت مسجد کے نمازی ومقتدی حضرات دیتے ہیں وہ دیگر شعبہ جات کے فارغین کو بہت محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف وہ محبت ہے جو اللہ وحدہ لاشریک لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک قاری کی عزت وتوقیر کرتے ہیں۔

آیئے اللہ وحدہ لاشریک کی اس محبت اور عزت میں ہم بھی حصہ دار بنیں۔ اپنے مدارس میں نہایت سنجیدگی اور خلوص نیت سے قراءات اور علوم قراءات کے مضبوط اور قابل عمل شعبہ جات تشکیل دیں اور ایک جز وقتی اور ٹمپریری استاذ کی جگہ ایک قابل، ماہر، قاری مقری کل وقتی اور مستقل استاذ کا اس شعبہ میں تقرر کریں۔ تاکہ دین اور دنیا دونوں

جہان میں سرخرو ہوں۔

آیئے اب اس خاص شمارے کے متعلق بات ہوجائے۔

قراءات اور علوم قراءات سے متعلق اہم اور نہایت چیدہ چیدہ معلومات کو اپنے جلو میں لیے یہ خاص شمارہ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے ہم نے اپنے قابل احترام اور معزز قارئین کے لیے ترتیب دیا ہے جس میں ہم نے خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ تو بہت طول طویل ابحاث اکٹھی کی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ذہن کے اوپر کوئی بوجھ محسوس ہو اور نہ ہی اس قدر مختصر مجلہ رکھا ہے کہ وہ اپنا تاثر ہی اذہان پر نہ چھوڑ پائے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ آپ کی آراء سے ہی ہوگا۔ یہ ایک بڑی انفرادی کوشش ہے اس سے پہلے ''سہ ماہی الرشد'' نے علوم قراءات کے اوپر ایک بڑی جامع پیشکش کی تھی جو بڑی جاندار کوشش تھی جس کو اہل علم نے بہت سراہا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا ہے کہ وہ ''سہ ماہی العاصم'' کے اس علوم قراءات نمبر کو بھی اپنے ہاں قبول و منظور کرے اور ہمیں اسی طرح خدمت علوم قرآن وقراءات میں مصروف علم رکھے۔ آمین یاربّ العالمین

(مدیر)

فضائل قرآن

قاری محمد فیاض
مدرس جامعہ اہل حدیث لاہور
رکن العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

افضل ترین لوگ:

❁عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہُ. [البخاری]

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین مسلمان وہ ہے جو قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔‘‘

قرآن کا ایک حرف پڑھنے کا ثواب:

❁عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہُ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ بَلْ اَلِفٌ حَرْفٌ لَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ. [رواہ الترمذی والدارمی]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن مجید میں سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی دس گنا ملے گی میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے، یعنی جس نے الٓمّٓ پڑھا اسے تیس نیکیاں ملیں گی۔‘‘

تشریح: اللہ اکبر کیا خوب درجات ہیں۔ اس حدیث سے آپ شخص کے ثواب کا اندازہ لگائیں کہ جس نے پورا قرآن (قواعد تجوید کو مدنظر رکھ کر) پڑھا پورے قرآن میں تین لاکھ بائیس ہزار چھ سوستر (۳،۲۲،۶۷۰) حروف ہیں تو پورا قرآن پڑھنے کا ثواب

بتیس لاکھ چھبیس ہزار سات سو (۳۲،۲۶،۷۰۰) نیکیاں ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ قرآن کی وجہ سے اتنے درجات عطاء فرمائے گا۔

❁عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِالْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ۔ [رواہ الترمذی]

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کو قرآن مجید کی تلاوت نے میری یاد اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا۔ اس قرآن پڑھنے والے کو میں دعائیں مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں۔ اور اللہ کے کلام کی تمام کلاموں پر برتری ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر برتری حاصل ہے۔''

قرآن دلوں کا زنگ اُتارتا ہے:

❁وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا جِلَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ۔ [رواہ البیہقی فی شعب الایمان]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا اس زنگ کو صاف کرنے کی کیا ترکیب ہے فرمایا کثرت سے موت کو یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔''

قرآن مجید حفظ کرنا:

❁عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ

جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ. [رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث صحیح]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے سینے میں قرآن کریم کی کوئی سورت موجود نہیں وہ اجڑے ہوئے ویران گھر کی مانند ہے۔''

حافظ قرآن کی فضیلت:

❁عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَأْ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا. [رواہ احمد والترمذی وابوداؤد ونسائی]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھنے والے اور اس کی تلاوت کا معمول بنانے والے مسلمان سے قیامت کے دن کہا جائے گا پڑھ اور درجات میں بڑھتا جا۔ اور ترتیل کے ساتھ پڑھتا جا۔ جیسا کہ تو دنیا میں قرآن کو ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا آج ہر آیت کے ختم پر تمہارے لیے ترقی کی ایک منزل ہے۔''

حافظ قرآن کی سفارش:

❁عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ. [رواہ احمد وترمذی]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا پس دل کے ساتھ اس کے حلال اور حرام اور اس کے اوامر ونواھی کا لحاظ رکھا۔ اور زندگی بھر ایسا ہی مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کے خاندان کے دس آدمیوں کے بارے میں جو قطعی

جہنمی ہو چکے ہیں ان کے بارہ میں اس کی سفارش قبول ہوگی اور ان کو جنت میں داخل کرائے گا۔"

حافظ قرآن کے والدین کی شان:

● عَنْ مَعَاذِ الْجُهَنِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا. [رواہ احمد وابوداود]

"حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن پڑھا یعنی حفظ کیا اور اس پر عمل کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا روشن تاج پہنایا جائے گا جو سورج سے زیادہ روشن اور چمک دار ہوگا اگر وہ تمہارے دنیا والے گھر میں داخل ہو جائے تو (یہ تاج) اس سے بھی زیادہ روشن اور چمکیلا ہوگا۔ (سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ فضیلت والدین کی ہے تو حافظ قرآن کی کیا فضیلت ہوگی اور اس کا کیا ثواب ہوگا)۔"

حافظ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

● عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَاهَدُوْا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا. [متفق علیہ]

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلاوت کے ساتھ قرآن مجید کی حفاظت کیا کرو۔ (یعنی بار بار تلاوت کر کے یاد رکھا کرو) کیوں کہ قسم ہے اللہ رب العزت کی قرآن بھول جانے میں

مثل اس طرح سے ہے جیسے رسی میں جکڑے ہوئے اونٹ کی ہوتی ہے۔ کہ ذرا سی ڈھیلی ہوئی تو وہ بھاگ گیا۔ اسی طرح جہاں بے پرواہی سے کام لیا گیا اور تلاوت سے غفلت کی گئی تو وہ دماغ سے اترا اس لیے قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کرنی چاہیے۔"

قرآن پر عمل کرنا:

❁عَنْ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ إِنَّ اللہَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ اٰخَرِيْنَ. [رواہ مسلم]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (یعنی قرآن مجید) پر عمل کرنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے بہت سی قوموں کو سربلندی اور کامیابی عطا کرے گا اور بہت سی قومیں اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ذلت اور خواری میں مبتلا کر دی جائیں گی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی کیفیت:

❁عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ ؓ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِسْمِ اللهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ. [رواہ البخاری]

"حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کیسی ہوتی تھی آپ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھینچ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے بسم اللہ کو پڑھ کر بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ کو مد یعنی لمبا کر کے پڑھتے تھے۔ الرحمن کو اور پھر الرحیم کو اسی طرح یعنی مد کر کے پڑھتے۔"

اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو:

● عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا.
[رواہ الدارمی]

''حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہا انہوں نے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھو اپنی آوازوں کے ساتھ اس لیے کہ اچھی آواز قرآن میں خوبی پیدا کرتی ہے اور زیادتی کا سبب بنتی ہے۔''

● عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ. [متفق علیہ]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کسی آواز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ اس نبی کی آواز کو جو خوش آوازی سے قرآن کریم پڑھتا ہو۔''

● عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهٖ. (متفق علیہ)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو نہیں سنتا جیسا کہ نبی کی آواز کو سنتا ہے جب زور دار اور عمدہ آواز کے ساتھ قرآن پڑھے۔''

● وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ. (رواہ بخاری)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو قرآن کو خوبصورت لحن آواز سے تلاوت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مقدس اور محترم کتاب ہے۔ جو جن وانس کی ہدایت وراہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے۔اس کا پڑھنا پڑھانا باعث اجروثواب ہے اور اس پر عمل کرنا تقرب الی اللہ اور نجات اخروی کا ذریعہ ہے۔قرآن کا پڑھنا پڑھانا ہمارے لیے باعث اجروثواب اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی تلاوت اسی طرح کی جائے جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے اور یہ حق صرف اور صرف علم تجوید ہی سے حاصل ہوگا۔علم تجوید کا ثبوت قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ، اجماع امت، قیاس اور اقوال ائمہ رحمہم اللہ سے ملتا ہے۔

قرآن کریم سے علم تجوید کا ثبوت:

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾ [یوسف:۲]

’’ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔‘‘

دوسری جگہ عربی کی نوعیت بتائی ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو کس قسم کی عربی میں اُتارا ہے:

قُرْءَانًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِى عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ [الزمر:۲۸]

’’اور قرآن عربی ہے جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں تاکہ وہ ڈر مانیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم فصیح ترین عربی میں نازل کیا گیا ہے لہٰذا تم اس کو عربی ہی میں پڑھو اور نبی ﷺ اس کو عربی ہی میں پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ ابْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا. [مالک فی موطا والنسائی]

"حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قرآن کو عرب کے لب ولہجہ اور آوازوں میں پڑھو۔"

اس حدیث میں نبی ﷺ نے قرآن کو عرب کے لب ولہجہ میں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ قرآن عربی میں نازل کیا گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ قرآن کریم کو عرب کے لب ولہجہ میں پڑھنے کے بارے میں محقق علامہ جزری یہ فرماتے ہیں:

إِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ مُحَتَّمٌ
قَبْلَ الشُّرُوْعِ أَوَّلًا أَنْ يَعْلَمُوْا

"اس لیے ضروری ہے ان (قرآن پڑھنے والوں) پر قطعاً کہ (قرآن) شروع کرنے سے پہلے ابتداء میں جان لیں۔"

مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ
لِيَلْفِظُوْا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ

"حرفوں کے مخارج اور صفات کو تاکہ ادا کریں (قرآنی حرفوں کو) فصیح ترین زبان (یعنی عربی) میں، حروف فصیح ترین اس وقت ہوں گے جب انہیں مخارج اور صفات کا لحاظ کرکے ادا کیا جائے۔ اگر مخارج اور صفات کا لحاظ نہ کیا گیا تو حروف فصیح ادا نہ ہوں گے۔"

قرآن کریم کو صحیح پڑھنا ضروری ہے اور صحت کا معیار مخارج اور صفات ہیں اگر

حروف کو مخارج اور صفات کے ساتھ ادا نہ کیا گیا تو پھر کلام جانوروں کی مانند ہو جائے گا۔ کہ جانوروں کی آواز کے نہ مخارج ہیں اور نہ ہی صفات ہیں، مزید تاکید کے لیے اور بات کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور فرمائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ [القیامہ:۱۶تا۱۹]

''اے محمد ﷺ وحی کے پڑھنے کے لیے آپ اپنی زبان کو تیز تیز حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلد یاد کرلیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم وحی پڑھیں (تو آپ ﷺ اس کو سنا کریں اور) پھر اسی طرح آپ ﷺ پڑھیں۔ پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو یہ فرمایا کہ آپ ﷺ تیز نہ پڑھیں کیونکہ جب تیز پڑھیں گے تو تلاوت میں غلطیاں ہوں گی ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے گا جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ جس کے معنی ہیں آپ ﷺ کہہ دیں کہ تو اللہ ایک ہے اگر اسے کُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا جائے تو پھر معنی ہوں گے کھا تو اللہ ایک ہے۔ معاذ اللہ۔ ایک حرف کی تبدیلی سے یعنی قاف کی جگہ کاف پڑھ دینے سے آیت کے معنی بدل گئے اور مراد الٰہی کے خلاف معنی ہو گئے اسی طرح جلدی پڑھنے سے حرف میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے، جس سے معنی میں خرابی لازم آئے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اسے کس طرح پڑھا جائے؟ اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی اللہ ربّ العالمین نے قرآن میں بتلا دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''۔ [سورۃ المزمل:۴]

ایسے ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر

پڑھتے ہیں۔ [سورۃ الفرقان:۳۲]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر قواعد تجوید کے ساتھ نہایت لازم اور ضروری ہے۔ کیوں کہ جب قرآن کریم ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے گا۔ تو مذکورہ بالا غلطیاں نہ ہوں گی اور معنی مراد الٰہی کے خلاف نہ ہوں گے۔

لفظ "ترتیل" کی لغوی تحقیق:

ترتیل رَتَلَ سے ہے۔ جس کے معنی کشف و کشادگی کے ہیں چنانچہ کشادہ دانتوں والے کو عربی میں ثَغْرٌ اور رَتَلٌ کہتے ہیں۔ اس لیے مفسرین حضرات نے ترتیل کے معنی لکھے ہیں کہ "قرآن کریم کو ایسے اطمینان و تحقیق کے ساتھ پڑھا جائے کہ نہایت عمدہ ادا پر مشتمل ہو۔"

ترتیل کی اصطلاحی تحقیق:

ترتیل کے معنی علامہ جزری رحمہ اللہ نے "النشر" میں اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ شارح بخاری نے "لطائف الاشارات لفنون القراءات" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ بیان کیے ہیں هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ یعنی حروف کو ان کے مخارج سے جملہ صفات سے ادا کرنا اور وقفوں کی پہچان حاصل کرنا اس قول سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیل کے دو جزو ہیں۔ ① تجوید الحروف ② معرفت الوقوف۔

پھر تجوید الحروف کے بھی دو جزو ہیں ① مخارج الحروف ② صفات الحروف

یہ علم تجوید کے دو اہم رکن ہیں۔ اور انہی پر حرف کی صحت کا دارومدار ہے۔ مخارج اور صفات میں ہی غلطی ہونے سے تلاوت میں لحن واقع ہوتا ہے۔

اور لحن سے بچاؤ کا ذریعہ علم تجوید ہے جو علم الصرف کا ایک حصہ ہے۔ علم صرف کی تمام امہات الکتب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صفات اور مخارج کی بحث موجود ہے۔ نہ جانے بعض علماء علم تجوید کی کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ اور بعض تو نادانی کی

وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ علم تجوید کے بارہ میں نبی ﷺ کی کوئی روایت موجود ہی نہیں؟ سبحان اللہ! یہ کیسا سوال ہے۔ اگر ہم ان علماء سے یہ سوال کریں کہ یہ علم النحو، علم الصرف، اصول التفسیر، اصول الحدیث، ادب، منطق، فلسفہ اور علم معانی، علم بدیع وغیرہ جو آپ پڑھاتے ہیں، اس کی سند نبی ﷺ سے ثابت ہے؟ اس کا ثبوت ملتا ہے؟ کیا نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ علوم پڑھاتے تھے؟ اس وقت جو علماء کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔ الترتیل کے معنی مفسرین نے یہ بیان کیے ہیں۔ اِیْ جَوِّدْہُ تَجْوِیْدًا مفسرین کے اس قول سے علم تجوید ثابت ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ مفسرین نے علم تجوید کو مانا ہے۔ اور اس کو قبول کیا ہے۔

قرآن کریم کو ترتیل سے پڑھنے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ پڑھو تم قرآن کو نبی ﷺ کی قرآءت کے مثل یعنی ترتیل سے پڑھو۔ میں اگر ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھوں تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے مجھ کو اس سے کہ سارا قرآن کریم بغیر ترتیل کے پڑھوں۔ (فصل الخطاب فی فضل الکتاب)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کو ترتیل کے ساتھ ہی پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ

”وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس کتاب کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے اور ایمان لانے کا حق بھی یہی لوگ ادا کرتے ہیں۔“[البقرہ:۱۲۱]

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی حق ہے۔ اور اگر تلاوت کا حق ادا نہ ہوا تو ایمان کا حق بھی ادا نہ ہوگا۔ اب ایمان کا حق ادا کرنے کے لیے تلاوت کا حق ادا کرنا ہوگا۔ تلاوت کا حق کیسے اور کس طرح ادا ہوگا اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے

کہ یہ حق علم تجوید سے حاصل ہوگا اور تجوید کے قواعد کے مطابق کی گئی تلاوت سے ہی یہ حق ادا ہوگا۔ کیونکہ یہ علم النحو، علم الحدیث اور علم التفسیر کا موضوع نہیں کہ حروف کا حق کس طرح ادا کرنا ہے یہ صرف اور صرف علم تجوید کے ذریعے ہی معلوم ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ لغت میں ترتیل وضاحت سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور شرح میں قرآن کریم کی قراءت میں چند چیزیں ضروری ہیں تا کہ کمال ترتیل ہو۔

١...... ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکال کر صحیح طور پر ادا کرنا تا کہ بجائے ض کے ظ اور بجائے طا کے ت نہ پڑھی جائے۔

٢...... اوقاف کی خوب اچھی طرح سے رعایت کرنا تا کہ کلام کا وصل (جوڑ) اور فصل (توڑ) بے محل نہ ہو جائے اور کلام الٰہی کی صورت نہ بدل جائے۔

٣...... حرکات کو یعنی فتحہ (زبر) ضمہ (پیش) اور کسرہ (زیر) کو واضح کر کے پڑھنا تا کہ یہ حرکات ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہو جائیں۔

٤...... آواز کو کسی قدر بلند کرنا تا کہ قرآن کے الفاظ زبان سے کانوں پر پڑیں اور وہاں سے دل تک پہنچیں تا کہ ذوق وشوق اور خوف وامید کی کیفیتیں دل میں پیدا ہوں۔

٥...... خوش الحانی یعنی آواز کو خوبصورت اور دردمند کرنا تا کہ تاثیر جو مطلوب ہے جلد حاصل ہو جائے۔

٦...... شد اور مد کی رعایت رکھنی چاہیے کیونکہ شد اور مد کی رعایت سے کلام کی عظمت وجلالت ظاہر ہوتی ہے اور یہ بات تاثیر میں امداد واعانت کرتی ہے۔

٧...... اگر قرآن میں خوف کا مضمون ہو تو اس جگہ ٹھہر جائیں۔ اور (عذاب سے) اللہ کی پناہ طلب کریں۔ اور رغبت وطلب کا مضمون ہو تو وہاں بھی ٹھہر جائیں اور اللہ تعالیٰ سے

اس کے حصول کی دعا کریں۔

یہ ساتوں چیزیں صرف ایک ہی چیز کے لیے ہیں کہ وہی ایک چیز اصل مقصود ہے یعنی فہم وتدبر کہ اس کے بغیر ان سات چیزوں سے نہ تو (قاری کو) اپنے آپ کو اور نہ سامع (سننے والے) کو اس کا حصول ہوسکتا ہے۔

حدیث شریف سے علم التجوید کا ثبوت:

حدیث شریف میں آیا ہے:

❁عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يُقْرَأَ الْقُرْآنَ كَمَا أُنْزِلَ. [رواہ ابن خزیمہ]

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ربّ العالمین اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھا جائے جس طرح کہ وہ نازل کیا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے علامہ دانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جَوِّدُوا الْقُرْآنَ یعنی قرآن کو تجوید سے پڑھو۔''

دوسری روایت علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کی ہے۔

❁مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَآءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ.

''جو شخص قرآن کو اس خوبی کے ساتھ پڑھنا چاہے کہ جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن ام عبد کی قراءت پڑھے۔''

اس حدیث مبارکہ میں ابن ام عبد سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہیں جن کو تجوید وقرآءت سے بحر وافی ملا تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

● عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْرَاُوْا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا. [موطا، النسائی]

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو عرب کے لب ولہجہ اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔"

اس حدیث میں عربوں کے لب ولہجہ اور ان کی آوازوں میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ عرب وہ تھے جنہوں نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی طرح پڑھایا جس طرح انہوں نے جرائیل علیہ السلام سے حاصل کیا اور جرائیل علیہ السلام نے اس قرآن کو لوح محفوظ سے اور لوح محفوظ نے رب العالمین سے لیا۔

● عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَاْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا. [رواہ ابوداود، الترمذی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن قرآن کے حافظ اور ماہر کو کہا جائے گا کہ اب پڑھ اور اوپر چڑھ اور اسی طرح ترتیل سے پڑھ جس طرح کہ تو دنیا میں اطمینان اور سکون سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا تو تیرا اس جگہ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر تو آخری آیت پڑھے گا۔"

اس حدیث میں بھی ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی اگر دنیا میں قرآن ترتیل سے پڑھا ہوا ہوگا تو قیامت والے دن بھی ترتیل سے تجوید کے قواعد کے ساتھ تلاوت کر سکے گا۔ اگر تجوید و ترتیل کے ساتھ دنیا میں نہ پڑھا ہوگا تو قیامت والے

دن کس طرح پڑھے گا تو ترتیل سے ہی پڑھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے اور اگر آخرت میں بھی قرآن پڑھا جائے گا تو صرف ترتیل ہی سے پڑھا جائے گا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے اس سے بھی تجوید کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَعْرِبُوْا الْقُرْآنَ یعنی قرآن کریم کو خوب کھول کر اور صاف صاف پڑھو۔ (مشکوۃ)

اور اس سے بھی قرآن کو ترتیل سے پڑھنا ثابت ہوا۔ بعض علماء نے اپنی تصانیف میں "اعراب" کے معنی کیے ہیں قرآن کریم کو باحرکات اور با اعراب لکھنا اور یہ بات واضح رہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن کو باحرکات اور بااعراب لکھنا مرسوم نہ تھا سب سے پہلے قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف کے وقت میں لگائے گئے اور "اَعْرِبُوْا" سے نحوی اعراب یا قرآن کی حرکات یا اعراب مراد لینا غلط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ اصطلاحات نہیں تھیں۔ "اَعْرِبُوْا" سے مراد تبیین اور ترتیل ہے اسی طرح ''وحید اللغات'' میں روایت اَعْرَبُوْا اَحَادِیْثَنَا فِاِنَّا قَوْمٌ فَصَحآءُ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ہماری حدیثیں کھول کھول کر بیان کرو۔ ہم فصیح اور زبان دان لوگ ہیں اس روایت میں اعراب کے معنی نہ حرکات لگانا ہوسکتے اور نہ نحوی اعراب ہوسکتے ہیں۔ اور زیر بحث حدیث اَعْرِبُوْا الْقُرْآنَ کا ترجمہ اگر اس طرح کیا جائے کہ قرآن کے مطالب کو کھول کر بیان کرو یہ معنی ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ کھول کر پڑھنا تلفظ کے متعلق ہے اور مطالب بیان کرنا معانی کے متعلق ہے پس اس حدیث مبارکہ میں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔ ان میں منافات نہیں ہے۔ [تلخیص حلاوۃ الایمان، حضرت علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ترتیل کا کم تر درجہ یہ ہے کہ صاف صاف اور کھول کھول کر پڑھے اور جلدی نہ کرے۔ [سنن کبری للبیھقی ج:۲، ص:۵۲ باب کیف قراۃ

[فصل]

ائمہ فن سے علم التجوید کا ثبوت:

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ
مَنْ لَمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ

''اور حاصل کرنا تجوید کا واجب ہے ضروری ہے۔ جو تجوید کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے۔''

لِاَنَّهٗ بِهٖ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا
وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا

''کیوں کہ وہ قرآن اس تجوید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور اسی طرح (یعنی تجوید کے ساتھ) اس (اللہ تعالیٰ سے) ہم تک پہنچا ہے۔''

وَهُوَ اَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ
وَزِيْنَةُ الْاَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ

''اور وہ (علم تجوید) تلاوت کا زیور بھی ہے اور فن ادا اور علم قرآءت کے لیے زینت ہے۔''

وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا
مِنْ صِفَةٍ لَهَا وَ مُسْتَحَقَّهَا

''اور وہ (تجوید) دینا ہے حرفوں کو حق ان کا۔ یعنی صفت لازمہ ان کی اور مستحق ان کا۔''

نوٹ: مستحق سے مراد صفات عارضہ ہیں۔

ان اشعار میں علامہ جزری رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا

جائے اور جو قرآن کو تجوید کے ساتھ سے نہیں پڑھے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو تجوید کے ساتھ ہی نازل کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا لہٰذا ہم اس کو اسی واسطے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں اور پھر نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔ اور حدیث جو پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن کو اُسی طرح پڑھا جائے جس طرح کہ وہ نازل کیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات، احادیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کو قواعد وتجوید سے پڑھنا چاہیے۔ اور غلط پڑھنے والا گناہ گار ہے۔ کیونکہ اس نے قرآن وحدیث کی مخالفت کی ہے۔

علم تجوید کا اجماع امت سے ثبوت:

نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک قرآن کو صحیح اور قواعد تجوید کے مطابق پڑھنے پر پوری امت کا اجماع ہے اور کسی مسلک کے عالم نے قرآن غلط پڑھنے کا فتویٰ نہیں دیا اور صحیح پڑھنے کا معیار علم تجوید ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ يُحْسِنِ التَّجْوِيْدِ يَظْفَرْ بِالرُّشْدِ

”جو اچھی طرح تجوید میں ماہر ہو جاتا ہے وہ ہدایت پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔“

علم تجوید کا قیاس سے ثبوت:

علم تجوید کا قیاس سے بھی ثبوت ملتا ہے وہ اس طرح کہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو مکان عمدہ ہو۔ غذا صاف ستھری اور بہترین ہو پس جس طرح دنیاوی امور میں انسان کی طبیعت اچھی اور بہترین چیزوں اور ماحول کو پسند کرتی ہے اسی

طرح یہ لازمی امر ہے کہ قرآن کی تلاوت جو روحانی غذا ہے وہ بطریق اولیٰ عمدہ اور صاف ستھری ہونی چاہیے۔ جس کا معیار علم تجوید ہی ہے۔

نیز اس بات کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا ہے جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں نیز یاد رہے کہ قواعد تجوید کی مخالفت سے بعض اوقات عربی حرف عجمی حرف میں تبدیل ہوجاتا ہے جیسے دال تبدیل ہو کر ڈال یا حرکات مجہول یا ناقص ادا ہوجاتی ہیں اس وجہ سے قواعد تجوید کی رعایت لازمی امر ہے۔

تجوید کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن کریم کے علاوہ اور کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ مثلاً تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ ان کے علاوہ دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر، دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، دس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، پچاس حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر نازل کیے ہیں یہ تمام کتب اور مصاحف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو الواح کی شکل میں دیے تھے۔ یعنی اکٹھی ایک ہی مرتبہ تمام کتب اور صحیفے نازل فرمادیے مگر قرآن کے نزول کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق نازل کیا ہے اس لیے کہ تلاوت کا اہتمام صحیح طریقہ سے ہوسکے اور جب پہلی وحی نازل کی گئی تو اس میں "اِقْرَأْ" کا لفظ استعمال کیا۔ جبکہ اِنْسَخْ بھی کہہ سکتے تھے۔ اور اِحْفَظْ بھی کہہ سکتے تھے اور "اِفْهَمْ" بھی کہہ سکتے تھے۔ لیکن ان تمام الفاظ کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اِقْرَأْ کہا جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور یہ بتانا مقصود تھا کہ اس کتاب کی تلاوت اہم ہے قرآن حکیم نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کی تلقی سے حاصل کیا۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے قرآن حکیم لوح محفوظ سے حاصل کیا۔ (استاد کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کو تلقی کہتے ہیں)۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو امت کو

لاتعداد قرآن دے سکتے تھے۔لیکن اس میں تلاوت کا مسئلہ اہم تھا۔اس لیے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۝

[الاسراء:١٠٦]

''اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے تاکہ آپ ﷺ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔''

تاکہ ہر سیکھنے والا اس کی صحت کا خیال کر کے پڑھے۔اسی عظیم مقصد کے پیش نظر حضرت محمد ﷺ ہر ماہِ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے مکمل قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔تاکہ تلاوت کی صحت میں کسی قسم کی کم بیشی نہ رہ جائے۔اور جس سال آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔اس سال نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ رمضان میں دو مرتبہ دور کیا۔یعنی دو مرتبہ قرآن کریم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سنایا اور دو مرتبہ سنا۔یہ سننا اور سنانا علم تجوید کے عین مطابق تھا۔اور اسی قواعد تجوید کے مطابق آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔اس طرح آپ ﷺ نے بڑے بڑے متقن مجودین تیار کیے۔جن سے آپ ﷺ نے قرآن کریم پڑھنے کی تاکید فرمائی۔یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ عہد رسالت میں قرآن کریم کی صحیح تلاوت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔اور وہ اہتمام صرف علم تجوید کے مطابق قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ. (البخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن پڑھا کرو وہ یہ ہیں: ① عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ② سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، ③ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ④ ابی ابن

کعب رضی اللہ عنہ۔

ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت تھی۔ جو قرآن کے حافظ اور قاری تھے ان میں سے مشہور کے اسماء گرامی یہ ہیں:

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، عبد بن ذوالخارین رضی اللہ عنہ، ابوزید رضی اللہ عنہ، مسلمہ بن مخلد بن الصامت رضی اللہ عنہ، سعد بن عبید بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ، سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ، تمیم داری رضی اللہ عنہ وغیرھم۔

سلف میں علم تجوید پڑھانے کا اہتمام:

جیسا آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو یہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم علم تجوید کے ساتھ قرآن پڑھاتے۔ ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ کی جماعت نے تجوید کے ساتھ قرآن پڑھانے کا اہتمام کیا۔ جن میں سے ابوعبدالرحمن سلمی تابعی رحمہ اللہ کا واقعہ پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ کس طرح اس زمانے میں تجوید وقراءت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

ابوعبدالرحمن سلمی تابعی رحمہ اللہ جو امام عاصم رحمہ اللہ کے استاذ بھی ہیں نے حدیث عثمان رضی اللہ عنہ "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" سن کر فرمایا تھا کہ اس حدیث نے مجھ کو اس جگہ بٹھایا ہے۔ وہ جامع مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن سکھاتے تھے۔ حالانکہ بڑے عالم تھے۔ اور لوگوں کو ان کے علم کی حاجت تھی۔ چالیس سال قرآن کریم کی تعلیم دی حضرت

حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی انہی سے قرآن پڑھا تھا۔ سلف کسی شے کو قراءت قرآن کے برابر نہ جانتے تھے۔

جو لوگ قرآن کریم کو اس کی صحت لفظی کا خیال نہ رکھتے ہوئے قواعد تجوید کے مطابق اس کی تلاوت کا صحیح حق ادا نہیں کرتے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مصداق ہیں جو امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں نقل کیا ہے۔ رُبَّ قَارِیٍ لِّلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُهُ یعنی بہت سے قرآن کریم پڑھنے والے ایسا قرآن پڑھتے ہیں کہ قرآن ان کے غلط پڑھنے کی وجہ سے ان پر لعنت کرتا ہے اس لعنت سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھا جائے جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے اور یہ حق صرف اور صرف علم تجوید سے حاصل ہوتا ہے۔

نیز قرآن کریم کو غلط پڑھنے والے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے والے اور کلمات کو گھٹانے بڑھانے والے تھوڑا سا تفکر اور غور کریں کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق تو نہیں ہو رہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝ (البقرہ:۵۹)

''تو جو ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا تھا۔ بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا۔ پس ہم نے (ان) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانیاں کیے جاتے تھے۔''

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ کہ تم دروازے میں سجدے کی حالت میں داخل ہو اور حِطَّةٌ کہو مگر انہوں نے حِطَّةٌ کو بدل کر حِنْطَةٌ کہا حِطَّةٌ کا معنی ہے معاف کر دے ہمیں اور حِنْطَةٌ کا معنی گندم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قول کو بدل دیا۔ قرآن کے اس بیان کردہ واقعہ کو

پڑھنے کے بعد جب ہم اپنے یہاں بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں جو قرآن غلط پڑھتے ہیں اور اللہ تعالی کے قول میں اس طرح تبدیلی کرتے ہیں جیسے: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ کو كَالَ رَسُوْلُ اللهِ یا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو کُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہیں قال رسول اللہ ﷺ کا معنی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کہ کال رسول اللہ ﷺ پڑھنے کا مطلب ہے کہ ماپا رسول اللہ ﷺ نے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا معنی ہے کہو اللہ ایک ہے جب کہ کُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا معنی ہے کھا اللہ ایک ہے ظاہر ہے کہ جب انسان اس طرح پڑھے گا تو معنی مراد الٰہی کے خلاف ہو جائیں گے جب معنی مراد الٰہی کے خلاف ہو جائیں گے تو بجائے ثواب کے اللہ تعالی کے عتاب اور ناراضگی کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا تلاوت اسی طرح کرنی چاہیے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائی ہے اور آپ ﷺ کی تلاوت ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ سُئِلَ اَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَاَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ. [البخاری]

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرآءت کیسی ہوتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کھینچ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ کو پڑھ کر جتلایا کہ آپ بِسْمِ اللّٰهِ کو مد یعنی لمبا کر کے پڑھتے تھے۔ پھر الرَّحْمٰنِ کو پھر الرَّحِيْمِ کو اسی طرح کھینچ کر پڑھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے تلامذہ کو اسی طرح پڑھاتے تھے۔''

موسیٰ ابن یزید الکندی رحمہ اللہ نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو قرآن پڑھا رہے

تھے۔ اس آدمی نے پڑھا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ یعنی لِلْفُقَرَآءِ پر مد نہیں کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا۔ اس شخص نے پوچھا آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے پڑھایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ پڑھا اور لِلْفُقَرَآءِ پر مد کیا۔ اس حدیث کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الدر المنثور" میں نقل کیا ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کو سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اور الطبر انی نے اور ابن مردویہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ پس یہ جس قدر بھی مضمون بیان کیا گیا اس میں آپ حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآءت کو بھی ملاحظہ فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآءت کو بھی ملاحظہ فرمایا کہ وہ کس طرح قرآن حکیم کو قواعد تجوید کے ساتھ پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن کریم اسی طرح قواعد تجوید کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھایا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین رحمہم اللہ کو پڑھایا اور تابعین رحمہم اللہ نے تبع تابعین رحمہم اللہ کو پڑھایا اور اسی طرح یہ سلسلہ درسلسلہ چلتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔

مبادیاتِ تجوید

قاری شاہد محمود عاصم

تجوید:

تجوید کا لغوی معنی عمدہ کرنا، اچھا کرنا۔

تجوید کی تعریف:

مجودین کی اصطلاح میں ہر حرف کو اس کے مخارج سے مع جمیع صفات کے بغیر تکلف کے ادا کرنا تجوید کہلاتا ہے۔

کسی علم کی تعریف کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

ہر علم شروع کرنے سے پہلے اس کی تعریف کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر علم کی تعریف معلوم نہ ہوگی تو بحث فی المجہول لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے۔

تجوید کا موضوع:

تجوید کا موضوع حروف تہجی ہیں۔

موضوع کی تعریف:

جس شے کے حالات ذاتیہ سے کسی فن میں بحث کی جائے اس شے کو اس فن کا موضوع کہتے ہیں۔

موضوع کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے جاننے سے علم ممتاز ہو جاتا ہے اور

موضوع پر ہی کسی علم کے اشرف یا ادنیٰ ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔

تجوید کی غرض وغایت:

تجوید کی غرض وغایت تصحیح حروف ہے۔

غرض کی تعریف:

کسی کام کو کرنے کے بعد جو نتیجہ مترتب ہوتا ہے اس کو غرض کہتے ہیں۔

غرض وغایت کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

غرض وغایت کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ اگر کسی علم کی غرض وغایت معلوم نہ ہو تو تین عبثوں میں سے کوئی ایک عبث لازم آتا ہے۔① عبث نفسی ② عبث عقلی ③ عبث عرفی۔

١ ...... عبث نفسی: وہ ہوتا ہے جس میں کسی لحاظ سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسے کسی انسان نے جانا پشاور ہو مگر وہ کراچی جانے والی گاڑی پر سوار ہو جائے۔

٢ ...... عبث عقلی: وہ ہوتا ہے جس میں عقلی طور پر کوئی فائدہ نہ ہو جیسے انسان گھر سے قرآن وحدیث پڑھنے جائے اور اس کی بجائے کوئی اور دنیاوی فوائد کا علم سیکھ لے۔

٣ ...... عبث عرفی: وہ ہوتا ہے جس میں عرف عام کے لحاظ سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسے کوئی عالم فاضل بازار کی صفائی کرے۔

تجوید کا فائدہ:

حصول رضائے الٰہی ہے۔

حکم:

اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر عمل کرنا فرض عین ہے۔

جیسا کہ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ بِهٖ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَالْعَمَلُ بِهٖ فَرْضُ عَيْنٍ.

تجوید کا مرتبہ:

اس علم کا مرتبہ یہ ہے کہ یہ علم اشرف ترین علوم میں سے ہے کیونکہ اس کا تعلق قرآن مجید سے ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کے طریقے

قرآن کریم کی تلاوت کے تین طریقے ہیں:

① ترتیل:

ترتیل سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ مخارج اور صفات کا لحاظ رکھ کر پڑھنا جسے اساتذہ مشق کہتے ہیں اور یہ عام طور پر محافل اور جلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔

② حدر:

حدر سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے تیز پڑھنا جیسے نماز تراویح میں پڑھا جاتا ہے۔

③ تدویر:

تدویر سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو درمیانی کیفیت سے پڑھنا یعنی نہ زیادہ جلدی سے پڑھنا نہ زیادہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا یعنی یہ حدر و ترتیل کے درمیان کی حالت ہے جیسے نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

نوٹ:

تجوید کی تعریف میں یہ جو کہا گیا ہے کہ حروف کو بغیر تکلف کے ادا کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ تجوید میں تکلفات کو کوئی دخل نہیں تکلفات سے مراد یہ ہے کہ وہ حروف جن کا تعلق

خیشوم کے ساتھ نہیں ان کی آواز خیشوم میں لے جانا زائد از ضرورت ہونٹوں کا حرکت کرنا یا منہ ٹیڑھا ہونا یا چہرہ سے گرانی یا پریشانی کا ظاہر ہونا جلد جلد پلکوں کا بند ہونا یا ناک کا پھولنا یا پیشانی پر شکن پڑنا وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ ان سب تکلفات اور تصنع سے اجتناب کرتے ہوئے مکمل طور پر لطافت کے ساتھ حروف کی ادائیگی ہونا ضروری ہے علامہ جزری رحمہ اللہ نے ''مقدمہ'' میں اس کی جانب ایسے اشارہ فرمایا ہے۔

مُكَمِّلًا مِنْ غَيْرِ مَاتَكَلُّفِ.

بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

اس حال میں کہ (وہ قاری) حروف کو کامل ادا کرنے والا ہو بغیر کسی تکلف کے، ادا میں عمدگی کے ساتھ بغیر بے راہ ہونے کے یعنی کمی اور زیادتی کے۔

لحن کا بیان

لحن کے لغوی معنی:

لحن کے معنی غلطی کے ہیں۔

لحن کے اصلاحی معنی:

حروف کو قواعد تجوید کے خلاف اور غلط پڑھنے کو لحن کہتے ہیں۔

لحن کی اقسام:

لحن کی درج ذیل دو قسمیں ہیں:

① لحن جلی ② لحن خفی

① لحن جلی:

حروف کے مخارج اور صفات لازمہ اور حرکات وسکنات میں غلطی کرنا لحن جلی ہے۔

لحن جلی کی اقسام:

لحن جلی کی درج ذیل آٹھ قسمیں ہیں:

١......ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا جیسے: عَلِیْمٌ کی جگہ اَلِیْمٌ یا اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْهَمْدُ پڑھنا۔

٢......کسی حرف کو اس کے اصل سے گھٹا کر پڑھنا جیسے: کَانَا کی جگہ کَانَ اور اِهْبِطُوْا کی جگہ اِهْبِطْ پڑھنا

٣......کسی حرف کو اس کے اصل سے بڑھا کر پڑھنا جیسے: اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْحَمْدُوْ اور لِلّٰهِ کی جگہ لِلّٰهِیْ پڑھنا

٤......ساکن کی جگہ متحرک پڑھنا جیسے: اِهْدِنَا کی جگہ اِهَدِنَا یا اَبْصَارِنَا کی جگہ اَبَصَارِنَا پڑھنا

٥......متحرک کی جگہ ساکن پڑھنا جیسے: عَجَبًا کی جگہ عَجْبًا پڑھنا

٦......ایک حرکت کی جگہ دوسری حرکت پڑھنا جیسے: اَنْعَمْتَ کی جگہ اَنْعَمْتُ پڑھنا

٧......مشدد کی جگہ مخفف پڑھنا جیسے: لَغَفَّارٌ کی جگہ لَغَفَارٌ پڑھنا یا حَتّٰی کی جگہ حَتٰی پڑھنا

٨......مخفف کی جگہ مشدد پڑھنا جیسے: فَطَرَنَا کی جگہ فَطَّرَنَا یا تَزَكّٰی کی جگہ تَزَّكّٰی پڑھنا

لحن جلی کا حکم:

لحن جلی کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ کیونکہ ایسی غلطی سے بعض جگہ معنی مراد الٰہی کے خلاف ہوجاتے ہیں۔

② لحن خفی:

صفات عارضہ میں ہونے والی غلطی کو لحن خفی کہتے ہیں جیسے غنہ کی جگہ غنہ نہ کرنا۔ زبر

یا پیش والی را کو پُر پڑھنے کی بجائے باریک پڑھنا یا لفظ اللہ سے پہلے اگر زیر ہو تو باریک پڑھنا چاہیے مگر اس کو پُر پڑھ دینا۔

لحن خفی کا حکم:

یہ غلطیاں مکروہ ہیں یعنی تلاوت کی خوبصورتی کو متاثر کرتی ہیں۔

نوٹ:

اکثر دیکھا گیا ہے کہ طالب علم تجوید پڑھتے ہوئے جن اغلاط و لحن وغیرہ پر استاذ کی نشاندہی کرنے سے قابو پالیتے ہیں بعد از فراغت علم نیز مشق سے دوری کی وجہ سے دوبارہ لحن جلی و لحن خفی کے مرتکب ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ ان کے لیے ضروری تاکید ہے کہ وہ بعد از فراغت بھی اس بات کا اہتمام کریں کہ دوران تلاوت ہمیشہ لحن جلی و لحن خفی سے اپنی تلاوت کو پاک رکھیں۔

خصوصاً ان طلباء کو اس مرض میں بہت مبتلا دیکھا گیا ہے جو تجوید پڑھنے کے بعد درس نظامی پڑھتے ہیں اور علم تجوید سے دور ہونے کی بنا پر اغلاط کی درستگی کا اہتمام نہیں کرتے ہیں۔

یہاں ہم کچھ قرآنی کلمات کو نقل کر رہے ہیں کہ جن میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے سے معانی میں کس قدر تبدیلی آجاتی ہے۔

صحیح لفظ اور اس کے معنی		تبدیل شدہ لفظ اور اس کے معنی	
قُلْ	کہو	کُلْ	کھاؤ
صَيْفٌ	گرمی	سَيْفٌ	تلوار
عَجَلٌ	جلدی کرنا	أَجَلٌ	وقت مقرر یعنی موت
آلا	خبردار	عَلٰی	اوپر

سَاحِرَةٌ	جادوگر	سَاهِرَةٌ	میدان
عَقْرَبٌ	بچھو	أَقْرَبُ	قریبی
مَسْطُوْرٌ	مسطور یا سطریں	مَسْتُوْرٌ	پوشیدہ
آكِلٌ	کھانے والا	عَاقِلٌ	عقلمند
آتَوْا	آئے	عَتَوْا	سرکشی
فَارِحِيْنَ	خوش مسرور	فَارِهِيْنَ	تکلیف اٹھانے والے
قَالُوْا	کہتے ہیں	كَالُوْا	ناپتے ہیں
قَيْدًا	پابندی	كَيْدًا	مکروفریب
حِجَارَةٌ	پتھر کی کنکریاں	هِجَارَةٌ	چھوڑنا
تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے ہو	تَأْلَمُوْنَ	تم کو تکلیف پہنچی
ظِلًّا ظَلِيْلًا	سایہ در سایہ	ذِلًّا ذَلِيْلًا	ذلت در ذلت
أَكْبَرُهُ	وہ بہت بڑا ہے	أَقْبَرَهُ	اس کی قبر
مَحْذُوْرًا	ڈرنا	مَحْظُوْرًا	رکاوٹ
إِثْمٌ	گناہ	إِسْمٌ	ناکام
مَنْصُوْرًا	مدد کرنا	مَنْثُوْرًا	ریت پراگندہ
أَبْقٰى	باقی رہنا	أَبْكٰى	رونا
مُشْرِقِيْنَ	صبح کے قریب کا وقت	مُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والا
نَسَبًا	برادری (کنبہ)	نَصَبًا	رنج پہنچنا
مُصْبِحِيْنَ	صبح کرنے والے	مُسَبِّحِيْنَ	تسبیح کرنے والے

رَقِيْبٌ	منتظر ہونا	رَكِيْبٌ	سوار ہونا
قُرْبَةٌ	نزدیک	كُرْبَةٌ	تکلیف ہونا
اَحَلَّ	حلال قرار دینا، احرام کھولنا	اَهَلَّ	چاند طلوع ہونا، تلبیہ کہنا
عَسِيْرٌ	مشکل	اَسِيْرٌ	قیدی
طِيْنٌ	مٹی	تِيْنٌ	انجیر کا درخت
اَنْحَرَ	قربانی کرنا	اَنْهَرَ	نہر یا دریا
عَسٰى	امید کرنا	عَطٰى	نافرمانی
اَلِيْمٌ	تکلیف	عَلِيْمٌ	جاننے والا
عَمِيْنَ	اندھے	اَمِيْنَ	دیانتدار
قَلْبٌ	دل	كَلْبٌ	کتا
ثَبْتٌ	ثابت ہونا (محکم مضبوط)	سَبْتٌ	ہفتہ کا دن
كَيْفَ حَالُكَ	کیا حال ہے تیرا	كَيْفَ هَالَكَ	کیسے گھبرایا تو
قَصْرٌ	محل	كَسر	توڑنا
مُنْظَرِيْنَ	ڈھیل دیے جانا	مُنْذَرِيْنَ	ڈرائے گئے

ہماری روزمرہ کی اُردو زبان میں بھی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن میں حرکات کے تبدیل کرنے سے مفہوم بدل جاتا ہے۔ ذیل میں دلچسپی طبع کے لیے ہم جدول کی صورت میں کچھ حروف اور ان کا مطلب دے رہے ہیں یہ الفاظ ہم نے اُردو کی لغت سے اکٹھے کیے ہیں:

إِعْرَاب	بمعنی زیر زبر پیش	اَعْرَاب	عرب کی جمع، دیہاتی عرب

اِفہام	بمعنی سمجھانا	اَفہام	فہم کی جمع
بَبَر	بمعنی ببر شیر	بَبْر	بمعنی گھاس
پِٹنا	بمعنی مار کھانا	پَٹنا	بمعنی کثرت ہونا
تُرک	ترکی کا رہنے والا	تَرک	چھوڑنا، درگزر کرنا
جِتنا	بمعنی جس قدر، جو کچھ	جُتنا	بیلوں کا ہل یا گاڑی میں لگنا
حُب	بمعنی محبت	حَب	بمعنی گولی
خُرد	بمعنی کم عمر، چھوٹا	خِرد	عقل، دانائی
دُرّہ	بمعنی کوڑا	دَرّہ	دو پہاڑوں کے بیچ راستہ
رَحم	بمعنی مہربانی، بخشش	رِحم	بمعنی بچہ دانی
سَتّار	پردہ پوشی	سِتار	ایک باجے کا نام
طُور	ایک پہاڑ کا نام	طَور	رنگ ڈھنگ، چال چلن
عَلَم	بمعنی جھنڈا	عِلم	جاننا، دانائی، آگاہی
قَسم	بمعنی حلف، عہد	قِسم	نوع، وضع، ڈھنگ طرح
کَرم	بمعنی عنایت، سخاوت	کِرم	بمعنی کیڑا
لِٹانا	بمعنی چت لٹانا	لُٹانا	بانٹ دینا، ضائع کرنا، برباد کرنا
مِثل	بمعنی مانند، مشابہ	مَثل	بمعنی کہاوت
وَتر	وہ خط جو دائرے کے کسی حصہ کو گھیرے	وِتر	عشاء کی فرض نماز کے بعد پڑھی جانے والی نماز

تجوید ایک علم یا فن

قاری عظیم اختر صاحب
رکن العاصم لجنة المحققین للدراسات العلوم الاسلامیة

اکثر سوال یہ ہوتا ہے کہ تجوید ''علم'' ہے یا ''فن'' ہے حقیقت یہ ہے کہ پہلی منزل میں یہ ایک مکمل علم ہے اور دوسری منزل میں اس علم کی پختگی کے بعد یہ فن کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے صرف نظری یا کتابی علم سے زیادہ یہ ایک عملی علم ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص کتابوں کو پڑھ کر ہی اس علم کو حاصل نہیں کرسکتا۔''

''بولنا'' یعنی گفتگو کرنا انسان کی وہ صفت ہے جو اسے تمام دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے اور اسی لیے یہ حیوان ناطق کہلاتا ہے۔

کسی خبر یا احساس کے اظہار کے لیے کئی طریقے ہوسکتے ہیں، مثلاً آنکھوں یا چہرے کی کیفیات کے ذریعے یا پھر کسی مخصوص آواز کے ذریعہ اور ان سے آگے بڑھ کر تحریر کے ذریعہ اپنے احساسات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چہرے، آنکھوں اور کچھ مخصوص آوازوں سے تو جانور بھی یہ کام لے لیتے ہیں مگر ایک خیال یا ایک بات کے اظہار کے لیے فصاحت اور بلاغت کا استعمال صرف انسان ہی کرسکتا ہے۔ کلام کرنا یا نطق کی بنیاد انہی الفاظ کی ادائیگی پر منحصر ہے اور تحریر ان ہی آوازوں کا قلمی پیکر ہے۔

انسان کی اسی قوت گویائی یا نطق نے آوازوں کے تال میل سے اَن گنت زبانوں کو جنم دیا ہے۔ جن میں بڑے بڑے اہلِ علم، ادیب، شاعر اور فلسفی اپنے جوہر دکھاتے ہیں۔ الفاظ کی باریکیاں، خیالات کی ندرت اور مفہوم کی پیچیدگیاں بیان کی جاتی ہیں اور مطلب ادا کیے جاتے ہیں۔

بناوٹ کے اعتبار سے جس طرح کسی ہوا والے ساز سے ہوا کے نکلنے اور مختلف

سروں کے ذریعہ اس سے پیدا شدہ آواز میں فرق کیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح پھیپھڑوں سے نکلنے والی ہوا کو حلق، زبان، تالو، دانت اور ہونٹوں کی مدد سے مختلف شکلوں میں بدل دیا جاتا ہے جو صوتی اعتبار سے آپس میں مختلف ہوجاتے ہیں۔ ہوا کا کچھ حصہ ناک کی طرف چلا جاتا ہے جسے خیشوم کہتے ہیں بعض الفاظ اس سے بھی متاثر ہوتے ہیں مثلاً غنہ۔

تجوید کا تعلق ان ہی الفاظ کی ادائیگی سے ہے۔ عربی زبان اپنی فصاحت اور بلاغت کے لیے مشہور ہے ادائیگی لفظ یا مخارج کے ذرا سے فرق سے معنی بدل جاتے ہیں۔ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا ہے، اہل عرب کے لیے اس کا صحیح پڑھنا زیادہ دشوار نہ تھا۔ مگر جب اسلام عرب سے نکل کر عرب سے بہت دور دراز علاقوں اور قوموں تک پہنچا جہاں کے لوگ عربی سے ناواقف تھے تو شروع کے دور میں ہی یہ محسوس کرلیا گیا کہ اس کا کوئی بندوبست ہونا چاہیے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کی تدوین ہوئی۔ حجاج بن یوسف کے دور میں اس پر اعراب لگائے گئے۔ دراصل یہ اس بات کی کوشش تھی کہ کلام اللہ صحیح پڑھا جاسکے۔

تجوید کے بنیادی اصولوں کے بارے میں خود آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمادی تھی مثلاً سبعہ قرآت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ساتوں طریقے صحیح ہیں اور کلام پاک ایسے ہی نازل ہوا ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ کلام پاک آخری آسمانی کتاب ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوگی۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴿۹﴾ بے شک ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں عہد ماضی میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ آسمانی کتابوں کا حشر حضرت انسان نے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنے ہادیوں کے دنیا سے پردہ

کرتے ہی ان میں تحریف وترمیم کر ڈالی جس کے نتیجے میں یہ پہچاننا مشکل ہوگیا کہ اس میں اصل نازل شدہ کلام کیا ہے اور ترمیم شدہ کیا۔

مگر جب قرآن کا بھیجنے والا خود اس بات کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا دار الاسباب ہے اور خالق کائنات عام طور پر اپنی سنت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے اپنے اس آخری پیغام کی حفاظت کے لیے دنیاوی اسباب پیدا فرمادیے اور اس کی حفاظت کے لیے چار پہرہ دار مقرر کردیے۔

پہلا محافظ، حافظ، ہے جو اسے اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ ساری دنیا میں قرآن کے حافظ ملتے ہیں اور بعض تو اتنی چھوٹی عمروں میں قرآن حفظ کر لیتے ہیں کہ دیکھنے والے عش عش کرتے ہیں۔

دوسرا محافظ، عالم دین، ہے جو اس حکم خداوندی کے ہر ہر آیت بلکہ آیات کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کی باریکیاں اور شانِ نزول بیان کرتا ہے۔

تیسرا محافظ، کاتب، ہے جو ایک ایک حرف کی نوک پلک ٹھیک کرنے اور طغروں کے ذریعہ انہیں دیدہ زیب بنانے میں مصروف ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نزول قرآن سے قبل طغروں کے فن کی ترقی نہیں ہوئی تھی۔

اور چوتھا محافظ جس کا تذکرہ ہم اس مقالے میں کریں گے وہ، قاری، یا مجود، ہے جو اس بات کا ذمہ دار ہے کہ کلام پاک کی آیت کس طرح پڑھی جائے گی۔ کہاں رکا جائے گا، کہاں نہیں رکا جائے گا، کس لفظ کو نرمی کے ساتھ ادا کریں گے اور کس میں سختی ہوگی وغیرہ۔

اور اس طرح اب سے چودہ سو سال قبل ہی یہ فن ایک باقاعدہ علم کی حیثیت سے وجود میں آچکا تھا۔ ہادی برحق خاتم النبیین ﷺ کے وصال سے ۵۰ سال بعد سے ہی

ہم کو اس فن پر کتابیں ملتی ہیں اور جو مسلسل لکھی جاتی رہی ہیں۔ دیگر علوم کی طرح اس کے بھی ائمہ گزرے ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے راوی بھی ہوئے ہیں۔ ائمہ کی تعداد ۱۰، اور راویوں کی تعداد بیس ہے۔ ان دس ائمہ کو آئمہ قراءات عشرہ کہا جاتا ہے یہ قراءات رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں۔ ان دس ائمہ کے بعد چار ائمہ کی چار مزید قرأتیں اور بھی ہیں اور ان کے بھی دو دو راوی ہیں۔ یہ باقی ماندہ چار قرأتیں صرف ان طلباء کو سکھائی جاتی ہیں جو اس سے پہلے دس قرأت (عشرہ قرأت) سیکھ چکے ہوں۔ یہ چار قرأت شاذہ کہلاتی ہیں جن کو عوام کے سامنے پڑھنے کی ممانعت ہے۔

عام طور پر ہمارے برصغیر پاک و ہند میں کلام پاک امام عاصم کوفی رحمہ اللہ کے شاگرد جناب حفص رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق پڑھا جاتا ہے۔ اکثر دینی مدارس میں جو قراءات کی نصابی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں شاطبیہ سبع قراءات یعنی سات ائمہ کی قراءات سے متعلق ہے جو ایک نابینا قاری امام شاطبی (۵۹۰ھ) رحمہ اللہ نے تحریر کی یہ کتاب عربی زبان میں اشعار میں ہے اور علم قراءات میں انتہائی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ تقریباً آٹھ سو چالیس سال قبل لکھی گئی تھی۔

شاطبیہ کے عربی اشعار کافی مشکل اور ادبی فن کا شاہکار ہیں بعد میں اس کی تشریح وتوضیح میں عربی، فارسی اور اُردو میں اس کی شروحات لکھی گئی ہیں۔ تین قراء یعنی قراءات ثلاثہ پر امام جزری رحمہ اللہ (۸۳۳ھ) کی الدرہ ہے یہ بھی شاطبیہ کی طرز کے ہی اشعار ہیں اس کی بھی عربی، فارسی اور اُردو میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں۔ امام جزری رحمہ اللہ نے ہی تجوید سے متعلق ایک عربی قصیدہ المقدمۃ الجزریہ تحریر کیا ہے جو دنیا کے تمام ممالک کے تجوید پڑھنے والوں کے لیے بنیادی کتاب ہے۔ اردو میں برصغیر پاک و ہند میں قاری عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ (۱۳۴۹ھ) کی فوائد مکیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (۱۳۶۲ھ) کی جمال القرآن مشہور ومعروف ہیں۔

اکثر سوال یہ ہوتا ہے کہ تجوید علم ہے یا فن، حقیقت یہ ہے کہ پہلی منزل میں یہ ایک مکمل علم اور دوسری منزل میں اس علم کی پختگی کے بعد یہ فن کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے صرف نظری یا کتابی علم سے زیادہ یہ ایک عملی علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص کتابوں کو پڑھ کر ہی اس علم کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی ماہر فن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرے اور مشق کے ذریعہ اس کے اصولوں، محاسن اور باریکیوں کو حاصل کرے۔

بنیادی طور پر یہ علم حروف کے مخارج اور ان کی صفات پر روشنی ڈالتا ہے لیکن اس کی مختصر تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''جملہ حروف کو ان کے صحیح مخارج سے معہ جمیع صفات کے ادا کرنا۔''

ائمہ تجوید نے عربی میں استعمال ہونے والے انتیس حروف کے سترہ مخارج بتائے ہیں یہ مخارج حلق کے نچلے حصے سے شروع ہوکر ہونٹوں پر ختم ہوتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ موڈرن لسانیات کے ماہرین بھی صوتیات سے بحث کرتے ہیں۔ یہ علم صوتیات گزشتہ پچاس، ساٹھ برسوں میں سامنے آیا ہے۔ عصری علم صوتیات کسی بھی زبان میں پائی جانے والی آوازوں سے بحث کرتا ہے۔ ان کے یہاں مخارج کی گنتی ہونٹوں سے شروع ہوکر حلق پر ختم ہوتی ہے۔ یہ بھی حروف کے دو گروپ بناتے ہیں۔ یعنی ایک وہ جو حلق سے لے کر منہ کے اندر اور ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو خیشوم یعنی ناک کی طرف سے ادا ہوتے ہیں۔

یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ علم تجوید چودہ سو سال سے موجود ہے اور باقاعدہ طور پر پڑھایا بھی جاتا رہا ہے، لیکن مغرب والوں نے اس طرف توجہ نہیں دی اور نہ اپنی کسی موجودہ کتاب میں اس کا کوئی حوالہ دیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ جس طرح دوسرے اسلامی علوم پر پردہ ڈال کر مغرب نے ان علوم کو مشکوک کیا ہے وہ اسے بھی قابل ذکر نہ سمجھتے

ہوں جیسے کہ انہوں نے رسم یعنی کتابت قرآن کے علم اور جمع وتدوین قرآن کا علم حتیٰ کہ خود قرآن کے متن کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی اپنی سی ناکام کوشش کی ہے۔

ایک بنیادی فرق فن تجوید میں جسے ہم قرآنی صوتیات کا علم کہہ سکتے ہیں اور جدید علم صوتیات میں یہ ہے کہ فن تجوید کا سیکھنے اور سکھانے والا اسے پوری توجہ سے ایک فریضہ سمجھ کر سیکھتا اور سیکھاتا ہے۔ جب کہ جدید علم صوتیات کا علم اسے بس ایک علم سمجھ کر سیکھتا ہے۔علم تجوید مذہبی علم کا درجہ رکھتا ہے کہ علم صوتیات صرف ایک علم کا۔

مخارج کے بعد حروف کی صفات آتی ہیں۔ قراء کے نزدیک صفات دو طرح کی ہوتی ہیں پہلی لازمہ یعنی وہ صفات جو کسی بھی حالت میں حروف سے جدا نہیں ہوتیں اور اگر انہیں جدا کر دیا جائے تو وہ حروف بگڑ جائے گا۔ مثلاً ''خ'' کی صفت جہر کو بجائے سختی کے نرمی سے ادا کیا جائے تو یہ ''کھ'' ہو کر رہ جائے گا۔

صفات لازمہ کل ۱۷ ہیں جن میں ۱۰ متضادہ ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی ضد۔ مثلاً نرمی اور سختی۔ جو صفت ہمس اور صفت جہر میں پائی جاتی ہیں۔ باقی ۷ صفات غیر متضادہ ہیں یعنی اُن کی ضد نہیں۔ کوئی حرف بھی صفات لازمہ (متضادہ) سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بعض میں تو ایک ساتھ کئی کئی صفات بھی ملتی ہیں۔ ان صفات کے ترک کرنے سے حرف کی آواز میں فرق آتا ہے جس سے وہ دوسرے کسی عربی حرف میں یا غیر عربی حرف میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات معنی تک بدل جاتے ہیں اور قصداً اگر اس طرح کیا جائے تو کفر تک کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ان صفات کا ادا کرنا ائمہ قرأت کے نزدیک انتہائی ضروری ہے۔ اسی غلطی کو لحن جلی کہتے ہیں اور لحن جلی کے ساتھ کلام پاک پڑھنا حرام ہے جن لوگوں سے یہ مخارج ادا نہ ہو سکیں اُن کو سیکھنے اور مشق کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ عملاً چھوڑ دینا گناہ ہے۔

صفات غیر متضادہ کا بھی یہی حکم ہے، مگر یہ صفات بعض حروف میں ملتی ہیں اور بعض

میں نہیں ملتیں۔

صفات لازمہ کے علاوہ صفات محسنہ بھی ہیں ان کا لحاظ آٹھ حروف میں رکھنا ضروری ہے جن کا مجموعہ ل، ر،م، ن، ا، و،ی، ر ہے۔ ان صفات کی ادائیگی سے الفاظ میں حسن بھی پیدا ہوجاتا ہے اور اصول کی پابندی بھی۔

صفات کے بعد مسئلہ وقف آتا ہے۔ کہاں رکا جائے اور کہاں نہ رکا جائے۔ ذرا سی تبدیلی سے معنی کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ''رکو، مت جاؤ'' اور اسی کو اس طرح کہیں ''رکو مت ، جاؤ'' تو معنی بالکل اُلٹے ہوگئے۔ حالانکہ جملے میں وہی تین الفاظ تھے۔

اسی طرح اخفا اور اظہار کا معاملہ ہے۔ حروف کو ملا کر پڑھنے یا صوتی اعتبار سے ن اور ب ، کو م سے بدلنے کے اصول ہیں وغیرہ اور بھی بہت سی باریکیاں ہیں جو سیکھنے اور مشق کرنے سے ہی آسکتی ہیں۔

ان کے علاوہ فن تجوید ایک اور مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے اور وہ ہے پڑھنے کی رفتار اس پر موجودہ علم صوتیات خاموش ہے۔ فن تجوید اس کی حدود الف کی مقدار مقرر کرکے کرتا ہے یعنی صرف زبر کی ایک مقدار (وقت کے اعتبار سے) چاہے وہ صرف چند سیکنڈ ہوں ایک الف کی مقدار مانی جاتی ہے۔ اب صرف الف کی مقدار دو الف کے برابر ہوگی۔ یعنی اگر زبر کی مدت ۲ سیکنڈ تھی تو الف کی مدت ۶ سیکنڈ اور اسی طرح چھوٹے مد کی مدت ۳ الف یعنی ۸ سیکنڈ اور پورے مد کی مدت ۴ الف یعنی ۱۲ سیکنڈ کے برابر ہوگی۔ اس کو تجوید کی اصطلاح میں مقدار کہتے ہیں۔ اس کنٹرول سے پڑھنے میں ایک روانی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

تجوید میں تین رفتاروں کی اجازت ہے۔ ایک قدرے تیزی سے جس کو ''حدر'' کہتے ہیں۔ اس سے ذرا دھیمی رفتار کو ''تدویر'' اور بہت ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کو ''ترتیل''

کہتے ہیں اور کلام پاک کا پڑھنا ان تینوں رفتاروں سے جائز ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ صفات ومخارج کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ وہ متاثر نہ ہوں۔

شروع میں تو یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی کہ کلام پاک کا پڑھنے والا تجوید کے بنیادی اصولوں کی پابندی نہیں کر رہا ہے۔ جوں جوں اس کی اشاعت دور دراز مقامات تک ہوئی لوگوں کے تلفظ میں فرق آنے لگا۔ دراصل اس کو سیکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ کسی ماہر قاری استاد مجود سے اس کی مشق کی جائے اور جس طرح وہ پڑھ کر بتائیں اسی طرح حروف ادا کیے جائیں۔

ہندوستان میں پہلے پہل پانی پتی قراء نے تجوید وقرآءات پر بڑا کام کیا بعد ازاں سرزمین حجاز سے قاری عبدالرحمن مکی رحمہ اللہ علوم تجوید وقراءات پڑھ کر تشریف لائے اور انہوں نے برصغیر میں خوبصورت حجازی اور عربی لہجوں کو رواج دیا۔ ان کے دور میں لکھنؤ حجازی قراء کا مرکز تھا۔ بعد ازاں ان کے شاگرد پورے ہندوستان اور پاکستان میں پھیل گئے اور برصغیر کے طول وعرض میں خوب کام کیا۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد حجازی قراء کے نامور استاذ امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحب پاکستان تشریف لائے اور انہوں نے پاکستان میں فروغ تجوید وقراءات کے لیے بہت زبردست کام کیا۔ انہی کا فیض ہے کہ آج ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا فیض پورے زور وشور سے جاری وساری ہے۔

اقلاب واخفاء میں اطباق شفتین کا وجوب

الشیخ حمد اللہ الصفتی المصری

مترجم قاری عبد اللہ وقار [illegible] رکن العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

اقلاب واخفاء میں اطباق شفتین کرنا ایک ضروری امر ہے۔ اگر اطباق شفتین نہ کیا گیا تو حرف کی ادائیگی میں فرق آتا ہے اور یہ لحن میں شمار ہوگا کیونکہ اس سے حرف کی ادا اور آواز میں فرق آتا ہے۔ ہمارے دور کے بعض معروف مصری قراء صحیح ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان بعض مصری قراء کی اس غلطی کی نشاندہی ایک مصری عالم تجوید وقراءات فضیلۃ الشیخ القاری المقری حمد اللہ حافظ الصفتی المصری ﷾ نے اپنی کتاب ''ھدایۃ القراء لوجوب اطباق الشفتین عن القلب والاخفاء'' (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) میں کی ہے۔ انہوں نے اس بدعت جدیدہ کی تاریخ بیان کرنے کے بعد متقدمین علماء قراءات کے اقوال سے اس کا نہایت عمدہ علمی رد کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی طبع کے لیے یہ مضمون اُردو میں ڈھال کر پیش کیا جارہا ہے۔ (مدیر ادارہ)

الاھـــداء:

هذا كتاب قدا تاك محقق

للبحث لم يترك بسيلًا يشتهي

''یہ کتاب تیرے پاس تحقیق شدہ بحث لائی ہے جس کے بعد کسی قسم کا بھی اعتراض باقی نہیں رہتا جو اس مسئلہ میں پایا جاسکے۔''

فاقرأ مباحثه بانصاف ودع

قولًا سقيمًا قد نبدد وانتهي

''تو اس رسالے کو (حق جاننے کے لیے) انصاف کے ساتھ پڑھ اور کمزور

مؤقف کو چھوڑ دے۔''

واعمل باطباق الشفاء کما اتی
نصی الا کابر والشیوخ اولی النھی

''تو کر اطباق شفتین (اقلاب واخفاء میں) جس طرح عقل مند اکابر اور شیوخ کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔''

ارجوا من المولی جزیل عطائه
وعظیم توفیق لحسن المشتھی

''میں اللہ تعالیٰ سے اس کی بہت نوازشات اور عظیم کام کی توفیق دینے کی وجہ سے حسن خاتمہ کی امید رکھتا ہوں۔''

المؤلف:

رحمہ اللہ حافظ الصفتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰه تم نوره فهدی وعظم حلمه فعفا، وبسط يده فاعطی، انزل كتابه هدی رحمة وجعله هدايةً ونعمه يذهب به لاهداء ويرفع ببركته عن عباده البلاء.

وصلی الله وسلم وبارك علی رسوله وحبيفه وخليله ونجيه سيدنا محمد امام اهل القرآن وعلی اله واصحابه لائمة الاعيان. وبعد:

میں نے اس رسالے کو اقلاب اور اخفاء شفوی کے وقت اطباق شفتین کے وجوب کے بیان میں جمع کیا ہے اس رسالہ کو لکھنے کا سبب لوگوں کے درمیان بغیر علم اور بغیر کسی قواعد کی بنیاد پر اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ انفراج شفتین کرنے والے حضرات اطباق کے ساتھ پڑھنے والوں پر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے سخت حکم لگاتے ہیں:

میں نے مستند ائمہ کرام جو اس فن میں ماہر ہیں ان کے مرتب کردہ اصول کو کثرت

سے ذکر کیا ہے تا کہ یہ فیصلہ کن کتاب ہو اور انفراج شفتین کے قائلین کے اقوال اور دعوؤں کی غلطی واضح کر دے۔

میں نے اس کا نام رکھا ہے:

(هداية القراء لوجوب اطباق الشفتين عند القلب والاخفاء)

یہ کتاب ایک مقدمہ تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ میری طرف سے یہ تحفہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو قرآن کو اس انداز کے مطابق کہ جس طرح وہ نازل ہوا ہے پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو میرا مقصد اس سے اللہ کا تقرب اور حق بات کو بیان کرنا اور اس کی پیروی کرنا ہے۔

والله أسأل التوفيق والقبول.

المقدمہ

ہمارے سعادت مند قراء نے چند اصطلاحات مقرر کی ہیں جن کے مطابق وہ اپنی عبارتوں کو ضبط تحریر میں لاتے اور اپنے اطلاقات پر احکام جاری کرتے ہیں۔ ان اصلاحات کو جنھوں نے پہچانا انہوں نے صحیح اور درست طریقہ کی طرف رہنمائی پائی اور جو ان سے غافل رہے وہ غلطی اور شش و پنج میں واقع ہوئے۔

میں نے سوچا کہ میں اخفاء شفوی اور اقلاب کے متعلق ائمہ کی اصطلاحات کو اس مقدمے میں ذکر کروں تا کہ قاری اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ان اصطلاحات سے مستفید ہو سکے۔

اقلاب:

قلب کا لغوی معنی پھیرنا ہے۔

اصطلاحی معنی: ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا ساتھ مقلوبۃ حرف میں غنہ واخفاء کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

اقلاب صرف حرف باء میں ہوتا ہے۔

شرائط:

1 ...... باء نون ساکنہ کے بعد واقع ہو (ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمے ہوں)

2 ...... باء تنوین کے بعد واقع ہو (دو کلموں میں)

3 ...... باء نون تاکید خفیفہ (جو فعل مضارع کے ساتھ متصل ہو) کے بعد واقع ہو۔

تو ان صورتوں میں نون ساکنہ وتنوین اور نون تاکید خفیفہ کو خالصتاً میم سے بدلا جائے گا (نہ کہ صورت خطی کو تبدیل کیا جائے گا) صفت غنہ کی ادائیگی کے ساتھ جو کہ میم مقلوبہ کی صفت ہے نہ کہ نون ساکنہ وتنوین صفت غنہ کے پائے جانے کی وجہ سے۔

توجیہ اقلاب:

غنہ جو نون وتنوین کی صفت لازمہ میں سے ہے اس کی ادائیگی کے متصل بعد باء کی ادائیگی میں اطباق شفتین کرنے میں تکلیف اور مشقت ہے اس لیے اظہار درست نہیں۔

ادغام دونوں حرفوں کے مخرج کے دور ہونے اور ادغام کے سبب کی عدم موجودگی کے باعث نہیں کیا گیا۔

اخفاء جو کہ ادغام واظہار کی درمیانی حالت ہے اس کو اقلاب کے ساتھ ملا کر ادا کیا۔ میم کا باء کے ساتھ مخرج اور نون کے ساتھ غنہ میں موافقت رکھنے کی وجہ سے نون کا میم سے اقلاب کیا گیا ہے۔

اخفاء شفوی:

اخفاء کا لغوی معنی چھپانا ہے۔

اصطلاحی معنی: ساکن حرف کو بغیر تشدید کے صفت اظہار وادغام کی درمیانی حالت میں صفت غنہ کے ساتھ ادا کرنا۔

اخفاء صرف حرف باء میں ہوتا ہے۔

قاعدہ:

جب باء میم ساکنہ کے بعد واقع ہو تو اخفاء مع الغنہ ہوگا۔ بشرطیکہ دو کلمے ہوں جیسے:
يَعْتَصِمْ بِاللهِ. آل عمران

توجیہ اخفاء:

مخرج اور اکثر صفات میں اشتراکیت کا پایا جانا۔

اخفاء شفوی کی وجہ تسمیہ:

باء و میم کی ادائیگی مخرج کی طرف نسبت کرتے ہوئے اخفاء کا نام شفوی رکھا ہے۔
مذکورہ بحث پر غور فکر کرنے سے اقلاب اور اخفاء شفوی کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ دونوں صورتوں میں باسے سے پہلے خالصۃً میم مخفمہ ہے جو کہ دونوں صورتوں میں اظہار مع الغنہ کے ساتھ ادا ہو رہی ہے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

نون وتنوین میں تیسرا عمل اقلاب ہے یہ صرف ایک حرف (باء) میں ہوتا ہے۔ اگر نون ساکنہ وتنوین کے بعد باء آجائے تو بغیر ادغام کے نون ساکنہ وتنوین کو خالصۃ میم سے بدلتے ہیں جیسے: صُمٌّۢ بُكْمٌ [البقرہ:۱۸] أَنۢبِئْهُم [البقرہ:۳۳] مِنۢ بَعْدِ [القصص:۴۳]

اقلاب میں غنہ ضروری ہے اس طرح یہ حقیقتاً اس اخفاء کی طرح ہو جائے گا جو اخفاء میم مقلوبہ کا باء کے قریب ہوتا ہے۔

اس طرح ان دو لفظوں أَنۢ بُورِكَ اور يَعْتَصِمْ بِاللهِ کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا۔
اس اعتبار سے اخفاء اور اقلاب کے درمیان فرق جاننے کے لیے تین باتوں کا جاننا ضروری ہے:

① ...... باء سے پہلے خالص میم ادا ہو۔

② ...... باء سے پہلے اگر میم آجائے تو اخفاء ہو۔

③ ...... میم میں اخفاء کے ساتھ صفت غنہ کا اظہار ہو۔

ان تین امور کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ میم اور باء کے حالات کو اچھی طرح جانا جائے۔

مخرج میم:

میم تمام حالتوں (مشدد، ساکن مدغم، اخفا و اقلاب) میں شفتین کے ملنے سے ادا ہوتا ہے۔

میم میں چھ (٦) صفات پائی جاتی ہیں: ① جہر ② توسط ③ استفال ④ انفتاح ⑤ اذلاق ⑥ غنہ۔

مخرج باء:

دونوں ہونٹوں کے تمام ملنے سے ادا ہوتا ہے۔

باء کی ادائیگی میں ہونٹ میم کی ادائیگی کی نسبت زیادہ سختی سے ملتے ہیں، باء کی صفات، جہر، شدت، استفال، انفتاح، اذلاق، قلقلہ۔

باء میں اطباق شفتین میم کی بقدر قوی ہے اس لیے کہ باء میں صفت شدت پائی جاتی ہے جس سے آواز میں رکاؤ پیدا ہوتا ہے اور میم میں صفت توسط پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے میم کی ادائیگی کے وقت مخرج میں آواز جاری رہتی ہے اور اس آواز کے جاری رہنے سے غنہ ہوتا ہے۔

اس بات کی مناسبت سے مطلوبہ اخفاء کے اثبات کے لیے انفراج شفتین کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ آواز خیشوم سے نکلتی ہے۔

میم میں صفت توسط کے پائے جانے کی وجہ سے میم کو انفراج شفتین کے ساتھ ادا کرنے سے مخرج میں بعد لازم آتا ہے جیسے (تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ) کہ اس کلمہ کو اگر انفراج شفتین کے ساتھ ادا کیا جائے تو میم ادا نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ (ہ) ممطوط ادا ہوگی۔ یہ واضح غلطی ہے اس لیے کہ اس میں میم کی ذات معدوم ہوگئی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ:

اخفاء اظہار وادغام کی درمیانی حالت کا نام ہے، اظہار میں حرف کی ذات اور صفات دونوں باقی رہتی ہیں اور ادغام میں ذات اور صفات دونوں باقی نہیں رہتی ہیں۔تو اسی طرح اخفاء میں میم کی ذات ختم ہوجاتی ہے اور صفت جو کہ غنہ ہے باقی رہتی ہے جس طرح اخفاء حقیقی میں ہوتا ہے۔

جواب: یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ ادغام ناقص میں بھی حرف کی ذات باقی رہتی ہے جیسے (احطت وبسطت) میں ان دونوں کلموں میں حرف (ط) کی ذات باقی ہے کیونکہ صفت اطباق اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک (زبان کا وسط اوپر کے تالو سے اچھی طرح مل نہیں جاتا)۔

[ا]...... یہ طریقہ مشائخ سے بلا واسطہ ثابت نہیں اس لیے کہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہے اور نہ ہی اہل فن میں سے کسی نے اس بات کو کہا ہے۔

علامہ احمد عبدالعزیز الزیات رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ہمارے زمانے کے مشائخ میں سے کوئی بھی انفراج شفتین کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی میں نے ازھر یونیورسٹی کے کسی معتبر قاری کو انفراج شفتین کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور نہ ہی میرے علم میں کوئی ایسا قاری ہے جس نے اس بات کا کہا ہو مگر میرے بعض تقریباً بیس ہم عصر اس کے قائل تھے ہم نے اپنے کسی بھی شیخ سے اطباق کے بغیر نہیں پڑھا۔

شیخ عبدالرزاق بن ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اخفاء واقلاب میں تلقی تمام کی تمام اطباق کے ساتھ روایت ہے۔

علامہ عبداللہ افندی زادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

قرآن کی قراءت کے لیے ضروری ہے کہ مکمل قرآن کسی قاری سے سند کے ساتھ پڑھا ہو قراءت کی تعلیم کو مسائل کے استنباط کرنے کے طریقے سے حاصل کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ قراءت کے صحیح ہونے کے ارکان میں سے یہ بھی ہے کہ سند نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بغیر کسی رکاوٹ (فاصلے) کے پہنچتی ہو بغیر متصل سند کے قراءت حاصل کرنا اور اس کی پیروی کرنا منع ومردود ہے۔

۲...... اگر اجتہاد کے طریق سے اس طریقے کو مان بھی لیا جائے تو یہ ائمہ متقدمین کی نصوص کے مخالف ہے واضح نص کی موجودگی میں اجتہاد کی کوئی راہ ہے ہی نہیں خصوصی طور پر اس فن کے ماہر اکابر علماء کی نص کے بعد ادغام ناقص ہونے کی وجہ سے ائمہ اس کا نام اخفاء شفوی رکھتے ہیں کیونکہ حرف کی ذات باقی رہتی ہے۔ جس طرح کہ اس کا ذکر ہوا ہے امام ابوشامہ رحمہ اللہ کے کلام میں اگر میم کی ذات کے معدوم ہوجانے کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو نون وتنوین کا میم سے اقلاب کرنے میں کیا فائدہ ہے۔

انفراج شفتین والے قول کی ابتداء اور اس کے پھیلنے کا سبب:

ماہرین فن کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس قول کے اوّل قائل مصر کے شیخ علامہ عامر بن سعید بن عثمان رحمہ اللہ ہیں۔ یہ کہتے ہیں:

اخفاء تشدید سے بچتے ہوئے اظہار اور ادغام کے درمیان خیشوم سے ادا کرنے کو کہتے ہیں قاری کو اخفاء کی ادائیگی کے قوت اطباق شفتین سے بچنا چاہیے۔

شیخ عامر رحمہ اللہ ابتداء میں انفراج شفتین کے قائل نہ تھے اور نہ ہی اس طریقے سے اپنے شیوخ سے پڑھا تھا بلکہ وہ تمام اہل فن کی طرح اطباق شفتین سے پڑھتے اور اسی

کے قائل تھے لیکن انتہائے عمر میں ائمہ کی نصوص کو اجتہاد کے طریقے سے سمجھتے ہوئے انفراج شفتیں کے قائل ہوگئے۔ پھر اپنے اس مؤقف پر ڈٹ کر ہر نشر واشاعت کے طریقہ سے اس کو پھیلانے لگے ان کے اس مؤقف کو ان کے شاگردوں نے لیا یہاں تک کہ یہ طریقہ پھیل گیا۔

شیخ محمد صلاح الدین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

شیخ عامر عثمان رحمہ اللہ سے انہوں نے قراءت سبع شاطبیہ کے طریق سے پڑھی جس میں شیخ نے اقلاب اور اخفاء شفوی اطباق شفتین کے ساتھ کہا۔ شیخ سے سبعہ پڑھنے کے بعد میں واپس اپنے شہر چلا گیا چند سال بعد دوبارہ مصر شیخ سے قراءات ثلاثہ پڑھنے کے لیے آئے اس دوران شیخ نے انہیں اقلاب اور اخفاء شفوی یمں انفراج شفتین کا حکم دیا۔

اس بات کو جان لینے کے بعد شیخ عامر عثمان رحمہ اللہ کی بات چند وجوہ سے رد ہوتی ہے۔

[۳]......جس مؤقف کو انہوں نے اپنایا ہے اس کی غلطی واضح ہے اگر شیخ زندہ ہوتے اور ان نصوص کو دیکھتے تو یقیناً وہ اپنے اس قول سے رجوع کر لیتے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان نصوص تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ ان کے متبعین کو کیا ہوا ہے کہ وہ ان نصوص کو دیکھتے بھی ہیں اور اپنے اس مؤقف سے رجوع نہیں کرتے کہ جس کی غلطی بھی واضح ہے۔

فائدہ:

صاحب کتاب کہتے ہیں کہ مجھے شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ نے بتایا کہ علامہ محمود امین طنطاوی نے ذکر کیا ہے کہ شیخ عامر عثمان رحمہ اللہ نے آخر عمر میں انفراج والے قول سے رجوع کرلیا تھا یہ دونوں علامہ عامر عثمان رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

اطباق کے وجوب پر ائمہ کے نصوص

① امام طاہر بن غلبون رحمہ اللہ کہتے ہیں:

میم جب باء سے پہلے آئے تو اخفا ہوتا ہے ادغام نہیں اور ہونٹ دونوں حرفوں کی ادائیگی کے وقت تمام ملیں گے۔

یہ واضح نص ہے کہ جب میم باء کے قریب آئے تو اس کی حالت اخفاء شفوی اور اقلاب والی ہوگی اور حکم اخفاء کا لگے گا اور اس میں دونوں حرفوں کی ادائیگی میں اطباق شفتین کی دلیل بھی ہے۔

اس میں علاج ہے اس بیماری کا جو گمان کرتا ہے کہ اخفاء اطباق کے بغیر ممکن نہیں۔

② امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اگر باء اور میم مل جائیں جیسے: ءَامَنتُمْ بِهِۦ اور اس جیسے اور کلمات میں تو علماء کے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا اس کو اخفاء کہتے ہیں اس لیے کہ اخفاء میں اطباق شفتین ہوتا ہے جس طرح ان میں سے ایک میں اطباق ہوتا ہے یہ مؤقف ابن مجاہد رحمہ اللہ کا ہے جس کو احمد بن علی رحمہ اللہ نے احمد بن نصر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

میم کا باء میں ادغام نہیں ہوتا اخفاء ہوتا ہے نون خفیفہ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے اس لیے کہ اس کی آواز بھی خیشوم سے نکلتی ہے۔

یہی مؤقف علی بن بشر رحمہ اللہ کا ہے:

احمد بن یعقوب التائب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

پورے قرآن میں جہاں بھی میم ساکنہ کے بعد باء آجائے تو تمام قراء بغیر ادغام کے وضاحت سے پڑھتے ہیں اس مؤقف کو شیوخ کی ایک جماعت نے اپنایا ہے۔

اس قول کو احمد بن صالح رحمہ اللہ نے ابن مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور یہی اس کے پہلے قائل ہیں۔

یہ واضح نص ہے باء کے قریب میم اور میم منقلبہ میں اخفاء کے طریقے کے متعلق

اس لیے کہ اس میں اطباق شفتین باء ومیم کے اطباق کی طرح ہوگا۔

یہ موقف ابن مجاہد رحمہ اللہ اور علی بن بشر رحمہ اللہ کا ہے اس کو اہل صناعۃ کے شیخ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

③ امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ اس کے مثل کہتے ہیں:

میم جب اپنے ہم مثل سے ملے یا باء سے ملے تو حرکت کی طرف اشارہ نہیں ہوتا اسی طرح باء اگر اپنے ہم مثل سے یا میم سے ملے تو حرکت کی طرف اشارہ نہیں ہوتا اس لیے کہ اطباق شفتین کی وجہ سے حرکت کی طرف اشارہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

باء کا میم میں ادغام کا معنی سوسی کے ہاں اخفاء ہے جیسے (عَلَّمَ بِالْقَلَمْ) اس لیے کہ متحرک کا ادغام مابعد میں نہیں ہوتا مگر جب مدغم ساکن ہو اور روم بھی جائز نہیں ہے اس کی علت اطباق شفتین ہے۔ یہ ایسی نص ہے جس میں کسی بھی اعتراض کا احتمال نہیں۔

④ امام ابن باذش رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اخفاء کے قائلین، اخفاء کی ادائیگی کے وقت دو حرفوں (باء اور میم) میں اطباق شفتین ایک ہی دفعہ کرتے ہیں ایسا کرنا صرف حرف باء میں ہی ممکن ہے۔

ابن باذش رحمہ اللہ کہتے ہیں واؤ اور فاء کے تقابل میں جیسے (اکرم بزید) واؤ اور فاء میں اخفاء میم کے مخرج کا شفتین سے ختم ہونے کی صورت میں ہی ممکن ہے اور ایسا کرنا منع ہے۔

اس میں واضح نص ہے کہ اخفاء اطباق شفتین سے ادا ہوگا انفراج شفتین سے نہیں۔

⑤ علامہ جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ابوعمرو رحمہ اللہ سے اشارہ والے قول کو لینے والوں کا اجماع ہے کہ میم کا میم اور باء میں، اور باء کا باء اور میم میں اخفاء کی وجہ سے میم اور باء میں حرکت کی طرف اشارہ نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے کہ اطباق شفتین کی وجہ سے اشارہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ان کی بات ابوعمرو

دانی رحمہ اللہ کی بات کے ہم مثل ہے جن کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

⑥ علامہ علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

نونین کو باء کے قریب میم سے بدلا جائے گا جیسے کہ امام شاطبی رحمہ اللہ کا قول ہے:
وَقَلْبُهَا مِيمًا لَدَى الْبَاء اقلاب مع الغنہ ہوگا جس طرح میم ساکنہ کے بعد باء ہو تو اخفاء مع الغنہ ہوتا ہے۔ جیسے قراءت کے اکابر مشائخ کے اقوال گزر چکے ہیں۔

ان کلموں کے متعلق:

وَهُمْ بِرَبِّهِمْ [الانعام:۱۵۰]

أَنْبِئْهُمْ [البقرہ:۳۳]

أَنْ بُورِكَ [النمل:۸]

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ [الانفال:۴۳]

توجیہ اقلاب:

نون وتنوین میں صفت غنہ کے اظہار (ادائیگی) کے متصل بعد باء کو اطباق شفتین کے ساتھ ادا کرنے میں مشقت کے باعث اور ادغام، مخارج کے مختلف اور کم مناسبت ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے اخفاء متعین ہو گیا میم کا باء کے ساتھ مخرج اور نون کے ساتھ غنہ میں مشارکت کے باعث اقلاب مع الاخفاء کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔

سیبویہ رحمہ اللہ اس کی تعلیل میں اقلاب کے لیے میم کو تمام حروف میں سے خاص کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ عرب نون کا میم سے اقلاب کرتے ہیں اپنی کلام میں جیسے (العنبر ومن بذالك)

جب باء کے ساتھ کوئی ایسا حرف آئے جو باء کے ساتھ نون کی طرح (مخرج اور صفات میں) مناسبت نہ رکھتا ہو اسے میم سے نہیں بدلیں گے۔ نون کو میم سے اس لیے بدلا گیا ہے کہ دونوں حرفوں میں صفت غنہ پائی جاتی ہے۔ نون کو باء سے مخرج میں بعد اور

صفت غنہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نہیں بدلا گیا۔ نون کو میم سے تمام حرفوں میں سب سے زیادہ مشابہت رکھنے کی وجہ سے بدلا گیا ہے۔

میں نے مکمل نص اس لیے ذکر کردی تا کہ پتہ چل جائے کہ اطباق کس وجہ سے صحیح ہے سیبویہ رحمہ اللہ کا وہ استشہاد جو انہوں نے عربوں کے کلام سے ذکر کیا ہے۔

(العنبر) اس بات سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو اس استشہاد کو عام لوگوں (یعنی جو لغت میں دلیل نہیں بن سکتے) کا کلام سے سمجھتے ہیں۔

⑦ امام صفاقسی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اقلاب صرف حرف باء میں پایا جاتا ہے جیسے:

انْۢبَعَثَ [الشمس:۱۲]

اَنْۢ بُوْرِكَ [النمل:۸]

صُمٌّۢ بُكْمٌ [البقرہ:۱۸]

اس کا نص میم کے ساتھ اقلاب مع الغنہ ہوتا ہے حقیقت میں یہ میم مقلوبہ کا باء میں اخفاء ہے باء کی وجہ سے اس طرح ان کے درمیان (اقلاب واخفاء) کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

نون ساکنہ وتنوین کو خالص میم سے صفت غنہ کے ساتھ بدلا جائے گا اس طرح حقیقت میں باء کے قریب میم مقلوبہ کا اخفاء بن جائے گا النشر میں ہے کہ اس طرح لفظی طور پر (اَنْۢ بُوْرِكَ) اور (يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ) کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

⑧ علامہ ابن بالوشۃ رحمہ اللہ کا کلام صفاقسی رحمہ اللہ کے کلام کی طرح ہے۔

⑨ علامہ مارغنی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

نون ساکنہ اور تنوین کو باء کے قریب خالص میم سے بدلا جائے گا اس بات کی طرف ابن بری رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ ان دونوں (نون ساکنہ وتنوین) کو

حرف باء کے قریب میم سے بدلیں گے۔

⑩ امام علامہ احمد البنا رحمہ اللہ کہتے ہیں:

تیسرا عمل (نون ساکنہ وتنوین میں) اقلاب ہے یہ صرف حرف باء موحدہ کے قریب ہوتا ہے۔ جیسے:

اَنْۢبِئْهُمْ [البقرہ:۳۳]

اَنْۢ بُوْرِكَ [النمل:۸]

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [الانفال:۴۳]

نون ساکنہ اور تنوین کو باء کے قریب خالص میم سے بغیر ادغام کے بدلنے اور اخفاء مع الغنہ کرنے میں تمام قراء کا اتفاق اس طرح (اَنْۢ بُوْرِكَ) اور (اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ) کے درمیان کوئی لفظی فرق نہیں رہتا۔

⑪ علامہ مرعشی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ظاہر ہے کہ اخفاء میں اس کی ذات کو مکمل طور پر ختم کرنا نہیں بلکہ اس کو دگنا کرنا اور اس کی ذات کو جملہ میں چھپا دینا ہے اس کے مخرج میں کم اعتماد ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ حرف کا قوی اور حرف کی ذات کا ظاہر ہونا مخرج میں مکمل اعتماد کی وجہ سے ہوتا ہے یہ حرکت کے چھپانے کی طرح ہے جیسے: لَا تَاْمَنَّا اس میں حرکت کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا بلکہ حرکت کے بعض حصہ کو ختم کیا گیا ہے۔ یعنی اختلاس ہوا ہے۔

مختصراً بات یہ ہے کہ میم اور باء اطباق شفتین سے ادا ہوتے ہیں باء شفتین کے اندرونی حصہ سے قوی انطباق سے ادا ہوتی ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے (اَنْۢ بُوْرِكَ) میں میم غنہ ظاہرہ اور شفتین کے بہت کم انطباق سے ادا ہوتی ہے۔ اس کے فوراً بعد باء کی ادائیگی شفتین کے کھلنے سے پہلے قوی انطباق سے ہوتی ہے۔ باء میں اطباق میم میں اطباق کی بنسبت شفتین کے اندر (تری) والے حصہ سے ادا ہوتا ہے (اَنْۢ بُوْرِكَ) میں

مدت اطباق (ابورلك) کے بنسبت زیادہ ہے۔میم میں صفت غنہ کی ادائیگی کی وجہ سے باء کی بنسبت اطباق زیادہ ہے کیونکہ غنہ ظاہرہ کے تلفظ (ادائیگی) میں ٹھہرا جاتا ہے اس کو لمبا کرنے کے لیے اگر میم میں اظہار کیا جائے تو اس کے اطباق کی مدت باء میں اطباق کی مدت جتنی ہوگی غنہ کو مخفی رکھنے کی وجہ سے، میم کے اظہار میں قوت اطباق میم کے اخفاء میں قوۃ اطباق سے زیادہ ہوگا لیکن باء کے قوت اطباق سے کم ہوگا، اس لیے کہ غنہ باء میں اصل نہیں ہے خلاف میم ظاہرہ کے۔ اخفاء میں اصل میں غنہ سے خالی نہیں اگرچہ غنہ مخفی ہو۔غنہ میں اعتماد کمزور ہونے کی وجہ سے۔

⑫ امام سید علی الضباع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اقلاب قلب سے لیا گیا ہے۔معنی لغوی معنی پھیرنا ہے۔

عرف عام میں حرف کو کوئی دوسرا حرف بنا دینا (یا) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا۔

نون ساکن وتنوین میں چوتھا عمل یہ ہے کہ جب نون ساکن وتنوین کے بعد جب باء آجائے تو نون ساکن وتنوین کو خالصتاً میم سے بدلیں گے اس طرح کہ ان کا کوئی بھی نشان باقی نہ رہے۔

⑬ توجیہ اقلاب بیان کرتے ہیں کہ:

نون ساکنہ وتنوین کی ادائیگی کے فوراً بعد باء کو اطباق شفتین کے ساتھ ادا کرنے میں مشقت کے باعث اقلاب کیا گیا ہے۔مزید فرماتے ہیں کہ:

قاری کو میم مقلوبہ کی ادائیگی کے وقت شفتین کو بند کرنے سے بچنا چاہیے تاکہ شفتین کو تنگ کرنے سے خیشوم سے غنہ ممطط پیدا نہ ہوجائے اس لیے چاہیے کہ میم ساکن کو نرمی سے بغیر کسی ثقالت وتکلف کے ادا کریں۔

شروع عبارت میں اطباق شفتین کو ذکر کیا گیا ہے اور بعد میں شفتین کو تنگ کرنے سے بچنے کا کہا گیا ہے شفتین کو تنگ کرنے سے اطباق ہی ہوتا ہے اور منہ بھی کھلا نہیں رہ سکتا۔

جو انفراج شفتین کے قائل ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ کیا اطباق شفتین کو تنگ کرنے سے انفراج شفتین ممکن ہے کیوں کہ شفتین کو تنگ کرنے سے اطباق کے ساتھ ہی ادائیگی ہوگی پھر کس لیے اس سے بچا جائے اگر انفراج شفتین کے ساتھ قراۃ ممکن ہوتی تو شفتین کو بند کرنے سے بچنے کا تقاضہ ہی نہ کیا جاتا۔ اس لیے کہ تنگ کرنا ہے تو بہت دور ہے اس کے مکمل کھلنے سے۔

یہ تنبیہ ہے ان کے لیے جو اس نص کو انفراج کی دلیل مانتے ہیں بلکہ یہ تو ان کے خلاف دلیل ہے۔

انفراج شفتین کے قائلین کے شبہات اور ان کے جواب:

جان لیجیے کہ اقلاب اور اخفاء کے وقت انفراج شفتین کے قائلین نے ایسے ضعیف شبہات کو دلیل بنایا ہوا ہے جن کا جواب دینا ابتدائی طالب علم کے لیے بھی مشکل نہیں۔

یہاں ان کے اعتراض اور ان کے جواب ذکر کیے جا رہے ہیں۔

اعتراض ا: اخفاء انفراج شفتین کے بغیر ہوتا ہی نہیں ہے۔

جواب ا: اس فن کے اکابرین کی نص ہے کہ اخفاء اطباق شفتین کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ابوالحسن بن غلبون رحمہ اللہ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ ابوجعفر بن باذش رحمہ اللہ ان کے علاوہ بھی جن کا نام پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

جواب ۲: حروف کی صحیح ادائیگی اس وقت ہوگی جب ہر حرف کے مخرج پر زبان لگے گی جب (تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ) کو انفراج شفتین کے ساتھ ادا کریں گے تو میم کی جگہ ہائے ممطوطہ ادا ہوگی یعنی میم کی ذات ختم ہو جائے گی اور غنہ ادا ہوگا جیسے (تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ) اور یہ واضح غلطی ہے جس میں کسی بھی بیان کی ضرورت نہیں۔

اگر میم کی ذات کو ختم کر کے غنہ کو باقی رکھا جائے تو نون وتنوین کا میم سے اقلاب کا کیا فائدہ (أَنۢ بُورِكَ) جیسے کلمات میں مرعشی رحمہ اللہ کے کلام کو اچھی طرح سمجھئے۔

اعتراض ۲: اطباق کا نام وہ اخفاء نہیں بلکہ اظہار رکھتے ہیں۔

جواب: اظہار اور ادغام دونوں اطباق شفتین سے ہی ادا ہوتے ہیں لیکن اطباق شفتین اظہار کی حالت میں زیادہ قوی ہوتا ہے اخفاء میں میم کی ادائیگی کے وقت غنہ کی ادائیگی کے وقت کچھ دیر ٹھہرنا پڑتا ہے جبکہ اظہار میں غنہ مخفی ہوتا ہے اسی لیے (أَنۢ بُورِكَ) میم کے اظہار میں اطباق زیادہ قوی ہوتا ہے اخفاء کے بقدر بعض متقدمین کہتے ہیں حقیقت میں اظہار اور اخفاء کی ادائیگی ایک جیسی ہے صرف نام (لفظی) اختلاف ہے۔

اعتراض: اطباق کا نام اخفاء نہیں بلکہ ادغام ہے۔

جواب: اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔ نام میں اختلاف ادا صوتی کی حقیقت کو تو تبدیل نہیں کر سکتا۔ تم جو چاہو اس کا نام رکھ لو انتہاء میں تو اطباق ہی ہوگا چاہے متقدمین اس کا نام ادغام رکھتے تھے۔

امام ابوشامہ دمشقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وتسكن عنه الميم من قبل بائها
على اثر تحريك فتخفى تنزلا

میم جب باء سے پہلے حرکت کے بعد واقع ہو تو ساکن کر کے اس میں اخفاء کیا جائے گا۔ جیسے:

ءَادَمَ بِالْحَقِّ [المائدہ:۲۷]

بِأَعْلَمَ بِالشَّٰكِرِينَ [الانعام: ۵۳]

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [العلق: ۴]

حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ [غافر: ۴۸]

علماء قراءات کے اس شعر کے حل میں مختلف اقوال ہیں:

بعض اس کو ادغام کہتے ہیں جس طرح کہ نون ساکنہ اور تنوین جب واؤ یا باء سے ملیں تو ادغام ہوتا ہے اور غنہ باقی رہتا ہے۔ جس طرح ادغام میں اطباق باقی رہتا ہے مطبق میں۔

بعض غنہ کی وجہ سے اخفاء سے تعبیر کرتے ہیں یہ میم کی صفت لازمہ ہے یہاں صرف ادغام نہیں ہوتا۔

جس طرح نام کا اختلاف اداصوتی کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرسکتا تو اس حقیقت کو بھی جان لیں کہ یہاں ادغام نہیں ہوتا اس لیے کہ ادغام میں حرف کی ذات باقی نہیں رہتی جیسے: (اَنۢ بُوْرِكَ) کو (ابورك) پڑھنا واضح غلطی ہے۔

امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

میم باء میں مدغم نہیں ہوتی مخفی ہوتی ہے نون خفیفہ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے اس کی آواز ناک میں جاتی ہے۔

اعتراض: اقلاب واخفاء کے اطباق اور میم مشددہ کے اطباق میں کیا فرق ہے۔

جواب: فرق غنہ کی مدت ادائیگی سے ہوگا۔

اس طرح کہ غنہ میم مشددہ میں اقلاب واخفاء شفوی کے غنہ سے لمبا ہوتا ہے مشدد ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ مشدد میں دو میمیں ہوتی ہیں ایک ان میں سے ساکن دوسری متحرک اور دونوں میں صفت غنہ پائی جاتی ہے۔ اقلاب اور اخفاء شفوی میں ایک میم ساکنہ اور اس کے بعد باء ہوتی ہے اسی لیے اہل فن اس کی ادائیگی میں شفتین کو تنگ کرنے سے بچتے ہیں اس لیے کہ شفتین کو تنگ کرنے سے میم مشددہ بن جاتی ہے۔

اس بات سے میم مشددہ اور اقلاب واخفاء کے درمیان فرق واضح ہوجاتا ہے اس کو

جاننے کے لیے متقنین اہل ادا کی قراءت کو سماعت فرمائیں۔

اعتراض: مشہور قراء انفراج شفتین کے ساتھ پڑھتے تھے۔

جواب: شیخ عامر کے زمانے سے پہلے ریکارڈنگ کی کمیٹی بننے سے پہلے تمام قراء اطباق کے ساتھ ہی پڑھتے مثلاً الشیخ محمد رفعت رحمہ اللہ الشیخ علی محمود رحمہ اللہ الشیخ شعشاعی رحمہ اللہ الشیخ صیفی رحمہ اللہ ان کے علاوہ بھی بہت سے قراء۔

شیخ عامر عثمان رحمہ اللہ کے زمانے کے بعد جب انفراج شفتین کا قول نکلا اور اس کے ساتھ پڑھنے پر قراء کو مجبور کیا جانے لگا اور وہ قاری جو اطباق کے ساتھ پڑھتا اس کی ریکارڈ شدہ تلاوت کو ختم کردیا جاتا یہ بات الشیخ عبدالباسط رحمہ اللہ نے کہی ہے اور وہ قراء جس کو وہ دلیل بناتے ہیں ان کی ریکارڈنگ اطباق کے ساتھ ہیں۔ الشیخ محمود علی البنا رحمہ اللہ ان کی ریکارڈنگ جو سورۃ آل عمران اور سورہ یونس کی ہے وہ اطباق کے ساتھ ہے شیخ منشاوی رحمہ اللہ ان کی سورہ نحل اور ترتیل کے ساتھ تمام قراءتیں اطباق کے ساتھ ہیں اسی طرح الشیخ عبدالباسط رحمہ اللہ اور الشیخ بہتیمی رحمہ اللہ ان تمام کی ریکارڈنگ اطباق کے ساتھ ہے۔

اس فن کے اکابر شیوخ بھی اطباق کا ہی کہتے ہیں۔

جیسے مصر کے شیخ امام سیدی علی الضباع رحمہ اللہ۔ شام کے شیخ عبدالعزیز عیون السود رحمہ اللہ اور شیخ حسین خطاب رحمہ اللہ۔

مصر شام اور تمام علاقوں کے جمہور قراء اور وہ ائمہ جن کا کلام ذکر کیا گیا ہے ان پر غور وفکر کریں۔ (واللہ یعولی ھداك)

خاتمہ

خلاصۃ الکتاب

اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اقلاب واخفاء شفوی کے وقت اطباق شفتین متقدمین

ائمہ سے نص اور صحیح متصل سند کے ساتھ ثابت ہے اور تمام عالم کے جمہور قراء کا اس پر اتفاق ہے۔

انفراج شفتین ایک جدید (نیا) قول ہے جو کہ متصل سند سے ثابت نہیں یہ بعض ائمہ کی کتب سے اجتہاد کے طریقے سے استنباط کیا گیا ہے۔ اجتہاد کو صحیح تسلیم کرنا اس جگہ صحیح نہیں۔

انفراج شفتین کے ساتھ پڑھنے والوں!

بعض لوگوں کے اس قول کی طرف التفات نہ کریں جو کہتے ہیں کہ انفراج شفتین کے ساتھ پڑھنے والے ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔ جنت اور جہنم کا اس مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں اگر کوئی انفراج شفتین تلقی (سندًا الی رسول اللہ ﷺ) کی مخالفت کے ارادہ سے کرے تو یہ تحریف قرآن ہوگی اگر وہ اسی ارادہ سے نہیں بھی کرتا تو یہ لحن خفی ہوگی اور راجح طور پر یہ لحن خفی ہوگی۔ جو قرآن کی تحریف کرے یا لحن (غلطی) کرے تو ہرگز یہ کام قیامت کے دن اللہ کی رضا مندی کا باعث نہیں ہوگا۔

ہر مسلمان عاقل کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوۃ اکابر ائمہ سے تواتر سے ثابت شدہ طریقے کے مطابق کرے۔

اگر وہ جدید رائے کے مطابق کرے گا تو وہ اس طرح ہے جس طرح امام القانی رحمہ اللہ نے اپنے ان اشعار میں کہا ہے۔

فکل خیرفی اتباع من سلف
وکل شرفی ابتداع من خلف

فتابع الصالح ممن سلفا
وجانب البدعة ممن خلفا

''سلف کی اتباع میں خیر ہی خیر ہے اور ہر وہ کام جس کو بعد میں آنے والوں

نے ایجاد (بنایا) اس میں شر ہے۔ پس سلف صالحین کی پیروی کر اور بعد میں آنے والوں کے ایجاد کردہ کاموں سے بچ۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے اس مسئلے کا بیان ختم ہوا۔

وھو حسبی ونعم الوکیل.

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

راقم: حمد اللہ حافظ الصفتی

غفر اللہ لہ ولوالدیہ وللمسلمین

آمین

قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کی شرعی حیثیت اور حدود

قرآنِ کریم کو خوش الحانی سے پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے:

قرآن کریم کو خوش الحانی اور خوبصورت آواز سے پڑھنا امام القراء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ درج ذیل احادیث سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔

1۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما أذن الله لشئ ما أذن للنبي حسن الصوت يتغنى بالقرآن يجهر به.

''اللہ تعالیٰ اتنا توجہ اور دھیان لگا کر کسی چیز کو نہیں سنتا، جتنا قرآن کو متوجہ ہو کر سنتا ہے، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اونچی آواز سے خوش آوازی اور خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔'' [بخاری ۵۰۲۳، مسلم ۱۸۴۳]

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قدر توجہ سے سنتے ہیں کہ کسی اور آواز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی تلاوت کو اس لیے بھی زیادہ توجہ سے سنتا ہے کیونکہ پیغمبروں کی شخصیت ہر لحاظ سے مکمل ہوتی ہے اور ان کی قراءات خشیتِ الٰہی، سوز اور خوبصورت آواز کا ایک حسین نمونہ ہوتی ہے اور تلاوتِ قرآن کا مقصدِ حقیقی بھی یہی ہے اور اسی میں انسان کی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آواز کو توجہ سے سن لے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نیک و بد اپنے سب بندوں کی آواز کو سنتا ہے جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"تبارك الذي أوعى سمعه كل شي" برکت والی ہے وہ ذات کہ کوئی چیز بھی اس کے دائرہ سماعت سے باہر نہیں ہے۔" [تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۶۰]

لیکن اپنے مومن بندوں کی آواز کو وہ زیادہ توجہ سے سنتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ۔ [یونس: ۶۱]

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہیں اور (اے لوگو!) جو کام بھی تم کر رہے ہوتے ہو، ہم ہر وقت تمہارے سامنے موجود ہوتے ہیں، جبکہ تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔"

آذِنَ کا مطلب کیا ہے؟ یہاں حدیث میں جو الفاظ "آذِنَ" استعمال ہوا ہے، اس سے مراد کسی بات کو کان لگا کر نہایت توجہ اور غور سے سننا ہے۔ اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ [الانشقاق: ۱، ۲]

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے ربّ کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے کان لگائے ہوئے ہوگا اور یہی اس کو لائق ہے۔"

یعنی وہ اپنے ربّ کا حکم کان لگا کر سنے گا اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ربّ کا حکم توجہ سے سنے اور اسے مان لے۔

آذِن کی تفسیر "استماع" (نہایت توجہ سے سننا) ہے جیسا کہ سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لله أشد أذنا إلى الرجل الحسن الصوت بالقرآن بجهربه من صاحب القينة إلى قينته. [ابن ماجہ، حدیث ۱۳۴۰]

"بے شک اللہ تعالیٰ خوش آواز شخص کا قرآن اس قدر توجہ اور انہماک سے سنتا ہے کہ ایک گانا سننے والا شخص، گانے والی گلوکارہ کا گانا بھی اتنی توجہ سے نہیں سنتا

ہوگا۔"

[۲] ..... نبی ﷺ قرآن مجید نہایت خوش الحانی، خوش آوازی اور ترنم سے پڑھتے تھے۔ قرآن پڑھنے میں کوئی شخص بھی آپ ﷺ سے زیادہ خوش آواز نہیں تھا۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۃ الطور کی تلاوت کرتے سنا۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت آواز اور قراءات کسی کی نہیں سنی۔"

ایک روایت میں ہے کہ "پڑھتے پڑھتے جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ

"(وہ کسی اور چیز سے پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں) تو مجھے یوں لگا جیسے میرا دل شدتِ تاثیر سے پھٹ جائے گا۔" [بخاری: ۴۸۵۴، مسلم ۱۰۳۳]

سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، پھر وہ کیوں آپ ﷺ کی قراءات سے اس قدر متاثر ہوئے؟ صرف آپ ﷺ کی خوش آوازی اور خوش الحانی سے اوران عظیم معانی سے جو سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ نے عربی زبان میں اپنی مہارت سے سمجھے تھے۔

[۳] ..... سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۃ التین کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوش آواز کبھی نہیں سنا۔" [بخاری:۷۶۹]

[۴] ..... صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ليس منا من لم يتغن بالقرآن.

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔" [بخاری:

کتاب التوحید ۷۵۶۷]

حدیث "تغنی بالقرآن" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف:

تَغَنِّیَ سے کیا مراد ہے: اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول:

(بے نیازی) امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ اسی کو لازوال دولت سمجھے۔" امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن کو دیکھ کر ماضی کے واقعات سے بے نیاز ہو جائے۔" [بخاری تعلیقا: ۱۰۸/۶]

ابن راہویہ رحمہ اللہ نے بھی امام ابن عیینہ رحمہ اللہ سے یہی مفہوم نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے مراد وہ استغناء نہیں جو فقر کی ضد ہے۔" [فتح الباری: ۶۸/۹]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری میں یہی موقف اختیار کیا ہے، انہوں نے من لم یتغن بالقرآن کے نام سے باب قائم کیا ہے، اور اس کے نیچے قرآن کی یہ آیت ذکر کی ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

"کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔" [العنکبوت: ۵۱]

یحییٰ بن جعدہ رحمہ اللہ نے اس آیت کا جو سبب نزول ذکر کیا ہے، اس سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"چند مسلمان کچھ تحریریں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جن میں انہوں نے بعض ایسی باتیں نقل کی تھیں جو انہوں نے یہود سے سنی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تحریریں دیکھ کر فرمایا کہ کسی قوم کی حماقت اور گمراہی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے رسول کی تعلیمات سے اعراض کر کے دوسروں کی

باتوں کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔"

اس مرسل روایت کے کئی اور شواہد بھی ہیں۔ دیکھئے طبری (۲۱/۷)، الدر المنثور (۱۴۸/۵)، مراسیل ابی داؤد (ص: ۳۲۰)، فتح القدیر (۲۰۹/۴)

اور اس تفسیر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن ابی نہیک رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں بازار جا رہا تھا کہ میری ملاقات سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: آپ دنیا کمانے والے تاجر ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" (وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو دیکھ کر دنیا کے مال و دولت سے بے نیاز نہیں ہو جاتا)۔

امام ابو عبید قاسم بن سلام ہروی رحمہ اللہ نے بھی اسی تفسیر کو پسند کیا ہے اور بطورِ دلیل کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے حاتم اعشی کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

وکنت امرۃ زمنا بالعراق
عفیف المناخ طویل التغنی

"میں ایسا آدمی تھا جس نے عراق میں ایک عرصہ انتہائی مختصر سامان مگر کامل غنا (بے نیازی) کے ساتھ بسر کیا۔" [دیوان الاعشیٰ: ص: ۷۵]

اسی طرح مغیرہ بن حبناء کا شعر ہے۔

کلانا غنی عن أخیه حیاته
ونحن إذا متنا أشد تغانیا

"ہم دونوں بھائی زندگی میں بھی ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں اور جب ہم دارِ آخرت کو سدھار جائیں گے تو یہ بے نیازی اور بڑھ جائے گی۔"
[الشعر والشعراء: 406/1]

امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلام عرب کی رو سے اس حدیث کا

معنی یوں ہوگا کہ جو شخص قرآن کو دیکھ کر دُنیا کی جاہ وحشمت سے بے نیاز نہیں ہوجاتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ وہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی دلیل لیتے ہیں:

من قرأ سورة آل عمران فهو غني.

''جس نے سورۂ آل عمران کی تلاوت کی، گویا وہ ہر چیز سے بے نیاز ہوگیا۔''

[فضائل القرآن، از عبید: ق49، جرمنی نسخہ]

میرے خیال میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل صفہ کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اس فرمان کے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(اے اہل صفہ!) تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ روزانہ صبح کے وقت مدینہ کے بازار بطحان یا عقیق جائے اور کسی گناہ اور قطع رحمی کا ارتکاب کیے بغیر وہاں سے بڑے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لائے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو سب یہ چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم کیوں مسجد کی طرف نہیں جاتے۔ وہاں جا کر کسی کو قرآن کی دو آیات کی تعلیم دینا یا تلاوت کرنا، دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین یا چار آیات کی تعلیم یا تلاوت تین یا چار اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جتنی آیات ہوں گی وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہوگی۔'' [مسلم: ۱۸۷۰]

دوسرا قول:

ان علماء کا ہے جن کے نزدیک یتغنی کا معنی قرآن کی خوش الحانی اور خوبصورت آواز سے پڑھنا ہے۔

دوسرے قول کے ماننے والوں کے دلائل اور پہلے قول والے حضرات کا ردّ:

کلام عرب میں لفظِ تغنی بے نیازی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس

سے حدیث من لم یتغنی بالقرآن... میں بھی اسی مفہوم کا استعمال ہونا لازم نہیں آتا۔
چنانچہ حرملہ بن یحییٰ رحمہ اللہ اس بارے میں وضاحت فرماتے ہیں:

''میں نے امام ابن عینیہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یتغنی کا معنی قرآن کو لازوال دولت سمجھتے ہوئے دنیاداروں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہونا ہے۔'' جس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ مفہوم صحیح نہیں ہے۔ اگر ایسے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتغنی کی بجائے یتغانی کا لفظ استعمال کرتے۔'' لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قرآن کو اس طرح خوش الحانی، ترنم، سوز اور درد کے ساتھ پڑھے کہ پڑھنے اور سننے والے پر خشیت الٰہی کی کیفیت طاری ہو جائے۔'' [فضائل القرآن از امام ابن کثیر رحمہ اللہ: ص ۳۳]

حرملہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن وہب رحمہ اللہ سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ یتغنی سے مراد قرآن کو خوش آوازی اور ترنم سے پڑھنا ہے۔ یہی مفہوم امام مزنی رحمہ اللہ اور ربیع رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے لیس منا من لم یتغن بالقرآن کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب قرآن کو (قواعدِ تجوید کا لحاظ رکھتے ہوئے) نہایت سوز اور دردِ دل کے ساتھ ترنم سے پڑھنا ہے۔ [مناقب الشافعی: ص ۱۵۷]

امام طبری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کو جب معلوم ہوا کہ ابن عینیہ رحمہ اللہ لفظ تغنی کی تفسیر ''استغناء'' کے ساتھ کرتے ہیں تو انہوں نے ان کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اگر اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد استغناء ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لم یتغن کی بجائے لم یستغن ارشاد فرماتے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنا ہی ہے۔'' [فتح

الباری:۹/۷۱]

امام ابومجاہد رحمہ اللہ (صاحب مضمون) فرماتے ہیں کہ'' حدیث کا سیاق وسباق ابن عیینہ رحمہ اللہ کی تفسیر کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ یہ حدیث قراءات کے ذیل میں واقع ہوئی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن آواز کی خوبی سے متصف کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت آواز کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءات کو نہایت توجہ اور انہماک سے سنتے ہیں۔ یہ الفاظ اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ یتغنی یہاں خوش آوازی کے معنی میں ہی ہے اور ابن عیینہ رحمہ اللہ کی تفسیر (بمعنی استغناء) درست مفہوم نہیں ہے۔ پھر یہ حدیث آواز کو خوبصورت بنانے کی کوشش پر اُبھارتی ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو تلاوت کلام پاک کا پابندی سے التزام کر کے اپنی آواز میں خوش الحانی پیدا نہیں کرتا ایسا شخص ہمارے طریقہ سے انحراف کی راہ اختیار کر رہا ہے۔ پھر حدیث سے استغناء مراد لینا، دراصل لوگوں کو''تکلیف مالا یطاق'' سے دوچار کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہر شخص محض تلاوتِ کلام پاک کے التزام سے دنیا داروں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ (وضاحت کے لیے دیکھیں فتح الباری:۹/۷۰)

دونوں اقوال میں موافقت:

یہ اعتراض اس صورت میں وارد ہوگا جب ابن عیینہ رحمہ اللہ کا یتغنی سے مقصود وہ استغناء ہو جو فقر کا متضاد ہے جیسا کہ ابوعبید رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، لیکن اگر یتغنی سے ابن عیینہ رحمہ اللہ کی مراد استغناء معنوی ہو، یعنی سابقہ روایات اور کتب سے استغناء جیسا کہ ابن راہویہ رحمہ اللہ نے کہا ہے تو دونوں اقوال میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ استغناء معنوی کی صورت میں بھی "تغنی" سے مراد ترنم ہی ہوگا۔ کیونکہ قرآن کو خوش الحانی اور ترنم کے ساتھ پڑھنے سے ہی انسان شیطانی غنا (موسیقی وغیرہ) سے بے نیاز ہوکر قرآنی غنا میں مشغول ہوسکتا ہے۔

مزید چند وجوہات ملاحظہ فرمائیے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا نقطہ نظر ہی راجح ہے یعنی یتغنی سے مراد قرآن کو سوز اور خوش الحانی سے ہی پڑھنا ہے:

① ...... یہی معنی سیاق حدیث کے مناسب اور ہم آہنگ ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا۔

② ...... کئی دیگر احادیث اسی مفہوم کو متعین کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر عبدالاعلیٰ رحمہ اللہ کی روایت معمر رحمہ اللہ سے اور وہ ابن شہاب رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ:

ما أذن الله لشئ ما أذن لنبي في الترنم بالقرآن.

''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ قرآن کو سنتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خوش الحانی اور ترنم سے پڑھتے ہیں۔'' [طبری بحوالہ فتح الباری:۹/۷۱]

اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں معمر رحمہ اللہ سے روایت ہے:

ما أذن لنبي حسن الصوت في الترنم بالقرآن.[482/2]

نیز صحیح مسلم میں محمد بن ابراہیم التیمی رحمہ اللہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ما أذن لنبي حسن الصوت يتغنى بالقرآن يجهر به. [مسلم:۱۸۴۴]

ابن ابی داود رحمہ اللہ اور طحاوی رحمہ اللہ کی روایت میں الفاظ یوں ہیں:

ما أذن لنبي حسن الترنم بالقرآن. [فتح الباری:۹/۷۱]

③ ...... تیسری وجہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے راجح ہونے کی یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ جو شخص خوبصورت آواز اور خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی آواز کو نہایت توجہ سے سنتا ہے اور اس حدیث کے الفاظ میں نہ کسی دوسرے معنی کا احتمال ہے اور نہ ہی تاویل کی گنجائش ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی سابقہ حدیث تو بالاولی اسی مفہوم کی واضح کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ایک عام آدمی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کو کیوں نہ

توجہ سے سنے گا!!

④...... نبی ﷺ سے منقول احادیث واضح الفاظ میں اس بات کی ترغیب دیتی ہیں کہ قرآن کو خوبصورت آواز اور خوش الحانی سے پڑھا جائے۔ چنانچہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

زینوا القرآن بأصواتکم.

''قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو۔'' [ابوداؤد:2/179، ابن ماجہ 1/426، مستدرک حاکم:1/575]

ایک دوسری روایت میں ہے:

فإن الصوت الحسن یزید القرآن حسنا.[1]

''خوبصورت آواز یقیناً قرآن کے حسن کو دوبالا کردیتی ہے۔'' [تذکار، از قرطبی:ص ۱۱۴]

---

[1] یہ روایت ابوعمر زاذان رحمہ اللہ (تابعی، صدوق) اور اوس بن ضمعج رحمہ اللہ سے مروی ہے اور حدیث میں یہ زیادتی ان لوگوں کے دعویٰ کی نفی کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ حدیث زینوا القرآن بأصواتکم مقلوب (تبدیل شدہ) ہے اور اصل حدیث یوں ہے:

زینوا أصوتکم بالقرآن یا أحسنوا أصواتکم بالقرآن

''اپنی آوازوں کو قرآن سے حسن بخشو یا اپنی آوازوں کو قرآن سے خوبصورتی عطا کرو۔''

گویا ان کے بقول یہ حدیث اہل عرب کے قول عرضت الحوض علی الناقة (تالاب اونٹنی پر پیش کیا گیا) کی قبیل سے ہے۔ [تذکار:ص ۱۱۴]

اگر ہم ان کی بات کو درست بھی مان لیں تو تب بھی ہم اس حدیث سے وہی کچھ مراد لیں گے جو حدیث لیس منا من لم یتغن بالقرآن سے مراد لیا تھا جس میں قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس صورت میں زینوا أصواتکم بالقرآن کا معنی یہی ہوگا کہ قرآن کو پڑھتے ہوئے خوش آوازی سے پڑھو۔ یوں سمجھئے کہ خوبصورت آواز اور قرآن دونوں گویا ایک خوبصورت زیور ہیں جو ایک دوسرے کو زینت اور حسن بخشتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خوبصورت آواز تلاوتِ قرآن میں ایسا حسن اور جادو پیدا کردیتی ہے کہ قرآن دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

(سابقہ حاشیہ) امام ابن جزری رحمہ اللہ اپنے مقدمہ میں تجوید کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وھو أیضا حلیة التلاوة وزینة الأداء والقراءة ''قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی تلاوت کا زیور اور تلفظ کو حسن اور زینت بخشتا ہے۔''

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قرآن کو سیکھو، خوش الحانی سے اس کی قراءات کرو اور اس کو لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، جس طرح اونٹ کا بچہ رسی سے چھوٹ جائے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح اگر قرآن کو چھوڑ دیا جائے تو یہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے انسان سے جدا ہو جاتا ہے۔'' [مصنف ابن ابی شیبہ، تذکار، از قرطبی: ص۱۱۹]

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اے بھتیجے! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں! میں نے قرآن پڑھا ہے تو فرمایا:

''قرآن کو خوش الحانی سے پڑھا کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن کو خوش الحانی اور غنا سے پڑھو، جو شخص قرآن کو ترنم اور خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہمارے رستے پر نہیں ہے اور قرآن کو پڑھتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ) جہاں تک حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت وضعف کا تعلق ہے تو یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی سند کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ سند جید ہے اور اس حدیث کے راوی عبدالرحمن بن عوسجہ رحمہ اللہ کو امام نسائی اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ازدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ نے کہا ''میں نے عبدالرحمن بن عوسجہ رحمہ اللہ کے متعلق مدینہ منورہ کے علماء سے سوال کیا تو میں نے کسی سے بھی اس کی تعریف نہیں سنی۔''

ابوعبید قاسم رحمہ اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے شعبہ رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: ''مجھے ایوب سجستانی رحمہ اللہ نے حدیث زینو القرآن بأصواتکم کو بیان کرنے سے منع فرمایا تھا۔''

ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ایوب رحمہ اللہ نے اس لیے حدیث بیان کرنے سے منع کیا تھا کہ لوگ اس حدیث کو بنیاد بنا کر طرح طرح کی سروں کے لیے رخصت پیدا کرلیں گے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے بعد شعبہ رحمہ اللہ نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ حدیث جس طرح اسے بیان کی گئی تھی، آگے بیان کردی۔ اگر اس حدیث کو، اس خوف سے بیان کرنا چھوڑ دیا جاتا کہ باطل پرست اس کی تاویل سے غلط فائدہ اٹھائیں گے تو آج ہم ایک مسنون عمل سے محروم ہو جاتے ہیں لوگوں نے تو قرآن کی متعدد آیات کو بھی تاویل وتحریف کی بھینٹ چڑھا کر انہیں ان کے اصل مفہوم سے پھیر دیا ہے تو کیا ان کی تاویل کے خوف سے اب قرآن کو بھی پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا جائے۔

رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بنالو۔" [ابوداؤد 2/74، ابن ماجہ 1/424، شعب الایمان للبیہقی 5/15، مستدرک حاکم 1/569]

اسی طرح ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ، عبیداللہ بن ابی یزید رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا، ہم بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔ آخر ان کا گھر آ گیا اور ہم ان کے ساتھ گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک شکستہ حال آدمی بیٹھا کہہ رہا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص قرآن کو خوش الحانی اور ترنم سے نہیں پڑھتا، وہ ہمارے راستہ پر نہیں ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے پوچھا: اے ابو محمد! اگر کوئی آدمی خوش آواز نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا: "جہاں تک ہو سکے، خوش آوازی سے پڑھنے کی کوشش کرے۔" یہاں خود راوی نے لفظ یتغنی کی وضاحت کر دی کہ اس سے مراد قرآن کو خوبصورت آواز سے پڑھنا ہے۔ [ابوداؤد: ۲/ ۷۴]

کتب احادیث میں ایسی متعدد روایات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور انہیں ان کی حالت پر برقرار رکھا جنہیں اللہ نے خوبصورت آواز سے نوازا تھا اور وہ قرآن کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ ان عام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیش نظر حدیث میں یتغنی سے مراد قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا ہی ہے۔

قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی عمل تھا:

۵...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جو قرآن کو بڑی خوش آوازی سے پڑھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: عبداللہ رضی اللہ عنہ! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بھلا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو قرآن نازل ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ چاہتا

ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں، تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

''کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے، پھر ان پر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو گواہ بنائیں گے۔'' [النساء:۴۱]

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس کرو ابن مسعود! سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ [بخاری:۵۰۴۹، مسلم:۱۸۶۴]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ قرآن کو اس طرح پڑھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ اُم عبد کے بیٹے (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی قراءات کے مطابق پڑھے۔ [ابن ماجہ فی المقدمہ:۱/۴۹، مسند احمد تحقیق احمد شاکر:۱/۲۶۵]

''ابن اُم عبد'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا لقب تھا۔ وہ ایک خوش الحان اور ماہر قاری قرآن تھے۔ ان کی تلاوت میں وہ سوز اور اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

۶...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس) کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لحن داودی سے نوازا ہے۔ [فتح الباری:۹/۹۲]

۷...... صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لو رأيتني وأنا أستمع لقراءاتك البارحة لقد أوتيت مزمارا من مزامير آل داود.

''کاش تم دیکھتے جب میں کل رات تمہاری قراءات سن رہا تھا۔ بے شک تمہیں لحن آل داود سے نوازا گیا ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"أما والله لو علمت أنك تسمع قراءاتي لحبرتها لك تحبيرا"

''اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری قراءات سن رہے ہیں تو میں اپنی قراءات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید خوبصورت بناتا۔'' [فضائل القرآن از ابن کثیر: ص35]

✸ مسند ابویعلی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزر رہے تھے تو انہیں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی جو اپنے گھر میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قراءات سننے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ صبح جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا أباموسىٰ مررت بك البارحة لو رأيتني وأنا استمع لقراءاتك، لقد أوتيت مزمارا من مزامير آل داود، فقال أبوموسى: أما إني لو علمت بمكانك لحبرته لك تحبيرا.

''اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کل میں تمہارے گھر کے پاس سے گزرا تھا۔ کاش تم دیکھتے جب میں تمہاری قرآءت سن رہا تھا۔ بلاشبہ تمہیں آلِ داود کی لحون میں سے ایک لحن عطاء کی گئی ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا علم ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیےاور زیادہ خوش الحانی سے قرآن پڑھتا۔'' [مسند ابویعلی:13/266، شرح السنہ للبغوی:4/492]

✸ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نماز میں

قرآن پڑھ رہے تھے۔ آواز نہایت شیریں تھی۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے ان کی آواز کو سنا تو اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور ان کی قراءات سننے لگیں۔ صبح کے وقت جب سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو فرمایا: اگر مجھے یہ پتہ ہوتا تو میں اور زیادہ خوش آوازی سے پڑھتا۔ [طبقات ابن سعد:4/108] ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ [فتح الباری:9/93]

✵ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے علم ہوتا تو میں قرآن کو اور زیادہ مزین اور آراستہ کر کے پڑھتا۔ اسے امام ابوعبید رحمہ اللہ نے فضائل قرآن میں روایت کیا ہے۔ [ق١٦/نسخہ جرمنی] (دیکھیے التذکار از امام قرطبی:١١٧)

حدیث میں جو **مزامیر** کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ مزمار کی جمع ہے جس کا معنی ''بانسری'' ہے۔ یہاں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خوبصورت، شیریں اور سریلی آواز کو بانسری سے تشبیہ دی گئی ہے۔ [النہایہ از ابن کثیر:٢/٣١٢]

اور آل داؤد سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں اور لفظ آل زائد ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو شیریں آواز اور ادائیگی الفاظ میں حسن اور ترنم میں جمال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس حالت کو حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سے تشبیہ دی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے غضب کی آواز عطا فرمائی تھی۔

✵ جہاں تک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز کی خوبصورتی کی بات ہے، تو اس کا اندازہ ابن ابی داؤد کی اس روایت سے کیا جاسکتا ہے کہ ابی عثمان نہدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ایک روز حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر آیا (وہ تلاوت کر رہے تھے) ان کی آواز میں ایسا حسن اور سوز تھا کہ میں نے ان کی آواز سے زیادہ خوبصورت آواز کبھی طبلہ، سارنگی اور بانسری کی بھی نہیں سنی۔ [فضائل القرآن از ابن کثیر: ص٣٥ وطبقات ابن

سعد:۴/۱۰۸]

ابوعبید رحمہ اللہ نے اس روایت کو یوں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمیں نماز پڑھا رہے تھے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان کی آواز کے سامنے طبلہ، سارنگی اور بانسری کی آواز بھی ہیچ تھی تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ ابوعبید رحمہ اللہ نے اس روایت کو فضائل القرآن کے ضمن میں بیان کیا ہے۔[ق ۱۷/نسخہ جرمنی]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔[فتح الباری:۹/ ۹۳ والحلیۃ از ابونعیم ۱/ ۲۰۸]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب انہیں دیکھتے تو کہتے:

"اے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ! ہمیں اپنے ربّ کی یاد دلایئے تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے۔" [فضائل القرآن از ابن کثیر:ص ۳۵]

۸..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی جو قرآن کے بہترین قاری تھے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"ایک بار نمازِ عشاء کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ جب میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! کہاں تھیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی قراءات سن رہی تھی۔ میں نے آج تک ایسی پرکیف قراءات اور پرسوز آواز کسی کی نہیں سنی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُٹھے اور نہایت توجہ سے سننے لگے۔ میں بھی ساتھ کھڑی ہوگئی۔ چند لمحے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ان (سالم رضی اللہ عنہ) جیسے لوگ میری اُمت میں پیدا فرمائے۔" [ابن ماجہ: 1/425، فضائل القرآن از ابن کثیر:ص35]

۵ ...... پانچویں دلیل جس سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کو خوش الحانی اور ترنم سے پڑھنے کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل ایک تو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

تلاوتِ قرآن میں ''ترجیع''

۹ ...... اور دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (فتح مکہ کے روز) دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی (یا اونٹ) پر سوار تھے، اونٹنی محو سفر تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر بیٹھے نہایت نرمی سے سورۂ فتح (یا اس میں سے بعض آیات کی) تلاوت فرما رہے تھے اور آواز کو بار بار دہراتے تھے (خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کرتے تھے)۔ [بخاری: فضائل القرآن، باب الترجیع...... فتح الباری ۹/ ۹۲]

شعبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد راوی حدیث معاویہ رحمہ اللہ نے قراءات کی اور اس میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی نقل کی اور پھر کہا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تم پر جمع ہو کر ہجوم کر دیں گے تو میں اس طرح آواز کو دہرا دہرا کر قراءات کرتا، جیسے سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں آواز دہرا دہرا کر تلاوت کی تھی۔ شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رحمہ اللہ سے پوچھا: سیدنا ابن مغفل رضی اللہ عنہ کیسے آواز کو دہراتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: آ، آ، تین بار مد کے ساتھ۔ [صحیح بخاری ۷۵۴۰]

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''تذکار'' کے صفحہ ۱۲۰ پر فرماتے ہیں کہ:

''اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ شاید راوی حدیث نے سواری کے ہچکولے کھانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو آواز پیدا ہوئی، اس کو نقل کیا ہو جس

طرح کہ ایک آدمی جب سواری پر بیٹھ کر اونچی آواز نکالتا ہے تو اس کی آواز
میں کبھی دباؤ اور کبھی انقطاع پیدا ہوتا ہے، یعنی آواز کبھی اونچی ہوتی ہے اور کبھی
پست۔ چنانچہ اس احتمال کی موجودگی میں اس حدیث کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔"

میں کہتا ہوں تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس قسم کے احتمالات کا تکلف کرتے ہیں۔ قرآن کو خوش الحانی اور ترنم سے پڑھنے کے بارے میں جب دیگر بے شمار نصوص ہیں اور خود نبی ﷺ کے عمل کے ہوتے ہوئے بھلا اس قسم کے احتمالات اور توجیہات کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

ترجیع کا مفہوم:

ترجیع کے دو معانی ہیں۔ ایک تو کسی چیز کو خوش الحانی اور ترنم سے پڑھنا اور دوسرا معنی ہے کسی چیز کو گویوں کی طرح گا کر اور سریں لگا کر پڑھنا۔ ترجیع کی اوّل الذکر صورت جائز اور مشروع ہے اور ثانی الذکر ناجائز ہے۔ اس کی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو اس طرح گا کر اور سریں لگا کر
پڑھیں گے جس طرح ایک گویا گانا گاتا ہے، یا ایک نوحہ خواں نوحہ کرتا ہے۔"
[العلل المتناھیۃ: ۱/ ۱۱۸]

ترجیع کی یہ صورت بلاشبہ حرام ہے اور اوّل الذکر ترجیع جائز اور مشروع ہے۔

چنانچہ ثابت یہ ہوا کہ سواری کے ہچکولوں کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، اسے ترجیع قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ حدیث میں ترجیع سے مراد قرآن کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھنا ہے، کیونکہ خود راوی کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ ہجوم کی صورت میں جمع ہو جائیں گے تو میں بھی قرآن کو اسی طرز میں پڑھتا جس طرز میں اللہ کے رسول ﷺ نے پڑھا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اپنے بستر پر لیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سن رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ترجیع کر رہے تھے یعنی اسے خوش الحانی اور خوش آوازی سے پڑھ رہے تھے۔ [معانی الآثار از طحاوی: ۱/ ۳۴۴]

امام قرطبی رحمہ اللہ کے بقول اگر یہ ترجیع اونٹنی کے ہچکولوں کی وجہ سے تھی تو بتایئے کہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ترجیع کی وہ کیا توجیہ کریں گے؟

قرآن کو خوش الحانی سے تلاوت کرنے کی حکمت:

جو لوگ قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کی ''سنت'' سے بھاگتے ہیں اور اس سلسلے میں وارد نصوص کے بارے میں عجیب وغریب تاویلات کرتے ہیں وہ دراصل اس اہم حکمت وعلت سے واقف نہیں ہیں جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے اس سنت کو مشروع قرار دیا ہے۔ وہ حکمت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مزامیر شیطان (آلات موسیقی) کو حرام قرار دیا تو اس کے بدلے میں مزامیر قرآن یعنی قرآن کو خوش الحانی اور ترنم سے پڑھنے کو مشروع اور جائز قرار دینا ضروری تھا تاکہ انسان مزمارِ شیطان (گانے کی آواز اور آلات موسیقی) سے کنارہ کش ہو کر مزامیر قرآن کی طرف توجہ کرے، کیونکہ انسانی نفس فطری اور طبعی طور پر غنا اور خوبصورت آوازوں کو سننے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ابن اعرابی (ابو عبداللہ محمد بن زیاد لغوی رحمہ اللہ م ۲۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

> ''اہل عرب اپنے اونٹوں پر سوار ہوتے یا اپنے گھروں کے لان میں بیٹھتے تو گانے کی محفلیں جماتے۔ جب قرآن نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کی گانے بجانے کی عادت کو قراءات قرآن سے بدل دیا جائے۔'' [لطائف الاشارات از قسطلانی: 1/ 213، فتح الباری: 2/70]

کسی کو اگر اللہ نے فطری طور پر خوبصورت آواز سے نوازا ہے تو اس کے لیے قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا بہت آسان ہوگا اور جو شخص طبعاً خوش آواز نہیں ہے تو اس کے

لیے ضروری ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو مسلسل مشق اور کوشش سے اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اگر ایک شخص طبعی طور پر خوش آواز نہیں تو وہ کیا کرے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''جہاں تک ہو سکے، آواز میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرے۔''

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کے لیے ایک حد تک تکلف جائز ہے خواہ وہ شخص فطری طور پر خوش آواز ہو یا نہ ہو، وہ اپنی آواز کو خوبصورت بنانے اور اس میں ترنم پیدا کرنے کے لیے ایک حد تک تکلف کر سکتا ہے۔ اس کی یہ دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا ہے:

لو علمت أنك تسمع قراءاتي لحبرتها تحبيرا.

''اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری قراءات سن رہے ہیں تو میں مزید خوش الحانی سے پڑھتا۔''

تحبیر سے مراد کسی چیز کو مزین کرنا، اس میں حسن و جمال پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بات کا مطلب یہاں یہ ہوگا کہ میں اپنی آواز کو اور زیادہ خوبصورت بناتا اور اپنی قراءات میں ترنم پیدا کرتا۔ اور ظاہر ہے کہ کوشش اور تکلف کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ یہ حسن اس سے زائد ہے جو اللہ نے ان کو طبعی طور پر عطا فرمایا تھا۔

قرآن کو مختلف لہجوں (طرزوں) میں پڑھنا:

''لحن'' کا لغوی معنی گانا اور غنا ہے۔ اس کی جمع ''الحان'' ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے اس سے مراد مختلف انواع و اقسام کی وہ آوازیں ہیں جو غنا کے وقت نکلتی ہیں۔ گویا غنا کے وقت نکلنے والی آوازوں کی مختلف انواع و اقسام کو نغمات اور الحان کہا جاتا ہے۔ ہر لحن کا ایک اصطلاحی نام ہے، ان تمام الحان کے مجموعہ کو قانون النغم (قواعد موسیقی) کا نام دیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام قسطلانی رحمہ اللہ نے اسے یہی نام دیا ہے۔ [فتح

الباری:۹/ ۷۲، لطائف الاشارات ۱/ ۲۱۷]

اس قانون کے تحت آوازوں کی مختلف اقسام، الحان اور نغمات کی مختلف طرزوں کو مرتب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ علم عروض کے ذریعے شعر کے مختلف اوزان مرتب کیے جاتے ہیں۔ جس طرح شعر وشاعری فاسق اور بے حیا شاعروں کے لیے ہی مخصوص نہیں، اسی طرح قانونِ نغمگی (قواعد موسیقی) پر بھی صرف موسیقاروں اور فحش قسم کے گانے گانے والوں (گلوکاروں) کی اجارہ داری نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

''حضرت داؤد علیہ السلام ستر (۷۰) لہجوں (طرزوں) کے ساتھ زبور پڑھتے تھے اور ان کی قراءات میں ایسا سوز تھا کہ شدید بخار میں مبتلا شخص بھی جھوم جھوم جاتا تھا اور جب وہ زبور پڑھتے ہوئے روتے تو خشکی اور تری پر بسنے والا کوئی بھی ذی نفس ایسا نہ تھا جو خاموشی اور نہایت توجہ سے آپ کی قراءات کو سنتا اور روتا نہ ہو۔'' [فتح الباری:۹/ ۷۲]

ستر طرزوں میں زبور پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ہر طرز دوسری سے مختلف اور جدا ہوتی تھی۔ لحن (طرز) نغمات اور لہجات اصوات کی مختلف انواع واقسام میں سے ایک قسم ہے۔ یہی ہماری بحث کا موضوع ہے کہ جب ایک قاری، قرآن کریم کو ترنم سے پڑھتا ہے تو کیا اس کے لیے قانونِ نغمہ سے مدد لینا اور ان لہجوں کو استعمال کرنا جائز ہے؟ اس ساری بحث کا دارومدار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إقرء و القرآن بلحون العرب وأصواتها، وإياكم ولحون أهل الفسق... الخ.

''قرآن کو عربوں کے لہجوں اور انہی کی آواز میں پڑھو اور اہل فسق اور اہل کتاب کے لہجوں سے بچو۔'' میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو گویوں اور ماتم کرنے والوں کی طرح قرآن کو گا گا کر پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان گویوں اور ان کی گائیکی سے متاثر ہونے والوں کے دل فتنوں سے لبریز ہوں گے۔'' [مختصر قیام اللیل از محمد بن نصر المروزی

ص:58، طبرانی فی الاوسط ، مجمع الزوائد: 7/169، بیہقی فی شعب الایمان: 5/580]①

اس حدیث میں قرآنِ کریم کو عرب کے لہجوں اور ان کی آواز میں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور شیطانی اور فحش قسم کے گانے گانے والے فاسق وفاجر گلوکاروں اور عیسائی چرچوں کے راہبوں اور نوحہ گروں کے لہجوں میں قرآن کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس ممنوعیت میں تلاوتِ قرآن کے وہ لہجے بھی داخل ہیں جو روافض یومِ عاشورا کے موقع پر دورانِ ماتم اختیار کرتے ہیں کیونکہ ان میں حرمت کی دو وجوہات پائی جاتی ہیں: ایک ان کا عجمی ہونا اور دوسرا یہ کہ یہ ماتم کرنے والوں کے لہجے ہیں۔ اور حدیث میں ان دونوں قسم کے لہجوں میں قرآن پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کو مختلف الحان اور طرزوں میں پڑھنا مطلق حرام نہیں ہے بلکہ بعض طرزوں میں پڑھنے سے روکا گیا ہے اور بعض طرزوں میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کی آواز اور لہجوں میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن عجمیوں، اہل کلیسا اور فاجر گلوکاروں کے لہجوں اور ان کی آواز میں پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

آواز کو خوبصورت بنانے کے لیے قانونِ نغمہ (قواعدِ موسیقی) سے استفادہ

اگر ہم مذکورہ بالا حدیث اور دیگر نصوص سے ماخوذ اس کلی قاعدہ کو سمجھ لیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمومی طور پر قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کے بارے میں علماء کا کوئی

① یہ تمام روایات بقیہ رحمہ اللہ کے طریق سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

حدثني حصين بن مالك قال: سمعت شيخا يكنى أبا محمد يحدث عن حذيفة

امام فسوی رحمہ اللہ المعرفۃ والتاریخ: ۲/۴۸۰ میں بقیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اہل افریقہ میں سے ہیں۔ اور ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ امام ذہبی، میزان، (۱/۵۳۳) میں، حصین بن مالک، کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے روایت کرنے میں "بقیہ" منفرد ہے جو ناقابل اعتبار راوی ہے لہٰذا یہ خبر "منکر" ہے۔ اس کے منکر ہونے کی حقیقی وجہ یہ نہیں بلکہ اصل وجہ ابو محمد کا مجہول ہونا ہے۔ اس کے باوجود اس حدیث کا متن قابل اعتبار ہے کیونکہ متعدد روایات اس کے ثبوت پر شاہد ہیں۔

اختلاف نہیں ہے۔ [فتح الباری:۹/ ۷۲، التبیان از نووی :ص۵۱]...... البتہ اس صورت میں علماء کے درمیان اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ آیا قرآن کو ترنم سے پڑھنے اور آواز کو خوبصورت بنانے کے لیے مختلف لہجوں اور ''قانونِ نغمہ'' سے مدد لی جاسکتی ہے یا نہیں؟...... اس بارے میں تین اقوال ہیں:

اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب (فتح الباری:۹/ ۷۲)، امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (السنۃ از بغوی: ۴/ ۴۸۷، فتح الباری :۹/ ۷۲) بلکہ امام ابوالقاسم فورانی شافعی رحمہ اللہ (عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن فوران) تو کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ از سبکی :۵/ ۱۰۹) ان کے علاوہ ابن مبارک رحمہ اللہ، نضر بن شمیل رحمہ اللہ اور عطا رحمہ اللہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ محمد بن نصر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ابن جریج رحمہ اللہ نے عطا رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ترنم کے ساتھ قراءات کرنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اس میں حرج کیا ہے؟'' [مختصر قیام اللیل باب الترجیع فی القراءۃ :ص۵۸]

دوم: امام مالک رحمہ اللہ اور (ایک روایت میں) امام احمد رحمہ اللہ، سعید بن مسیب رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، ابن سیرین رحمہ اللہ اور نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن بطال رحمہ اللہ، ماوردی رحمہ اللہ، بندنجی (ابوعلی حسن بن عبداللہ بن یحییٰ رحمہ اللہ م ۴۲۵ھ) اور امام غزالی رحمہ اللہ جن کا تعلق مذہب شافعی سے ہے، اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ، قرطبی رحمہ اللہ کا تعلق مالکی مذہب سے ہے اور صاحب الذخیرہ جن کا تعلق مذہب حنفی سے ہے، ان سب نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ حنابلہ میں سے ابویعلیٰ رحمہ اللہ اور ابن عقیل رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

سوم: عبدالوہاب مالکی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے تحریم کا قول نقل کیا ہے اور یہی

قول ابوطیب طبری رحمہ اللہ، علی بن محمد بن حبیب ماوردی رحمہ اللہ اور ابن حمد ان حنبلی رحمہ اللہ نے اہل علم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

سلف صالحین کے اقوال اور نصوص کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ آواز کو خوبصورت بنانے کے لیے مختلف لہجوں اور قانونِ نغمہ (قواعد موسیقی) سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کے لیے چار شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

پہلی شرط: یہ ہے کہ اس سے تلفظ کی ادائیگی اور تجوید کے قواعد متاثر نہ ہوں۔ اگر آواز میں ترنم پیدا کرنے کی وجہ سے تلفظ کے احکام اور تجوید وقراءات کے قواعد خلل انداز ہوتے ہیں تو اس صورت میں قانونِ نغمہ (قواعد موسیقی) سے مدد لینا حرام[1] ہے۔

---

[1] ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ قرآن کو الحان کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں علماء کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب مخارج حروف میں کوئی فرق نہ پڑے۔ اگر اس سے حروف کے مخارج متاثر ہوتے ہیں تو اس صورت میں امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''التبیان'' میں فرماتے ہیں کہ علماء کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء کرام فرماتے ہیں کہ قراءت میں آواز کو خوبصورت بنانا اور اس میں ترنم پیدا کرنا مستحب ہے بشرطیکہ قاری قواعد تجوید کی پوری پابندی کرے۔ لیکن اگر الحان کے ساتھ پڑھتے ہوئے کھینچ کر پڑھنے سے کسی حرف کو زیادہ بڑھا دیا یا کسی حرف کو مخفی کر دیا (یعنی لحن جلی کا ارتکاب کیا) تو اس طرح الحان کے ساتھ پڑھنا حرام ہے۔''

الحان (لب ولہجہ، ترنم) کے ساتھ قراءت کرنے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ ایک جگہ تو اسے مکروہ قرار دیتے ہیں اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اصحاب شافعی اس دونوں اقوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں جو تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ:

''اگر قاری لفظ کو کھینچتے ہوئے اس قدر افراط سے کام لے کہ حد سے تجاوز کر جائے تو ایسا کرنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ لفظ کو کھینچنے میں حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا تو تب ان کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔''

دوسری شرط: یہ ہے کہ قرآن کو ترنم اور تنغیم (قواعد موسیقی) کے تحت پڑھتے ہوئے ایسا لب ولہجہ اختیار نہ کیا جائے جو قرآن کی عظمت ووقار اور خشوع وخضوع کے منافی ہو، کیونکہ بعض لہجے ایسے ہوتے ہیں جو قرآن کریم کے شایان شان نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر وہ لہجہ جس میں راگنی ہو۔ ایسا لہجہ نہ دل میں خشوع وخضوع پیدا کرتا ہے اور نہ ہی قرآن سے نصیحت حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے بلکہ یہ ایک طرح کا سامان تفریح اور قرآن کریم کے ساتھ مذاق ہے جو اس کے مقام ومرتبہ سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا۔

قرآن کو رقت اور سوز سے تلاوت کرنا:

بعض لہجے ایسے ہیں جن میں سوز اور خشوع وخضوع ہوتا ہے، ایسے لہجے واقعی قرآن کے شایان شان ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

''جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور قرآن جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس سے ان کے دل نرم ہو جائیں؟'' [الحدید:۱۶]

اسی طرح فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اس قسم کی مثالیں ہم لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' [الحشر:۲۱]

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

”اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے جس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں، جن سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے چمڑے اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔“ [الزمر: ۲۳]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سب سے خوبصورت قراءات اس شخص کی ہے جو پڑھے تو یوں لگے کہ اس کا دل خوفِ الٰہی سے کانپ رہا ہے۔“ [رواہ أبونعیم فی أخبار أصبھان: 2/58، ابن ابی شیبہ: 5/414، ابن ماجہ: 1/425، حدیث کی تحقیق کے لیے دیکھئے: اخلاق حملۃ القرآن از آجری]

اس لیے قاری خواہ کسی بھی عربی لہجے میں ترنم کے ساتھ قراءات کرے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کی مشابہت سے بچے جن کا ذکر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ خصوصاً عجمیوں کے لہجوں سے بچنا اور بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا۔ اسے اہل عرب مثلاً قراء حجاز و مصر کے لہجوں میں ہی پڑھا جانا چاہیے۔ اسی طرح شیطان اور فحش گویوں کی طرح اچھل اچھل کر اور آہیں بھر بھر کر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے پڑھنا اور قواعد تجوید سے قطع نظر ہو کر الحان (قواعد موسیقی) کے ساتھ آواز میں اتار چڑھاؤ اور مد و جزر پیدا کر کے قراءات کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ساری حرکات کلام الٰہی کی عظمت کے سراسر منافی ہیں۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے لہجوں کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا بھی بہت ضروری ہے، کیونکہ ان کی مشابہت تو تمام معاملات میں حرام ہے، تلاوت قرآن میں کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

اسی طرح قاری کو چاہیے کہ قراءات کرتے ہوئے آہ و بکا کرنے سے بچے حتیٰ کہ ان لوگوں کے مشابہ نہ ہو جائے جو کسی رنج و غم یا تکلیف پہنچنے پر تقدیر الٰہی کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرتے ہوئے آہ بکا اور واویلا کرتے ہیں۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے والا قاری الحان اور ترنم کے ساتھ قراءات کرے تو اس کی آواز میں درد اور سوز ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہی لحن قرآنِ کریم کی عظمت کے شایانِ شان ہے۔ اس لحن سے دل میں اللہ کا خوف اور نصیحت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کا الحان سامعین کو خشیت الٰہی اور رونے پر ابھارتا ہے اور یہی قرآن کا مقصودِ حقیقی ہے۔

اس لیے بعض سلف مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ اور لیث بن سعد رحمہ اللہ نے قرآن کو تغنی کے ساتھ پڑھنے والی حدیث کی یہی تفسیر کی ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہوئے دل پر غم اور رقت طاری ہو جائے۔ [فتح الباری:۹/۷۰]

اس کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جب قرآن پڑھو تو روؤ، اگر رونہ سکو تو رونے کی شکل بنالو اور اس کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھو۔ جو شخص قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔'' [ابوداؤد:2/74، دارمی:2/338، احمد:1/175، حاکم:1/569]
>
> یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے لیکن کوئی بھی طریق ضعف سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن کثرت طرق کی وجہ سے اسے تقویت حاصل ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''قرآن کریم کو سوز اور رِقت قلبی کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن انتہائی رقت آمیز کتاب ہے۔'' [طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد 7/169، ابونعیم فی الحلیہ 6/196، اخلاق حملۃ القرآن: ص78] اس کی تمام اسانید میں ایک راوی اسماعیل بن سیف ہے جو ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''بے شک سب سے بہترین قراءات اس شخص کی ہے جو قرآن پڑھے اور اس کی آنکھوں سے غم جھلکتا ہو اور دل پر رِقت طاری ہو۔'' [طبرانی ، مجمع الزوائد، 7/170، فضائل القرآن از ابن کثیر: ص 55] اس کی سند میں ایک راوی ابن لھیعہ ضعیف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے ایک سورۃ کی تلاوت فرمائی اور پھر اس قدر رنجیدہ ہوئے جس طرح کوئی شخص کسی کی موت کے غم میں رنجیدہ ہوتا ہے۔ [فتح الباری: ۹/۷۰] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بسند حسن روایت کیا ہے۔

لیکن یہاں یہ دھیان رہے کہ کہیں وہ نوحہ اور ماتم کرنے والوں کے لب ولہجہ میں واقع نہ ہو جائے جس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ایسا مرحلہ ہے کہ ایک پختہ کار اور ماہر قاری ہی اس پر قابو رکھ سکتا ہے۔

چوتھی شرط: قاری کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ آواز کو خوبصورت بنانے اور ترنم میں حسن پیدا کرنے یا فطری خوش آوازی میں مزید حسن پیدا کرنے کے لیے الحان کو بقدرِ ضرورت اختیار کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری قراءات سن رہے ہیں تو میں اپنی آواز کو مزید خوبصورت بناتا۔'' لیکن یہ خیال رہے کہ خواہ مخواہ تکلف اور تصنع کے ذریعے جائز حدود سے تجاوز نہ کر جائے۔ ایسا عموماً وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کام کو بطورِ پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور قرآن کو کمائی، کھانے پینے اور شہرت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ خصوصاً ریڈیو اور مجالس میں قراءات کے جوہر دکھانے والے قراء، جو تکلف اور تصنع میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں کہ گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں، آنکھیں باہر کو آجاتی ہے۔ ان کا مقصد محض تسکین خواہشات ،

شہرت کا حصول اور مال کمانا ہوتا ہے اور وہ لوگ جنہیں ان کی یہ حالت اچھی لگتی ہے، وہ صرف ان کی آواز سنتے ہیں اور ان کی چیخ وپکار کی داد تو دیتے ہیں لیکن قرآن کی آیات میں سے کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ نماز میں لب ولہجہ (قواعد موسیقی کی رورعایت) سے قراءات کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا: ''میں اسے اچھا نہیں سمجھتا، یہ تو گانا ہے۔ لوگ اس لیے گاتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے مال حاصل کریں۔'' [مقدمہ تفسیر قرطبی:۱/۱۰]

یہ قول جو ہم نے اختیار کیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہی درست ہے۔ یہ افراط وتفریط کے دو راستوں کے درمیان ایک معتدل راستہ ہے۔ نہ تو انتہائی سختی کرتے ہوئے کلی طور پر اس دروازہ کو بند کرنے کا فتویٰ دینا درست ہے اور نہ ہی اس قدر آگے نکل جانا درست کہ بالکل قواعد تجوید سے ہی بے نیاز ہو جائے۔ (1)

مذکورہ رائے ہماری خود ساختہ نہیں بلکہ سلف میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے بعض فقہا نہ صرف اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ وہ اس کو مستحب کہتے ہیں۔ امام

---

(1) ہمارے خیال میں مکمل طور پر اس دروازہ کو بند کر کے قرآن کو الحان سے پڑھنے کی حرمت کا فتویٰ دینا مناسب نہ ہوگا۔ خصوصاً اس دور میں جبکہ شیطانی گانوں اور موسیقی کا سیلاب لوگوں کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ اب جبکہ علماء شارع کریم عزوجل نے قرآن کو الحان سے پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

الحان کے ساتھ قراءت کے مسئلہ میں زیادہ سختی اور اسے قراء کے لیے حرام قرار دینے کا ہمارے ہاں نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حفاظ کرام نے تلاوت میں ترنم اور خوبصورتی پیدا کرنے کی کوشش چھوڑ دی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی آواز بجائے لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا کرنے، تھکاوٹ اور بوریت کا سبب بن گئی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اس مسئلہ میں سختی نے ایک اور سختی کو جنم دیا ہے کہ بعض طلباء علم نے تجوید کے قواعد کو ''بدعت'' کہنا شروع کر دیا ہے۔

نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تغنی کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے اور پھر مختلف طرزوں پر قراءات کرنے کے بارے میں فقہاء کے مذاہب کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد راجح قول کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''دلائل کے تناظر میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں تغنی سے مطلوب قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اگر کوئی آدمی طبعی طور پر خوش آواز نہیں ہے تو وہ جس قدر ہو سکے، آواز میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی دلیل ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کا قول پہلے گزر چکا ہے، جسے ابوداؤد رحمہ اللہ نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ آواز کی ساری خوبصورتی کا دارومدار اسی پر ہے کہ اس میں قوانین کا اہتمام کیا جائے، یقیناً جس سے آواز کا حسن دوبالا ہو جائے گا اور اگر انسان قوانین نغمہ سے بالکل الگ ہو جائے تو یقینی بات ہے کہ اس سے آواز کا حسن متاثر ہوگا۔ بسا اوقات قوانین نغمہ کو پیش نگاہ رکھنے سے بدصورت آواز بھی خوبصورتی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ قوانین نغمہ (قواعد موسیقی) کے ساتھ ساتھ تجوید وقراءات کے ان قواعد واحکام کی پوری طرح پابندی ہونی چاہیے جو اہل فن کے ہاں مسلمہ ہیں۔ حروف کی صحت ادا سے بے نیاز ہو کر محض الحان اور آواز میں مدوجزر پیدا کرنے کے درپے ہو جانے سے آواز کا حسن مکمل نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ قوانین نغمہ کے اہتمام کو ہی اپنا مقصود بنا لیتے ہیں وہ حروف کی صحت ادا سے غافل ہو جاتے ہیں اور جو لوگ قوانین نغم کے اہتمام کے ساتھ تجوید وقراءات کے قواعد واحکام کی بھی پابندی کرتے ہیں وہ لوگ زیادہ قابل ستائش ہیں کیونکہ ایسا شخص آواز میں حسن پیدا کرنے کا جو حکم دیا گیا، اس پر بھی عمل پیرا ہے اور قواعد تجوید کی خلاف ورزی کا بھی مرتکب نہیں ہو رہا۔'' [فتح الباری:9/72]

اب رہا یہ مسئلہ کہ جو اسلاف قرآن میں ''الحان'' کو ناپسند سمجھتے ہیں، اس کی کیا توجیہ پیش کی جائے گی تو اس کے بارے میں ابو مجاہد رحمہ اللہ (مؤلف) فرماتے ہیں کہ:

''سلف صالحین مثلاً سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور ان کے معاصر علماء اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ جو الحان کے ساتھ قراءات کو مکروہ خیال کرتے ہیں، ان کے اس قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جس میں قواعد تجوید اور حروف کی صحت ادا (مخارج اور صفاتِ حروف: اظہار، ادغام، ترقیق، تفخیم، مد اور قصر وغیرہ) کی پابندی نہ کی گئی ہو، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے۔ یا پھر اس صورت پر جس میں راگنی ہو جو کہ قرآن کے مقام ومرتبہ اور اس کے ساتھ مشابہت ہو جن کا ذکر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ وگرنہ مطلق الحان کے ساتھ قراءات کرنا ان کے نزدیک منع نہیں۔''[1]

اس کی دلیل وہ اختلاف ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے جو کہ الحان کے سخت مخالف ہیں اور ان کا اختلاف بھی امام شافعی رحمہ اللہ سے ہے جو اس کے جواز کے سلسلے میں کافی وسیع النظر ہیں، تو دراصل یہ اختلاف دو حالتوں کا اختلاف ہے، دو اقوال کا اختلاف نہیں، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور پھر اس کی وضاحت زیر نظر روایات سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اس صورت میں الحان کے ساتھ قراءات کو ناپسند کرتے ہیں جب اس میں قواعد تجوید کا خیال نہ رکھا جائے۔ چنانچہ احمد الخلال رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

''ایک آدمی نے امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ قرآن کو الحان کے ساتھ پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس

[1] کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ قاری، قرآن کریم کو ترنم سے پڑھے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس میں نغمگی اور قواعد موسیقی کو دخل نہ ہو بلکہ لازماً دانستہ یا نادانستہ اس میں کوئی نہ کوئی نغمہ اور قاعدہ موسیقی پایا جائے گا۔

شخص نے جواباً کہا: محمد۔ جس پر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تمہیں کوئی ''موحمد'' کہے؟''

اسی طرح ابوبکر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن المتطیب رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام ابوعبداللہ احمد رحمہ اللہ سے قرآن کو الحان کے ساتھ پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

''اے ابوالفضل! ان لوگوں نے قرآن کو نغمہ اور گیت بنالیا ہے، ان سے قرآن نہ سنو۔'' [الامر بالمعروف للخلال:ص177، 179]

امام احمد رحمہ اللہ کی پہلی بات کا تعلق اس شخص سے ہے جو الحان کے ساتھ پڑھتے وقت صحت ادا کا خیال نہ رکھے، کیونکہ جو شخص ''محمد'' کی بجائے ''موحمد'' پڑھتا ہے، وہ ایک لفظ کا اضافہ کر کے لحن جلی کا مرتکب ہوا ہے، جو بالاتفاق حرام ہے۔ ان کی دوسری بات کا تعلق اس شخص سے ہے جو قرآن کو جھوم جھوم کر، راگ اور سر سے پڑھتا ہے، جو باطل، حرام اور قرآن کے مقام ومرتبہ کے سراسر منافی ہے۔

اسی طرح وہ روایت کہ ایک آدمی مسجد نبوی میں قرآن کو راگ اور سر لگا کر پڑھ رہا تھا تو قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے اسے دیکھ کر قرآن کی یہ آیت پڑھی:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔

[فصلت:۴۲]

تو یہاں قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے اعتراض کو ایسے شخص پر محمول کیا جائے گا جو قرآن کو فاسق وفاجر گلوکاروں کی طرح پڑھتا ہے۔ [الخبر عند الخلال:ص۱۷۶]

کیونکہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے جس آیت سے استشہاد کیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص فاسق وفاجر گلوکاروں کی طرز پر پڑھ رہا تھا۔

لیکن اگر کوئی شخص تجوید کے قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی قراءات کرتا ہے کہ اس

کی آواز میں سوز و درد ہو، خوفِ خدا اس سے جھلکتا ہو اور دل اس کے ساتھ حرکت میں آجائیں تو بتایئے، کیا کوئی اسکو ناجائز قرار دے گا؟

احمد الخلال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر مروزی رحمہ اللہ نے بتایا کہ ہم ایک لشکر کے ساتھ محاذ جنگ سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں، میں نے ابوعبداللہ (امام احمد رحمہ اللہ) کو ایک آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

> ''کاش تم مجھے قرآن پڑھ کر سناتے۔ جب اس نے پڑھنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی آنکھیں بار بار آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی تھیں۔''
>
> [الخبر عند الخلال: ص۱۷۸]

احمد الخلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر مروزی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے جس کی قراءات پر سوز اور غمناک ہوتی تو اس سے قرآن پڑھنے کی درخواست کرتے اور اکثر کہتے کہ:

> إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٠﴾
>
> [الواقعہ: ۴۹، ۵۰] سے پڑھو۔ (ایضاً)

یہ امر واضح رہے کہ قراءات میں سوز کا ہونا بھی تو الحان اور آواز کی ایک طرز ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر سلف کا اس مسئلہ میں سختی اختیار کرنے سے اصل مقصود مطلق لحن اور ترنم سے روکنا نہیں بلکہ بلاوجہ کے تکلف سے روکنا ہے، جس کی وجہ سے قراءات اپنی جائز حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ اور جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کو خوش آوازی اور ترنم سے پڑھنے سے آواز میں دانستہ یا نادانستہ موسیقی کے معروف قواعد میں سے کوئی نہ کوئی قاعدہ ضرور پایا جائے گا، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کوئی بھی آواز الحان سے خالی نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی ماہر قاری دانستہ قواعد موسیقی کے تحت تلاوت کرے گا تو غالب یہ ہے کہ اس کی آواز میں مزید حسن پیدا ہوگا اور یہ کوئی قابل

حرج بات نہیں ہے، جیسا کہ عطاء رحمہ اللہ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیکھیے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں: ''اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری قراءات سن رہے ہیں تو میں اس میں مزید حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔'' حالانکہ جو آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تھی وہی اس قدر خوبصورت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت داود علیہ السلام کی آواز سے تشبیہ دی۔ یہ تو انکی آواز کا طبعی اور فطری حسن تھا، پھر انہوں نے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس میں مزید حسن پیدا کرنے کے لیے کوشش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لہٰذا شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے خوش آوازی کی کوشش کرنے کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔

حضراتِ سلف کی اس مسئلہ میں سختی کرنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کے دور میں قوانین نغمہ اور الحان کے ساتھ قراءات کرنے کی صورت حال اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ بعض لوگ اس طرح کے الحان میں قراءات کرتے تھے جو قرآن کے مقام ومرتبہ کے منافی تھے۔ بعض لوگ وہ ہیں جو قرآن کو مرثیہ خوانوں اور راہبوں کے الحان میں پڑھتے تھے اور بعض خودساختہ اور نئے نئے بے ہودہ اور شیطانی گانوں کی طرز پر پڑھتے تھے۔ اس کی ایک مثال ہیثم کی یہ قراءات ہے:

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ ۔ [الکہف:۷۹]

اس آیت کو اس نے اس گانے کی طرز پر پڑھا

أما	القطاة	فإني	سوف	أنعتها
نعتاً	يوافق	نعتي	بعض	مافيها

[المعارف از ابن قتیبہ: ص533]

الحان کے ساتھ قراءات کے جواز کے لیے شرائط ہم نے مقرر کی ہیں، ان میں سے دوسری اور تیسری شرط کی قید سے اس قسم کے تمام الحان ازخود نکل جاتے ہیں، ان شرائط

کی طرف رجوع کیجیے اوران پر غور فرمائیے۔

آواز میں حسن پیدا کرنے کے ذرائع:

اب سوال یہ ہے کہ آواز میں حسن پیدا کرنے کے لیے کون سے وسائل اختیار کیے جاسکتے ہیں تو اس کا جواب حدیث تغنی میں موجود ہے۔ اس حدیث کے راوی ابن ملیکہ رحمہ اللہ سے جب کہا گیا کہ بتائیے اگر آدمی طبعی طور پر خوش آواز نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟ تو انہوں نے فرمایا: جس قدر ممکن ہو، آواز میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرے۔اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی جاسکتی ہے کہ قاری قرآن کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کے لیے جو وسائل میسر ہوں، انہیں بقدرِ ضرورت کار گاہِ عمل میں لائے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے قوانین نغمہ (قواعد موسیقی) اور وہ مناسب لہجے جو وہ خود اپنے لیے منتخب کرتا ہے یا استاد اس کے لیے منتخب کر دیتا ہے، ان کو سیکھنے کی مشق کرے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان الحان (لہجوں) کو ایسے استاد سے حاصل کرے جو اس سلسلے میں مہارتِ تامہ کا حامل ہو، نہ کہ موسیقاروں اور گلوکاروں سے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق وفاجر لوگوں کے الحان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرا طریقہ تقلید اور محاکاۃ کا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شاگرد دورانِ تعلیم اپنے استاد کی نقل اتارے یا پھر قاری رفعت رحمہ اللہ، قاری مصطفیٰ اسماعیل رحمہ اللہ، قاری منشاوی رحمہ اللہ اور قاری عبدالباسط عبدالصمد رحمہ اللہ جیسے بعض خوبصورت آوازوں والے قراء کرام اور متاثر کن لحجات کے حامل ماہرفن قراء کرام کی نقل اتارے۔

حدر میں طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ماہر قراء کرام جو نمازِ تراویح میں اپنی خوبصورت آواز اور حسن ادائیگی سے دلوں پر رِقت طاری کر دیتے ہیں، ان کی نقل اتاری جائے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس طرح نقل اتارنے میں کوئی حرج ہے، بلکہ تعلیم اور تدریس کا ہمارا طویل

تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آج اس کی شدید ضرورت ہے، خصوصاً ابتدائی طلباء کے لیے یہاں تک کہ وہ اس فن میں مکمل مہارت حاصل کر لیں اور خوش آوازی اور ادائیگی حروف میں سلاست اور روانی کے لحاظ سے یکتائے روزگار بن جائیں۔

چنانچہ قراءات اور لحن میں تقلید اور نقل اتارنے کے جواز کے سلسلے میں بطورِ دلیل صرف دو احادیث پیش کرنے پر اکتفا کروں گا:

پہلی حدیث صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ سورۃ فتح یا اس کی بعض آیات کو ترنم کے ساتھ دہرا دہرا کر پڑھتے تھے۔ وجہ دلیل اس میں راوی معاویہ بن قرۃ رحمہ اللہ کے یہ الفاظ ہیں:

لو شئت أن أحكي لكم قرأة النبي ﷺ لفعلت. [بخاری:۴۸۳۵]

''اگر میں تمہارے سامنے نبی ﷺ کی قراءات کی نقل کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔'' [فتح:۸/ ۵۸۳]

صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں: [حدیث ۷۵۴۰]

لو لا أن يجتمع الناس لرجعت كما رجع ابن مغفل، يحكي النبي

''اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ہجوم کی شکل میں جمع ہو جائیں گے تو میں قراءات کو اس طرح ترنم کے ساتھ بار بار دہراتا (ترجیع کرتا) جس طرح سیدنا ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی نقل کرتے ہوئے آپ ﷺ کی قراءات کو دہرا دہرا کر پڑھا تھا۔''

ابوعبید رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لو لا أن يجتمع الناس لأخذت لكم في ذلك الصوت أو قال اللحن. [فضائل القرآن:ق۱۵، جرمن مخطوطہ]

''اگر مجھے لوگوں کے ہجوم کی شکل میں جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہارے سامنے اسی آواز یا اسی طرز (لحن) میں پڑھتا۔''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی تقلید کی۔ اسی طرح تابعی معاویہ بن قرۃ رحمہ اللہ نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قراتِ قرآن میں نقل اتارنا جائز ہے۔

دوسری دلیل: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے جس میں قرآن کو پر درد اور پر سوز آواز سے پڑھنے کی ترغیب ہے۔ [دیکھئے اس مقالہ کا صفحہ ۳ اور ۸]

واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی فضیلت پر اُبھارتے تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ترنم اور خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تو خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے اور اسی لحن (طرز) پر قرآن پڑھتے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آواز کا پرسوز اور پردرد ہونا بھی ایک لحن ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ اثر ہے جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سورۃ کی تلاوت کی اور اس قدر غمزدہ ہوئے گویا کسی عزیز کی موت کی خبر سن لی ہو۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری (۹/ ۷۰) میں فرماتے ہیں کہ ابوداود نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے۔

کیا یہ تمام دلائل قاری قرآن کو یہ جواز مہیا نہیں کرتے کہ وہ خوش الحانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارے؟ کیا اس دلیل کے بعد کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لحن کی نقل کرتے تھے، کسی مزید دلیل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا پر عمل کرنے کے بہت شائق تھے، کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لحن کی اقتدا میں حریص نہیں ہوں گے؟ جب ایک شاگرد اپنے استاد کی آواز، اس لحن کی اور ادائیگی حروف میں نقل کر سکتا ہے تو کیا ہم اس بارے میں معلم اوّل امام العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور نقل نہ کریں۔ واللہ اعلم

مبادیات علم قرآءت

قاری انعام الٰہی
رکن العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

1 تعریف:

علم قرآءت اُس علم کو کہتے ہیں جس سے کلمات قرآنیہ میں قرآن کریم کے ناقلین کا وہ اتفاق یا اختلاف معلوم ہو جو نبی کریم ﷺ سے سن لینے کی بنا پر ہوا۔ اپنی رائے سے نہیں۔

2 موضوع:

علم قرآءت کا موضوع قرآن کریم کے کلمات ہیں کیونکہ اس علم میں ان کلمات کے تلفظ کے حالات کی بحث کی جاتی ہے۔

3 ثمرہ (فائدہ):

علم قرآءت کا ثمرہ یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید تحریف اور غلطی سے محفوظ رہتا ہے اور آئمہ کی تمام قرآءت کے تغیر وتبدل بھی معلوم ہوجاتے ہیں۔

4 فضیلت:

علم قرآءت کی فضیلت یہ ہے کہ یہ افضل ترین علوم میں سے ہے۔ اس لیے کہ اس کا تعلق کلام اللہ سے ہے۔

5 نسبت:

علم قراءت کی نسبت دوسرے علوم کے ساتھ تباین کی ہے یعنی یہ علم دوسرے علوم

سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔

6 واضع:

علم قراءت کے واضع آئمہ قراءت ہیں اس کے اصول وقواعد انہی حضرات نے وضع کیے اور بعض علماء کے نزدیک ابو عمر حفص دوری ازدی رحمہ اللہ ہیں۔

7 لفظ قراءات:

اس کا نام علم قراءات ہے اور قراءات قراءۃ کی جمع ہے۔ مطلق قرآن پڑھنے کو قراءۃ کہا جاتا ہے اب اس کا اطلاق قراء کے نزدیک ان اختلافات پر ہوتا ہے جو تواتر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور جن کو آج کل قراءات عشرہ کہا جاتا ہے۔

8 استمداد اور سہارا یعنی ثبوت:

علم قراءت کا ثبوت وسہارا آئمہ قراءت کی ان صحیح اور متواتر نقول پر ہے جو انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہیں یعنی یہ علم کسی کے عقل کی ایجاد یا اختراع نہیں ہے۔

9 حکم:

علم قراءت کا حکم یہ ہے کہ اس کا سیکھنا اور سکھانا واجب علی الکفایہ ہے پس اگر ایک شخص بھی نہ سیکھے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

10 مسائل:

علم قراءت کے مسائل قواعد کلیہ ہیں مثلاً ایک کلمہ میں دو ہمزہ جمع ہوں تو امام نافع رحمہ اللہ، ابن کثیر مکی رحمہ اللہ اور ابو عمرو بصری رحمہ اللہ دوسرے ہمزہ میں تسہیل کرتے ہیں فائدہ میں جب ہمزہ ساکن ہو تو ورش ماقبل کی حرکت کے اعتبار سے حرف مد سے بدلتے ہیں۔

قراءات کے تواتر کی شروط

قرآءت کے صحیح ہونے کے لیے تین ارکان لازمی ہیں:

١...... اہم ترین اور اوّل یہ کہ وہ سند کے اعتبار سے متواتر ہو۔

٢...... دوم یہ کہ رسم عثمانی کے مطابق ہو (اور یہ مطابقت کسی بھی مصحف کے ساتھ ہو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لکھوائے گئے تھے)۔

٣...... عربیت میں صرفی نحوی قواعد پر منطبق کرنے کی صورت میں صحیح ثابت ہوتی ہو

علامہ جزری رحمہ اللہ ان تین ارکان کا تذکرہ اپنے قصیدے طیبۃ النشر میں اس طرح فرماتے ہیں۔

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجْهَ نَحْوِ
وَكَانَ لِلرَّسْمِ اِحْتِمَالًا يَحْوِيْ
وَصَحَّ إِسْنَادًا هُوَ الْقُرْآنُ
فَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ الْأَرْكَانُ

"فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ"

فضیلۃ الشیخ عبدالستار الحماد

"جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔"

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد

حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شھاب قال:حدثنی عروۃ أن المسور بن مخرمۃ وعبد الرحمن بن عبد القاری حدثاہ أنھما سمعا عمر بن الخطاب یقول: سمعت ھشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول اللہ؛ فاستمعت لقراء تہ فإذا ھو یقرأ علی حروفٍ کثیرۃ لم یقرئنیھا رسولُ اللہ؛ فکِدتُ أساورہ فی الصلاۃ فتصبّرتُ حتی سلّم فلبّبتُہ بردائہ فقلت : من أقرأک ھذہ السورۃ التی سمعتُک تقرأ؟ قال: أقرأنیھا رسولُ اللہ ﷺ فقلت:کذبت أقرأنیھا علی غیر ما قرأت فانطلقتُ بہ أقودُہ إلی رسولِ اللہ ﷺ فقلت:إنّی سمعتُ ھذا یقرأ سورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئنیھا فقال: (أرسلہ،اقرأ یا ھشام) فقرأ القراءۃ التی سمعتُہ فقال رسولُ اللہ ﷺ:(کَذٰلِکَ أُنْزِلَتْ)ثم قال رَسُوْلُ اللہِ ﷺ (اِقْرَأْ یَا عُمَرُ) فقرأتُ الَّتِی اَقْرَأَنِیْ فقال:(کَذٰلِکَ أُنْزِلَتْ،إِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ) (صحیح البخاری:۴۳۱۹)

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سورۃ

الفرقان پڑھتے سنا، میں نے ان کی قراءت کی طرف کان لگایا تو وہ قرآن مجید بہت سے ایسے طریقوں سے پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے، قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا، لیکن میں نے صبر سے کام لیا اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال دیا اور کہا کہ تمہیں یہ سورت اس طرح کس نے پڑھائی ہے انہوں نے کہا مجھے اس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت اس طرح نہیں پڑھائی چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے اس شخص کو سورۃ الفرقان ایسے حروف پر پڑھتے سنا ہے جو آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، ہشام! تم پڑھ کر سناؤ، تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان سے سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم پڑھو، میں نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو آپ ﷺ نے مجھے سکھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھ لیا کرو۔''

فوائد:

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخری حصہ سے عنوان ثابت کیا ہے کہ جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھو، رسول اللہ ﷺ نے 'پڑھنے' کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پڑھنا ان کا فعل ہے، کیونکہ اس میں سہولت کا وصف پایا جاتا ہے، لوگ اس میں مختلف ہوتے ہیں، قراءت میں اختلاف

ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ہوا مگر قرآن کریم اختلاف کا محل نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور قرآن مجید سہولت کے مطابق پڑھنا بندوں کا فعل ہے جو مخلوق ہے۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جہاں سے قرآن یاد ہو وہاں سے قراءت کر سکتے ہو اور جس قدر آسانی سے پڑھا جائے اتنا ہی پڑھنا چاہئے البتہ امام کو ہدایت ہے کہ وہ قراءت کرتے وقت اپنے مقتدیوں کا ضرور خیال رکھے۔

ضروری نوٹ:

حروف سبعہ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، بعض لوگوں نے اس سے سات لغات مراد لی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ دونوں قریشی تھے، ان کی لغت ایک تھی اس کے باوجود ان کا اختلاف ہوا، یہ کوئی معقول بات نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی آدمی کو قرآن مجید ایسی لغت میں سکھائیں جو اس کی لغت نہ ہو، بعض نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنیٰ کو مختلف حروف و الفاظ سے اُدا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت سے ہو، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کی ایک ہی لغت تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی قراءت میں اختلاف ہو،اس سلسلہ میں دو باتوں پر اتفاق ہے۔

① قرآن کریم کو سبعہ حروف سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اُصول کے تحت نہیں آتے۔

② سبعہ حروف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءات ہرگز نہیں ہیں، جو اس سلسلہ میں مشہور ہوئے ہیں، کیونکہ پہلے شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ ہیں جن کا تعلق چوتھی صدی سے ہے۔امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے تیس سے زیادہ سال،

اس پر غور و فکر کیا، اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قراءات کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں ہے وہ حسب ذیل ہیں:

①: معنی اور صورت خطی میں تبدیلی کے بغیر صرف حرکات میں اختلاف ہوگا جیسا کہ یبخل کو چار اور کلمہ یحسب کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔

②: صورت خطی میں اختلاف کے بجائے صرف معنی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ فتلقی آدم من ربه کلمات کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے:

① کی رفعی اور کلمات کی نصبی حالت

② کی نصبی اور کلمات کی رفعی حالت۔

③: صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی جس سے معنی بھی بدل جائے، جیسا کہ تبلوا کو تتلوا پڑھا گیا ہے۔

④: صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی، لیکن اس سے معنی نہیں تبدیل ہوگا جیسا کہ بصطة کو بسطة اور الصراط کو السراط پڑھا گیا ہے۔

⑤: صورت خطی اور حروف دونوں کی تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی تبدیل ہو جائے گا أشد منکم کو أشد منھم پڑھا گیا ہے۔

⑥: تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہوگا جیسا کہ فیقتلون ویقتلون میں ہے، اس میں پہلا معروف اور دوسرا مجہول ہے اسے یوں بھی پڑھا گیا ہے ویقتلون فیقتلون

⑦: حروف کی کمی و بیشی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ وأوصٰی کو ووصّٰی پڑھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اظہار و إدغام، روم واشمام، تفخیم و ترقیق، مدوقصر، امالہ و فتح، تخفیف و تسہیل اور ابدال و نقل وغیرہ جسے فن قراءت میں اصول کا نام دیا جاتا ہے، یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس سے معنی یا لفظ میں تبدیلی آتی ہو۔ [النشر: ۱/۲۶]

دورِ حاضر میں بعض اہل علم کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ جو قراءات مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کررکھی ہیں وہ سب فتنہ عجم کی باقیات ہیں، ہمارے رجحان کے مطابق مذکورہ دعویٰ بلا دلیل ہے، کیونکہ یہ قراءات صحابہ وتابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر اور اس کے مطابق ہیں نیز یہ اجماع امت سے ثابت ہیں، جس طرح ہمارے ہاں روایت حفص کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کئے جاتے ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں روایت ورش وغیرہ کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کئے جاتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام کے ساتھ انہیں شائع کرتی ہیں، میری ذاتی لائبریری میں روایت ورش کا مصحف موجود ہے، حال ہی میں سعودی عرب کے مجمع الملک فہد (مدینہ طیبہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف ان مسلم ممالک کیلئے طبع کئے ہیں جن میں ان کے مطابق قراءت کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متن میں تمام قراءات متواترہ کی گنجائش موجود ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں اس رسم الخط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام قراءات متواترہ کے پڑھنے کا اِمکان موجود ہے اور یہ ساری قراءت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اَطراف عالم میں بھیجے ہوئے نسخوں کے رسم الخط میں سما جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کی کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لیے درج ذیل قاعدہ ہے:

① "جو قراءت قواعد عربیہ کے مطابق ہو اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو، ② وہ قراءت مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو خواہ وہ مطابقت احتمالاً ہو ③ وہ قراءت صحیح متواتر سند سے ثابت ہو۔"

اس اُصول کے مطابق جو بھی قراءت ہوگی وہ قراءت صحیحہ اور ان حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا، مسلمانوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر تینوں شرائط میں سے کسی ایک شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءت شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔[النشر:۲/۹]

یہ بات کہ تمام قراءات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں سما جاتی ہیں ہم اس کی وضاحت ایک مثال سے کرتے ہیں، سورۃ الفاتحہ کی آیت "ملك یوم الدین" اس آیت میں ملک کو مَلِكِ اور مَالِكِ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے اور یہ دونوں قراءات، متواترہ ہیں، روایت حفص میں اسے مٰلك میم پر کھڑا زبر اور روایت ورش میں اسے مَلك میم پر زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حجاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں یعنی روزِ جزا کا مالک یا روزِ جزا کا بادشاہ، جو کسی علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے وہ اس کا مالک بھی ہوتا ہے، لیکن جس مقام میں اختلاف قراءت کے متعلق متواتر سند نہ ہو وہاں رسم الخط میں گنجائش کے باوجود دوسری قراءت پڑھنا ناجائز اور حرام ہے مثلاً سورۃ الناس کی دوسری آیت رسم عثمانی کے مطابق اس طرح ہے، 'ملك الناس' اس مقام پر تمام قراء مَلِكِ الناس ہی پڑھتے ہیں اسے کوئی بھی مالِكِ الناس کھڑے زبر کے ساتھ نہیں پڑھتا، کیونکہ یہاں اختلاف قراءت منقول نہیں ہے دراصل قراءت متواترہ کے اختلاف سے قرآنِ کریم میں کوئی ایسا ردّ وبدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنی تبدیل ہوجائیں یا حلال حرام ہوجائے بلکہ اختلاف قراءت کے باوجود بھی قرآن، قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، بہرحال قراءت متواترہ جنہیں اَحادیث میں احرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اور اسکے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ رشد)

اختلاف قراءات سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی نظر میں

مولانا عبد اللہ دانش حفظہ اللہ

"مستشرقین نے یہ بات طے کی ہوئی ہے کہ اسلام واحکام اسلام شعائرِ اسلام اور قرآن وحدیث کو ہمیشہ ہدف تنقید بنائے رکھنا ہے۔ چلیں ان کی اسلام دشمنی تو سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ بقول قرآن یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان سے زیادہ خطرناک وہ نام نہاد پڑھے لکھے فلاسفر اور مفکر صاحبان ہیں جو اپنے گمراہ کن افکار ونظریات ہماری نوجوان نسل میں بکھیر رہے ہیں یہ آوارہ منش نام نہاد مفکرین نوجوان نسل کو جس طرح گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کی تردید اور گمراہ کن نظریات کے جواب کے لیے علماء حق نے ہر دور میں کام کیا۔ انکار حدیث کے فتنے کی طرح انکار قراءات کا فتنہ بھی انہی مفکرین حضرات نے بڑے زور وشور سے پیش کیا۔ لیکن علماء حق نے ان نام نہاد مفکرین کے ردّ میں نہایت شاندار کام کیا۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کا نام علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ جدید دور میں تشکک اور توہم کی فضاء میں انگریزی خواں طبقہ جو دینی علوم سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتا اور ان گمراہ مفکرین کا بڑا آسان ہدف ہوتا ہے۔ ان کی راہنمائی کے لیے اور ان تک ان کے اذہان کے مطابق صحیح اسلامی تعلیمات کو پہنچانے کا کام سید مودودی رحمہ اللہ نے جس نہج اور خطوط پر کیا ہے اس کی مثال آج بہت سے علماء کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ سے اختلاف قراءات سے متعلق ایک سوال جماعت اسلامی کے رسالہ "ترجمان القرآن" کے جون ۱۹۵۹ء کے شمارہ میں ہوا تھا۔ جس کا بڑا محققانہ جواب سید

مودودی رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ اس سوال اور جواب دونوں کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن مجید آج ٹھیک اسی صورت میں موجود ہے جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور اس میں ذرہ برابر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، لیکن یہ بات بھی اس کے ساتھ قطعی صحیح ہے کہ قرآن میں قراءتوں کا اختلاف تھا اور ہے۔ جن لوگوں نے اس مسئلے کا باقاعدہ علمی طریقے پر مطالعہ نہیں کیا ہے وہ محض سطحی نظر سے دیکھ کر بے تکلف فیصلہ کر دیتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں باہم متضاد ہیں اور ان میں سے لازماً کوئی ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے، یعنی اگر قرآن صحیح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوا ہے تو اختلافاتِ قراءت کی بات غلط ہے اور اگر اختلافِ قراءت صحیح ہے تو پھر معاذ اللہ قرآن ہم تک صحیح طریقے سے منتقل نہیں ہوا ہے، حالانکہ فیصلے صادر کرنے سے پہلے یہ لوگ کچھ علم حاصل کرنے کی کوشش کریں تو خود بھی غلط فہمی سے بچ جائیں اور دوسروں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کا وبال بھی اپنے سر نہ لیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس رسم الخط میں ابتداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی کتابت کرائی تھی اور جس میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلا مصحف مرتب کرایا اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جس کی نقل بعد میں شائع کرائی، اس کے اندر نہ صرف یہ کہ اعراب نہ تھے بلکہ نقطے بھی نہ تھے، کیونکہ اس وقت تک یہ علامات ایجاد نہ ہوئی تھیں۔ اس رسم الخط میں پورے قرآن کی عبارت یوں لکھی گئی تھی:

کتاب احکمت ایته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر

اس طرزِ تحریر کی عبارت کو با آسانی پڑھ لیتے تھے اور چونکہ وہ اہل زبان تھے اس لیے بہر حال بامعنی بنا کر ہی پڑھا کرتے تھے، لیکن جہاں مفہوم کے اعتبار سے متشابہ الفاظ آ جاتے ہیں، یا زبان کے قواعد و محاورہ کی رو سے ایک ہی لفظ کے کئی تلفظ یا اِعراب ممکن ہوتے وہاں خود اہل زبان کو بھی بکثرت التباسات پیش آ جاتے ہیں اور یہ تعین کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ لکھنے والے کا اصل منشا کیا ہے۔ مثلاً ایک فقرہ اگر یوں لکھا ہو کہ ربنا بعد

بین اسفارنا تو اسے رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا بھی پڑھا جاسکتا تھا اور رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا بھی۔ اسی طرح اگر ایک عبارت یوں لکھی ہو کہ انظر الی العظام کیف ننشزھا تو اسے اُنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا بھی پڑھا جاسکتا تھا اور كَيْفَ نُنْشِرُهَا بھی۔

یہ اختلافات تو اس رسم الخط کے پڑھنے میں اہل زبان کے درمیان ہوسکتے تھے، لیکن ایک عربی تحریر اگر اسی رسم الخط میں غیر اہل زبان کو پڑھنی پڑ جاتی تو وہ اس میں ایسی سخت غلطیاں کرجاتے جو قائل کے منشا کے بالکل برعکس معنی دیتی تھیں۔ مثلاً ایک دفعہ ایک عجمی نے آیت اِنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ میں لفظ وَرَسُوْلُهٗ کا اعراب وَرَسُوْلِهٖ پڑھا جس سے معنی یہ بن گئے کہ ''اللہ بری الذمہ ہے مشرکین سے اور اپنے رسول سے۔'' معاذ اللہ

پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن میں اعراب لگانے کی ضرورت سب سے پہلے بصرے کے گورنر زیاد نے محسوس کی جو ۴۵ھ سے ۵۳ھ تک وہاں کا گورنر رہا تھا۔ اس نے ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ سے فرمائش کی کہ وہ اعراب کے لیے علامات تجویز کریں اور انہوں نے یہ تجویز کیا کہ مفتوح حرف کے اوپر، مکسور حرف کے نیچے اور مضموم حرف کے بیچ میں ایک ایک نقطہ لگا دیا جائے۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ ۶۵ھ تا ۸۶ھ کے عہد حکومت میں حجاج بن یوسف والی عراق نے دو علماء جن کے نام یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ اور نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ ہیں اور یہ دونوں ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں ان دونوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ قرآن کے متشابہ حروف میں تمیز کرنے کی کوئی صورت تجویز کریں۔ چنانچہ انہوں نے پہلی مرتبہ عربی زبان کے حروف میں بعض کو منقوط اور بعض کو غیر منقوط کرکے اور منقوط حروف کے اوپر یا نیچے ایک سے لے کر تین تک نقطے لگا کر فرق پیدا کیا اور ابوالاسود رحمہ اللہ کے اعرابی نقطوں کا سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ یہاں کہ مشہور نحوی امام خلیل بن احمد فراھیدی رحمہ اللہ نے اس طریقے کو بدل کر اعراب کے لیے

نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی وہ حرکات تجویز کیں جو آج بھی مستعمل ہیں۔

ان دو تاریخی حقیقتوں کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ اگر قرآن کی اشاعت کا دار ومدار صرف تحریر پر ہوتا تو جس رسم الخط میں اُمت کو یہ کتاب ملی تھی اس کو پڑھنے میں تلفظ اور اعراب ہی کے نہیں، متشابہ حروف کے بھی کتنے بے شمار اختلافات ہوگئے ہوتے۔ محض زبان اور اس کے قواعد کی بنا پر خود اہل زبان بھی اگر نقطے اور اعراب لگانے بیٹھتے تو قرآن کی ایک ایک سطر میں بیسیوں اختلافات کی گنجائش نکل سکتی تھی اور کسی ذریعہ سے یہ فیصلہ نہ کیا جاسکتا تھا کہ اصل عبارت جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی تھی وہ کیا تھی۔ اس کا اندازہ آپ خود اس طرح کرسکتے ہیں کہ اُردو زبان کی کوئی عبارت بے نقط لکھ کر دس بیس زبان داں اصحاب کے سامنے رکھ دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کسی کی قراءت بھی کسی دوسرے کی قراءت کے مطابق نہ ہوگی۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن میں نقطے اور اعراب لگانے کا کام محض لغت اور قواعد زبان کی مہارت کے بل بوتے پر نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ اس طرح ایک مصحف نہیں، بے شمار مصاحف تیار ہوجاتے جن میں الفاظ اور اعراب کے اَن گنت اختلافات ہوتے اور کسی نسخے کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہ کیا جاسکتا کہ یہ ٹھیک اس تنزیل کے مطابق ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔

اب وہ کیا چیز ہے جس کی بدولت آج دنیا بھر میں ہم قرآن کا ایک ہی متفق علیہ متن پارہے ہیں اور جس کی بدولت قراءتوں کے اختلافات امکانی وسعتوں تک پھیلنے کے بجائے صرف چند متواتر یا مشہور اختلافات تک محدود رہ گئے؟ یہ اُسی نعمت کا صدقہ ہے جس کی قدر گھٹانے اور جس پر سے اعتماد اٹھانے کے لیے منکرین حدیث ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں یعنی روایت۔

اوپر جن دو تاریخی حقیقتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ ایک تیسری اہم ترین تاریخی حقیقت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی اشاعت ابتداءً تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ زبانی تلقین کی صورت میں ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے قرآن کی عبارت کو کاتبانِ وحی

سے لکھوا کر محفوظ تو ضرور کرا دیا تھا، لیکن عوام میں اس کے پھیلنے کا اصل ذریعہ یہ تھا کہ لوگ براہِ راست حضورﷺ کی زبان سے قرآن کو سن کر یاد کرتے تھے اور پھر حضورﷺ سے سیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آگے دوسروں کو سکھاتے اور حفظ کراتے تھے۔اس طرح قرآن کا صحیح تلفظ اور صحیح اعراب، جو عین تنزیل کے مطابق تھا ہزارہا آدمیوں کو حضورﷺ سے معلوم ہوا اور پھر لاکھوں آدمیوں کو حضورﷺ کے شاگردوں کی زبانی تعلیم سے حاصل ہوا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک معتدبہ گروہ ایسے اصحاب کا تھا جنہوں نے پورا قرآن لفظ بلفظ حضورﷺ سے سنا اور یاد کیا تھا۔ ہزارہا اصحاب ایسے تھے جو قرآن کے مختلف اجزاء حضورﷺ سے سن کر یاد کر چکے تھے اور ایک بہت بڑی تعداد ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی جنہوں نے حضورﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تو آپ سے صرف بعض اجزاء قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی، مگر آپﷺ کے بعد پورے قرآن کی قراءت لفظ بلفظ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھی جو حضورﷺ سے اس کو سیکھ چکے تھے۔ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ اصل ذریعہ تھے جن کی طرف بعد کی نسل نے قرآن کی صحیح قراءت (Reading) معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا۔اس قراءت کا حصول محض لکھے ہوئے مصحف سے ممکن نہ تھا۔ یہ چیز صرف اسی طرح حاصل ہوسکتی تھی کہ مصحف مکتوب کو ان جیتے جاگتے مصاحف سے پڑھ کر اس کی اصلی عبارت تک رسائی حاصل کی جائے۔

یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جو مستند نسخے لکھوا کر مملکت کے مختلف مراکز میں رکھوائے تھے ان کے ساتھ ایک ایک ماہر قراءت کو بھی مقرر کیا تھا تاکہ وہ ان نسخوں کو ٹھیک طریقے سے پڑھنا لوگوں کو سکھائے۔ مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس خدمت پر مقرر تھے۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ شام میں مغیرہ بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ، کوفہ میں ابوعبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ علیہ اور بصرہ میں عامر بن عبدالقیس رحمۃ اللہ علیہ اس منصب پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ جہاں جو صحابی بھی حضورﷺ سے براہ راست یا آپﷺ کے

بعد قراء صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن کی پوری قراءت سیکھے ہوئے تھے، ان کی طرف ہزار ہا آدمی اس مقصد کے لیے رجوع کرتے تھے کہ قرآن کا صحیح تلفظ اور صحیح اعراب لفظ بلفظ ان سے سیکھیں۔

ان عام متعلمین قرآن کے علاوہ تابعین و تبع تابعین کے عہد میں ایک گروہ ایسے بزرگوں کا بھی پیدا ہوگیا جنھوں نے خصوصیت کے ساتھ قراءت قرآن میں اختصاص پیدا کیا۔ یہ لوگ ایک ایک لفظ کے تلفظ، طریق ادا اور اعراب کو معلوم کرنے کے لیے سفر کر کے ایسے اُساتذہ کے پاس پہنچے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر نسبت تلمذ رکھتے تھے اور ہر ہر لفظ کی قراءت کے متعلق یہ نوٹ کیا کہ اسے انہوں نے کس سے سیکھا ہے اور اس کے استاد نے کس سے سیکھا تھا۔ اسی مرحلے میں یہ بات تحقیق ہوئی کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں کی قراءت میں کہاں کہاں اور کیا اختلافات ہیں۔ ان میں سے کون سے اختلافات شاذ ہیں، کون سے مشہور ہیں، کون سے متواتر ہیں اور ہر ایک کی سند کیا ہے۔ (یاد رہے کہ متواتر قراءت سے مراد وہ قرآءت ہے جو کثیر التعداد اصحاب نے کثیر التعداد اصحاب سے سُنی ہو۔ عربی لغت وقواعد کے مطابق ہو اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لکھوائے گئے کسی مصحف کے مطابق ہو۔ اور شاذ قراءت سے مراد وہ ہے جو سند کے لحاظ سے منقطع ہو یا قوی الاسناد نہ ہو یا صرف ایک ہی سند سے وارد ہو یا عربی لغت وقواعد کے برخلاف ہو یا مصحف عثمانی کے مطابق نہ ہو۔ ''عبداللہ دانش''

پہلی صدی کے دورِ آخر سے لے کر دوسری صدی تک اس طرح کے ماہرین قراءت کا ایک گروہ کثیر دنیائے اسلام میں موجود تھا۔ مگر ان میں خاص طور پر جن لوگوں کا کمال علم تمام اُمت میں تسلیم کیا گیا وہ حسب ذیل سات اُصحاب ہیں جو قراء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں:

①: امام نافع بن عبدالرحمن رحمہ اللہ متوفی ۱۶۹ھ یہ اپنے وقت میں مدینہ کے رئیس القراء مانے جاتے تھے ان کا سب سے زیادہ معتبر سلسلہ تلمذ یہ تھا کہ انہوں نے امام

ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ سے اور امام شیبہ بن نصاح القاضی رحمہ اللہ سے قرآن پڑھا اور ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پورا قرآن پڑھا۔ انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

②: امام عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ یہ مکہ کے امام قراءت تھے۔ ۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے خاص استاد عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تھے جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے سرکاری نسخے کے ساتھ تعلیم دینے کے لیے مکہ بھیجا تھا اور عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پورا قرآن پڑھا تھا۔

③: امام ابوعمرو بن العلاء البصری رحمہ اللہ ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔ حرمین اور کوفہ و بصرہ کے کثیر التعداد ائمہ قراءت سے علم حاصل کیا۔ ان کے سب سے زیادہ معتبر سلسلہ تلمذ دو تھے۔ ایک مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا سلسلہ جو حضرت عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا تھا۔ دوسرا حسن بصری رحمہ اللہ کا سلسلہ جن کے اساتذہ ابوالعالیہ تھے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

④: امام عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ۔ یہ اہل شام میں قراءت کے امام مانے گئے۔ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸ میں وفات پائی۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قراءت سیکھی تھی۔ جن میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ ان کے خاص استاذ مغیرہ بن شہاب مخزومی رحمہ اللہ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قراءت کا علم حاصل کیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کا جو سرکاری نسخہ شام بھیجا گیا تھا اس کے ساتھ یہی مغیرہ بن شہاب رحمہ اللہ تعلیم

قراءت پر مامور کر کے بھیجے گئے تھے۔

⑤: امام عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ۔ کوفہ کے شیخ القراء، ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ ان کے معتبر ترین ذریعہ علم قراءت دو تھے۔ ایک زر بن حبیش رحمہ اللہ جنہوں نے حضرات علی و عثمان و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے قراءت کا علم حاصل کیا تھا۔ دوسرے عبداللہ بن حبیب السلمی رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا معلم قراءت مقرر کیا تھا۔ آج ہمارے برصغیر پاک و ہند میں قرآن کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ انہی عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ کے مشہور ترین شاگرد حفص رحمہ اللہ (۹۰ھ، ۱۸۰ھ) کی روایت کے مطابق ہے۔

⑥: امام حمزہ بن حبیب الکوفی رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا خاص سلسلۂ سند عن الاعمش، عن یحییٰ بن وثاب، عن زر بن حبیش، عن علی و عثمان و ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہے۔ اپنے وقت میں یہ کوفہ کے امام اہل قراءت مانے جاتے تھے۔

⑦: امام علی الکسائی رحمہ اللہ۔ یہ امام حمزہ کے بعد کوفہ کے امام قراءت مانے گئے امام حمزہ سے ہی قراءات حاصل کیں۔ یہ بیک وقت نحو کے امام بھی تھے اور قراءت کے امام بھی۔ ان کی مجلس میں سینکڑوں آدمی اپنے اپنے مصاحف لے کر بیٹھ جاتے اور یہ قرآن کے ایک ایک لفظ کا صحیح تلفظ، طریق اَداء اور اعراب بتاتے جاتے تھے۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

⑧: امام ابوجعفر یزید بن القعقاع المدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ)

یہ مدینہ کے امام تھے پہلے امام قرآءت امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے استاذ تھے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پڑھا ان تینوں صحابہ کرام نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پڑھا۔

⑨: امام یعقوب الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۵ھ)

یہ بصرہ کے امام قراءت تھے اور بصرہ کے امام ابوعمرو کے نامور شاگرد تھے جن کی سند کے حالات میں گزر چکی ہے۔

⑩: امام خلف بن ھشام البزار رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۹ھ)

یہ کوفہ کے امام قراءت تھے۔ بغداد میں بھی کافی عرصہ رہے۔ آپ امام حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد تھے جن کی سند ان کے حالات میں گزر چکی ہے۔

ان کے علاوہ چار ائمہ قراءت اور بھی تھے جن کے نام یہ ہیں:

1 ...... امام ابن محیص المکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳ھ) یہ مکہ معظمہ کے امام تھے۔

2 ...... امام یحییٰ الیزیدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۲ھ) یہ بصرہ کے امام تھے۔

3 ...... امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) یہ بھی بصرہ کے امام تھے۔

4 ...... امام سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۸ھ) یہ کوفہ کے امام تھے۔

مگر ان میں سے پہلے دس قراء کرام رحمہم اللہ کی قراءات کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت خدا داد عطا فرمائی۔ اور امت کے پاس ان دس ائمہ کی قراءات محفوظ ہیں اور پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں۔

نوٹ: آٹھویں امام کے حالات سے لے کر یہاں تک اضافہ راقم الحروف کا ہے۔ (عبداللہ دانش)

ان قراء کے زمانے میں سینکڑوں ہزاروں آدمی ایسے موجود تھے جنہیں انہی ذرائع اور سندوں سے یہ قراءتیں پہنچی تھیں جن سے ان ائمہ کرام کو پہنچی تھیں وہ بھی انہی استادوں کے شاگرد تھے جن کے یہ ائمہ کرام شاگرد تھے اور ان سب کے پاس ہر ایک قراءت کے لیے پورا سلسلۂ اسناد موجود تھا جو کسی صحابی رضی اللہ عنہم کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا تھا۔ اس لیے ان میں سے کسی امام قراءت کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

وہ اپنی قراءت کی روایت میں منفرد تھا۔ دراصل ہر ایک کی قراءت کے بکثرت گواہ دنیائے اسلام کے ہر حصے میں پائے جاتے تھے، اسی وجہ سے ان اماموں کی قراءتیں اُمت میں مسلّم مانی گئیں۔

مختلف قراءتوں کو ردّ یا قبول کرنے کے لیے اہل فن کے درمیان جن شرائط پر قریب قریب مکمل اتفاق پایا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

اوّل: یہ کہ جو قراءت بھی ہو وہ مصحف عثمانی کے رسم الخط سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس رسم الخط میں جس قراءت کی گنجائش نہ ہو وہ کسی حال میں قبول نہیں کی جائے گی، مثلاً مصحف عثمانی میں اگر ایک لفظ بعد لکھا گیا ہے تو اس کی قراءت بِعِدْ اور بَعَّدَ تو قبول کی جاسکتی ہے مگر بَعُدَتْ قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ مستند سرکاری متن کے خلاف پڑتی ہے۔

دوم: یہ کہ قراءت ایسی ہو جو عربی لغت، محاورے اور قواعد زبان کے خلاف نہ ہو اور عبارت کے سیاق و سباق سے مناسبت رکھتی ہو۔

ان دونوں شرطوں کے ساتھ تیسری اہم ترین شرط یہ ہے کہ ایک قراءت اسی صورت میں قابل قبول ہوگی جب کہ اس کی سند معتبر اور مسلسل واسطوں سے نبی ﷺ تک پہنچتی ہو۔ ورنہ محض یہ بات کہ ایک قراءت کے لیے مصحف کے رسم الخط میں گنجائش ہے اور عربی قواعد زبان کے لحاظ سے بھی ایک سیاق و سباق میں کوئی لفظ اس طرح پڑھا جاسکتا ہے، اس کو قبول کر لینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر قراءت کے لیے اس امر کا ثبوت لازماً ہونا چاہئے کہ اس لفظ یا اس عبارت کو حضور ﷺ نے اس طرح پڑھا تھا یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو اس طرح پڑھایا تھا۔ یہی آخری شرط وہ اصل نعمت ہے جس کی بدولت قراءتوں کے وہ بے شمار ممکن اختلافات، جن کی گنجائش مصحف عثمانی کے رسم الخط اور زبان و محاورہ میں نکل سکتی تھی، گھٹ کر چند مستند اختلافات تک محدود ہو گئے اور ہم کو یہ سعادت

میسر ہوئی کہ قرآن جیسا نبی ﷺ نے پڑھا یا ویسا ہی آج ہم پڑھ سکیں۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ معتبر قاریوں کے واسطہ سے متواتر اور مشہور سندوں کے ساتھ جو مختلف قراءتیں ہم تک پہنچی ہیں ان کے اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ کیا فی الواقع حضور ﷺ نے خود ہی بعض الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھا اور پڑھایا تھا یا ان میں سے کسی قراءت کو حضور ﷺ کی طرف غلط نسبت دے دی گئی ہے؟ اور کیا یہ قراءتیں معنی کے لحاظ سے متضاد ہیں یا ان میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع حضور ﷺ ہی نے بعض الفاظ مختلف طریقوں سے پڑھے اور پڑھائے ہیں اور ان مختلف قراءتوں میں درحقیقت تضاد نہیں ہے بلکہ غور کرنے سے ان میں بڑی گہری معنوی مناسبت اور اِفادیت پائی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ملك يوم الدين کی دو متواتر قراءتیں ہیں۔ عاصم، کسائی، خلف اور یعقوب رحمہم اللہ نے کثیر التعداد صحابہ کی سند سے اس کو مٰلِكِ يوم الدين روایت کیا ہے، اور دوسرے قاریوں نے بہت سے صحابہ سے اسکی قراءت مَلِكِ يوم الدين نقل کی ہے۔ ایک قراءت کی رُو سے ترجمہ ہوگا ''روز جزاء کا مالک'' اور دوسری قراءت کا ترجمہ ''روز جزاء کا بادشاہ'' غور کیجئے کیا ان دونوں میں تضاد ہے؟ درحقیقت ان دو قراءتوں نے مل کر تو معنی کو اور زیادہ وسعت دے دی اور مدعا کو پوری طرح نکھار دیا۔ سند سے قطع نظر، عقل بھی کہتی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے دونوں قراءتوں کے ساتھ یہ لفظ حضور ﷺ کو سکھایا ہوگا اور حضور ﷺ اس لفظ کو کبھی ایک طرح اور کبھی دوسری طرح پڑھتے ہوں گے۔

ایک اور مثال آیت وضوء کی ہے جس میں ارجلكم کی دو متواتر قراءتیں منقول ہوئی ہیں۔ نافع، عبداللہ بن عامر، حفص، کسائی اور یعقوب ؒ کی قراءت اَرْجُلَكُمْ ہے جس سے پاؤں دھونے کا حکم ثابت ہوتا ہے اور عبداللہ بن کثیر، حمزہ بن حبیب، ابوعمرو

بن العلاء اور شعبہ اور خلف العاشر ﷭ کی قراءت اَرْجُلِكُمْ ہے جس سے پاؤں پر مسح کرنے کا حکم نکلتا ہے۔ بظاہر ایک شخص محسوس کرے گا کہ یہ دونوں قراءتیں متضاد ہیں، لیکن نبی ﷺ کے عمل سے معلوم ہوگا کہ دراصل ان میں تضاد نہیں ہے بلکہ یہ دو مختلف حالتوں کے لیے دو الگ الگ اَحکام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بے وضو آدمی کو وضو کرنا ہو تو اسے پاؤں دھونا چاہیے۔ باوضو اگر تجدید وضو کرے تو وہ صرف مسح پر اکتفا کرسکتا ہے۔ وضو کرکے اگر آدمی پاؤں دھونے کے بعد موزے پہن چکا ہو تو پھر بحالت قیام ایک شب وروز تک اور بحالت سفر تین شب و روز تک وہ صرف موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ حکم کی یہ وسعت ان دو قراءتوں کی بدولت ہی واضح ہوتی ہے۔

اسی طرح دوسرے جن جن مقامات پر بھی قرآن کی متواتر اور مشہور قراءتوں میں اختلافات پائے جاتے ہیں ان میں کسی جگہ بھی آپ تضاد اور تصادم نہ پائیں گے۔ ہر قراءت دوسری قراءت کے ساتھ ایک نیا فائدہ دیتی ہے جو تھوڑے سے غور وفکر اور تحقیق سے آپ کو معلوم ہوسکتا ہے۔ (بشکریہ: ماہنامہ ترجمان القرآن)

حدیث سبعۃ أحرف اور اس کا مفہوم

فضیلۃ الشیخ محمد ادریس العاصم
رئیس العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

تمام تعریفات اللہ رب العلمین کے لئے جس نے انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے قرآن مجید نازل کیا اور درود سلام ہوں نبی ﷺ کی ذات مقدسہ پر جنہوں نے اپنی اُمت کی آسانی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت طلب فرمائی۔

یہ سات حروف تا قیامت نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ ان کے معانی ومفاہیم اورطرق ادا بھی محفوظ ومامون رہیں گے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر گوشے اور ہر دور میں لاکھوں افراد پیدا فرمائے جنہوں نے ودیعت کردہ تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خدمتِ قرآن کا حق اُدا کیا۔ یوں ان کی خدماتِ جلیلہ کی وجہ سے آج تواتر کے ساتھ قرآن مجید بغیر کمی وزیادتی کے ہم تک پہنچا۔

قرآن مجید رشد وہدایت کا منبع اور ماخذ ہے۔ مسلمان تمام تر معاملات میں اسی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اعداء اسلام کی روز اوّل سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو اس کتاب ہدایت سے دور کرسکیں۔ اس لیے کبھی تو انہوں نے اسے اختراع محمد ﷺ کہا اور کبھی گذشتہ اقوام کی کہانیاں۔

مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ یہ اعتراضات نیا سے نیا روپ دھارتے رہے انکارِ قرآن کے لئے کبھی فتنہ انکارِ حدیث اٹھایا گیا کبھی جمع وتدوین قرآن کے کام کو مشکوک ٹھہرایا گیا، کبھی حدیث سبعہ احرف کو موضوع قرار دیا گیا اور کبھی قراءات قرآنیہ کو اختراع قراء کہا گیا،لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حفظ وضمانت کا وعدہ پورا کرتے ہوئے ہر زمانہ میں ایسے ہی

ابطال جلیل اور دین کے داعی علماء پیدا فرمائے جنہوں نے دفاعِ قراء ت کا بیڑا اٹھایا انہوں نے تمام قرآنی علوم کو فرداً فرداً نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

زیر نظر مضمون میں ہم سبعۂ احرف کے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کریں گے، مگر اس سے پہلے چند ایسی اَحادیث کا تذکرہ کرتے ہیں جو احرف سبعہ کے منزل من اللہ ہونے اور اس کی وضاحت میں قطعی حیثیت کی حامل ہیں۔

حدیث نمبر(1)

”عن عمر بن الخطاب قال سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقانِ في حياة رسول اللهﷺ فاستمعت بقراء ته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول اللهﷺ فكدت أن أساوره في الصلوٰة فتصبرت حتىٰ سَلَّمَ،فلببته بردائه فقلت من أقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ قال أقرأنيها رسو ل اللهﷺ فقلت له كذبت فإن رسول اللهﷺقد أقرأنيها على غير ما قرأت فانطلقت به أقوده إلى رسول اللهﷺ فقلت إني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على حروف كثيرة لم تقرئنيها فقال أرسله،إقرأ يا هشام! فقرأ القراء ة التي سمعته فقال رسول اللهﷺ كذلك أنزلت،ثم قال اقرأ يا عمر فقرأت القرأء ة التي أقرأني فقال كذلك أنزلت،إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤا و ما تيسر منه“

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو کئی ایسے حروف پر سورۃ الفرقان (نماز میں) پڑھتے ہوئے سنا، جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے، قریب تھا کہ میں نماز میں ان پر لپکتا، مگر میں نے ان کے سلام پھیرنے تک انتظار کیا (

جب انہوں نے سلام پھیرا) تو میں نے ان کے گلے میں انہی کی چادر کو کھینچتے ہوئے پوچھا کہ آپ کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے جواباً کہا کہ مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے پڑھائی ہے میں نے کہا تم غلط کہہ رہو کیونکہ مجھے نبی ﷺ نے یہ سورت اور طرح پڑھائی ہے میں انہیں کھینچتا ہوا آپ ﷺ کے پاس لے آیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہشام رضی اللہ عنہ سورۃ الفرقان کو کئی ایسے حروف (یعنی قراءات) پر پڑھ رہے تھے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے آپ ﷺ نے فرمایا ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو اور آپ ﷺ نے ہشام رضی اللہ عنہ کو تلاوت کا حکم فرمایا انہوں نے ویسے ہی قراءت کی جس طرح میں نے سنی تھی آپ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ ''یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے'' پھر آپ ﷺ نے مجھے تلاوت کا حکم دیا تو میں نے اسی طرح پڑھ دی جس طرح آپ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اسی طرح نازل ہوئی'' یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جو آسان لگے اسے پڑھ لو۔'' [متفق علیہ]

حدیث نمبر (2)

''عن أبي بن كعب قال كنت في المسجد فدخل رجل يصلي فقراء قراءةً أنكرتها عليه ثم دخل اٰخر فقرأ قراءةً سوى قراءة صاحبه فلما قضينا الصلوٰة دخلنا جميعا على رسول الله ﷺ فقلت إن هذا قرأ قراءةً أنكرتها عليه ودخل آخر فقرأ سوى قراءة صاحبه فأمرهما النبي ﷺ فقرأ فحسن شأنهما فسقط في نفسي من التكذيب ولا إذ كنت في الجاهلية فلما راٰى رسول الله ﷺ ما قد غشيني ضرب في صدري ففضت عرقاً فكانما أنظر إلى الله تعالىٰ فرقًا، فقال لي يا أبي ارسل الي ان اقرأ القران على حرف فرددت

إليه أن هون على أمتي فرد إلى الثانية اقرأه على حرفين فرددت إليه أن هون على أمتي فرد إلى الثالثة اقرأه على سبعة أحرف فلك بكل ردة رددتكها مسألة فقلت اللهم اغفر لامتي، اللهم اغفر لامتي واخرت الثالثة ليوم يرغب إلى الخلق كلهم حتى إبراهيم عليه السلام"

"حضرت اُبي بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا تو ایک آدمی آیا وہ نماز پڑھنے لگا اس نے ایسی قراءت کی جسے میں نے درست نہیں سمجھا پھر ایک دوسرا آدمی آیا اس نے اس کے خلاف قراءت کی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے میں نے کہا بے شک اس نے ایسی قراءت کی ہے جسے میں نے درست نہیں سمجھا، اور دوسرا آیا تو اس نے پہلے کے خلاف قراءت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا انہوں نے پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی توثیق کی، میرے دل میں تکذیب کا وسوسہ پیدا ہوا جو کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی نہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا، گویا کہ خوف کی وجہ سے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے ابی رضی اللہ عنہ! میری طرف فرشتہ بھیجا گیا کہ میں قرآن کو ایک طریقہ پر پڑھوں میں نے تکرار کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیں! دوسری مرتبہ میری طرف فرشتہ بھیجا گیا کہ میں قرآن کو دو طریقوں (قراءتوں) پر پڑھوں، میں نے تکرار کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے! تیسری مرتبہ میری طرف فرشتہ بھیجا گیا کہ میں قرآن کو سات قراءتوں پر پڑھوں، جتنی مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ہر ایک میں ایک عطا کرتا ہے تو میں نے کہا اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا کو میں نے اس

(قیامت کے) دن تک مؤخر کر دیا ہے جب لوگ میری طرف (سفارش کی) خواہش کریں گے۔حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔'' [صحیح مسلم]

حدیث نمبر (3)

عن أبي بن كعب قال لقي رسو ل اللهﷺ جبرائيل فقال يا جبرائيل إني بعثت إلى أمة أميين منهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية والرجل الذي لم يقرأ كتاباقط قال يا محمدﷺ إن القرآن أنزل على سبعة أحرف.

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات کی فرمایا اے جبرائیل علیہ السلام! بے شک میں ایک ان پڑھ امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں ان میں بوڑھے، بوڑھیاں، بچے، بچیاں اور ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی وہ کہنے لگے ۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک قرآن سات قراءتوں پر اتارا گیا ہے۔'' (سنن الترمذی:)

وفي رواية: لاحمد وأبي داؤد قال ليس منهم إلا شاف كاف وفي رواية للنسائي قال إن جبرائيل وميكائيل أتياني فقعد جبرائيل عن يميني وميكائيل عن يساري فقال جبرائيل اقرأ القرآن على حرف قال ميكائيل استزده حتى بلغ سبعة أحرف فكل حرف شاف كاف.

''اوراحمد اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے اورنسائی کی ایک روایت میں ہے فرمایا بے شک جبرائیل علیہ السلام اورمیکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تو جبرائیل علیہ السلام میری دائیں طرف اور میکائیل علیہ السلام میری بائیں طرف بیٹھ گئے جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ایک قراءت کے مطابق آپ قرآن پڑھیں ، میکائیل علیہ السلام نے کہا کہ ان سے زیادہ کا

مطالبہ کریں حتی کہ سات قراءتوں تک پہنچی اور ان میں سے ایک قراءت شافی اور کافی ہے۔"

حدیث نمبر(4)

وعن ابن مسعود قال سمعت رجلاً قرأ وسمعت النبی یقرأ خلافها فجئت النبی ﷺ فأخبرته فعرفت فی وجهه الکراهیة فقال:(کلا کما فلا تختلفوا فإن من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا)(صحیح بخاری)

"عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے نبی ﷺ کو اس کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا میں اسے آپ ﷺ کے پاس لے گیا میں نے آپ ﷺ کی خبر دی تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر (اعتراض کی وجہ سے) کراہت محسوس کی ،فرمایا تم دونوں اچھا پڑھنے والے ہو پس تم اختلاف نہ کرو، بے شک تم سے پہلے لوگوں نے جب اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔"

حدیث نمبر(5)

وعن ابن عباس قال إن رسول اللہ ﷺ قال أقرأنی جبرائیل علی حرف فراجعته فلم أزل أستزیده ویزیدنی حتی انتهی إلی سبعة أحرف قال ابن شهاب بلغنی أن تلك السبعة الاحرف إنما هی فی الامر تکون واحداً لا تختلف فی حلال ولا حرام.[متفق علیہ]

"عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جبرائیل علیہ السلام نے ایک قراءت پر قرآن پڑھایا میں نے ان سے تکرار کیا، میں ان سے زیادہ آسانی طلب کرتا رہا، اور وہ مجھے زیادہ آسانی دیتے رہے حتی کہ سات قراءتوں تک پہنچے۔ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سات

حروف (قراء تیں) امور میں متفق ہیں جو حلال وحرام میں اختلاف نہیں کرتیں۔"

حدیث نمبر(6)

عن أبي بن كعب أن النبي ﷺ كان عند إضاءة بني غفار فأتاه جبرائيل فقال إن الله يأمرك أن تقرىء أمتك القرآن وإن أمتي لا تطيق ذلك ثم أتاه الثانية فقال إن الله يأمرك على حرفين فقال ﷺ... ثم جاءه الثالثة فقال اسأل الله معافاته ... ثم جاءه الرابعة إن الله يأمرك ... على سبعة أحرف فأيما حرفٍ قرءوا عليه فقد أصابوا [صحیح مسلم: ۱۹۰۳، سنن أبوداؤد: ۱۴۷۷]

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اضاءة بنی غفار کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا یقینا اللہ آپ رحمہ اللہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیے، آپ رحمہ اللہ نے فرمایا میں اللہ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں، میری امت (ایک حرف) پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، دوسری دفعہ کہا گیا بے شک یہ اللہ کا حکم ہے کہ دو حرفوں پر پڑھائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا تیسری مرتبہ آئے تو تین حروف پڑھنے کا کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ چوتھی بار آئے تو کہا کہ اللہ حکم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو سات حروف پر قرآن پڑھائیے۔ پس جو بھی وہ حرف پڑھیں گے، درستگی کو پالیں گے۔

حدیث سبعة احرف پر بحث:

اس حدیث کو محدثین نے متعدد طرق سے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق اقوال آئمہ پیش کیے جاتے ہیں۔

① ...... امام ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ حدیث سبعۃ احرف متواتر ہے اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[فضائل القرآن:۳۸]

② ...... امام محمد بن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کہ اس حدیث کو تقریباً سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے باختلاف الفاظ نقل کیا ہے اور چند مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔''

اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم

عمر بن خطاب، ہشام، عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، عبد اللہ بن عباس، ابو سعید خدری، حذیفہ بن یمان، ابوبکرہ، عمرو بن عاص، زید بن ارقم، انس، سمرہ بن جندب، عمر بن ابی سلمی، ابوجہم، ابوطلحہ، ام ایوب انصاریہ۔ رضی اللہ عنہم [النشر فی القراءات العشر:۲۱/۱]

③ ...... امام ابوشامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'المرشد الوجیز' میں سبعہ احرف کی تمام روایات کو جمع کیا ہے اور یہ اہتمام مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔

حدیث سبعہ أحرف صحابہ کے ہاں بھی متواتر تھی:

امام ابویعلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر پر کھڑے ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جس نے یہ الفاظ:

''إن هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف كلها شاف كاف''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں وہ کھڑا ہو جائے، اس پر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کھڑی ہو گئی کہ ان کو شمار کرنا ناممکن ہو گیا آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر گواہی دی۔[مسند أبی یعلی، مسند عثمان:۹]

گویا کہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی اس لحاظ سے یہ ان کے ہاں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

لہٰذا اس حدیث میں لفظی ومعنوی دونوں طرح تواتر موجود ہے۔

أحادیث سبعہ احرف سے ثابت شدہ مسائل:

مذکورہ اَحادیث سے اِن مسائل کی وضاحت ہوتی ہے:

مسائل	دلیل	حوالہ
☆اختلاف قراء ت منزل من اللہ ہے	إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف	حدیث نمبر ا
☆قراء ات بحکم الٰہی نازل ہوئیں	إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على سبعة أحرف	حدیث نمبر ۶
☆حروف اور قراء ت ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں	قال عمر إني سمعت هذا يقرأ على حرف كثيرة فقرا القراءة التي سمعته	حدیث نمبر ا
☆سبعۃ احرف سے مراد تعدد نہیں بلکہ معین عدد مراد ہے	حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	حدیث نمبر ۲
☆صحابہ کرام کا اختلاف نطق اور ادائیگی میں تھا نہ کہ تغیر احکام میں	حدیث عمر رضی اللہ عنہ وہشام رضی اللہ عنہ	حدیث نمبر ا
☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مختلف تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھایا	حدیث نمبر ا	حدیث نمبر ا،۲

☆قرآن کی صحت اور حفاظت کے معاملہ میں صحابہ نہایت بیدار مغز تھے	اَحادیث مخاصمات صحابہ	حدیث نمبر۱،۲
☆صحابہ کرام قرآن مجید کو نہایت غور وفکر،تدبر اور شوق سے سنتے تھے	فقال عمر فاستمعت له	حدیث نمبر۱
☆تنوع قراءات میں آسانی ہے	فاقرء و ماتیسر منه	حدیث نمبر۱،۲،۳
☆قرآن کو کئی طرح کے تلفظ سے پڑھنا نبی ﷺ کی خواہش اور دعا کا ثمرہ ہے	حدیث ابی بن کعب، حدیث ابن عباس	حدیث نمبر۶
☆منقول اختلاف قراءات کو سبب نزاع نہ بنایا جائے	لا تختلفوا	حدیث نمبر۴
☆نزاع کی صورت میں معاملہ اللہ او راس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے	حدیث مخاصمات صحابہ	حدیث نمبر۱،۲،۳
☆دلیل آنے کے بعد نزاع ختم ہونا چاہیے	احادیث مخاصمات صحابہ	حدیث نمبر۱،۲
☆نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے تلقی کے ساتھ قراءات حاصل کیں	قال اقرأني جبرائيل	حدیث نمبر۵

☆قراء ات کو پڑھنا اور پڑھانا اللہ کا حکم ہے	إن الله يامرك ان تقرئ القرآن	حدیث نمبر ۶
☆ قراء ات کو نماز میں بھی پڑھا جا سکتا ہے	حدیث عمر وحدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہما	حدیث نمبر ۲، ۳، ۶
☆آسانی تلفظ کی دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد جگہ اور مواقع پر فرمائی	احادیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	حدیث نمبر ۲، ۳، ۶

'حرف' کا معنی باعتبار لغت:

لغوی اعتبار سے حرف تقریباً چھ معانی میں استعمال ہوا ہے ، حافہ، ناحیہ، وجہ، طرف،حد کسی چیز کا ٹکڑا ۔(لسان العرب:۹/ ۴۱، ۴۲ تحت لفظ الحرف، القاموس المحیط:۱/ ۶۲۲، ۶۲۳،تحت لفظ الحرف)

نوٹ: لفظ 'حرف' جو اَحادیث سبعہ احرف میں وارد ہو رہا ہے اس کی مزید تشریح و توجیہ ان شاء اللہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

نکتہ: یاد رہے کہ سبعہ احرف کی تعبیر مختلف اَئمہ نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

(۱)سبعہ اَوجہ (۲)سبعہ لغات (۳)سبعہ قراء ات

ان تینوں کا مفہوم ایک ہی ہے ۔مزید وضاحت آگے آرہی ہے (إن شاء اللہ)

ہمارے زمانے میں سبعہ احرف سے مراد سات قراء ات یا کلمات میں (سات طرح کا تغیر)مشہور ہوگیا ہے۔

سبعہ اَحرف کی وضاحت میں اَقوال کا اختلاف اور اس کا حل:

سات حروف کی وضاحت میں اہل علم کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں:

(1) تعدد:

کچھ کے ہاں سبعہ اُحرف سے تعدد مراد ہے۔

رد: یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ یہ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث سبعہ میں لفظ سبعۃ سے مراد معین عدد ہے تعدد ہرگز نہیں۔

(2) اَقسام احکام:

کچھ نے سبعہ احرف سے مختلف قسم کے احکام مراد لیے۔اس طرح کے اقوال کی تعداد چالیس (۴۰) کے لگ بھگ ہے۔

رد: یہ قول بھی حدیث سبعہ کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ مخاصمات صحابہ والی حدیث میں قراءت کا پڑھنا نماز کی حالت میں ہے اور نماز میں قرآن کے متن کی تلاوت ہوتی ہے نہ کہ تفسیر بیان کی جاتی ہے اور نہ اس طرح کی کوئی اور تشریح جیسا کہ مسئلہ نمبر ۴ کے تحت یہ بات گزر چکی ہے۔

گویا کہ صحابہ کرام کا نزاع کلمات میں تلفظ کے تغیرات پر تھا نہ کہ تفسیر و احکام میں۔ لہٰذا یہ قول بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔

(3) مرویات ائمہ سبعہ:

بعض کو غلط فہمی اس حد تک لگ گئی ہے کہ سبعۃ اُحرف سے مراد سات قراء کی قراءات ہیں یا ان کی مرویات ہیں۔

رد: یہ قول تو انتہائی مردود ہے وجہ واضح ہے کہ نبی ﷺ نے 'سبعۃ احرف' والی اَحادیث میں سات مشہور قاری مراد نہیں لیے تھے۔ یہ قراء تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ گویا آپ ﷺ کے فرمان سے مراد کلمات میں تغیر بالاداء والنطق تھا نہ کہ قراء سبعہ۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”لا نزاع بين العلماء المعتبرين أن الأحرف السبعة التي ذكر النبي ﷺ أن القران أنزل عليها ليست هي القراء ات القراء السبعة المشهورة“

”اس بات میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ جن احرف سبعہ کو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے اس سے مراد مشہور قراء سبعہ کی قراء ات نہیں ہیں۔“(دقائق التفاسیر:۱/۶۸)

اس بات کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ قراء سبعہ کی قراء ات ہی سبعہ احرف نہیں بلکہ یہ بھی سبعہ احرف ہیں قراء ات قراء سبعہ، سبعہ احرف کے تابع ہیں نہ کہ سبعہ احرف ان کے تابع ہے۔

سبعہ احرف کے متعلق راجح اَقوال:

اہل علم کے ہاں جمہور علماء کے اَقوال درست اور صحیح سمجھے جاتے ہیں۔

☆ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”إن المراد بالسبعة،سبعة أوجهٍ من المعاني المتفقة بالفاظ مختلفة“

”سبعۃ اَحرف سے مراد (پڑھی جانے والی) سات وجوہ ہیں کہ جو الفاظ (یعنی تلفظ وادا اور نطق میں) مختلف ہیں اور معانی میں اتفاق رکھتی ہیں۔ (عون المعبود:۱/۵۵۰)

لغت میں حرف کا معنی وجہ ہے لہٰذا حرف اور وجہ کہنے میں کوئی تضاد نہیں۔

☆ امام خلیل بن احمد الفراہیدی النحوی رحمہ اللہ:

”احرف سبعہ سے مراد قراء ات ہیں۔“ (البرہان فی علوم القرآن:۱/۲۱۴)

☆ امام ابوداؤد رحمہ اللہ:

''امام ابو داؤد ؒ نے اپنی کتاب ابوداؤد شریف میں حدیث سبعہ احرف لانے کے لئے باب اس طرح قائم کیا ہے۔''

"أبواب القراء ات عن رسول الله ﷺ"

معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد ؒ کے ہاں سبعہ احرف سے مراد قراء ات قرآنیہ ہے۔

☆امام نووی ؒ:

امام نووی ؒ کہتے ہیں کہ حدیث سبعہ احرف سے مراد اداءِ کلمات کی کیفیت ہے جیسے ادغام، اظہار، تفخیم، ترقیق، امالہ، مد وقصر، کیونکہ اہل عرب کے ہاں مختلف لغات تھیں اور اللہ نے انہیں اجازت دی کہ جو ان کی لغت کے موافق ہو وہ پڑھیں تا کہ ان کی زبانوں پر آسانی ہو۔ [عون المعبود:۱/۵۴۹]

☆علامہ سندی ؒ:

''سبعہ احرف سے مراد سات مشہور فصیح لغات ہیں سیدنا عثمان رضی اللہ نے ان کو مصاحف میں جمع کیا تا کہ لوگ اختلاف میں نہ پڑیں۔ اور قرآن مجید کی تکذیب نہ کریں۔'' [عون المعبود:۱/۵۵۰]

☆مکی بن ابی طالب القیسی ؒ:

"إن الأحرف السبعة التی نزل بها القران هی لغات متفرقة فی القران"

''بے شک وہ سبعۃ احرف جن پر قرآن نازل ہوا وہ متفرق لغات ہیں۔ جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔'' [الابانہ:۱/۷]

أقوالِ ائمہ ذکر کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سبعۃ احرف کو بعض نے (سبعۃ أوجہ) اور بعض نے (سبعہ لغات) اور بعض نے (سبعۃ قراء ات) کہا۔ ان تینوں شروح یا تینوں ناموں میں بظاہر الفاظ کا تو فرق ہے البتہ مفہوم ایک ہی ہے گویا یہ اہل علم کی

اصطلاحات ہیں۔

یعنی من حیث التلاوۃ ان کو قراءات کہا جاتا ہے۔ چونکہ لفظ قراءۃ مصدر ہے جس کا معنی ہے پڑھنا۔ تو اسی مناسبت سے احرف سبعہ کو قراءات کا نام دے دیا گیا۔ اور ''من حیث اللغۃ العربیۃ'' ان کو لغات کہتے ہیں جیسا کہ مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ نے ''الکشف عن وجوہ القراءات'' میں جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۴۳ پر لکھا ہے۔

بِرَبْوَۃٍ عاصم رحمہ اللہ اور ابن عامر شامی رحمہ اللہ نے بفتح الراء پڑھا ہے۔ بِرُبْوَۃٍ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے بضم الراء پڑھا ہے۔

مکی رحمہ اللہ نے کہا (وھما لغتان مشھورتان) وہ دو مشہور لغتیں ہیں۔

اور کئی دیگر مواقع پر ایسا ہی لکھا ہے۔

اسی طرح ابن عبد البر رحمہ اللہ نے سبعہ اوجہ حرف بمعنی 'وجہ' کہہ کر سبعۃ اُحرف کی تشریح کی ہے۔

ان تینوں میں کوئی منافات نہیں۔

آئمہ کے تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے سبعہ احرف کی تعریف اس طرح کریں گے۔

"اوجہ مقروۃٌ مختلفۃ لا تزید عن السبعۃ"

''سات پڑھی جانے والی وجوہ جو (تلفظ وادا میں) مختلف ہیں اور سات سے زیادہ نہیں۔''

محدث ومقری امام ابن جزری رحمہ اللہ کی تشریح:

موصوف قراءت میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ ہیں فرماتے ہیں:

کہ میں حدیث سبعہ احرف پر تیس سال تک جستجو میں لگا رہا ہوں اس کے بعد تمام صحیح اور شاذ قراءات کو سامنے رکھا تو معلوم ہوا کہ ان قراءات میں تلفظ واَدا کے لحاظ سے

سات طرح کا تغیر وتبدل ہوتا ہے۔

①: اَسماء میں واحد، تثنیہ جمع کا اختلاف

مثالیں: فِدۡیَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ	فِدۡیَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيۡنَ	(البقرۃ:۱۸۴)
فاصلحوا بين اخويكم	فاصلحوا بين اخوتكم	(الحجرات:۱۰)
اٰية للسآئلين	آيات للسآئلين	(يوسف:۷)

②: افعال میں ماضی، مضارع اور امر کا اختلاف

مثالیں: تَطَوَّعَ خَيۡرًا	يَطَّوَّعۡ خَيۡرًا	(البقرۃ:۱۵۸)
رَبَّنَا بَاعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا	رَبُّنَا بَعَّدَ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا	(النساء:۱۹)
قَالَ رَبِّيۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ	قُلۡ رَّبِّيۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ	(الانبیاء:۴)

③: نقص وزیادہ کا اختلاف

مثالیں: سَارِعُوۡا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ	وَسَارِعُوۡا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ	(آل عمران:۱۵۳)
يٰبُشۡرَاىَ هٰذَا غُلٰمٌ	يٰبُشۡرٰى هٰذَا غُلٰمٌ	(یوسف:۱۹)
تَجۡرِيۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ	تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ	(التوبہ:۱۰۰)

④: وجوہِ اعراب کا اختلاف

مثالیں: لاتسئل عن أصحب الجحيم	لاتسئل عن اصحب الجحيم	(البقرۃ:۱۱۹)
لا يضآرّ	لا يضآر	(النساء:۲۲۸)
فتلقّٰى اٰدمُ من ربه كلماتٍ	فتلقّٰى اٰدمَ من ربه كلماتٌ	(البقرۃ:۳۷)

⑤: تقدیم وتاخیر کا اختلاف

مثالیں: قُتِلُوا وَقٰتَلُوا	قٰتلوا وَقُتِلُوا	(آل عمران:۱۹۵)
فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ	فَيُقۡتَلُوۡنَ وَيَقۡتُلُوۡنَ	(التوبۃ:۱۱۱)
وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ	وَنَآءَ بِجَانِبِهٖ	(الاسراء:۸۳)

⑥: اختلاف بالابدال (بالبدل)

مثالیں: كَيْفَ نُنْشِزُهَا ‏ ‏ كَيْفَ نُنْشِرُهَا ‏ ‏ (البقرۃ:۲۵۹)

فَتَبَيَّنُوا ‏ ‏ فَتَثَبَّتُوا ‏ ‏ (النساء:۴۳)

فَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ‏ ‏ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ‏ ‏ (الشعراء:۲۱۷)

⑦: لہجات کا اختلاف

اس سے فتح امالہ، تسہیل، تحقیق، تفخیم، ترقیق اور قبائل عرب کی لغات مراد ہیں۔

ساتواں اختلاف جو لہجات کا ہے وہ ماہر استاذ سے سننے کے بعد ہی سمجھ آ سکتا ہے، کیونکہ یہ کتابت کے ذریعہ بالکل واضح نہیں ہوسکتا اس کا تعلق تلقی کے ساتھ ہے۔ قراءات میں سارا انحصار تلقی پر ہوتا ہے۔

نوٹ: جن لوگوں نے لفظ لغات استعمال کیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تمام اختلافی کلمات کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس میں مرادفات وغیرہ کا اختلاف تعداد میں کم اور لغات متفرقہ کا اختلاف زیادہ تعداد میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے جمیع اختلاف پر لغات کا لفظ بول دیا۔ تلقی پر مفصل بحث عنقریب آئے گی۔ اِن شاء اللہ

بزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبعۃ احرف کی تشریح نہ ہونے کی وجہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر (سبعہ احرف) کے الفاظ مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر فرمائے، لیکن سبعۃ أحرف کی وضاحت کسی ایک موقع پر بھی ثابت نہیں نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کوئی سوال کیا۔

اس کی وجہ واضح طور پر یہ نظر آ رہی ہے کہ جو بات لوگوں کے ہاں معروف ہوا کرتی ہے اس کی وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ تحصیل حاصل ہوتا ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد سبعۃ أحرف کے الفاظ میں کلمات میں پایا جانے والا تلفظ و ادا کا اختلاف تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت نہ فرمائی۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس

کا مفہوم سمجھتے تھے، لہٰذا انہوں نے سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اگر یہ معاملہ اس طرح نہیں تھا تو ڈائریکٹ منصب نبوت پر الزام آئے گا کہ آپ ﷺ نے (بلغ ما أنزل......) کے خلاف کیا ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ کے بارے میں ایسا کہنا تو درکنار سوچنا بھی خارج از اسلام ہونے کے برابر ہوگا۔ آپ ﷺ نے ہر بات کی وضاحت فرمائی ہے جو بات عند الناس مشہور تھی اس کی وضاحت کوئی ضروری نہیں ہوتی۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام کو لفظ 'ظلم' کا مفہوم سمجھ نہ آیا تو انہوں نے فوراً نبی ﷺ سے سوال کر کے وضاحت پوچھ لی، لیکن سبعۃ أحرف کے متعلق کبھی کوئی سوال نہ کیا۔ چونکہ وہ اس کا مفہوم اور اس کی مراد سے بخوبی واقف تھے۔

لغات کے نزول کے ساتھ دیگر اختلافی تلفظ اور مرادفات کا نزول:

نبی ﷺ نے آسانیٔ اُمت کی دعا لغات کے اختلاف کی وجہ سے فرمائی، لیکن لغات مختلفہ میں آسانی کی اجازت کے ساتھ ساتھ دیگر کئی چیزیں بھی نازل کر دی گئیں، مثلاً بعض جگہ مرادفات کا استعمال کیا گیا۔ اس کی توجیہ یہ ہے:

١ ...... کچھ اختلافات کے نزول کا مقصد کلام الٰہی کو فصاحت وبلاغت کا نمونہ ثابت کرنا ہے۔

٢ ...... کچھ اختلافات تفسیری کلام ومسائل کی وضاحت کے لئے استعمال ہوئے۔ جیسے

لِأَهَبَ لِيَهَبَ

آیت: " لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا " (مریم:۱۹)

"لِيَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا" (مریم:۱۹)

لِأَهَبَ والی قراءت میں فرشتہ اپنی طرف نسبت کر کے مریم علیہا السلام کو کہہ رہا ہے کہ ''میں تجھے پاکباز لڑکا عطا کروں گا۔''

اور دوسری قراءت بصیغہ واحد مذکر غائب ہونے کی وجہ سے مفہوم یہ نکلے گا ''وہ اللہ تجھے پاکباز لڑکا عطا کرے گا۔'' اگرچہ واحد متکلم والی قراءت میں فرشتے کی طرف نسبت

مجازی ہے ممکن ہے کوئی باطل عقیدہ شخص اس سے غلط مفہوم اخذ کر لیتا کہ اگر فرشتہ مریم کو بیٹا عطا کر سکتا ہے تو کیا آج کے بزرگ یا اولیاء اللہ کسی کو بیٹا نہیں دے سکتے؟ مگر دوسری قراءت لانے سے باطل عقیدہ لوگوں کا رد ہو گیا کہ اولاد کا عطا کیا جانا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

۳...... کچھ اختلافات لانے کا مقصد صرف اعجازِ قرآنی کو واضح کرنا ہے۔

گویا کہ لغات مختلفہ نزول کے ساتھ ساتھ دیگر کئی طرح کے اختلافات کا مقصدِ نزول اضافی فوائد کا حامل ہے۔(والحمد للہ علی ذلك)

ہر کلمہ میں سات وجوہ۔ ایک اِشکال:

کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی لگ گئی ہے کہ شاید ہر کلمہ میں سات وجوہ ہوتی ہیں یاد رہے کہ سبعۃ أحرف کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ ہر کلمہ سات طرح پڑھا جاتا ہے اگر سبعہ کی تشریح وتوضیح جو ہم بیان کر چکے ہیں اس کو سامنے رکھا جائے تو سبعۃ أحرف کی وضاحت میں اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں امام ابو عبید قاسم بن سلام کبار تابعی کا قول ان شاء اللہ کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

”ولیس معنی تلك السبعة أن یکون فی حرفٍ واحدٍ یقرأ علی سبعة أحرفٍ ،هذا شیءٌ غیرُ موجودٍ لکنه عندنا أنه نزل علی سبع لغات متفرقةٌ فی جمیع القرآن من لغات العرب“

”سبعۃ أحرف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سات وجوہ ایک کلمہ میں پائی جاتی ہیں بلکہ وہ سات لغات متفرق طور پر پورے قرآن میں موجود ہیں اور یہ سات لغات عرب کی لغات سے ہیں۔“[فضائل القرآن:۳۳۹]

لہٰذا اگر کوئی اس کا دعویدار ہے تو وہ غلطی پر ہے اس کے پاس اس کی ادنیٰ سی دلیل بھی نہیں۔

ہمارے ہاں سبعۃ اُحرف کا کُل موجود ہے یا بعض؟

قرآن مجید کے آغاز سے انتہاء تک مختلف احکامات نازل ہوتے رہے اور کچھ منسوخ کئے جاتے رہے اسی طرح عرضۂ اخیر میں غیر فصیح وجوہ کو منسوخ کیا گیا اور صرف فصیح وجوہ کو باقی رکھا گیا۔ جیسے کچھ قبائل حَتّٰی کو عَتّٰی اور تَعْلَمُوْنَ کو تِعْلَمُوْنَ پڑھتے تھے۔

مزید وضاحت:

سبعۃ اُحرف کا کل موجود ہے یا بعض اس بارہ میں علماء دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ سبعہ احرف کا کل موجود ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سبعہ احرف کا کل موجود نہیں بلکہ بعض ہے۔

ان دونوں باتوں میں بظاہر تضاد وتناقض کی شکل نظر آرہی ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں۔ اس بات کو اگر اسی طرح سمجھ لیا جائے تو تضاد اور اشکال حل ہو جاتا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ اوجہ یا سبعہ لغات یا سبعہ قراءات ہیں تو کوئی شک نہیں کہ یہ سبعہ لغات یا اوجہ یا قراءات اب بھی ساتوں کی ساتوں قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ ساتوں انواع میں سے ہر نوع کے تحت واقع ہونے والا جمیع اختلاف اس وقت موجود نہیں، وجہ واضح ہے کہ بہت سارا اختلاف عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے سبعہ احرف کا بعض موجود ہے۔

چنانچہ ایک لحاظ سے سبعۃ اُحرف کل موجود ہے اور ایک لحاظ سے بعض۔

سبعہ احرف میں اصلاً سات طرح کا تغیر فی الکلمات مراد ہے یہ اصل اب بھی ساتوں شکلوں میں موجود ہے۔ البتہ ہر وجہ نوع کے تحت آنے والا مکمل اختلاف اب معمول بہا نہیں ہے۔

کیا اِجازت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن میں لغات

استعمال کرتے تھے؟

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب اہل عرب کو ان کی لغات پر قرآن پڑھنے کی اجازت مل گئی تو ہر وہ شخص جو قرآن پڑھتا اپنی مرضی سے جس طرح چاہتا وہ تلفظ اور ادا اختیار کر لیتا۔

وضاحت:

اس بات میں عموم نہیں تھا۔ بلکہ جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ تمام قبائل کے لوگ تلفظ میں اتنا اختیار رکھتے تھے جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اتنا اختیار رکھتے تھے جتنا اللہ نے ان کو دیا تھا آگے چل کر ان شاء اللہ اس پر بھی بحث کریں گے کہ قراءات میں اختیارات صرف سے اللہ کی طرف سے ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کوئی رد و بدل نہ کر سکتے تھے اس بات پر چند عبارتیں اور اقوال پیش کیے جاتے ہیں تا کہ مسئلہ کھل کر واضح ہو سکے۔

① مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اہل عرب کو اجازت اس بات کی دی گئی کہ جو اختلاف قراءت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہی پڑھا جائے، اس میں عموم نہیں تھا، یہ تغیر و تبدل ہر کسی کے لئے نہ تھا بلکہ اس کے لئے تھا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت بخشی تھی، اسی پر اکثر ائمہ سلف و خلف ہیں۔[تحفۃ الأحوذی:۱۱/۵۵۱]

② علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کسی لفظ کا مرادف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوتا تو اس لفظ کی جگہ استعمال کر لیتے تھے، تو ظاہر بات یہ ہے کہ ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ کسی لفظ کی جگہ اس کا فلاں مرادف استعمال کرتے ہیں۔ یہی وہ متنوع اور معروف اختلافات ہیں جنہیں قراءات کہا جاتا ہے۔ اور یہی بات

ارباب اہل الشان کے ہاں مشہور ہے۔[عون المعبود:۱؍۵۵۱]

قراءات کے نزول کی ابتداء مکہ میں ہوئی یا مدینہ میں؟

مناسب ہے کہ اس تفصیل میں جانے سے پہلے چند ایک باتیں شیخ الدکتور محمد سالم محیسن رحمہ اللہ کی کتاب 'رحاب فی القرآن الکریم' سے نقل کی جائیں۔

الدکتور محمد سالم محیسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قراءات کا نزول مکہ میں شروع ہوا یا مدینہ میں اس کے متعلق اہل علم کے دو اقوال ہیں:

قول اوّل: قراءات مکہ میں نازل ہوئیں اس کے بارے میں متعدد شواہد اور قرآئن موجود ہیں۔

قول ثانی: قراءات مدینہ میں نازل ہوئیں ۔ اس موقف کو اختیار کرنے والوں نے مخاصمات صحابہ کے واقعات کو بنیاد بنا کر یہ بات کہی ہے۔

تعقیب وترجیح:

میں سمجھتا ہوں پہلا موقف زیادہ واضح ہے کہ قراءات کا نزول مکہ میں ہوا یہ قول راجح ہے اور اسی پر قلب مطمئن ہوتا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا ہے۔

رہی دوسرے موقف کی بات تو اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے یہ قول مرجوح ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ۸۳ سے زیادہ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ سبعۃ أحرف کے مطابق نازل ہوئیں، کیونکہ کسی قوی سند تو کیا ضعیف سے بھی ان سورتوں کے دوبارہ مدینہ میں نازل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔پس ان مکی سورتوں کا دوبارہ نازل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ قراءات مکہ میں نازل ہوئیں۔

[رحاب فی القرآن الکریم:۲۲۲، ۲۲۴]

شیخ محمد سالم رحمہ اللہ کا موقف درست معلوم ہوتا ہے کہ قراءات کے نزول کی ابتدا مکہ میں ہو چکی تھی اب ہم اس پر مزید کچھ قرائن وشواہد پیش کرتے ہیں۔

☆ دلیل اوّل:

جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے آسانیٔ امت کی خاطر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ دعا کوئی ایک موقع یا ایک وقت میں نہیں کی بلکہ متعدد بار کی ہے اور مواقع بھی مختلف معلوم ہو رہے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے اس بارہ میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ مختلف الا لفاظ ہیں۔ اور روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی الگ الگ ہیں۔ اس کے متعلقہ روایات میں سے صرف ایک روایت پر ہم بحث کریں گے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت جو ''مسلم'' میں ہے کہ نبی ﷺ اضاءۃ بنی غفار کے قریب جبرائیل علیہ السلام سے ملے تو آپ ﷺ نے آسانی امت کی سفارش کی......إلی آخرہ

إضاءۃ بنی غفار کس جگہ کو کہتے ہیں؟ پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے۔

مؤرخین اور علماء دو حصوں میں تقسیم ہیں:

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ جگہ مدینہ کے قریب ہے جیسے طبرانی رحمہ اللہ اور ابن احجر رحمہ اللہ وغیرہ اور کئی دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ جگہ مکہ کے قریب ہے۔

① ......محقق تاریخ دمشق ''علی شیری'' نے لکھا ہے کہ اضاءۃ بنی غفار مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ [تاریخ دمشق:۷/۴/۲۴۲]

② ......**اضاءۃ بنی غفار موضع قرب مکۃ** [خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی:۱/۳۰۳]

''اضاءۃ بنی غفار مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔''

اب ہم اضاءۃ بنی غفار کے اردگرد جگہوں کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ واضح ہو کہ اضاءۃ بنی غفار مکہ کے قریب ہے یا مدینہ کے؟

① **إضاءۃ فوق سرف** [معجم البلدان:۱/۲۲۶]

"اضاءۃ سرف کے اوپر جگہ کا نام ہے۔"

گویا کہ سرف اور اضاءۃ قریب قریب ہیں۔ اب سرف کی وضاحت چاہیے۔

② حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سرف، یقرب مکۃ، مذکورۃ فی الحدیث"

"سرف مکہ کے قریب ہے، حدیث میں اس کا ذکر ہے۔" [تبصرۃ المنتبہ بتحریر المشتبہ:۱/۱۹۵]

③ سرف مکہ کے قریب جگہ کا نام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی یہیں ہوئی تھی اور میمونہ رضی اللہ عنہا نے اسی جگہ وفات پائی اور وہی دفن ہوئیں اسی جگہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ [الاعلام للزرقانی:۷/۳۴۲]

④ محقق تاریخ دمشق علی شیری کہتے ہیں:

"التناضب عند موضع لبنی غفار، قرب سرف"

"تناضب بنی غفار اور سرف کے قریب ایک جگہ ہے۔ گویا یہ تیسری جگہ ہے جو سرف اور اضاءۃ کے قریب ہے۔"

⑤ میمونہ بنت حارثہ رضی اللہ عنہا (زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر وادی سرف اور اضاءۃ بنی غفار کے ما بین یعنی (الثُّنِیَّہ) جگہ پر ہے۔ (مکہ کے اطراف میں) چوتھی جگہ (الثنیۃ) ہے۔ سرف میں ان کی شادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ پس وہ سرف میں فوت اور دفن ہوئیں۔ [اخبار مکۃ للفاکہی:۷/۷۷۳]

⑥ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت إلی المدینہ کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیس آدمیوں کے ہمراہ ہجرت کی آپ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کرنے والوں کو کہا تھا کہ مقام سرف سے اضاءۃ بنی غفار کے قریب تناضب مقام پر اکٹھے ہو جاؤ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں۔ [سیرت ابن کثیر:۲/۲۲۰]

خلاصہ بحث:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ اقوال میں چار جگہوں کا نام آیا ہے، یہ چاروں مکہ کے قریب واقع ہیں۔

آپ ﷺ کا اضاءۃ بنی غفار پر یا اس کے قریب آنا مکی زندگی میں معلوم ہوتا ہے ورنہ مدنی زندگی میں آپ ﷺ کا یہاں تشریف لانا بالکل ثابت نہیں ہو رہا۔

⑦ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ سے غروب شمس کے قریب نکلے پس آپ ﷺ نے سرف میں آ کر نماز پڑھی یہ موضع مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔[أخبار مکۃ:۷/۳۷۸]

⑧ علامہ فاکہی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سفر طائف کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ اضاءۃ بنی غفار کے قریب تشریف لائے تھے۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تھی۔ آپ ﷺ نے آسانی امت کی خاطر قرآن کے تلفظ میں سہولت کی دعا کی تھی۔ اور نخلہ یمانیہ میں جنات کا مسلمان ہونا مشہور واقعہ ہے۔[أخبار مکۃ:۷/۴۶۵]

نوٹ: آپ ﷺ کا اضاءۃ بنی غفار اور قرب وجوار میں تشریف لانا کئی بار ثابت ہے۔

① ......أم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔

② ...... نبی ﷺ کی أم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی۔

③ ...... جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آپ ﷺ کا غروب شمس کے قریب تشریف لانا۔

④ ......سفر طائف کے لئے جاتے وقت وہاں تشریف لانا۔

اگر اضاءۃ بنی غفار یا سرف نامی جگہ مدینہ کے قریب ہو تو غروب شمس سے کچھ وقت

پہلے چل کر مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ کا نماز ادا کر کے عقل سے بعید چیز ہے۔ لہٰذا یہ مکی زندگی کا واقع سمجھا جائے گا۔

خلاصۂ بحث یہ کہ نبی ﷺ کا مکہ کے قرب وجوار میں خصوصاً اضاءۃ بنی غفار کے قریب آنا مکی زندگی کے واقعات میں سے ہے۔ انہی سفروں کے دوران آپ ﷺ کی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ نے قراءات قرآن میں آسانی کی درخواست آگے لے جاؤ۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ قراءات کے نزول کی ابتدا مکہ سے ہو چکی تھی۔

دلیل ثانی:

آپ ﷺ نے دعا جو فرمائی تھی وہ آسانی امت کی دعا ہے نا کہ آسانی قریش کی۔ جو شخص مدینہ میں نزولِ قراءات کی ابتدا کا دعویدار ہے اسے چاہیے کہ واضح کرے کہ مکی زندگی میں اسلام لانے والوں کو کیا آپ ﷺ ایک ہی تلفظ پر مجبور کر کے قرآن پڑھاتے تھے جو لوگ مکی زندگی میں مکہ اور دیگر عرب علاقوں سے حاضر ہوتے تھے۔ یہ سب ایک قراءت اور تلفظ کو اپنا سکتے تھے تو بعد میں ہونے والے مسلمان بھی سیکھ سکتے تھے دوسرے لفظوں میں یہ کہیں گے کہ پھر آسانی اُمت کی دعا کرنے کا معنی اور مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

یہاں وضاحت کرتے چلیں کہ امت میں عجمی اور عربی سب شامل ہیں۔ قراءت قرآن جہاں عرب کا مسئلہ تھا بعینہ عجم کا بھی، کیونکہ قراءات پڑھاتے وقت یہ بات تجر بات میں آئی ہے کہ بعض طلبہ کو اختلاف قراءات پر زبان سیدھی کرنے کے لئے کافی محنت ومشقت کرنا پڑتی ہے خصوصاً تسہیل، تقلیل، بعض جگہ نقلِ حرکت وغیرہ میں مسائل ہیں۔

مکی زندگی میں مکہ باہر سے آنے والے حضرات کے نام جو مسلمان ن ہوئے مورخین اور سیرت نگاروں لکھے ہیں۔ چنانچہ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں:

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حماد ازدی رضی اللہ عنہ، یمن

کے باشندے اسعد بن ضرارہ رضی اللہ عنہ قبیلہ ازد شنوءۃ یثرب سے، عوف بن حارث (بنی نجار) رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (بنی زریق)، عتبہ بن عامر بن حدیرہ رضی اللہ عنہ (بنی سلمہ) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (بنی حرام بن کعب)، حارث بن عبد اللہ بن راب رضی اللہ عنہ (بنی عبید بن غنم) اور سوید بن صامت رضی اللہ عنہ یہ سب مکی زندگی میں مسلمان ہوئے۔ [الرحیق المختوم: ۲۱۴]

مکی زندگی کے اوائل اور اواخر میں مسلمان ہونے والے بہت سے لوگ غیر قریشی تھے۔ اگر وہ سب لغت واحد کے مطابق قرآن سیکھ سکتے تھے تو بعد والوں کے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہ تھی معاذ اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کیا بے فائدہ سمجھی جائے گی؟ مزید لکھتے ہیں:

ایک بات کی اور وضاحت کرتے چلیں کہ سبعہ احرف کا نزول بتدریج ہوتا رہا ہے۔ شروع شروع میں ایک قراءات پھر دو پھر تین پھر چار اور آخر میں سات قراءات تک اجازت مل گئی۔ تفصیل کے لئے دیکھیے مضمون کے شروع میں حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ۲۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

آپ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ سنہ نبوت میں مدینہ کا معلم بنا کر بھیجا، چونکہ یثرب سے بارہ آدمی اسلام قبول کرنے کے لئے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ان کے ساتھ بھیج دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسعد بن ضرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے، مدینے والے آپ کو (المقری) 'پڑھانے والا' کہا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ اہل یثرب کو قرآن پڑھایا کرنا۔ [تاریخ طبری: ۱/۱۱۶]

نوٹ: اسلام میں سب سے پہلے (المقری) کا لفظ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے لئے بولا گیا۔

وضاحت:

قبائل مکہ اور مدینہ میں لغت عرب کا کافی اختلاف تھا۔ اگر مصعب رضی اللہ عنہ ان کو قریشی لغت پڑھاتے تو ان پر گراں گذرتا بلکہ ہمارا یہ خیال ہے کہ ان لوگوں کو مصعب رضی اللہ عنہ انہیں کی لغت پر قرآن پڑھاتے تھے۔ کیا ایسے شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم استاد بنا کر بھیجیں گے جو سامعین کو اپنی گفتگو ہی نہ سمجھا سکے اور قبول اسلام کے لئے آئے لوگوں پر تلفظ کے معاملہ میں مشقت ڈال دے۔ بلکہ ان لوگوں کو انہی کی لغت پر قرآن پڑھایا جاتا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کا دل قرآن اور اسلام کی طرف مائل ہو سکے اور انہیں دین سیکھنا اور سمجھنا آسان لگے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قراء ات کو جلانا اور مصاحف عثمانیہ پر ایک بحث:

مستشرقین اور منکرین قراء ات وحدیث نے اس مسئلے کو ہمیشہ توڑ مروڑ کے پیش کیا یہ لوگ یا تو اہل تشیع کی روش پر کار بند ہیں یا محض ہٹ دھرمی کی بنیاد پر کتمان حق کر رہے ہیں۔

جس طرح شیعہ نے أصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا بعینہٖ منکرین حدیث وقراء ات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہت بڑا الزام لگایا کہ انہوں نے قراء ات متواترہ اوروحی الٰہی کو جلا دیا تھا اور بعض نے غلط فہمی کے بنا پر یہ کہہ دیا کہ انہوں نے صرف لغت قریش کو باقی رکھا باقی لغات کو جلا دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فن قراء ات نہایت دقیق مسائل کا حامل ہے اسی طرح اس کے متعلقہ جو معلومات واقوال ملتے ہیں انہیں بھی فراخ دلی کے ساتھ واضح کرنا ہوگا نہ کہ حق کو دبانے کے لئے بعض کو چھوڑ دیا جائے۔ لہٰذا اس بحث میں دو اقوال پر بحث کی جائے گی ایک یہ کہ انہوں نے تمام قراء ات کو ختم کر دیا دوسرا یہ کہ انہوں نے علاوہ لغت قریش کے باقی

سب کو جلا دیا تھا۔ (طحاوی و دیگر علماء رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے)

بحث:

مستشرقین کے اعتراضات پر بھی کئی طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں کیونکہ ان کی بات نہایت کمزور اور دلائل غیر واضح ہیں۔

مصاحف عثمانیہ میں اختیار کیا جانے والا رسم الخط بذات خود اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس الزام سے بری ہیں۔ اسی طرح جلیل القدر صحابہ کی وہ کمیٹی جنھوں نے قرآن مجید کی کتابت خلیفہ راشد کے حکم پر مکمل کی وہ بھی اس سے بری ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن مجید لکھوائے تھے ان کو اعراب ونقاط اور دیگر علامات وغیرہ سے بالکل خالی رکھا، کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے کلمات کا تلفظ مقید ہو جاتا تھا یہ قرآن چونکہ متفق علیہ تھے اس لیے جو اعراب ان پر لگا دیا جاتا وہ صحیح سمجھا جاتا اور باقی اختلافات قراءات کا سراسر انکار ہوتا تھا۔

چنانچہ رسم قرآن پر قلم اٹھانے والی ہستیوں نے اس مسئلہ پر اپنی کتابوں میں وضاحت فرمائی ہے۔ صحابہ کرام کے قلم اللہ کے حکم سے اس طرح چلے کہ ایسا رسم الخط تیار ہوا جس سے قراءات کے تمام منقول اختلافات اَخذ ہو سکتے تھے لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محافظ سبعہ قراءات ہوئے۔ اسی طرح زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ بھی قرآن مجید کے محافظ ہیں۔

باقی رہی دوسری بات کہ صرف لغت قریش کو باقی رکھا گیا اس کی بھی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ہماری قراءات وروایات میں اِمالہ وتسہیل اور دیگر کئی طرح کے اختلافات بلا شبہ لغت قریش نہیں ہیں بلکہ دیگر قبائل مثلاً اہل نجد اسد، تمیم، قیس، وغیرہ کے لغت ہیں۔ یہ اب تک موجود کیوں ہیں؟ دنیا کے تمام ممالک میں ناقلین قراءات اس پر کیوں عمل پیرا ہیں؟ جس ہستی مقدس نے حفاظت کا دعویٰ کیا تھا وہ اپنی کتاب کی حفاظت سے عاجز

آ گیا؟معاذ اللہ

کچھ لوگوں کو صحیح بخاری کی روایت سے غلط فہمی ہوگئی جس کا پس منظر "إذا اختلفتم أنتم وزید بن ثابت فاکتبوہ بلغة قریش" ابن حجر بیان کرتے ہیں:

کہ التابوت کی تا میں اختلاف ہوا کہ اس کو گول ۃ سے لکھا جائے یا لمبی تا سے۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے جب مسئلہ رکھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو قریش کے لغت پر لکھو۔ انہوں نے لغت قریش پر کتابت کا حکم دیا تھا نہ یہ کہ باقی لغات کو ختم کر کے قریش کی لغت کو باقی رکھنے کا گویا کہ انداز تحریر اس طرح کا اختیار کیا گیا کہ ایک ہی طرح کے رسم سے تمام ناقلین اپنے اساتذہ سے ثابت اور منقول اختلافات کو نکال لیں۔ تا کہ اُمت فتنے میں نہ پڑے اور سبعہ احرف محفوظ و مامون رہیں۔

منکرین کا اعتراض قرآن کے خلاف:

قرآن یہ کہتا ہے کہ وحی کو منسوخ کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے نہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اختیار میں۔ چنانچہ ان کا موقف قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ ہم قرآن آیات کی روشنی میں نسخ وحی کے مسئلہ پر وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

نسخ وحی صرف اللہ کے اختیار میں ہے

دلیل اوّل:

فرمانِ الٰہی ہے:

"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا" [البقرۃ:١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتے ہیں۔''

اس آیت میں نسخ وحی کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔

دلیل ثانی:

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ [یونس:۱۵]

’’اور جب ان پر ہی ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ (اے نبی ﷺ) اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اس میں رد وبدل کردو۔ فرما دیجئے میرے لائق نہیں کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں میں تو وحی کا پیروکار ہوں اگر میں نے نافرمانی کی تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔‘‘

وضاحت:

وحی میں تبدیلی یا کسی کلمے یا آیت کا بدلنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔

دلیل ثالث:

تیسرے مقام پر فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾

[الحاقۃ:۴۴۔۴۷]

’’اگر نبی ﷺ ہماری طرف من گھڑت باتیں کہتے ہیں (یا منسوب

کرتے) تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ بھی کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی ہمیں اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔''

آیات کا مفہوم آسانی سے واضح ہے اگر عثمان رضی اللہ عنہ نے کثیر تعداد میں متواتر قراءات کو جلا دیا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ اس الزام سے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس وقت موجود تھے سب کی شخصیت مجروح قرار پائے گی۔ (العیاذ باللہ)

دفاعِ سبعۃ احرف اور دفاعِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کی شاندار تقریر:

امام ابن حزم رحمہ اللہ (۳۸۴ تا ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسے وقت میں خلیفہ بنے جب تمام جزیرۃ العرب مسلمانوں، قرآنوں، مسجدوں اور قاریوں سے بھرا ہوا تھا اسی طرح تمام مصر، کوفہ بصرہ وغیرہ میں اتنے قاریانِ قرآن تھے کہ ان کا شمار سوائے اللہ رب العزت کے کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صرف ایک قراءت پر جمع کیا تو یہ باطل ہے آپ رضی اللہ عنہ اس کام پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ ہاں انہوں نے متفق ہو کر چند قرآن لکھے اور ہر سمت ایک قرآن بھیج دیا کہ اگر وہم کرنے والا وہم کرے یا بدلنے والا بدلنے کی کوشش کرے تو متفق علیہ قرآن کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ اور یہ کہنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف مٹا دیئے تو ایسا کہنے والا جھوٹا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ساعت اسلام میں نہ رہتے اور اسلام سے خارج ہو جاتے یہ ساتوں حروف ہمارے ہاں موجود ہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی قائم ہیں۔ مشہور و منقول اور ماثور قراءتوں میں محفوظ و ثابت ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین [الملل والنحل: ۲۱۸، ۲۱۹، مترجم: مطبوعہ المیزان]

ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ وہ ساتوں حروف اب بھی موجود ہیں، سے مراد یہ ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں جو حروف باقی رکھے گئے وہ اب بھی موجود ہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں آپ کی ثقاہت، عدالت، امامت اور جلالت علمی پر پورا اعتماد ہے، لہٰذا آپ چند قرآن لکھ کر دیں، لیکن انہوں نے نہایت احتیاط سے کام کیا اور کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم (۱۲ صحابہ) کو آپ کا معاون مقرر کر دیا۔ لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ انہوں نے سبعہ احرف کو ختم کر دیا بہتان عظیم ہے۔ بالفرض اگر یہ کام انہوں نے کیا تھا تو آخر کس نے انہیں یہ اجازت دی؟ اللہ نے یا اس کے رسول نے؟ کہ وہ قراءات جو بحکم الٰہی نازل ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور دعا کا نتیجہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پڑھائیں ان کو جلا دیا جائے۔

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مصاحف جلانا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ متفق علیہ قرآن مجید کہ جن کی تعداد چھ یا سات یا آٹھ تھی۔ ان کی کتابت مکمل ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے باقی تمام قرآنوں کو ایک جگہ جمع کیا اور جلا دیا۔

میرے خیال میں مستشرقین یہیں سے بے مقصد دلیل اخذ کرتے ہیں کہ انہوں نے سبعۃ احرف کو جلا دیا تھا۔ یاد رہے کہ ان جلائے گئے قرآنوں میں جہاں فصیح وجوہ درج تھیں وہیں غیر فصیح منسوخ کلمات اور منسوخ آیات اسی طرح تفسیری کلمات تفسیری جملے بھی تھے۔ ان کو جلا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا کام کیا تاکہ آئندہ کوئی ان قرآنوں سے تفسیری جملوں کو غیر فصیح اور منسوخ کلمات اور آیات کو قراءت کا حصہ سمجھ کر روایت نہ کرے۔

کیونکہ آرمینیا کے محاذ پر جاری جنگ کے دوران جو قراءات میں اختلاف ہوا تھا اس کا سبب یہ ساری چیزیں تھیں، اسی اختلاف کو سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ لے کر بارگاہ خلافت میں پہنچے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مسئلہ کا حل نکالنے کی گذارش کی۔

نوٹ: جو آیات منسوخ تھیں، یا غیر فصیح وجوہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی تھیں اور کئی صحابہ کو ان کا علم نہ ہو سکا یہ منسوخ اشیاء بلاشبہ عرضۂ اخیرہ سے پہلے سبعۃ اُحرف کا حصہ تھیں۔

یہاں سے مستشرقین نے محسن اُمت وجامع القرآن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مشکوک قرار دینے کے لئے رافضی فتنہ کا ساتھ دیا۔ اور کہا کہ انہوں نے سبعۃ احرف جلا دیئے تھے، لیکن مستشرقین نے جان بوجھ کر اُمت کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی اگر وہ کہتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ سبعہ احرف جلائے جو عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے تو میرا خیال ہے کہ پھر کسی قسم کا اشکال اور تردد باقی نہ رہتا۔

خلاصۂ بحث:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سبعۃ احرف جلائے وہ عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے تھے۔ البتہ جن قراءات، لغات یا وجوہ کو منشاء الٰہی نے باقی رکھا وہ اُس زمانے سے لے کر آج تک محفوظ ومامون ہے۔ اوران پر ہمیشہ خالق کائنات کی حفاظت رہے گی۔ قرآن مجید کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں کسی آیت کو اگر بدلنے کی کبھی بھی ناکام کوشش ہوئی تو ایسا کرنے والے کو ہمیشہ ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ متن میں تبدیلی کرنے والے تو کیا اس کے غلط مطالب ومعانی نکالنے والے ذلیل ورسوا ہو گئے اگر اُمت کے کثیر تعداد میں قراءات نقل کرنے والے افراد غلط بات پر قائم ہوتے تو کب سے ان کی شکلیں مسخ ہو چکی ہوتیں۔

بعض لوگوں کے بے تکے اعتراضات اور انکار قراءت پر تعجب ہوتا ہے کہ ان قراءات متواترہ کے علاوہ کئی قراءات کو اکثر مفسرین نے اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے۔ جلیل القدر محدثین نے بھی اپنی کتب میں بعض کئی ایک کلمات کو درج کرتے، پڑھتے پڑھاتے اور ان قراءات کو تحریری شکل میں زینت قرطاس بناتے تو کیا اصول ہے

کہ ان کی تحریر تو جائز، لیکن ان کے ساتھ تلاوت کرنا اور پڑھنا پڑھانا ناجائز؟

دوسرا یہ کہ جن حضرات نے قراءات کی حفاظت میں عمر گذار دی ان قراءات کا استعمال کر کے تفسیری اشکالات حل کرتے رہے کیا ان کے لئے کچھ اجر وثواب کی اُمید بھی رکھنی چاہیے؟ ان لوگوں کا کیا بنے گا؟ آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں مختلف قراءات پر عمل ہو رہا ہے۔ مثلاً ملک مصر میں روایت ورش اور حفص عام ہے اور ان روایتوں میں قرآن بھی موجود ہیں اسی طرح روایت قالون، دوری بصری وغیرہ میں قرآن مجید چھپے ہوئے ہیں (راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہیں۔ الحمد للہ اور سوڈان، ایتھوپیا وغیرہ میں امام دوری بصری کی روایت عام پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ تیونس میں روایت قالون عام ہے۔ ایسے ہی لیبیا میں روایت قالون اور روایت خلف عن امام حمزہ پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور الحمدللہ ان دونوں روایتوں کے مطابق بھی وہاں طبع ہو رہے ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بعض لوگ سوائے روایت حفص کے باقی روایات سے ناواقف ہیں اسی طرح وہاں پر بھی عامۃ الناس ہمارے ہاں عام ہونے والی روایت حفص سے ناواقف ہیں وہ اپنی نمازوں میں بھی پڑھتے ہیں کون فتوی دے سکتا ہے کہ یہ تمام لوگ ثواب سے خالی ہیں؟ اور ان کی نمازیں بھی ضائع ہو رہی ہیں کسی شخص نے اگر کوئی علم پڑھا نہیں یا اس کے رموز واسرار سے بالکل ناواقف ہے تو اس کے نہ ماننے سے علم کی حقانیت اور وجود کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ (اللہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے)

مصاحف عثمانیہ کے ساتھ اساتذہ کا بھیجا جانا:

علامہ خلف الحسینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن شہروں میں بھیجا، لیکن اس سے کام ختم نہیں ہوا۔

اس مصحف کو اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق بغیر نقطوں اور اعراب کے لکھا گیا ان نسخوں کا اس حالت پر پڑھنا صرف پڑھے لکھے لوگوں کے بس میں تھا اور عوام کو پڑھانے کے لئے ذہین استادوں کی ضرورت تھی۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان میں

سے ہر نسخے کے ساتھ ایک متبحر اور موثق حافظ اور جید قاری کو بھی بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو قراءت کی تعلیم، مطالب کے فہم اور اس کے اَحکامات پر عمل کرنے کی تعلیم دے سکے۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ساتھ مکہ میں، مغیرہ بن شہاب مخزومی رضی اللہ عنہ کو شام میں، ابوعبد الرحمن سلمی رحمہ اللہ تابعی کو مصحف کے ساتھ کوفہ میں اور عامر بن عبد القیس رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ساتھ بصرہ میں بھیجا ان لوگوں نے قرآن مجید جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا یا ان کے اصحاب سے حاصل کیا ویسا ہی اس خطے کے لوگوں کو سکھایا اور بعد میں تابعین نے ان سے حاصل کیا اسی لیے قراءتِ قرآن کو عام طور پر ان سے نسبت دی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ نے ایک مصحف بحرین اور یمن میں بھیجا لیکن ان مصاحف کے ساتھ کن اساتذہ کو بھیجا اس کا تذکرہ نہیں مل رہا۔ [دلیل الحیران: ۴۳، وتاریخ المصحف: ۶۰]

سبعۃ احرف میں حکمتیں اور فوائد:

① اُمت محمدیہ کے لئے تلفظ میں سہولت وتخفیف

سبعۃ احرف پر قرآن مجید کا نزول حکمتوں او رفوائد سے بھرا ہوا ہے چند ایک کی وضاحت یہاں پر کی جارہی ہے۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ امت کی آسانی ۔ یہ نبی کی حد درجہ خواہش تھی جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار کئی مواقع پر دعا فرمائی۔ چونکہ اہل عرب کے ہاں باہمی بول چال تلفظ وادا اور لہجات میں کافی فرق تھا اور ان میں حد درجہ کی لسانی تعصب بھی موجود تھا اگر انہیں ایک ہی لہجے کا مکلف بنا دیا جاتا تو ان کے لئے انتہائی مشقت والا کام ہوتا وحی الٰہی نے شفقت فرماتے ہوئے ان کو اپنی لغات پر تلاوت کی اجازت دی۔

امام ابن الانباری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر اہل عرب ایک لغت پر قرآن مجید پڑھتے تو

ان پر یہ مشکل امر تھا اور اس طرح ان کو ایک حرف پر مجبور کرنا فتور کا سبب بنتا۔ (عون المعبود:۱/۵۵۰)

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اجازت ملنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اہل عرب جس طرح چاہیں قرآن کا تلفظ اور اپنی مرضی سے اختیار کریں۔ بلکہ اجازت اس حد تک تھی جتنی وحی نے دی یہ اجازت سماع نبوی پر موقوف تھی اگر اِجازت عامہ سمجھیں تو بخاری، مسلم کی یہ روایت:

خذوا القرآن من أربعة [صحیح بخاری] اقرأ القرآن من أربعة [صحیح مسلم]

''یعنی چار صحابہ (ابن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم) سے قرآن پڑھو ان کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔''

ایک بات مزید یہ کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی اہل عرب کو قرآن کا تلفظ سکھانے میں صرف کر دیتے تو اسلام کے باقی اَحکام و مسائل ان کو کس وقت سکھاتے؟ چونکہ قرآن کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے اس لیے لوگوں کو سہولت دی گئی تاکہ ہر کوئی تلاوت قرآن کی مٹھاس سے لطف اندوز ہو سکے۔

② تالیف قلوب

قراءات کے نزول سے آسانی دے کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دلجوئی اور ان کے دلوں کو قرآن اور اسلام کی طرف مائل کرنا مقصد تھا کہیں تعصب کی بنا پر کتاب اللہ سے بے رغبت نہ ہو جائیں۔

③ اعجاز قرآن

نزول قراءات سے قرآن کے اعجاز کو چار چاند لگ جاتے ہیں کہ باوجود کلمات میں تغیر ہونے کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا، بلکہ ایک قراءت دوسری کے مفہوم کی تبیین اور خوب وضاحت کرتی ہے اس طرح ایک کتاب کئی معجزات کی حامل کہلاتی ہے ایک قراءت ایک معجزہ دوسری قراءت دوسرا معجزہ۔

کلمات قرآنیہ کی دو قسمیں ہیں:

متفق علیہ اور مختلف فیہ۔ پوری دنیا میں تمام ناقلین کے ہاں اختلافی کلمات میں ایک ہی طرح کا اختلاف ہے۔ یعنی اگر دو قراءتیں ہیں تو سب کے ہاں دو اگر کسی کلمہ میں تین یا چار ہیں تو تمام ناقلین کے ہاں اتنی ہی ہوں گی۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک ملک میں اختلاف کچھ اور دوسرے میں کچھ یہ بھی اعجاز قرآن ہے، جیسے مٰلِكِ اور مَلِكِ میں پوری دنیا کے قراء کے ہاں دو قراءتیں ہیں، تیسری نہیں۔

④ مثل قرآن لانے کا چیلنج

جیسا کہ یہ بحث پیچھے گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سات حرفوں کی اجازت دی پھر چیلنج کیا سبعۃ احرف کا نزول نہ ہوتا تو قریش کے علاوہ سب لوگ یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ قرآن کونسا ہماری لغت پر نازل ہوا؟ پھر یہ چیلنج قریش کے لئے ہے ہمارے لیے نہیں۔ عالم الغیب نے اس اعتراض کے ہونے سے پہلے ہی قرآن میں آسانی کر دی اور دیگر لغات پر بھی قرآن نازل کر دیا۔ اے اہل عرب اب یہ آپ کی لغات پر نازل ہو چکا ہے لہٰذا اب اس کے مثل بنا کے لاؤ۔

⑤ معنوی خوبیاں

قراءات کے نزول سے قرآنی آیات کے مفہوم میں بہت سی معنوی خوبیاں پیدا ہو گئیں۔ ایک معنی دوسرے کی موافقت و وضاحت کر رہا ہوتا ہے۔

⑥ حل الاشکالات

قراءات کے نزول سے بہت سارے مسائل میں پیدا ہونے والے اشکالات حل ہوئے کتنے ہی احکام و مسائل میں اختلاف ختم ہو گیا اور امت فتنے سے محفوظ ہو گئی۔ جیسا کہ لِأَهَبَ اور لِيَهَبَ کی بحث پیچھے گذر چکی ہے۔

⑦ دو اختلافی حکموں کا جمع ہونا

یعنی دونوں مرادفات سے دو مختلف مسئلے ثابت ہو رہے ہیں۔ جیسے يَطَّهَّرْنَ (سورۃ البقرہ) میں ایک قراءت بالتشدید ہے اور دوسری بالتخفیف (يَطْهُرْنَ)۔ تخفیف والی قراءات انقطاع کے بعد جماع کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور تشدید والی قراءت غسل یعنی اچھی طرح پاک صاف ہونے کے بعد کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

⑧ ایک دوسرے کے بدل دو شرعی مسائل کا بیان

ایک کی جگہ دوسری قراءات استعمال کرنے سے دو علیحدہ علیحدہ شرعی مسئلے واضح ہوتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔ جیسے أَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ اور أَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

⑨ کثرت ثواب

بعض دفعہ ایک قراءات میں کلمہ کے حروف کی تعداد کم ہوتی ہے اور دوسری قراءات میں تعداد زیادہ ہو جاتی ہے اس سے پڑھنے والوں کے ثواب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے علیہم پڑھنے سے ۵۰ نیکیاں ملتی اور صلہ کے ساتھ علیہموا پڑھنے سے ساٹھ نیکیاں ملتی ہیں۔

اور لفظ أَرْجِهْ سے چالیس نیکیاں اور دوسری قراءات (یعنی أَرْجِئْهُ سے ۶۰ نیکیاں ملیں گی۔

⑩ فوقیت قرآن

پچھلی کتابوں کو یہ مقام و مرتبہ اور فضیلت حاصل نہ ہوا۔ قراءات کے نزول سے قرآن مجید کی فوقیت تمام کتب پر اور زیادہ مسلم ہوگئی۔

⑪ حفاظت قرآن

قراءات کے تنوع سے کلام الٰہی کی حفاظت مضبوط طریقے پر ہوئی، کیونکہ تمام اختلافی کلمات کی تعداد اور ان میں وارد ہونے والی مختلف انواع پر مشتمل اختلاف تمام

اُمت کے ہاں یکساں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یا باطل گروہ کوئی انوکھا کلمہ قرآن میں داخل کرنے کی کوشش کرے گا تو ماہرین سبعہ احرف (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی برکت سے مسلمانوں کو اس فتنے سے بھی بچالیں گے اور قرآن کی حفاظت کا ثبوت بھی پیش کر دیں گے۔

نوٹ: امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ایک باطل گروہ کو بہت عمدہ جواب دیا ہے۔

ایک فرقہ باطلہ نے یہ اعتراض کیا کہ آپ مسلمان کہتے ہیں کہ تورات وانجیل میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلاف تو آپ کے قرآن میں بھی موجود ہے۔ (جسے قراءات کہا جاتا ہے)

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا کہ جس کو آپ اختلاف کہتے ہیں ہم سب مسلمانوں کا اس پر بھی اتفاق ہے۔ (الملل والنحل)

مطلب یہ کہ اسے صرف اختلاف کا نام دیا گیا ہے حقیقی لحاظ سے وہ بھی اتفاق ہے، کیونکہ یہ کلام الٰہی ہے اگر یہ غیر اللہ سے ہوتا تو پھر اس پر اعتراض کی گنجائش بالکل موجود رہتی۔

فرمان الٰہی: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا [النساء:۸۲]

"اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ لوگ اس میں اختلاف کثیر پاتے۔"

⑭ کمال فصاحت وبلاغت کا نمونہ

قرآن مجید فصاحت وبلاغت کا شاہکار ہے اہل عرب کے کئی افراد اسی چیز کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اسی طرح سبعہ احرف کے نزول سے عرب کے بڑے بڑے شعراء، ادباء اور زبان دان لوگوں کے منہ بند ہو گئے اور ان کا غرور ٹوٹ گیا کلام اللہ کے معجزے

نے انہیں بے بس کر دیا۔

⑬ ناقلین قراءت کا مرتبہ

ماہرین سبعۃ احرف کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے سب سے زیادہ محنت کی ہوتی ہے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا اس کی وضاحت خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ [المزمل:۵]

''اے نبی ﷺ! جلد ہم آپ پر بھاری کلام ڈالیں گے۔''

قرآن کو سمجھنا آسان اور متن پر زبان درست کرنا کافی محنت سے آتا ہے اس کا اندازہ آپ کسی ناظرہ کی کلاس میں بھی لگا سکتے ہیں کہ ایک استاد کسی طالب علم کو سو مرتبہ سے بھی زیادہ سبق کہلواتا ہے تب جا کر اس کی زبان درست ہوتی ہے۔ اسی طرح دن رات مشق کرنے والے اپنی زبان کو صاف رکھنے والے اور وحی کو دن رات یاد کرنے والے پڑھنے پڑھانے والوں کو بھی اللہ کبھی ضائع نہ کرے گا انہیں دنیا آخرت میں ضرور عزت سے نوازے گا۔ شرط یہ کہ اخلاص وتقوی پر قائم رہیں تو قاریان قرآن قراءت کو فن سمجھ کر نہیں پڑھتے بلکہ وحی سمجھ کر اور ہر قراءت کو قرآن سمجھ کر اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے تلاوت کرتے ہیں۔ والحمد للہ علی ذلك

عربی لغت کی فضیلت:

ویسے تو عربی زبان کی فضیلت روایات وآثار کی روشنی میں مسلم ہے مگر قرآن کا عربی میں نازل ہونا بالخصوص مختلف لغات اور مرادفات کے ساتھ اترنا اس کی فضیلت میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ شرف دنیا کی کسی زبان کو نہیں ملا۔

⑭ اُمت ﷺ مصطفی کی فضیلت

جس طرح دیگر خصوصیات کی بنا پر نبی ﷺ کی امت افضل واشرف ہے اسی طرح قرآن مجید ان کے حصہ میں آیا ہے شرف مزید بڑھ گیا۔ ان کو ایسی کتاب ملی جو تلفظ میں مختلف کلمات کی حامل ہے اور ان میں تضاد وتناقض کی بالکل گنجائش نہیں ہے ہر

مسلمان اس وجہ سے صاحب شرف ہے اس شرف سے دوسری تمام امتیں محروم ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حفاظ وماہرین سبعۃ احرف:

یوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کثرت سے حفاظ قراء موجود تھے مگر جن کو زیادہ شہرت ہوئی ان میں چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ☆زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ☆ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
☆ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ☆عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ☆ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ
☆انس بن مالک رضی اللہ عنہ ☆ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
☆عمر رضی اللہ عنہ ☆عثمان رضی اللہ عنہ ☆علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
☆عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ☆ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ☆معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
☆ابوزید رضی اللہ عنہ ☆سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ ☆طلحہ رضی اللہ عنہ ☆سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ
☆عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ ☆اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
☆اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ☆اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

تابعین رحمہم اللہ میں مشہور قراء کرام

مدنی قراء:

☆مسلم بن جندب رحمہ اللہ ☆ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ ☆سعید بن مسیب رحمہ اللہ
☆عروہ بن زبیر رحمہ اللہ ☆سالم رحمہ اللہ ☆عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ☆امام زہری رحمہ اللہ
☆زید بن اسلم رحمہ اللہ ☆عطا بن یسار رحمہ اللہ

مکی قراء:

☆عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ ☆ابن کثیر مکی رحمہ اللہ ☆طاوس رحمہ اللہ ☆مجاہد رحمہ اللہ
☆ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ ☆عکرمۃ رحمہ اللہ

بصری قراء:

☆ابوالعالیۃ رحمہ اللہ ☆حسن بصری رحمہ اللہ ☆نصر بن عاصم اللیثی رحمہ اللہ ☆ذکی بن یعمر عدوانی رحمہ اللہ

شامی قراء:

☆مغیرہ بن شہاب رحمہ اللہ ☆خلیفہ بن سعد رحمہ اللہ ☆امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ وغیرہ

کوفی قراء:

☆علقمہ الاسود رحمہ اللہ ☆مسروق رحمہ اللہ ☆ابوعبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ ☆شعبی رحمہ اللہ
☆الاعمش رحمہ اللہ ☆ابن جبیر رحمہ اللہ ☆امام عاصم رحمہ اللہ ☆ابراہیم نخعی رحمہ اللہ

قراء سبعہ کی وجہ شہرت اور ان کی قراءات کا منتخب کیا جانا:

قراء سبعہ کی قراءات کو سب سے پہلے امام ابن مجاہد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کتاب السبعۃ میں جمع کیا ان حضرات کی ساری زندگی خدمت قرآن میں گزری کوئی ستر سال اور کوئی چالیس سال ایک ہی مسند پر فائز رہا اور ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں ہے۔ یہ لوگ اہل تقوی، پاکباز، سچ بولنے والے، متقن، قوی الحافظہ ہر لحاظ سے بااعتماد تھے اسی لیے جو قبول عام ان کی مرویات کو حاصل ہوا دوسروں کو نہیں۔ کچھ لوگوں نے انہی قراء کی مرویات کو (انزل القرآن علی سبعۃ احرف) کا مصداق سمجھا جس کی تردید ہم اپنے مضمون کے شروع میں کر چکے ہیں۔

ابن مجاہد رحمہ اللہ نے سات مصاحف کی تعداد کے ساتھ توافق قائم کرنے کے لئے صرف سات مشہور قراء کی قراءات جمع کر دیا اور ابن مجاہد رحمہ اللہ بھی سبعۃ احرف سے سات قاری مراد نہیں لیتے تھے بلکہ کلمات میں تلفظ کا تغیر مراد لیتے تھے۔ ان کے اقران اور ناقلین قراءت نے خیال کیا کہ ان جیسی بزرگ ہستیاں تا قیامت پیدا نہ ہوں گی۔ لہٰذا اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح قراءات کا ذخیرہ ان کے نام لگ گیا اور آج تک انہی

کی طرف منسوب ہے۔ اللہ رب العزت کو بھی یہ ہی منظور تھا کہ ان کی مرویات کو دوام بخشا جائے گا۔ اور اسی طرح قراء ات ثلاثہ کو بھی سمجھنا چاہیے ان کی اسناد بھی ہر لحاظ سے صحیح ہیں اور انہیں بھی مقبول عام کا مرتبہ حاصل ہے۔ اب ان بزرگ ہستیوں کے متعلق ان کے اقران نے جو تعریفی کلمات کہے ہیں وہ بیان کیے جاتے ہیں مزید طوالت سے بچنے کے لئے قراء عشرہ کے مکمل حالات درج نہیں کیے جو کوئی ان کے حالات جاننے کا خواہش مند ہو تو وہ صرف ان تین کتابوں کی طرف ہی رجوع کر لے تو ان شاء اللہ اس کو قراء عشرہ کے حالات پر تفصیلی باتیں مل جائیں گی۔ کتابوں کے نام (سیر اعلام النبلاء ،معرفۃ القراء الکبار، طبقات القراء)

اکابر محدثین ائمہ حدیث ائمہ رجال کا قراء سبعہ سے شرف تلمذ حاصل کرنا اور ان کی نظر میں قراء سبعہ کی عظمت ومنزلت کی ایک جھلک۔

امام نافع مدنی رحمہ اللہ:

آپ نے ستر تابعین سے قرآن پڑھا۔

مالک بن انس رحمہ اللہ: ان کے تلمیذ عبد اللہ بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں قراءۃ نافع سنۃ (امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت مسنون ہے۔)

لیث بن سعد رحمہ اللہ: امام اہل مصر کا قول ہے:

"حججت ثلاث عشرة ومائة وإمام الناس في القراءة يومئذ نافع بن أبي نعيم وأدركت أهل المدينة وهم يقولون قراءة نافع سنة"

''میں نے ۱۱۳ھ میں حج کیا اور اس وقت قراء ات میں لوگوں کے امام حضرت نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ تھے اور میں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قراءۃ نافع سنت ہے۔''

ابن ابی اویس رحمہ اللہ: کہتے ہیں مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"قرأت علی نافع" میں نے امام نافع رحمہ اللہ سے قرآن پڑھا۔

امام عبد اللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ:

موصوف نے امام مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ تابعین سے قرآن پڑھا بقول بعض عبد اللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ صحابی سے بھی پڑھا ہے جلالت قدر کے باوصف ائمہ اہل بصرہ کی ایک جماعت نے موصوف سے قرآن پڑھا ہے مثلاً ابو عمرو بن العلاء، عیسی بن عمر، خلیل بن احمد، حماد بن ابی سلمۃ، ابن زید رحمہم اللہ صحیحین میں آپ کی حدیث کی تخریج کی گئی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت نقل کی ہے اور اس کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن کثیر رحمہ اللہ کے شاگرد اسماعیل بن قسطنطین رحمہ اللہ قاری اہل مکہ سے قرآن پڑھا اور فرمایا:

"قراء تنا قراءۃ عبد اللہ ابن کثیر وعلیها وجدت أهل مكة من أراد التمام فليقرأ لا بن كثير"

''ہماری قراءت قراءۃ عبد اللہ بن کثیر رحمہ اللہ ہے اہل مکہ کو میں نے اس قراءات پر کاربند پایا جو شخص قراءۃ کاملہ کا خواہاں ہے وہ قراءۃ ابن کثیر پڑھے۔''

امام ابن عمرو بن العلاء بصری رحمہ اللہ:

آپ نے اہل حجاز و عراق کے اجلہ تابعین کی ایک جماعت سے قرآن پڑھا مثلاً مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، یحییٰ بن یعمر، ابو العالیہ رحمہم اللہ۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر قراءاتیں مختلف ہوگئیں ہیں آپ مجھے کس قاری کی قراءت کے پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا قراءۃ ابی عمرو بن العلاء البصری رحمہ اللہ پڑھا کرو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أبي عمرو أحب القراءات إليّ هي قراءة قريش وقراءة الفصحاء"

''قراءۃ ابی عمرو ﷫ مجھے سب قراءتوں سے زیادہ پسند ہے کہ یہ قراءۃ قریش اور قراءۃ فصحاء ہے۔''

امام عبداللہ بن عامر دمشقی ﷫:

آپ قراء سبعہ میں سے سب سے زیادہ قدیم العمر اور عالی السند ہیں صحابہ کی ایک جماعت سے قرآن پڑھا ہے حتی کہ بقول بعض حضرت عثمان بن عفان ؓ سے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے حضرت عثمان ؓ کے علاوہ صحابہ میں سے معاویہ ؓ، فضالہ بن عبید ؓ، واثلہ بن اسقع ؓ، ابو الدرداء ؓ سے پڑھا ہے۔ ابوالدرداء ؓ کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے قائم ومقام او رجانشین بنے اہل شام نے آپ کو بالاتفاق 'امام القراء' تسلیم کیا، صحیح مسلم میں آپ کی حدیث تخریج موجود ہے آپ کے بالواسطہ شاگردوں میں حضرت ہشام بن عمار ﷫ بھی ہیں جو حضرت امام ابوعبد اللہ البخاری ﷫ کے مشائخ میں سے ہیں۔

امام عاصم بن ابی النجود ﷫:

آپ نے ابوعبد الرحمن سلمی ﷫ اور زر بن حبیش ﷫ سے قرآن پڑھا ہے جو حضرت عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے تلامذہ میں سے ہیں حضرت ابوعبد الرحمن سلمی ﷫ کے انتقال کے بعد عاصم ﷫ ہی ان کے قائم مقام امام القراء قرار پائے۔ حضرت سلمی ﷫ سے عاصم ﷫ نے ۱۰۰ھ سے قبل قرآن وحدیث دونوں کو حاصل کیا۔ آپ کے معاصرین اجلہ ائمہ حدیث وغیرہم کے یہاں آپ کی قراءات جلیلہ خطیرہ مختارہ تھی۔ چنانچہ حضرت صالح بن احمد بن حنبل ﷫ کہتے ہیں میں نے اپنے والد گرامی احمد بن حنبل ﷫ سے پوچھا آپ کو کون سی قراءات زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا قراءۃ نافع! میں نے کہا اگر کسی کو یہ قراءات

میسر نہ ہو تو پھر کون سی ؟ فرمایا قراءۃ عاصم! احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہی کا قول ہے ،أھل الکوفۃ یختارون قراء تہ وأنا اختارھا ، اہل کوفہ قراءۃ عاصم کو پسند کرتے ہیں میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔

امام حمزہ بن حبیب زیات کوفی رحمہ اللہ:

آپ رجال صحیح مسلم میں سے ہیں ائمہ اہل کوفہ کی ایک جماعت سفیان ثوری ، شریک بن عبداللہ ،شعیب بن حرب، علی بن صالح، جریر بن عبدالحمید اور وکیع رحمہم اللہ وغیرہم نے آپ سے قرآن پڑھا ہے اور آپ کے زہد ورع کی بہت تعریف فرمائی ہے حضرت جریر بن عبدالحمید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ایک مرتبہ سخت گرمی کے دن میں امام حمزہ رحمہ اللہ کا میرے پاس سے گذر ہوا میں نے پینے کے لئے پانی پیش کیا تو انکار فرمایا کیوں کہ میں آپ سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔

امام علی بن حمزہ کسائی کوفی رحمہ اللہ:

آپ نحاتِ کوفہ کے امام ہیں ،قراء اور غیر قراء سبھی حضرات نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ امام حمزہ رحمہ اللہ کے بعد قراءت کی سرداری آپ ہی پر منتہی ہوتی تھی، ہارون الرشید رحمہ اللہ کے یہاں آپ کو بڑی قدر ومنزلت حاصل تھی، مستفیدین کا اتنا ازدہام ہوتا کہ آپ کی قراءت سن سن کر ہی وہ حضرت سے اختلافات قراءت اخذ کرتے اور اپنے مصاحف میں نقطے لگاتے جاتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”من أراد یتبحر فی النحو فھو عیال علی الکسائی“

’’جو شخص علم نحو پر عبور حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کسائی کا دست نگر ہے۔‘‘

اسماعیل بن جعفر مدنی رحمہ اللہ (جو امام نافع رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں) فرماتے

ہیں:

"ما رأیت اقرأ کتاب الله من الکسائی"

"میں نے کتاب اللہ کا کسائی ؒ سے بڑھ کر کوئی قاری نہیں دیکھا۔"

وفات کے بعد کسی نے امام کسائی ؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: ما فعل الله بك (اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا)؟ فرمایا غفرلی ورحمنی ربی بالقرآن (قرآن کریم کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحمت فرمائی) اس نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا صلہ دیا؟ فرمایا: جنت! اس نے پوچھا امام حمزہ زیات ؒ اور امام سفیان ثوری ؒ کا کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا وہ ہم سے اوپر کے درجے میں ہیں، ہم انہیں چمکدار ستارے کی مانند دیکھتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امام کسائی ؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے میری پیشی ہوئی، فرمایا کہ کیا تم علی بن حمزہ کسائی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا قرآن پڑھو، میں نے سورۃ الصافات کے شروع سے 'ثاقب' تک پڑھا، فرمایا: کسائی! میں قیامت کے روز تمہارے ذریعہ اُمتوں پر فخر کروں گا۔ (ملخصاً من مقدمۃ إبراز المعانی لابی شامۃ المقدسی)

اب کیا خیال ہے کہ محدثین وائمہ رجال واکابر حدیث کا تعلق قراء سبعہ کے ساتوں اسکولوں سے ہوا یا نہ ہوا؟ ان حضرت نے ان اسکولوں سے کسی اسکول میں قرآن پڑھا یا نہیں؟

مختلف روایات اور قراءات میں مصاحف

نمبر شمار	مصاحف	حقوق الطبع محفوظۃ
①	بِرِوَايَةِ قَالُوْنَ عَنِ الْإِمَامِ نَافِعٍ	دَارُ الْمَعْرِفَةِ :فاکس 00963-11-2241615 سوریہ، دمشق، ص، ب 30268 ھاتف: 2210269

②	// // // // // //	دَارُ الْفَجْرِ الْإِسلامِيْ. دَار مُتَخَصِّصَه فِيْ طَبَاعَةِ الْقُرْآنِ الْكَرِيْمُ وَنَشْرِعُلُوْمِه. دمشق ص ب 30154 بيروت ص ب، 113/5587
③	// // // // // //	للدار التونسيّة للنشر. جمادى الثانى 1401ھ . اپریل 1981ء
④	// // // // // //	خادم الحرمين الشريفين. الْمَلِكَ عَبْدُ الله بن عَبْد العزيز السُعُود مَلِكُ الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُوْدِيَّةِ
⑤	بِرِوَايَةِ وَرْش عَنِ الْإِمَامُ نَافِعْ	دَارالنّسِيْم لِلطَّبَاعة وَالنَّشْر وَالتَوزِيْع بَيروت. لبنان
⑥	// // // // // //	التجانى المحمّدى صاحب مطبعة المنار وَمكتبتها تيونس
⑦	// // // // // //	تشرّفت بطباعة هٰذه النسخة عالم الكتاب بروت(بالخط المغربي)
⑧	// // // // // //	مؤسسة الرّسالة ناشرون فاكس 009611546722 بيروت، ص ب117460 عاتف 0096115467 20/21
⑨	// // // // // //	دَارُ الْمَعْرِفَةِ فاكس 00963-11-2241615 سوريه دمشق، ص ب 30268 عاتف 2210269
⑩	// // // // // //	دَارُ الفكر بيرت، ص ب 7061
⑪	// // // // // //	خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبدالعزيزالسعود مَلِكُ الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُوْدِيَّة

⑫	بِرِوَايَةِ الدُّورِي عَنِ الْإِمَامِ أَبِي عَمْرٍو الْبَصْرِيِّ	دَارُ اِبْنِ كَثِيْرٍ دمشق . حَلْبُونِي. جَادة ابن سِينَا. بناء الجالى ص ب. 311تلفون 2225877-224502 بيروت برج أبي حيدر . خلف دبُوس الاصلى ص ب 113/6318
⑬	// // // // // //	دار مصحف افريقيا الخرطوم. السودان ص ب 2469
⑭	// // // // // //	دَارُ اِبْنِ كَثِيْرٍ دمشق . حَلْبُونِي. جَادة ابن سسينَا. بناء الجالى ص ب. 311تلفون 2225877-224502 بيروت برج أبي حيدر . خلف دبُوس الاصلى ص ب 113/6318
⑮	// // // // // //	خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبدالعزيز السعُود مَلِكُ المَمْلَكَةِ العَرَبِيَّةِالسُّعُوْدِيَّةِ
⑯	بِرِوَايَةِ شُعْبَةَ عَنِ الإِمَامِ عَاصِمْ	// // // // // // // // // //
⑰	بِرِوَايَةِ خَلَفٍ عَنِ الإِمَامِ حَمْزَةَ	دَارُ الْمَعْرِفَةِ فاكس 00963-11-2241615 سوريه، دمشق. ص ب 30268 هاتف 2210269
⑱	برواية بزى عن الامام ابن كثيرمكى	راقم الحروف نے فروری ۲۰۱۶ء میں عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ حرم مکی میں راقم الحروف کی ملاقات لیبیا کے ایک شہری سے ہوئی اس نے عند الملاقات بتایا کہ ہمارے لیبیا میں بزی کی روایت کے مطابق چھپا ہوا دستیاب ہے اور پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ ابو بکر العاصم

فضائل القرآن از ابن کثیرؒ میں 'سبعہ احرف' پر مشتمل احادیث

قاری عبد الرحمن

اس میں دو رائے نہیں ہیں کہ قرآن کریم کا نزول 'سبعہ اَحرف' پر ہوا ہے۔ جس کی تائید ان اَحادیثِ مبارکہ سے ہوتی ہے جن سے کتب اَحادیث وتفاسیر بھری پڑی ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر 'تفسیر القرآن العظیم' میں اس سلسلہ میں وارد ہونے والی متعدد اَحادیث کو یکجا کیا ہے۔ ذیل میں ہم 'تفسیر ابن کثیرؒ' میں سبعہ اَحرف کے ضمن میں نقل شدہ تمام اَحادیث کو پیش کرنے کے بعد سبعہ اَحرف سے متعلق امام موصوف کا موقف واضح کرنے کی سعی کریں گے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ" [صحیح البخاری:۴۷۰۵]

''مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں مزید طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کے حرفوں میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔''

☆ اَبوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کے طریق سے ایک روایت:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میرے دل میں اس بات سے زیادہ کھٹکا کبھی پیدا نہیں ہوا کہ (ایک دفعہ) میں نے ایک آیت تلاوت کی اور دوسرے شخص نے وہی آیت تلاوت کی تو وہ میری قراءت سے مختلف تھی۔ پس میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی

ہے؟ تو اس نے کہا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہی اس طرح پڑھائی ہے۔ پس ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آئے اور دونوں نے اپنی اپنی قراءت پڑھ کر سنائی۔ آپ ﷺ نے سن کر دونوں کی تائید کی اور فرمایا:

"إِنَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ أَتَيَانِيْ فَقَعَدَ جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَمِيْكَائِيْلُ عَنْ يَسَارِيْ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ: اِقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ، فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: بَلْ اسْتَزِدْهُ، حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ وَكُلُّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ". (سنن النسائی الکبری: [۱/ ۳۲۷) حدیث: ۱۰۱۳]

"میرے پاس جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام آئے۔ جبرئیل علیہ السلام میری دائیں جانب اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب بیٹھ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ ایک حرف پر قرآن کی تلاوت کیجئے۔ میکائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اس پر اضافہ کا مطالبہ کریں۔ حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام سات حروف تک جا پہنچے جن میں سے ہر حرف شافی اور کافی ہے۔"

☆ ابن جریر طبری کے طریق سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

"أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ"

"قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا۔" [تفسیر ابن جریر: ۱/ ۳۴]

☆ مسند اَحمد بن حنبل میں ہے:

"عن أبي بن كعب قال: كنت في المسجد فدخل رجل فقرأ قرائة أنكرتها عليه ثم دخل آخر فقرأ قرائة سوى قرائة صاحبه، فقمنا جميعا، فدخلنا على رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله! إن هذا قرأ قرائة أنكرتها عليه، ثم دخل هذا فقرأ سوى قرائة صاحبه، فقال لهما النبي ﷺ: "اِقْرَأْ"، فقرأ، فقال: "أَصَبْتُمَا". فلما قال لهما

النبي ﷺ قال: كبر عَلَيَّ ولا إذ كنت في الجاهلية، فلما رأى الذي غشيني ضرب في صدري ففضت عرقا، وكأنما أنظر إلى الله تبارك وتعالى فرقا فقال: "يَا أُبَيُّ! إِنَّ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَأَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَهُ عَلَى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَأَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، وَلَكَ بِكُلِّ رِدَةٍ مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا". قَالَ: قُلْتُ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي، وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ فِيهِ الْخَلْقُ حَتّٰى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ". [مسند احمد بن حنبل:۲۱۲۵۱]

''حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہوا اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت سے مختلف ایک اور قراءت پڑھی۔ چنانچہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے پہلے کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے قراءت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر (اپنا ہاتھ) مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو سامنے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُبی! پروردگار نے میرے

پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں دو حرفوں میں پڑھوں، میں نے جوابا پھر درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا کہ میں سات حرفوں پر پڑھوں۔''

☆ ابن جریر رحمہ اللہ کے طریق سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقُلْتُ: خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِي، فَقَالَ: إِقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ، فَقُلْتُ: اَللّٰهُمَّ رَبِّ! خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِي، فَأَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ". [تفسیر ابن جریر: ۳۱۔(۱/۴۷)]

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حرف پر قرآن کی تلاوت کا حکم دیا۔ میں نے رب سے دعا کی کہ میری اُمت کے لیے آسانی کی جائے تو رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دو حرفوں پر پڑھو۔ میں نے پھر دعا کی کہ میری اُمت پر آسانی کی جائے، اس کے بعد مجھے جنت کے سات دروازوں کی طرح سات حروف پر پڑھنے کا حکم ہوا جو کہ سب کافی اور شافی ہیں۔''

☆ ابن جریر رحمہ اللہ کے طریق سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں بھی منقول ہے:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سورۃ نحل کی مجھ سے مختلف قراءت میں تلاوت کرتے ہوئے سنا اس کے بعد ایک اور شخص سے اس سے بھی مختلف قراءت سنی تو ہم تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ان دونوں کو سورۃ نحل کی تلاوت کرتے ہوئے سنا

ہے اور ان دونوں کی قراءت اس سے مختلف ہے جو میں نے آپ ﷺ سے پڑھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان کے پڑھنے پر آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کردیا یہاں تک کہ میرا چہرہ سرخ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میری یہ حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اخْسِئِ الشَّيْطَانَ عَنْهُ، يَا أُبَيُّ، أَتَانِيْ آتٍ مِنْ رَبِّيْ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقُلْتُ: رَبِّ! خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِيْ، ثُمَّ أَتَانِيْ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفَيْنِ. فَقُلْتُ: رَبِّ! خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِيْ، ثُمَّ أَتَانِيْ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ أَتَانِيْ الرَّابِعَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ". [صحیح مسلم: ۸۲۳]

''اے اللہ! اُبی سے شیطان کو دور کردے۔ پھر فرمایا: اے اُبی! اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری طرف ایک آنے والا آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کریم ایک حرف پر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ! میری اُمت پر آسانی فرمایئے۔ پھر وہ دوسری مرتبہ آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ! میری اُمت پر آسانی فرمایئے۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آیا اور اسی طرح کہا میں نے بھی ویسے ہی درخواست کی۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سات حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔''

عن أبيّ بن كعب أنّ النبيّ ﷺ كان عند أضاة بني غفار، فأتاه جبريل، فقال: "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ". قال: "أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ وَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ"، ثم

أتاه الثانية، فقال: "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفَيْنِ". فقال: "أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ" ثم جاءه الثالثة. فقال: "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ". فقال: "أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ" ثم جاءه الرابعة. فقال: "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ. فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا". [صحیح مسلم:۸۲۱]

''حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے تالاب کے پاس موجود تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکمِ خداوندی ہے کہ اپنی اُمت کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے معافی و مغفرت کا طلب گار ہوں، میری امت ایک حرف پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام دوسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دو حرفوں پر پڑھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبریل علیہ السلام تیسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ تین حرفوں پر پڑھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبریل علیہ السلام چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ آپ اپنی اُمت کو سات حرفوں میں پڑھایئے۔ ان میں سے جس کے مطابق پڑھیں گے درستی کو پالیں گے۔''

صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں شعبہ کے طریق سے ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

☆ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

"يَا أُبَيُّ! إِنِّي أُقْرِئْتُ الْقُرْآنَ فَقِيلَ لِيْ: عَلَى حَرْفٍ أَوْ حَرْفَيْنِ؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِيْ مَعِيَ: قُلْ: عَلَى حَرْفَيْنِ. قُلْتُ: عَلَى حَرْفَيْنِ. فَقِيلَ لِيْ: عَلَى حَرْفَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِيْ مَعِيَ: قُلْ عَلَى ثَلَاثَةٍ. قُلْتُ عَلَى ثَلَاثَةٍ. حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ، إِنْ قُلْتَ: سَمِيْعًا عَلِيْمًا، عَزِيْزًا حَكِيْمًا، مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ". [صحیح مسلم: ۸۲۰]

''اے اُبی! میں تلاوت قرآن کر رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا ایک حرف پر یا دو حرفوں پر؟ میرے ساتھ موجود فرشتے نے کہا: آپ کہیں کہ دو حرفوں پر، پس میں نے کہا: دو حرفوں پر۔ پھر مجھ سے دریافت کیا گیا دو حرفوں پر یا تین حرفوں پر؟ میرے ساتھ موجود فرشتے نے کہا کہ آپ کہیں تین حرفوں پر۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف پر جا پہنچا۔ پھر کہا گیا: ان میں سے ہر حرف کافی وشافی ہے۔ آپ سمیعا علیماً پڑھیں یا عزیزا حکیماً۔ اور عذاب والی آیت کو رحمت والی آیت کے ساتھ یا رحمت والی کو عذاب والی کے ساتھ خلط نہ کریں۔

☆ مسند احمد میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل علیہ السلام سے مِراء کے پتھروں کے قریب ملے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيِّيْنَ فِيهِمُ الشَّيْخُ الْفَانِيْ، وَالْعَجُوْزُ الْكَبِيْرَةُ، وَالْغُلَامُ" قَالَ: "فَمُرْهُمْ فَلْيَقْرَؤُوا الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ".

''میں ایسی اُمت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جس میں بوڑھے، کمزور اور غلام لوگ ہیں۔ پس جبریل علیہ السلام کہنے لگے: ان کو حکم دیجیے کہ وہ سات حرفوں میں قرآن کی تلاوت کر لیں۔'' [مسند أحمد: (۵/۱۳۲) ۲۱۲۸۴، ۲۱۲۸۵]

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَقِيتُ جِبْرِيلَ عِنْدَ أَحْجَارِ الْمِرَاءِ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُرْسِلْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَّةٍ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ، وَالْغُلَامُ، وَالْجَارِيَةُ، وَالشَّيْخُ الْفَانِيُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ كِتَابًا قَطُّ". فقال: "إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ". [مسند أحمد:٥/٤٠٠]

''میں جبریل علیہ السلام سے مراء کے پتھروں کے پاس ملا، میں نے کہا: اے جبریل! میں اَن پڑھ اُمت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں عورتیں، بچے، غلام، لونڈیاں، بوڑھے اور ایسے لوگ ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا: بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔''

☆ مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے مراء کے پتھروں کے پاس ملے پس وہ کہنے لگے:

"إِنَّ أُمَّتَكَ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَمَنْ قَرَأَ مِنْهُمْ عَلَى حَرْفٍ فَلْيَقْرَأْ كَمَا عَلِمَ، وَلَا يَرْجِعْ عَنْهُ". [مسند الإمام أحمد:٥/٣٨٥]

☆ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَتَانِي مَلَكَانِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: أَقْرِئْهُ. قَالَ: عَلَى كَمْ؟ قَالَ: عَلَى حَرْفٍ. قَالَ: زِدْهُ، قَالَ: حَتَّى بَلَغَ إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ". [مسند الامام أحمد: ١٢٥/٥]

''میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: انہیں پڑھائیے، دوسرے نے کہا: کتنے حروف پر؟ اس نے کہا: ایک حرف پر۔ دوسرے نے مزید کا مطالبہ کیا یہاں تک کہ معاملہ سبعہ اَحرف تک پہنچ

گیا۔"

☆ اسی طرح سنن نسائی میں بھی سلیمان بن صرد کی یہی روایت الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔[سنن النسائی الکبریٰ:۱۰۵۰۶]

☆ تفسیر ابن جریر میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں مذکور ہے۔

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ میں نے ایک شخص کی قراءت سنی، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ یہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی ہے۔پس ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی قراءت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تو اس اس طرح پڑھائی ہے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قراءت کی بھی تحسین فرمائی۔پھر میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْ أُبَيٍّ الشَّكَّ."

''اے اللہ! اُبی سے شک کو دور کردے۔''

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسینے میں شرابور ہوگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِيْ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: اِقْرَأُ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ، وَقَالَ الْآخَرُ: زِدْهُ. فَقُلْتُ: زِدْنِيْ. فَقَالَ: اِقْرَأْ عَلٰى حَرْفَيْنِ، حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ، فَقَالَ: اِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ".

''میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک نے کہا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، اور دوسرے نے کہا: اس میں زیادتی کروائیے۔ میں نے کہا اس سے زیادہ کیا جائے۔تو پہلے نے کہا: دو حرفوں پر پڑھیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔تو اس (فرشتے) نے کہا: سات حروف پر تلاوت فرمائیے۔''

☆ اُبو بکرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ: اِقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: اِسْتَزِدْهُ، قَالَ: اِقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ، مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ أَوْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ". [مسند أحمد: ۵/۴۱]

''جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ جبریل علیہ السلام فرمانے لگے: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس میں زیادتی کروائیے۔ تو (جبریل علیہ السلام) کہنے لگے: سات حروف پر پڑھیے۔ ان میں سے ہرایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کردیں۔''

☆ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أُنْزِلَ الْقُرْءَانُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ" [مسند أحمد: ۵/ ۱۱۴]

''قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔''

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ ـ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوْهُ إِلَى عَالِمِهِ".

[مسند أحمد: (۲/ ۳۰۰)۷۹۷۶]

''قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا، اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ یہ الفاظ آپ نے تین بار اِرشاد فرمائے۔ اس میں سے جس چیز کا تم کو علم ہوجائے اس پر عمل کرو۔ اور جس سے تم نابلد ہو اس کو عالم کی طرف لوٹا دو۔''

☆ ام ایوب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، أَيُّهَا قَرَأْتَ أَجْزَأَكَ". [مسند احمد: ۲۷۵۵۰]

''قرآن کریم سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے، تم جس پر بھی پڑھو گے کفایت کر جائے گا۔''

☆ حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت

حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک قرآنی آیت میں اختلاف ہوگیا، دونوں کا خیال تھا کہ اُنہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہے، لہٰذا وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَلَا تَمَارَوْا بِالْقُرْآنِ فَإِنَّ مِرَاءً فِيهِ كُفْرٌ". [فضائل القرآن: ۳۳۷]

''یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے، تم اس میں جھگڑا مت کرو، بے شک قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے۔''

☆ مسند احمد میں ابوجُہیم رضی اللہ عنہ کی یہی روایت کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے:

دو آدمیوں کا قرآن کریم کی آیت میں اختلاف ہوگیا۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا ہے۔ دونوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْقُرْآنُ يُقْرَأُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَلَا تَمَارَوْا فِي الْقُرْآنِ، فَإِنَّ مِرَاءً فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ" [مسند احمد: ۴/۱۶۹]

''قرآن کریم کو سات حرفوں پر پڑھا جا سکتا ہے، پس تم قرآن میں جھگڑا مت کرو، کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

☆ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں کا قرآن کریم کی ایک قراءت میں اختلاف ہو گیا۔ اور دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَخذ کی ہے۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اَقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا گوش گزار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيَّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَحْسَنْتُمْ، فَلَا تَمَارَوْا فِيْهِ، فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ". [مسند احمد: ۴/۲۰۵]

''بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم (ان میں سے) جو قراءت بھی کرو گے درست ہو گی، قرآن کریم میں جھگڑا مت کرو کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

☆ مسند احمد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والی یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن اس کے اَخیر میں یہ الفاظ ہیں:

"فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ أَوْ آيَةُ الْكُفْرِ". [مسند احمد: ۴/۲۰۵]

''اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے یا کفر کی ایک نشانی ہے۔''

☆ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كَانَ الْكِتَابُ الْأَوَّلُ نَزَلَ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ: زَاجِرٍ وَآمِرٍ وَحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَمُحْكَمٍ وَمُتَشَابِهٍ وَأَمْثَالٍ، فَأَحِلُّوْا حَلَالَهُ، وَحَرِّمُوْا حَرَامَهُ، وَافْعَلُوْا مَا أُمِرْتُمْ، وَانْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ، وَاعْتَبِرُوْا بِأَمْثَالِهِ، وَاعْمَلُوْا بِمُحْكَمِهِ، وَآمِنُوْا بِمُتَشَابِهِهِ وَقُوْلُوْا: " ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا". [المستدرک علی الصحیحین: ۲/۳۱۷]

''پہلی کتاب ایک طریق پر اور ایک ہی 'حرف' پر نازل ہوئی تھی، جبکہ قرآن

کریم سات طرق سے، سات حروف پر اس طرح نازل ہوا ہے کہ اس میں اَمر و نہی اور حلال و حرام اور محکم و متشابہ اور امثال ہیں۔ لہٰذا تم اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانو اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔ قرآن جو تمہیں حکم دیتا ہے وہ بجالاؤ اور جس سے روکتا ہے اس سے اجتناب کرو اور اس کی دی ہوئی مثالوں سے عبرت پکڑو۔ قرآن کے محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ اور اس اَمر کا اقرار کرو کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور ہم اس پر ایمان لائے۔''

سبعہ اَحرف سے مراد:

☆ ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سبعہ اَحرف سے متعلق تمام اَحادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں، سوائے ایک حدیث، جو کہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ''. [فضائل القرآن: ص ۳۳۹، رواہ احمد من طریق عفان: ۱۱/ ۲۰۳]

''قرآن تین حروف پر نازل کیا گیا ہے۔''

☆ ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مشہور اور صحیح روایت سبعہ والی ہے۔ لیکن سبعہ کا قطعی مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک حرف سات وجوہ میں پڑھا جائے، جس کی مثال ناپید ہے۔''

ہمارے نزدیک سبعہ اَحرف سے مراد یہ ہے کہ لغات عرب میں سے سات متفرق لغات پورے قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک حرف ایک قبیلے کی لغت پر، دوسرا حرف پہلے سے مختلف دوسرے قبیلے کی لغت پر اور تیسرا ان دونوں سے مختلف کسی اور قبیلے کی لغت پر مشتمل ہے۔ بقیہ چار حروف کا معاملہ بھی اسی طرح ہے اور ان میں سے

بعض لغات پر قرآن کا زیادہ حصہ مشتمل ہے جبکہ بعض پر کم۔

کلبی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَی سَبْعِ لُغَاتٍ، مِنْهَا خَمْسٌ بِلُغَةِ الْعَجُزِ مِنْ هَوَازِنَ"

''قرآن کریم سات لغات پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے پانچ ہوازن میں سے عجز کی ہیں۔'' [فضائل القرآن: ص ۳۴۰، إسنادہ ضعیف جدا من أجل الکلبی]

ابوعبید رحمہ اللہ مزید رقمطراز ہیں: عجز میں بنوأسعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر بن معاویہ اور ثقیف شامل ہیں، جو کہ علیا ہوازن ہیں۔ ان کے بارے میں ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"أفصح العرب علیا ھوازن وسفلی تمیم یعنی بنی دارم"

''سب سے زیادہ فصیح علیا ہوازن اور سفلی تمیم یعنی بنی دارم ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا یملی فی مصاحفنا إلا غلمان قریش أو ثقیف" [مقدمہ تفسیر ابن کثیر]

ابن جریر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ دو لغتیں قریش اور خزاعہ ہیں۔ (تفسیر ابن جریر: ۱/ ۶۱)

قتادہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی لقاء ثابت نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے متعلق ایک شعر پڑھا۔ یعنی انہوں نے شعر کو قرآن کی تفسیر کے طور پر پیش کیا۔

ہشیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت " وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ" [الانشقاق: ۱۷] تلاوت کی اور اس کے ساتھ یہ شعر پڑھا:

أن لا قلائصاً حقائقاً
مستوسقات لو یجدن سائقا

ایک مقام پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان " فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ " [النازعات:۱۴] کے بارے میں فرمایا اس سے مراد زمین ہے اور اس کے بعد اُمیہ بن اَبی صلت کا یہ قول نقل کیا:

"عندهم لحم بحر ولحم ساهرة" [فضائل قرآن:۳۴۴]

''ان کے پاس سمندر اور زمین (خشکی) کا جانور ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں آیت " فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ " [الانعام:۱۴] کا معنی نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے دو اعرابیوں کو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے سنا، جن میں سے ایک کہہ رہا تھا 'أنا فطرتها' یعنی 'میں نے اس کی اِبتدا کی ہے۔' [فضائل قرآن:۳۴۵]

ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عرب کی تمام لغات کی بجائے چند لغات پر نازل کیا گیا۔ جبکہ معلوم ہے کہ عرب میں لغات سات سے زیادہ رائج ہیں۔ امام صاحب سے دریافت کیا گیا کہ سبعہ اَحرف سے متعلق آپ نے جو قول اختیار کیا ہے یہ ان اَقوال سے مطابقت نہیں رکھتا جن میں کہا گیا ہے کہ سبعہ اَحرف سے مراد اَمر و زجر، ترغیب وترہیب، قصص ومثل اور اس سے ملتے جلتے دیگر اَقوال ہیں جبکہ ان کے اِختیار کرنے والوں میں آئمہ سلف اور اُمت کے بہترین لوگ شامل ہیں۔ طبری رحمہ اللہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں نے سبعہ اَحرف کے ذیل میں یہ اَقوال اختیار کیے ہوتے تو پھر تو یہ ہمارے قول کے مخالف ہوتے، جبکہ انہوں نے 'سبعہ اَحرف' سے سات وجوہ مراد لی ہیں اور انہوں نے جو اَمر و زجر کے اَقوال اختیار کیے ہیں وہ دراصل اس حدیث کے ذیل میں ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کو جنت کے سات دروازوں سے نازل کیا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

"إن القرآن نزل من سبعة أبواب الجنة." [طبری:۱/۴۷]

''بے شک قرآن کریم جنت کے سات دروازوں میں سے نازل کیا گیا ہے۔''

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت کے سات دروازے دراصل اَمر نہی، ترغیب وترہیب اور قصص ومثل کے معانی پر مشتمل ہیں، جب انسان ان کے اَوامر ونواہی پر عمل پیرا ہوگا تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی۔

اَب اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے:

بے شک شارع نے اُمت کو سبعہ اَحرف پر تلاوت کی اِجازت مرحمت فرمائی ہے پھر جب اَمیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا قراء ات میں اختلاف ملاحظہ کیا جس سے کلمات کے منتشر ہونے کا شدید خدشہ پیدا ہوگیا تھا، تو انہوں نے تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا اور اُمت نے اِطاعت کے ذریعے آپ کی توثیق کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام رشد وہدایت کے ساتھ سرانجام دیا ہے، چنانچہ تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی اِطاعت میں بقیہ چھ حروف کی قراء ت ترک کر دی یہاں تک کہ اُمت میں ان حروف کی معرفت مٹ گئی اور ان کے آثار مفقود ہوگئے۔ تو اب کسی کے لیے کوئی روا نہیں ہے کہ وہ ان حروف پر مشتمل قراء ت کرے۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اِجازت کس نے دی تھی کہ وہ ایسی قراء ت کو ترک کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہو اور اس کے پڑھنے کا حکم بھی جاری کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرض یا وجوب کے طور پر نہیں تھا بلکہ رخصت اور اباحت پر محمول تھا، کیونکہ اگر ان تمام حروف کی قراء ت واجب ہوتی تو ان میں سے ہر حرف کا علم بھی لازم ہوتا اور اس طرح کا کوئی بھی عذر ختم ہوجاتا اور قراء ت کے بارے میں شک زائل ہوجاتا۔ ان حروف کے ترک کرنے سے یہ دلیل واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قراء ات میں اختیار دیا گیا تھا۔ البتہ جو اختلاف، قراء ات میں کسی حرف کے رفع، نصب،

جر، سکون، حرکت او ر ایک حرف کی جگہ پر دوسرے حرف کی صورت میں ہے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "أُمِرْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ" کے ذیل میں ہے، کیونکہ ایک قول کے مطابق اس طرح کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے مطابق سبعہ اَحرف میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ [تفسیر ابن جریر: ۱/۴۹]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرءنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة فانتظرته حتى سلم، ثم لببته بردائه _ أو بردائي _ فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ فقال: أقرأنيها رسول الله ﷺ. فقلت له: كذبت فوالله! أن رسول الله ﷺ أقرأني هذه السورة التي سمعتك تقرأها. فانطلقت أقوده إلى رسول الله ﷺ، فقلت: يارسول الله! إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها وأنت أقرأتني سورة الفرقان. فقال رسول الله ﷺ: "أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ! اِقْرَأْ يَا هِشَامُ!". فقرأ هذه القرائة التي سمعته يقرؤها. قال رسول الله ﷺ: "هٰكَذَا أُنْزِلَتْ"، ثم قال رسول الله ﷺ: "إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ."

اس حدیث کو صحیح بخاری (۲۴۱۹)، صحیح مسلم (۲۷۰)، ابو داؤد (۱۴۷۵)، سنن ترمذی (۲۹۴۳) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قراءت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں

پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں، لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ﷺ ہی نے سورۃ الفرقان مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو آسان ہو وہ پڑھو۔"

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس قراءت کی تو آپ پر کچھ تغیرات کے ساتھ پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ میں نے جب نبی اکرم ﷺ پر قراءت کی تو آپ ﷺ نے تو مجھے یہ تغیرات نہ بتلائے۔ راوی کہتے ہیں کہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے پاس جھگڑا کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ اس شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے قراءت کی تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ کھٹکنے لگا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يَا عُمَرُ! إِنَّ الْقُرْآنَ كُلَّهُ صَوَابٌ، مَا لَمْ يُجْعَلْ مَغْفِرَةٌ عَذَابًا أَوْ عَذَابًا مَغْفِرَةً". (۱۶۴۱۸)

"قرآن (میں) یہ سب عین صواب ہے، جب تک کہ تو رحمت کو عذاب اور

عذاب کو رحمت سے نہ تبدیل کرے۔''

علماء کے مابین احرف سبعہ کے مفہوم کی تعیین میں شدید اِختلاف وقوع پذیر ہوا ہے۔ اَحرف سبعہ کے مفہوم سے متعلق اَبو حاتم محمد بن حبان نے تقریباً ۳۵/اَقوال ذکر کیے ہیں۔ان میں سے پانچ اَقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) سبعہ اَحرف سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ متقارب معانی کی سات وجوہ مراد ہیں۔ جیسا کہ أقبل، تعال اور هلم وغیرہ۔ اس قول کو اختیار کرنے والے عبداللہ بن وہب، ابوجعفر ابن جریر اور طحاوی رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔

طحاوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں اَبوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں:

''أَتَانِي جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ: اِقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: اِسْتَزِدْهُ، قَالَ: اِقْرَأْ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ، مَا لَمْ تُخْتَمْ آيَةُ رَحْمَةٍ بِآيَةِ عَذَابٍ أَوْ آيَةُ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ''.[مسند أحمد:۵/۴۱]

''جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ پس جبریل علیہ السلام فرمانے لگے: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس میں زیادتی کروائیے۔تو (جبریل علیہ السلام) کہنے لگے: سات حروف پر پڑھیے۔ ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کردیں۔''

اسی طرح اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت: يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ ءَامَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ [الحدید:۱۳] میں 'للذين ءامنوا أمهلونا'، 'للذين ءامنوا أخرونا'، 'للذين ءامنوا ارقبونا' بھی پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح آیت: كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ [البقرۃ:۲۰] میں مروا فيه اور

سعوا فیہ پڑھتے۔

☆ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لوگوں کے لیے قرآن کریم کو سات لغات پر پڑھنا رخصت کے طور پر تھا اور اس وقت تک تھا جب لوگوں کے لیے لغت قریش پر تلاوت کرنا دشوار تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے کتابت، ضبط اور حفظ کے علم سے نابلد ہونے کی بناء پر اس طرح پڑھایا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ قاضی باقلانی رحمہ اللہ اور ابو عمر بن عبد البر رحمہ اللہ کا دعویٰ ہے کہ یہ رخصت ابتدائی زمانہ تک محدود تھی پھر یہ رخصت حفظ میں آسانی، کتابت کے علم سے واقفیت اور ضبط کی کثرت کے باوصف زائل کر دی گئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا تھا۔ اور انہوں نے پوری اُمت کو ایک قراءت پر اس لیے جمع کیا تھا، کیونکہ لوگ قراءات میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے تھے۔ تو انہوں نے لوگوں کے لیے ایک مصحف امام مرتب فرمایا اور یہ اس پر مشتمل تھا جو عرضۂ اخیرہ میں رسول اللہ ﷺ پر پڑھا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اختلاف اور تفرقہ بازی کو ختم کرنے کے لیے اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءتوں کی تلاوت سے منع فرما دیا۔''

(۲) یہ کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کے تمام اَلفاظ سات حروف پر نازل کیے گئے ہیں بلکہ کچھ الفاظ کچھ حروف پر مشتمل ہیں اور کچھ الفاظ دیگر حروف پر۔

☆ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے **وَ عَبَدَ الطَّاغُوْت** [المائدۃ:۶۰] اور يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ [یوسف:۱۲] میں سات لغات بیان کی ہیں۔

☆ قاضی باقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ قرآن کریم کو لغت قریش میں نازل کیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ اس لغت پر مشتمل ہے نہ کہ سارے کا سارا

قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا [یوسف:۲] فرمایا ہے نہ کہ 'قرشیا' اور عرب کا اسم تمام قبائل کو شامل ہے نہ کہ کسی ایک قبیلے کو۔''

☆ شیخ ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لأن غير لغة قريش موجودة في صحيح القرائات كتحقيق الهمزات ونحوها، فإن قريشا لا تهمز." [تفسیر القرطبی]

''قراء اتِ قرآنیہ میں قریش کے علاوہ دیگر لغات کی ایک دلیل تحقیق ہمزات کی موجودگی ہے، حالانکہ قریشی لغت میں ایسا نہیں ہے۔''

قرآن کریم میں قریشی لغت کے علاوہ دیگر لغات کی موجودگی کی ایک اور دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ فرمان ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ [الانعام:۱۴] کے معنی سے ناواقف تھا، حتی کہ میں نے ایک اعرابی کو ایک کنویں کے بارے میں کہتے ہوئے سنا 'أنا فطرتها'، 'اس کی ابتدا میں نے کی ہے۔'

☆ یہ کہ قرآن کی سات لغات مضر قبیلے پر منحصر ہیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قرآن کریم لغت قریش پر نازل کیا گیا ہے۔ اور اہل نصب کے صحیح قول کے مطابق بنونضر بن الحارث ہی قریش ہیں۔ جس کی تائید سنن ابن ماجہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(٤) امام باقلانی رحمہ اللہ بعض علماء کی طرف سے بیان کرتے ہیں:

''وجوہ قراء ات سات اشیاء کی طرف لوٹتی ہیں، پہلا یہ کہ جس میں حرکت کی ، صورت کی اور نہ ہی معنی کی تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے ''وَيَضِيۡقُ صَدۡرِىۡ'' [الشعراء:۱۳] اور 'یضیق'

دوسرا جس میں صورت میں تبدیلی تو نہ ہو البتہ معنی تبدیل ہو جائے جیسے: ''فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا'' (سبا:۱۹) اور ''فَقَالُوا رَبُّنَا بَعَدَ بَيۡنَ أَسۡفَارِنَا''۔

صورت، معنی اور حرف تینوں میں اختلاف جیسے: "نُنْشِزُھَا" اور "نُنْشِرُھَا"۔

کلمہ کی تبدیلی کے ساتھ معنی تبدیل نہ ہو جیسے "کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوش" اور "کَالصُّوفِ الْمَنفُوش"۔

کلمہ اور معنی دونوں کی تبدیلی جیسے "وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ" اور "طَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ"۔

تقدیم وتاخیر کا اختلاف جیسے "وَجَآءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" اور "سکرۃ الحق بالموت"۔

زیادتی ہو جائے جیسے: 'تسع وتسعون نعجة أنثی'، 'وأما الغلام فکان کافرا وکان أبواہ مؤمنین' اور 'فإن اللہ من بعد إکراھھن لھن غفور رحیم'۔"

☆ یہ کہ سبعہ اَحرف سے قرآن کے معانی مراد ہیں اور وہ اَمر، نہی، وعد، وعید، قصص، مجادلہ اور اَمثال ہیں۔

☆ اِمام ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ ان کو حروف کا نام نہیں دیا جا سکتا اور اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ کسی حلال چیز کو حلال کرنے اور معانی کی تغییر میں توسع نہیں ہے۔"

☆ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر علماء جیسا کہ داودی اور ابن ابی صفرۃ رحمہم اللہ وغیرہ کا خیال ہے:

"یہ سات قراءات جو سات قراء کی جانب منسوب کی جاتی ہیں یہ وہ سات حروف نہیں ہیں جن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قراءت کیا کرتے تھے بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ایک حرف ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع فرما دیا تھا۔" [تفسیر القرطبی: ۱/ ۴۲، ۴۷]

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

"قراءِ سبعہ میں سے ہر ایک نے دوسرے قراء کی قراءت میں اجازت دی ہے اور

انہیں پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ جو قراءات ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں انہوں نے ان کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ قراءات زیادہ اَولیٰ اور اَحسن ہیں۔تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ائمہ قراءات نے قراءات کے سلسلہ میں جوکچھ بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے متعلق بہت سی کتب تصنیف کی گئی ہیں، اس (قراءات) کے درست ہونے پر اِجماع نقل کیا گیا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حفاظتِ کتاب کا وعدہ بخوبی پورا ہوگیا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام قرطبی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کو بیان کرکے بھرپور اَنداز میں اس کی تائید کی ہے۔[ج۱:ص۶۱]

سابقہ مبحث سے اَندازہ ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ سبعہ اَحرف کے ضمن میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مؤقف کے حامل ہیں اور بھرپور اَنداز میں اس کی تائید کرنے والے ہیں۔ (ج۱:ص۶۱) جن کا مؤقف ہے:

سبعہ اَحرف سے ایک ہی کلمہ میں مختلف لغات عرب کا اختلاف مراد ہے۔ جسے ہم مترادفات سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی ایک ہی کلمہ میں اس کی جگہ مختلف الفاظ استعمال کرنے کی اجازت تھی جیسے هَلُمَّ، تَعَال اور أَقْبِل وغیرہ۔ نیز امام طبری رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال لوگ سبعہ اَحرف میں سے چھ حروف کے حذف، نسخ یا توقف کے قائل ہیں۔

مشہور ائمہ حدیث کا نظریہ قراءات

قاری عنایت اللہ ربانی کاشمیری
مدیر رباشیہ اسلامک سینٹر
رکن العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا موقف:

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ قراءاتِ متواترہ کے بھرپور مؤیدین میں سے ہیں۔ انہوں نے 'فتح الباری شرح صحیح البخاری' میں حدیث سبعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دیگر علماء کے نقطہ نظر کو بھی بیان کیا ہے۔

✸ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرءنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة فانتظرته حتى سلم، ثم لببته بردائه _أو بردائي_ فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ فقال: أقرأنيها رسول الله ﷺ. فقلت له: كذبت فوالله! أن رسول الله ﷺ أقرأني هذه السورة التي سمعتك تقرأها. فانطلقت أقوده إلى رسول الله ﷺ، فقلت: يارسول الله! إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها وأنت أقرأتني سورة الفرقان. فقال رسول الله ﷺ: أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ! اِقْرَأْ يَا هِشَامُ!. فقرأ هذه القراءة التي سمعته يقرؤها. قال رسول الله ﷺ: هٰكَذَا أُنْزِلَتْ، ثم قال رسول الله ﷺ: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. [صحیح بخاری: ۲۴۱۹، صحیح مسلم ۲۷۰، ابو داؤد: ۱۴۷۵، سنن ترمذی: ۲۹۴۳]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قراءت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں،لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرلیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے ۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور کہا کہ یارسول اللہ میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے سورۃ الفرقان مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو آسان ہو وہ پڑھو۔''

٭أن ابن عباس رضی الله عنه حدثه أن رسول الله ﷺ قال: أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ" [صحیح البخاری:۴۹۹۱]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں نے ان سے تکرار کیا۔ میں ان سے مزید طلب کرتا رہا اور وہ مجھے (اللہ کے حکم سے) مزید دیتے رہے حتیٰ کہ معاملہ سات قراءتوں تک جا پہنچا۔''

مذکورہ بالا اَحادیث نبویہ ﷺ صحیح بخاری کی روایات ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف جامع صحیح بخاری کی کتاب فضائل قرآن کے باب ''أنزل القرآن علی سبعة أحرف'' میں نقل کیا ہے۔ شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ان احادیث نبویہ کی خوب تشریح کی ہے۔ جس کو آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

حدیث عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تشریح:

✵أقرأني جبريل على حرف فراجعته

صحیح مسلم میں حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں بار بار جبریل علیہ السلام سے کہتا رہا کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے ''إن أمتي لا تطيق ذلك'' کہ وہ صرف ایک لہجہ پر قرآن کریم پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مذکور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''فقال لي الملك الذي معي: قل على حرفين، حتى بلغت سبعة أحرف''. [سنن ابوداود: ۱۴۷۷]

''مجھے اس فرشتے نے کہا جو میرے ساتھ تھے، (یعنی حضرت جبریل اَمین علیہ السلام) (کہ اپنی اُمت کو) دو حروف پر پڑھنے کا حکم دیجئے۔ حتیٰ کہ وہ سات حروف تک پہنچ گئے۔''

سنن نسائی میں امام نسائی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے ایک

روایت نقل کرتے ہیں:

حضرت جبریل امین علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ایک حرف پر قرآن کریم پڑھیے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس میں اضافہ کروائیے۔

مسند احمد میں بھی حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ انہی الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

✷ ''فلم أزل أستزيده ويزيدني'' کی شرح:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت قرآن کریم کو دو حروف پر پڑھے۔ پھر تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا اپنی اُمت کو حکم دیجیے کہ وہ قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھیں۔ اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت قرآن کریم کو چار حروف پر تلاوت کرے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لوگ ان میں سے جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہوگی۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

"على سبعة أحرف من سبعة أبواب من الجنة"[طبرانی:۸۲۱۷]

''کہ قرآن کریم کے سات حروف جنت کے سات ابواب سے ہیں۔''

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے:

"ثم قال ليس منها إلا شاف كاف إن قلت سميعاً عليماً عزيزاً حكيماً ما لم تختم آية عذاب برحمة أو آية رحمة بعذاب"[سنن ابو داود:۱۴۷۷]

''پھر فرمایا: ان میں سے ہر ایک حرف (یعنی ہر ایک قراءت) شافی کافی ہے۔ اگر آپ ﷺ سميعا، عليما،عزيزا، حكيما کہیں گے اور جب تک آیت عذاب کو آیت رحمت سے اور آیت رحمت کو آیت عذاب سے خلط نہ کریں۔''

سنن ترمذی میں ایک اور طریق سے یہ روایت منقول ہے۔جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"يا جبريل إني بعثت إلى أمة أميين ومنهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية والرجل الذي لم يقرأ كتابا قط." [جامع الترمذی:۲۹۴۴]

''اے جبریل امین علیہ السلام! میں ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جن میں بوڑھے اور بوڑھیاں، بچے اور بچیاں ہیں اور ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی بھی کتاب نہیں پڑھی۔''

⊙ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند احمد میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

"كلها شاف كاف" ''تمام حروف شافی کافی ہیں۔'' [مسند أحمد:۲۰۴۴۱]

مذکورہ بالا بحث کا ماحصل:

مذکورہ بالا تمام أحادیث اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ سبعہ أحرف سے مراد سبعہ لغات یا سبعہ قراءات ہیں۔یعنی قرآن کریم کا نزول سات لغات یا سات قراءات پر ہوا۔

لفظ احرف، حرف کی جمع ہے۔ جیسے افلس فلس کی جمع ہے۔ اگر احرف سے لغات مراد لی جائیں تو اس کا معنی لغات کی سات وجوہ ہوگا۔کیونکہ لغت میں حرف کا معنی ''وجہ'' بھی پایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى

حَرْفٍ [الحج:11] اور اگر احرف سے مراد قراءات لی جائیں تو ایسی صورت میں حرف کا اطلاق 'کلمہ' پر ہوگا اور یہ اطلاق مجازاً ہوگا۔ کیونکہ حرف کلمے کا جزء ہے یعنی قراءت پورے کلمے اور لفظ کی ہوتی ہے ایک حرف کی نہیں ہوتی۔

٭ دوسری حدیث کی شرح

"فإن رسول الله ﷺ قد أقرأنيها"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھایا۔'' اس سے اس طرح اِستدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آغاز اسلام کے مسلمانوں میں سے تھے اور ان کا اسلام راسخ تھا جبکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نئے نئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات محسوس کی کہ حضرت ہشام کا ابھی اسلام پختہ نہیں ہے اور ان کی قراءت ابھی اتنی پختہ نہیں ہوگی۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بارے پورا یقین اور ایمان رکھتے تھے کہ جو انہوں نے قراءت کی ہے ایسے ہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔

سببِ اختلاف قراءت عمر و ہشام رضی اللہ عنہما

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سورۃ کو رسول ﷺ سے بہت دیر پہلے پڑھ اور سیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد اس کے خلاف جو کچھ نازل ہوا اسے نہیں سن سکے تھے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو وہ کچھ پڑھایا جو تازہ ترین نازل شدہ تھا۔ یہی وہ سب سے بڑی وجہ اور سبب ہے جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کو اجنبی قرار دینا اور اس کا انکار کرنے میں جلدی کرنا اس بات کا احتمال پیدا کرتا ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کا فرمان:

"أنزل القرآن على سبعة أحرف" پہلے نہیں بلکہ اسی موقع پر سنا۔

٭إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف کی تفصیلی شرح

امام طبری رحمہ اللہ ، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی قراءت سنی تو غصے سے بے قابو ہو گئے اور اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے میں کوئی چیز (یعنی وسوسہ) پیدا ہوئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ سے پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر (اپنا ہاتھ مبارک) مارا اور فرمایا: شیطان عمر سے دور ہو جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا:

اے عمر! القرآن كله صواب، ما لم تجعل رحمة عذابا أو عذابا رحمة.

''قرآن سارے کا سارا ہی درست ہے جب تک آیت عذاب کو آیت رحمت کے ساتھ اور آیت رحمت کو آیت عذاب کے ساتھ خلط نہ کیا جائے۔''

جو واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا اسی طرح کا واقعہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی پیش آیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ سورہ نحل کی قراءت میں اختلاف رونما ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ، امام ابوعبید رحمہ اللہ اور امام طبری رحمہ اللہ امام ابوجہم بن الصمہ رحمہ اللہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

" أن رجلين اختلفا في آية من القرآن كلاهما يزعم أنه تلقاها من رسول الله ﷺ"[مسند احمد:۱۷۵۷۷]

''دو آدمیوں کا قرآن کریم کی ایک آیت میں اختلاف ہوگیا۔ ان دونوں کا گمان تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسے پڑھا ہے۔'' پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی پوری حدیث بیان کی۔

⦿ امام طبری رحمہ اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: أقرأني ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورة أقرأنيها زيد رضی اللہ عنہ وأقرأنيها أبي بن كعب رضی اللہ عنہ فاختلفت قراءتهم، فبقراءة أيهم آخذ؟ فسكت رسول الله ﷺ وعليّ إلى جنبه، فقال علي: ليقرأ كل إنسان منكم كما علم فإنه حسن جميل." [طبرانی:۴۹۳۸]

''ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک سورت پڑھائی ہے اور وہی حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھائی ہے تو ان کی قراءت میں اختلاف ہوگیا ہے تو میں کس شخص کی قراءت کے مطابق پڑھوں؟ تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ایسے ہی پڑھے جیسے اسے پڑھایا گیا ہے۔ پس وہی قراءت حسین وجمیل ہوگی۔''

⦿ اِمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں:

'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سورت 'آل حم' پڑھائی۔ میں مسجد کی طرف چلا میں نے ایک آدمی سے کہا۔ اس

(سورت) کو پڑھے تو اس نے وہ حروف پڑھے جو میں نے نہیں پڑھے تھے۔ میں نے اسے کہا: میں نے یہ (سورت) رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہے۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إنما أهلك من كان قبلكم الاختلاف، ثم أسر إلى علي شيئا"

''تم سے پہلے لوگ اختلاف کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إن رسول الله ﷺ يأمركم أن يقرأ كل رجل منكم كما علم"

''رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر آدمی ایسے پڑھے جیسے اسے سکھایا گیا ہے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ہم چلے ہم میں سے ہر آدمی وہ حروف پڑھ رہا تھا جو اس کا ساتھی نہیں پڑھتا تھا۔'' [مسند احمد: ۳۹۸۱]

✵فاقرءوا ما تيسر منه کی شرح:

یعنی نازل شدہ قرآن کریم سے جو آسانی سے پڑھ سکو اسے پڑھ لیا کرو۔ اس میں اس کی حکمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے اور یہ قاری کی آسانی کے لیے ہے۔ یہ اس قول کو مضبوط اور محکم کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ 'احرف' سے مراد "تأدية المعنى باللفظ المرادف" ''کسی مترادف لفظ سے معنی کا ادا کرنا۔'' اگر چہ وہ ایک ہی لغت سے ہو۔ کیونکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں قریشی تھے۔ باوجود اس کے، ان دونوں حضرات یعنی حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی قراءت میں اختلاف ہو گیا۔

امام ابوعبید رحمہ اللہ اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں:

'سبعہ أحرف' سے مراد 'لغات کا اختلاف' ہے۔ یہ موقف امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اس پر تعاقب کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عرب کی لغات تو سات سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ 'سبع لغات' سے مراد عرب کی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ لغات ہیں۔

حضرت ابوصالح رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نزل القرآن علی سبع لغات"

''قرآن کریم سات لغات میں نازل ہوا ہے۔''

ان میں سے پانچ لغات کا تعلق قبیلہ ھوازن سے ہے اور ھوازن کی شاخوں میں سعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر بن معاویہ اور قبیلہ ثقیف شامل ہیں۔ گویا یہ تمام قبائل ھوازن سے ہیں اور ان کو علیا ھوازن کہا جاتا ہے۔ اسی لیے تو ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"أفصح العرب عُلیا ھوازن وسفلی تمیم یعنی بنی دارم." [مقدمۃ تفسیر ابن کثیر]

''عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ علیا ھوازن اور سفلی بنوتمیم یعنی بنو دارم کے لوگ ہیں۔''

⦿ امام ابوعبید رحمہ اللہ نے ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"نزل القرآن بلغۃ الکعبین کعب قریش و کعب خزاعۃ قیل و کیف ذاك؟ قال: لأن الدار واحدۃ یعنی أن خزاعۃ کانوا جیران قریش فسھلت علیھم لغتھم." [الاتقان فی علوم القرآن: فصل فی کیفیۃ إنزالہ]

''قرآن کریم کعبین یعنی کعب قریش اور کعب خزاعہ کی لغت میں نازل ہوا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہا کہ ان کا گھر ایک ہی ہے یعنی خزاعہ والے قریش کے پڑوسی تھے اس لیے قریش کی لغت خزاعہ پر آسان ہوگئی۔''

⦿ امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

قرآن کریم قریش، ھذیل، تیم الرباب، ازد، ربیعہ، ھوازن اور سعد بن بکر کی لغت میں نازل ہوا۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس کا اِنکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی دلیل دی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ [ابراھیم: ۴]

''ہم کسی رسول کو مبعوث نہیں کرتے مگر اس کی قوم کی زبان دے کر۔''

لہٰذا قرآن فقط قریش کے لغت پر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نزل القرآن بلغة مضر'' [الاتقان فی علوم القرآن]

''کہ قرآن کریم مضر (قبیلہ) کی لغت میں نازل ہوا ہے۔''

بعض علماء قبائل مضر کو معین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہذیل، کنانہ، قیس، ضبّہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش قبائل مضر ہیں۔ جن کی طرف سات لغات کی نسبت ہے۔

⦿ اَبوشامہ رحمہ اللہ نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے:

''شروع میں قرآن کریم قریش اور فصیح وبلیغ عربی بولنے والے عرب، جو قریش کے پڑوسی تھے، ان کی زبان میں نازل ہوا۔ پھر عربوں کے لیے جائز کردیا گیا کہ وہ اپنی اپنی لغات میں قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ چونکہ ان کے الفاظ اور اعراب میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی تکلف سے کام نہ لے یعنی وہ مشقت کرتے

ہوئے اپنی زبان اور لغت سے نکل کر کسی اور کی لغت میں جانے کی کوشش نہ کرے۔"

خلاصہ:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ اجازت کسی کی اپنی مرضی اور خواہش پر منحصر نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق کلمہ کو لغت میں مترادف لفظ سے بدلتا رہے بلکہ اس شخص کی لغت اور قراءت کو مانا جائے گا جس نے نبی کریم ﷺ سے سماع کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث میں ہے: "أقرأني النبي ﷺ" "رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھایا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا کہ آپ 'حتی حین' کو لغت ہذیل میں 'عتی حین' پڑھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اس سے باز رہیے اور قرآن کو لغت قریش پر پڑھیے، کیونکہ یہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ اس طرح کا قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

⊙ امام ابوشامہ دمشقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول "نزل بلسان قريش" سے ان کی مراد یہ ہے کہ شروع میں قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر آسانی فرمائی اور ان پر ان کی لغات میں قرآن کریم پڑھنا جائز کر دیا گیا۔"

کیا قرآن کا کوئی کلمہ سات حروف پر پڑھا جا سکتا ہے؟

⊙ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"یہ متفق علیہ مؤقف ہے (کہ قرآن کا ہر کلمہ سات وجوہ پر نہیں پڑھا جاتا) بلکہ یہ ناممکن ہے۔ پورے قرآن کریم میں ایک مقام 'عبد الطاغوت' کے علاوہ کوئی مقام اور کلمہ بھی سات وجوہ یا سات لغات پر نہیں پڑھا جاتا۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو سات وجوہ

پر پڑھا جاتا ہے۔ لیکن امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پورے قرآن میں کوئی جملہ اور کوئی کلمہ بھی ایسا نہیں ہے۔

جبکہ امام ابن الانباری رحمہ اللہ نے ”عبد الطاغوت، ولا تقل لهما أف، وجبريل“ جیسی اَمثلہ کو پیش کر کے امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا رد کیا ہے۔

سبعہ اَحرف سے مراد:

⦿ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اکثر اہل علم اس چیز کا اِنکار کرتے ہیں کہ 'احرف' سے مراد 'لغات' ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا قراءت میں اختلاف ہوا تھا حالانکہ ان کی لغت ایک ہی تھی (اگر احرف سے مراد لغات ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) ان (اکثر علماء کرام) کا کہنا ہے کہ اس سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ متفق معانی کی سات وجوہ مراد ہیں۔ جیسے اقبل تعال اور هلم، کہ ان کے معانی تو متفق ہیں لیکن الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے سات کے عدد کو وجوہ پر محمول کیا ہے:

[۱]...... حرکات تبدیل ہوں لیکن معنی اور صورت میں تبدیلی نہ آئے مثلاً وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ [البقرۃ: ۲۸۲] کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

[۲]...... فعل کے بدلنے سے تبدیلی واقع ہو، جیسا کہ: بٰعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا یہ فعل ماضی اور صیغہ طلب دونوں کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

[۳]...... بعض حروف مہملہ کے لفظوں کا تبدیل ہونا جیسے ہے: نُنْشِزُهَا راء اور زاء کے ساتھ۔

[۴]...... ابدال حرف کا بدلنا جن کے مخارج قریب قریب ہوں مثلاً طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ طاء اور عین کے ساتھ۔

۵......تقدیم و تاخیر سے تبدیلی واقع ہونا مثلاً وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ اور زین العابدین رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح تھی 'وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ'

۶......کمی و بیشی سے تبدیلی واقع ہونا۔ جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے: 'وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى' یہ کمی کی مثال ہے۔

زیادتی کی مثال: تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: 'وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ'

۷......مترادفات کا اختلاف مثلاً: كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح سے ہے: 'كَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ'

⦿ امام ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ کے وجوہ کی تفصیل:

① اسماء کے واحد، تثنیہ، جمع، مذکر ومؤنث ہونے میں اختلاف۔

② افعال مثلاً ماضی، مضارع اور امر کے بدلنے کا اختلاف۔

③ اعراب کی وجوہ کا اختلاف ④ (حروف کی) کمی، بیشی ہونا۔

⑤ تقدیم و تاخیر کا واقع ہونا۔ ⑥ الابدال۔

⑦ لغات کا اختلاف جیسے کہ فتحہ، اِمالہ، ترقیق، تفخیم، اِدغام اور اِظہار وغیرہ وغیرہ۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ چیزیں امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے ہی لی گئی ہیں۔

سبعہ اَحرف سے مراد سات وجوہ ہیں، ان سات وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ مگر اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ قرآن کریم کا ہر کلمہ سات وجوہ سے پڑھا جاسکتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک کلمہ اور لفظ کی آخری حد سات ہے۔

عام طور پر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے بعض ایسے کلمات ہیں جو سات سے زیادہ وجوہ سے بھی پڑھے جاتے ہیں جبکہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے ہر کلمے کی قراءت کی آخری حد سات بتائی ہے۔

⊙ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لفظ سبعہ آحاد میں کسی چیز کی کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سبعین کا لفظ عشرات میں کثرت کے لیے مستعمل ہے۔ بعینہ سبع مائۃ کا لفظ مئین میں کسی چیز کی کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا اس طرح کے عدد سے معین عدد اور محدود تعداد مراد نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا میلان بھی اسی مؤقف کی طرف ہے۔''

⊙ امام موصوف رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سبعہ اَحرف کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ سبعہ اَحرف کے معنی میں ۳۵ /اَقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ امام منذری رحمہ اللہ کا کہنا ہے ان اَقوال میں سے اکثر کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن حبان کی صحیح سے ان کی رائے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن میں ان کے کلام سے واقف نہیں ہو سکا۔

ایک جماعت کا یہ مؤقف ہے کہ سبعہ اَحرف سے مراد کلام کی سات اصناف ہیں اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ ''شروع شروع میں قرآن ایک ہی حرف پر ایک ہی باب سے نازل ہوا پھر قرآن کریم سات ابواب میں، سات حروف پر نازل ہوا۔ وہ سات ابواب یہ ہیں:

① زجر و توبیخ ② اَوامر و نہی کے اَحکام ③ حلال
④ حرام ⑤ محکم ⑥ متشابہ ⑦ اَمثال

اسے امام ابوعبید رحمہ اللہ اور دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔

⦿ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت ابوسلمہ بن عبدالرحمن رحمہ اللہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔‘‘

مذکورہ حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ لیکن یہ حدیث محل نظر ہے، کیونکہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع واقع ہوا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق سے امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ اور انہوں نے ابوسلمہ رحمہ اللہ سے مرسل روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مرسل جید ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا معنی سات وجوہ ہوگا۔ جن کا ذکر دیگر مختلف احادیث میں ہوا کیونکہ ان احادیث کا سیاق اس چیز کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

⦿ امام ابوشامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یہاں احتمال ہے کہ مذکورہ تفسیر ابواب کی ہو نہ کہ احرف کی۔ یعنی یہ کلام کے ابواب میں سے سات اَبواب اور اقسام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان اصناف پر قرآن کا نزول کیا ہے اور دوسری کتب کی طرح ایک ہی صنف پر اکتفا نہیں کیا۔

کیا موجودہ مصاحف سبعہ اَحرف پر مشتمل ہیں؟

امام ابوشامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سلف صالحین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا موجودہ مصاحف سبعہ احرف پر ہیں یا ان میں سے ایک حرف پر؟ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ موجودہ مصاحف ایک ہی حرف پر ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ ابوطاہر بن ابوسرح رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں

وہ کہتے ہیں۔ میں نے ابن عیینہ رحمہ اللہ سے مدینہ والوں اور اہل عراق کی قراءت کے اختلاف کے بارے سوال کیا کہ کیا یہی سات حروف ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ سات حروف مثل أقبل، هلم اور تعال ہیں کہتے ہیں کہ ابن وھب رحمہ اللہ نے مجھے اسی طرح ہی فرمایا۔

قراءاتِ سبعہ کی شرائط:

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سبعہ أحرف کے بارے طویل بحث کرنے کے بعد امام الکواشی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جو شرائط صحت قراءات سبعہ کے حوالے سے ہے۔

⊙ امام الکواشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كل ما صح سنده واستقام وجهه في العربية ووافق لفظه خط المصحف الإمام فهو من السبعة المنصوصة فعلى هذا الأصل بني قبول القراءات عن سبعة كانوا أو سبعة آلاف ومتى فقد شرط من الثلاثة فهو شاذ.“[فتح الباري: ۹/۳۲]

”ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو اور عربی میں کسی ایک وجہ کے مطابق ہو اور اس قراءت کے الفاظ خط مصحف عثمانی کے مطابق اور موافق ہوں۔ جس قراءات میں یہ تین شرائط پائی جائیں خواہ وہ سات سے ہو یا سات ہزار سے ہو مقبول ہے، اور اگر ان تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط ساقط ہو جائے تو وہ قراءت شاذ ہوگی۔“

اس قول کے بعد امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام سبکی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں کافی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

⊙ امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آپ قراءات شاذہ کے حوالے سے 'شرح المنہاج' میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کی کثیر

تعداد کا یہ کہنا ہے کہ جو قراءات، قراءاتِ سبعہ کے علاوہ ہیں وہ تمام شاذ قراءات ہیں۔ یہ تمام فقہاء سبعہ قراءات کے مشہور ہونے کی وجہ سے اس توہم کا شکار ہوئے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ جو قراءات، قراءات سبعہ سے خارج ہیں ان کی دو اقسام ہیں:

① ...... جو قراءات رسم مصحف عثمانی کے خلاف ہیں وہ قراءات بلا شک وشبہ قرآن نہیں ہیں۔

② ...... ان میں سے وہ قراءات جو رسم مصحف عثمانی کے مطابق ہیں وہ دو قسموں میں منقسم ہیں:

① جو قراءات غریب طریق سے وارد ہوئی ہیں وہ بغیر کسی شک کے قرآن نہیں۔

② وہ قراءات جو ائمہ کے ہاں مشہور ہو چکی ہیں وہ قراءات یعقوب اور قراءات ابو جعفر کی طرح درست ہیں ان قراءات کا کوئی حرج نہیں۔

اس سلسلہ میں تفصیلی بحث فتح الباری ص ۱۱ تا ص ۳۹ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

خلاصہ:

مندرجہ بالا بحث کے بعد امام ابن حجر رحمہ اللہ کا موقف درج ذیل الفاظ کی صورت میں سامنے آتا ہے:

سبعہ اُحرف سے مراد سات وجوہ ہیں، ان سات وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ مگر اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ قرآن کریم کا ہر کلمہ سات وجوہ سے پڑھا جا سکتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک کلمہ اور لفظ کی آخری حد سات ہے۔

اِمام نووی رحمہ اللہ کا موقف:

اِمام نووی رحمہ اللہ قراءاتِ متواترہ کے بھرپور مؤیدین میں سے ہیں۔ انہوں نے

'المنہاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج' میں حدیث سبعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اِس حوالے سے دیگر علماء کے نقطۂ نظر کو بھی قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

⊙ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

''سبعہ اَحرف سے مراد توسع اور تسہیل ہے، حصر مراد نہیں ہے۔ جبکہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سبعہ کے عدد میں محصور ہے۔'' [المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج:۶/۳۴۰]

⊙ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے سات معانی مراد ہیں:

جیسا کہ وعد، وعید، محکم، متشابہ، حلال، حرام، قصص، اَمثال، اَمر اور نہی وغیرہ۔ [ایضا:۶/۳۴۰]

⊙ بعض لوگوں نے رُجحان ظاہر کیا ہے:

"هي أداء التلاوة، وكيفية النطق بكلماتها من إدغام وإظهار، وتفخيم، وترقيق، وإمالة، ومد؛ لأن العرب مختلفة اللغات في هذه الوجوه فيسر الله تعالى عليهم ليقرأ كل إنسان بما يوافق لغته، ويسهل على لسانه." [ایضا:۶/۳۴۱]

''سبعہ اَحرف اَدائے تلاوت اور کلمات کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ اِدغام و اِظہار، تفخیم، ترقیق، اِمالہ اور مد وغیرہ۔ چونکہ اَہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سہولت فرما دی تا کہ ہر انسان بآسانی اپنی لغت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر سہل ہو۔''

⊙ بعض اَفراد سبعہ اَحرف کو الفاظ اور حروف کا نام دیتے ہیں، جبکہ دیگر کا کہنا ہے کہ یہ سات قراءات اور وجوہ ہیں۔

⊙ امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ عرب کے قبائل یمن اور معدّ کی سات لغات ہیں اور یہ سب سے زیادہ فصیح اور اعلیٰ لغات ہیں۔ [ایضا:۶/۳۴۱]

◉ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِس سے مضر قبیلے کی سات لغات مراد ہیں۔

یاد رہے کہ یہ سات کی سات قرآن کریم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں کسی ایک کلمہ میں تمام لغات کا وجود نہیں ہے۔

لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بعض قرآنی کلمات جیسا کہ وَعَبَدَ الطّٰغُوْتَ [المائدہ:۶۰]، یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ [یوسف:۱۲]، بٰعِدْ بَیْنَ أَسْفَارِنَا [سبا:۱۹] اور بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ [الاعراف:۱۶۵] میں یہ تمام کی تمام لغات جمع ہیں۔ [ایضا:۶/۳۴۱]

◉ قاضی اَبوبکر بن باقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الصحيح أن هذه الأحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ، وضبطها عنه الأمة، وأثبتها عثمان رضی اللہ عنہ والجماعة في المصحف، وأخبروا بصحتها، وإنما حذفوا منها لم يثبت متواترا، وأن هذه الأحرف تختلف معانيها تارة وألفاظها أخرى، وليست متضادة ولا متنافية." [ایضا:۶/۳۴۱]

''صحیح بات یہ ہے کہ موجودہ تمام حروف رسول اللہ ﷺ سے ظاہر اور مشہور ہوئے، آپ ﷺ ہی سے اُمت نے ضبط کیا، انہی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت نے مصحف میں جمع کیا اور اس کی صحت کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں سے غیر متواتر کو حذف کر دیا۔ اور یہ حروف بسا اَوقات الفاظ اور معانی کے اِعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور بسا اَوقات نہیں ہوتے۔''

◉ امام طحاوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"أن القراءة بالأحرف السبعة كانت في أول الأمر خاصة للضرورة

لاختلاف لغة العرب، ومشقة أخذ جميع الطوائف بلغة، فلما كثر الناس والكتاب، وارتفعت الضرورة كانت قراءة واحدة.‘‘[ایضا:۳۴۱/۶]

’’ابتدائی زمانہ میں اَحرف سبعہ پر قراءات ایک خاص ضرورت، اَہل عرب کی لغات میں اختلاف، کے تحت تھی کیونکہ تمام قبائل کا ایک لغت پر پڑھنا دشوار تھا۔ پھر جب لوگوں کی، اور کاتبین کی تعداد بڑھ گئی اور ضرورت ختم ہوگئی تو پھر ایک قراءت ہی باقی رہ گئی۔‘‘

⦿ دوادی رحمہ اللہ یوں رقمطراز ہیں:

’’هذه القراءات السبع التي يقرأ الناس اليوم بها ليس كل حرف منها هو أحد تلك السبعة، بل تكون مفرقة فيها.‘‘[ایضا:۳۴۱/۶]

’’موجودہ سات قراء ات جن کی لوگ تلاوت کرتے ہیں ان میں سے ہر حرف میں سات قراء ات موجود نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔‘‘

⦿ ابوعبیداللہ بن ابی صفرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’هذه القراءات السبع إنما شرعت من حرف واحد من السبعة المذكورة في الحديث، وهو الذي جمع عثمان عليه مصحف، وهذا ذكره النحاس وغيره.‘‘[ایضا:۳۴۱/۶]

’’موجودہ سات قراء ات جو کہ ایک حرف سے شروع ہوئی ہیں، یہ وہی ہیں جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع کیا اور اسی کا نحاس رحمہ اللہ اور دیگر نے تذکرہ کیا ہے۔‘‘

علماءِ کرام کا اس حد تک تو اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے سات حروف پر نزول سے

آسانی اور تسہیل مراد ہے۔ جس کا ثبوت وہ تمام اَحادیثِ مبارکہ ہیں جو سرورِ دو عالمﷺ کی طرف سے جاری ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ حضورﷺ نے فرمایا: هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي۔ ''میری اُمت پر آسانی کی جائے۔''

خلاصہ:

اِمام نووی رحمہ اللہ کے ہاں سبعہ اَحرف سے مراد مندرجہ ذیل تشریح ہے جیسا کہ محدث مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے 'عون المعبود' میں بھی اِس کی وضاحت کی ہے۔

''هي أداء التلاوة، وكيفية النطق بكلماتها من إدغام وإظهار، وتفخيم، وترقيق، وإمالة، ومد، لأن العرب مختلفة اللغات في هذه الوجوه فيسر الله تعالى عليهم ليقرأ كل إنسان بما يوافق لغته، ويسهل على لسانه.'' [المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ۶/۳۴۰]

''سبعہ اَحرف اَدائے تلاوت اور کلمات کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ اِدغام و اِظہار، تفخیم، ترقیق، اِمالہ اور مد وغیرہ۔ چونکہ اَہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سہولت فرما دی تاکہ ہر انسان بآسانی اپنی لغت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر سہل ہو۔''

علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ:

علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ بھی متنوع قراءاتِ قرآنیہ کو من وعن تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کی کتاب 'عون المعبود شرح سنن أبی داؤد' میں موجود وہ تشریح ہے جو اُنہوں نے 'سنن أبي داؤد' میں موجود اَحادیث کے ضمن میں پیش کی ہے۔

⦿ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَٰهِيمَ مُصَلًّى [البقرۃ:۱۲۵] [سنن أبي داود: ۳۹۶۲] پڑھا۔

محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ذکر کردہ آیت میں موجود لفظ 'وَاتَّخِذُوْا' میں متعدد قراءات بیان کی گئی ہیں۔ جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے صیغۂ امر اور مشہور قراءۃ کے مطابق 'وَاتَّخِذُوْا' پڑھا ہے۔

اِس میں ایک قراءت صیغۂ ماضی کے ساتھ بھی ہے۔

⦿ امام سیوطی رحمہ اللہ 'الدر المنثور' میں فرماتے ہیں:

"أن أصحاب عبدالله كانوا يقرؤون(وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى)قال أمرهم يتخذوا"

'' اَصحاب عبداللہ رضی اللہ عنہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى پڑھتے۔ اور کہتے ہیں کہ مقام اِبراہیم کو جائے نماز بنانا اَمر تھا۔''

⦿ عبدالملک بن ابی سلیمان رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

'' میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو خا کے کسرہ کے ساتھ 'وَاتَّخِذُوْا' پڑھتے ہوئے سنا۔ 'غیث النفع فی القراءات السبع' میں ہے کہ نافع رحمہ اللہ اور شامی رحمہ اللہ نے اسے فعل ماضی کے ساتھ 'وَاتَّخَذُوْا' پڑھا ہے۔'' [عون المعبود:۱۱/۷]

⦿ حضرت سعید بن زید بن ثابت رحمہ اللہ اپنے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"كان يقرأ (غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ) ولم يقل سعيد: كان يقرأ"[سنن ابی داؤد:۳۹۶۸]

'غیر' میں تین حرکات بیان کی گئی ہیں:

ابن کثیر مکی رحمہ اللہ، ابوعمرو رحمہ اللہ، حمزہ رحمہ اللہ اور عاصم رحمہ اللہ نے رفع کے ساتھ 'غَيْرُ' پڑھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ القاعدون کی صفت ہے اور یہاں پر القاعدون غیر معین ہیں۔

نافع رحمہ اللہ، ابن عامر رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ نے نصب کے ساتھ 'غَیْرَ' پڑھا ہے۔

اور ایک شاذ رِوایت جر کے ساتھ بھی بیان کی گئی ہے، کیونکہ یہ المؤمنین کی صفت ہے۔ [عون المعبود:۱۱/۳]

⦿ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رأیت النبی یقرأ "أَیَحْسَبُ أَنَّ مَالَهٗ أَخْلَدَهٗ "[سنن أبي داود:۳۹۸۸]

تمام نسخوں میں 'یحسب' سے پہلے حرف اِستفہام ہے۔ لیکن ہم نے کتب تجوید وتفسیر میں اس قراء ت کو نہیں پایا بلکہ مشہور قراءت حرف اِستفہام کے حذف کے ساتھ ہے جیسا کہ منذری رحمہ اللہ کے نسخہ میں ہے۔

⦿ امام سیوطی رحمہ اللہ 'الدر المنثور' میں رقمطراز ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر سین کے کسرہ کے ساتھ 'یَحْسِبُ أَنَّ مَالَهٗ أَخْلَدَهٗ' پڑھا ہے۔

'غیث النفع فی القراء ات السبع' میں ہے کہ شامی رحمہ اللہ، عاصم رحمہ اللہ اور حمزہ رحمہ اللہ نے سین کے فتح کے ساتھ 'یَحْسَبُ' پڑھا ہے۔

جبکہ باقی قراء نے سین کے کسرہ کے ساتھ 'یَحْسِبُ' پڑھا ہے۔[عون المعبود:۱۱/۱۸]

سبعہ اَحرف سے مراد لغات، قراء ات یا مختلف اَنواع ہیں۔ اور اس کے معنی کی وضاحت میں تقریباً ۴۱ راَقوال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے معانی کوئی بھی نہیں جانتا، کیونکہ حرف لغت، کلمہ، معنی اور جہت سب پر صادق آتا ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ قراء اتِ قرآنیہ اگرچہ وہ سات سے زائد ہی ہوں ان سے اِختلافات کی سات وجوہ مراد ہیں:

۱..... نفسِ کلمہ میں کمی وزیادتی واقع ہو۔ جیسے 'نُنْشِزُهَا' اور 'نُنْشِرُهَا' پہلے زا معجمہ کے

ساتھ اور دوسرا را مہملہ کے ساتھ۔اور اسی طرح 'سَارِعُوْا' اور 'وَسَارِعُوْا' سین سے قبل واؤ عاطفہ کے حذف کے ساتھ، اور پھر اس کے اِثبات کے ساتھ۔

۲ ......واحد اور جمع کی تغییر جیسے: 'کُتُبِهٖ' اور 'کِتٰبِهٖ'

۳ ......تذکیر وتانیث کا اِختلاف جیسے: 'یَکُنْ' اور 'تَکُنْ'

۴ ......صرفی اختلاف،تخفیف وتشدید کا جیسے 'یَکْذِبُوْنَ' اور 'یُکَذِّبُوْنَ' اور فتحہ و کسرہ کا اختلاف جیسے: 'یَقْنُطُ' اور 'یَقْنِطُ'

۵ ......اِعراب کا اختلاف جیسے: 'ذُو العَرْشِ المَجِیْد، ذِی الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ' ذال کے رفع اور جر کے ساتھ

۶ ......اَداۃ نحو کا اِختلاف جیسے: 'لٰكِنِ الشَّيٰطِيْنُ' 'لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ' نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ

۷ ......لغات کا اِختلاف جیسے تفخیم اور اِمالہ وغیرہ

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ان قراء ات کا پڑھنا جائز ہے جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جس کی دلیل "أنزل القرآن على سبعة أحرف" ہے۔ [عون المعبود: ۴؍۲۴۳]

⊙ اِمام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں رقمطراز ہیں کہ سبعہ اَحرف سے متعلق بیان کیے جانے والے اَقوال میں سے سب سے زیادہ صحیح اور حدیث کے معنی کے قریب ترین یہ قول ہے:

''سبعہ اَحرف اَدائے تلاوت اور کلمات کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ اِدغام و اِظہار، تفخیم، ترقیق، اِمالہ اور مد وغیرہ۔ چونکہ اَہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سہولت فرما دی تاکہ ہر انسان بآسانی اپنی لغت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر سہل ہو۔'' [المنہاج: ۶؍۳۴۱]

⦿ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لیکن اَیسا مطلق طور پر نہیں ہے مثلاً بعض جگہوں پر اِدغام جبکہ بعض جگہوں پر اِظہار جائز نہیں ہے۔اسی طرح دیگر اَشیاء کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور لغات کا اختلاف صرف ان وجوہ میں ہی محصور نہیں ہے۔'' [عون المعبود: ۴/ ۲۴۴]

⦿ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سبعہ وُجوہ سے مراد مختلف اَلفاظ کے متفق معانی ہیں۔ جیسا کہ أقبل، تعال، عجل، هلم اور أسرع، پس مترادف اَلفاظ کا تبادلہ جائز ہے نہ کہ متضاد اَلفاظ کا۔''

⦿ مسند اَحمد میں حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أنزل القرآن علی سبعة أحرف علیما حکیما غفوراً رحیما" [مسند احمد: ۸۳۷۲]

''قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جیسے علیما حکیما اور غفوراً رحیما''

⦿ ایک دوسری حدیث میں ہے:

"القرآن کله صواب ما لم یجعل مغفرة عذابا أو عذابا مغفرة."

[مسند احمد: ۱۶۴۱۳]

'' قرآن سارے کا سارا صحیح ہے جب تک کہ مغفرت کی آیت کو عذاب کے ساتھ اور عذاب والی آیت کو مغفرت والی آیت کے ساتھ نہ بدلا جائے۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآنی آیت کُلَّمَا أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ [البقرہ:۲۰] میں مَّشَوْا فِيهِ کی جگہ سَعَوْا فِيهِ پڑھ لیتے تھے۔اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ انْظُرُونَا کی جگہ پر 'أَمْهِلُونَا' اور 'أَخِّرُونَا' پڑھتے۔

⦿ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات بہت بعید ہے، خصوصاً حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے کہ وہ اَیسے لفظ کو اپنی طرف سے بدل دیں جس کو اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت میں اُسے معمول بنایا ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں صحابہ کرام نے یا تو اُسے تفسیر کے طور پر نقل کیا ہے یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف وجوہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار 'مَشَوْا فِيْهِ' اور پھر 'سَعَوْا فِيْهِ' اور ایک جگہ پر اَنْظِرُوْنَا اور کسی اور مقام پر 'أَمْهِلُوْنَا' اور 'أَخِّرُوْنَا' پڑھا ہو۔''

⦿ إمام طحاوی رحمہ اللہ کا خیال ہے:

''اس میں ان لوگوں کے لیے رخصت ہے جن کے لیے کتابت اور ضبط کے علم سے عدم واقفیت کی بناء پر ایک لفظ پر تلاوت کرنا مشکل ہے۔اس کے بعد عذر کے زائل ہونے اور حفظ وکتابت میں آسانی کی وجہ سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔''[عون المعبود: ۴/ ۲۴۴]

⦿ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حروف سے مراد لغات ہیں۔یعنی قرآن کریم عرب کی سات لغات میں نازل کیا گیا اور یہ لغات کلام کے اعتبار سے سب سے اَفضل اور اعلیٰ تھیں۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ لغات قرآن کریم میں متفرق مقامات پر آئی ہیں کسی ایک کلمہ میں جمع نہیں ہیں۔

⦿ امام قتیبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"لا نعرف في القرآن حرفا يقرأ على سبعة أحرف."

''قرآن میں ایک بھی حرف اَیسا موجود نہیں ہے جس میں (تمام) سبعہ

حروف پڑھے جا سکتے ہوں۔‘‘[أیضا:۴؍۲۴۴]

◉ امام ابن أنباری رحمہ اللہ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’یہ غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اَیسے حروف موجود ہیں جن میں سات حروف کی قراءت کی جا سکتی ہے ۔ جیسا کہ وَعَبَدَ الطّٰغُوْتَ [المائدۃ:۶۰]، یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ [یوسف:۱۲] اور اس کے بعد اُنہوں نے کئی وجوہ کا تذکرہ کیا ہے گویا کہ اُنہوں نے اَحرفِ سبعہ والی حدیث کی یہ تاویل پیش کی ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ سات حروف پر نازل ہوا ہے نہ کہ پورے کا پورا قرآن۔‘‘[أیضا:۴؍۲۴۵]

◉ سندی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا قراءات میں اِختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکذیب کا نشانہ بناتے ہوئے دیکھا تو اُنہیں لغتِ قریش پر جمع کر دیا جس پر سب سے پہلے قرآن کریم نازل ہوا تھا۔‘‘

◉ اِمام سیوطی رحمہ اللہ کا خیال ہے:

’’المختار أن ھذا من المتشابه الذی لا یدری تأویله، وفیه أکثر من ثلاثین قولا أوردتھا فی الإتقان.‘‘[أیضا:۴؍۲۴۵]

’’میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ حدیث سبعہ اَحرف متشابہات میں سے ہے جس کی تاویل معلوم نہیں ہوسکی، اور اس کی مراد میں تیس سے زیادہ اَقوال بیان کیے گئے ہیں جن کو میں نے ’الاتقان‘ میں ذکر کیا ہے۔‘‘

خلاصہ:

مذکورہ بالا تمام بحث سے امام موصوف کا جو مؤقف سامنے آیا ہے وہ یہ ہے:

’’سبع اللغات المشھورۃ ھی: لغة الحجاز والھذیل والھوازن والیمن والطی والثقیف وبنی تمیم.‘‘[أیضا:۴؍۲۴۵]

''سبعہ اَحرف سے سات مشہور لغات حجاز، ہذیل، ہوازن، یمن، طی، ثقیف اور بنی تمیم مراد ہیں۔''

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ:

ثبوتِ قراء ات کے مسئلہ میں علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ بھی سلف صالحین کے متفقہ مؤقف کے حامل ہیں اور اُنہوں نے ترمذی کے اَبواب القراء ات کے ذیل میں اَحادیث میں مذکور قراء ات کی لغوی تشریح بھی فرمائی ہے جس سے ان کا یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قراء ات صرف قراء کی روایات کا ہی نام نہیں بلکہ یہ باقاعدہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور لغت وبیان کے وسیع مروجہ مقاییس پر پوری اترتی ہیں۔ نیز وہ جمیع قراء ات کو متواتر اور قرآن تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ اُنہوں نے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''كان رسول الله يقطع قراءته يقرأ: الحمد لله رب العالمين. ثم يقف. الرحمن الرحيم. ثم يقف. وكان يقرأها: مَلِكِ يوم الدين.''

[جامع الترمذی:۲۹۲۷، وقال الشیخ الالبانی: صحیح]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراء ت میں اِنقطاع کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''الحمد لله رب العالمين'' پڑھ کر وقف کرتے، اس کے بعد ''الرحمن الرحيم'' پڑھتے اور وقف کرتے۔ اور ''مَلِكِ يَوْمِ الدِّين'' پڑھتے تھے۔''

اِس حدیث کے ذیل میں علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا:

بعض قراء نے مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جبکہ بعض نے الف کے ساتھ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھا ہے۔

یہ دونوں صحیح اور متواتر قراء تیں ہیں۔

اِسی طرح اسے لام کے سکون کے ساتھ 'مَلْكِ' اور 'مَلِيْكِ' بھی پڑھا گیا ہے۔
بعض نے کاف کے اِشباع کے ساتھ "ملكي يوم الدين" پڑھا ہے۔
اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ''مَلَكَ يَومَ الدِّين'' کی قراءت منسوب ہے۔
اِمام زمخشری رحمہ اللہ نے 'مَلِكِ' کی قراءت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ اہل حرمین کی قراءت ہے۔

⦿ اِمام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''عاصم، کسائی اور یعقوب نے 'مٰلِكِ' جبکہ دیگر قراء نے ''مَلِكِ'' پڑھا ہے۔''[تحفۃ الاحوذی: ۸/۱۹۸]

⦿ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:
"أن النبی ﷺ قرأ "فی عین حمئة"[جامع الترمذی: ۲۹۳۴، وقال الشیخ الالبانی: صحیح]

⦿ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''ابوجعفر، ابن عامر، حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے ہمزہ کے بغیر اور ثبوت الف کے ساتھ 'حامیة' پڑھا ہے۔''
جبکہ باقین نے ثبوت ہمزہ اور الف کے بغیر 'حمئة' پڑھا ہے۔
اَبوداؤد میں 'فی عین حامیة' سے متعلق حضرت اَبوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث ہے:
''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھا اس وقت سورج غروب کے قریب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فانها تغرب فی عین حامیة"

⊙ امام ابن جریر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"والصواب أنهما قراءتان مشهورتان وأيهما قرأ القارىء فهو مصيب."

''صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں قراءتیں مشہور ہیں، قاری ان میں سے جو بھی پڑھے گا ٹھیک ہوگی۔'' [تحفۃ الاحوذی: ۱۹۸/۸]

⊙ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أنه قرأ على النبي ﷺ: خَلَقَكُمْ مِن ضَعْفٍ، فقال: مِنْ ضُعُفٍ" [جامع الترمذی: ۲۹۳۶، قال الشیخ الالبانی: حسن]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے "خَلَقَكُمْ مِن ضَعْفٍ" پڑھا۔ تو آپ ﷺ نے ضاد کے ضمہ کے ساتھ 'ضُعُفٍ' پڑھا۔ ابوداؤد میں عطیہ عوفی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اللہ الذی خلقکم من ضَعْفٍ پڑھا تو آپ نے مجھے ضاد کے ضمہ کے ساتھ 'ضُعُفٍ' پڑھایا۔ اور فرمانے لگے کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسی طرح پڑھا تھا لیکن آپ ﷺ نے مجھے ضمہ کے ساتھ 'ضُعُفٍ' پڑھایا۔''

⊙ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسے ضمہ اور فتح دونوں طرح پڑھا گیا ہے ضمہ قریش کی جبکہ فتح تمیم کی لغت ہے۔''

⊙ علامہ نسفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''فتح والی قراءت عاصم اور حمزہ کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر تمام قراء ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جبکہ حفص نے دونوں لغات کو اختیار کیا ہے۔''

ان دونوں قراءتوں میں ضمہ والی قراءت زیادہ اقویٰ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی پڑھائی تھی۔'' [تحفۃ الاحوذی: ۸/ ۲۰۷]

⦿ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ سبعہ اَحرف والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''سبعہ اَحرف سے سات وُجوہ مراد ہیں اور ان میں سے ہر ایک وجہ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ اور جملہ میں سات وجوہ پڑھی جاسکتی ہیں بلکہ اس سے مراد ایک کلمہ میں زیادہ وجوہ کی غایت بیان کرنا ہے، یعنی ایک کلمہ میں زیادہ سے زیادہ سات وجوہ پڑھی جاسکتی ہیں۔''

لیکن اگر کوئی کہے کہ بعض کلمات قرآنی میں سات سے زیادہ وجوہ بھی موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالب یہی ہے کہ اس قدر زیادتی ثابت نہیں ہے اور اگر ہوگی بھی تو وہ اَدا کی کیفیت میں اختلاف کی قبیل سے ہوگی جیسا کہ مد اور اِمالہ وغیرہ میں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبعہ سے حقیقی عدد نہیں بلکہ تسہیل اور آسانی مراد ہے اور سبعہ کے لفظ کا اِطلاق صرف اور صرف کثرت کے طور پر ہو رہا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ اور دیگر کا بھی یہی مؤقف ہے۔''

⦿ امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اَحرف سبعہ کے معنی میں شدید اختلاف کیا گیا ہے اور اس کے متعلق تقریباً ۳۵ اَقوال ذکر کیے گئے ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں سبعہ اَحرف سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے شائقین حضرات ان کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ [تحفۃ الاحوذی: ۸/ ۲۱۲]

خلاصہ:

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سبعہ کو ایک خاص متعین عدد کے معنی میں لیتے ہیں نہ کہ اکائیوں میں کثرت کے معنی میں۔ باقی جہاں تک اُحرف کی تشریح کا تعلق ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی حرف میں اگر زیادہ سے زیادہ وجوہ پائی جا سکتی ہیں تو وہ سات ہیں۔ جس کو بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے:

"أوجه مقروءة لا تزيد عن السبعة".

نماز میں قراءاتِ متواترہ کی تلاوت

قاری عبد الباسط المنشاوی

قراءات قرآنیہ کے بارے میں سب سے بنیادی چیز جس کا ثبوت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ قراءات ان شرائط پر پوری اترتی ہے جن سے قرآن کا ثبوت ہوتا ہے، جب یہ ثابت ہو جائے تو پھر یہ بحث اضافی ہے کہ ان کو نماز میں پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

اس بارے میں امت کے جمیع طبقات میں اجماع رہا ہے اور آج بھی ہے کہ قراءات متواترہ ان تمام شروط پر پوری اترتی ہیں جن سے قرآن کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کا انکار قرآن کریم کا انکار ہے اور منکر قراءات دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن باوجود اس کے بعض حضرات نماز میں قراءات متواترہ کی تلاوت کے بارے میں واضح رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ ہم ایسے حضرات کی تشفی کے لیے احادیث اور آئمہ کے فتاویٰ جات سے وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے کہ صحابہ، تابعین اور آئمہ سلف بغیر کسی تفریق کے جمیع قراءات متواترہ کو نماز میں تلاوت کرتے تھے۔

قراءات نماز میں پڑھنے کا صحیح احادیث کی روشنی میں ٹھوس ثبوت:

حدیث عمر و ہشام رضی اللہ عنہما

عن عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله، فاستمعت لقرأته فاذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله فكدت أساوره في الصلوة فتصبرت حتى سلم،فلببته بردائه فقلت من أقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ قال أقرأنيها رسو ل الله،فقلت كذبت فإن رسول الله قد أقرأنيها على غير ما قرأت،فانطلقت به إلى رسول

الله،فقلت إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان علىٰ حروف لم تقرئنيها،فقال رسول الله أرسله (اقرأ يا هشام) فقرأ عليه القراءة التي سمعته يقرأ فقال رسول الله كذلك انزلت، ثم قال (اقرأ يا عمر) فقرأت القراءة التي اقرأني، فقال رسول الله كذلك انزلت، ان هذا القرآن انزل علي سبعة احرف فاقرءوا ما تيسر منه.

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں، میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو (حالت نماز میں) سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے پایا۔لیکن میں نے سنا کہ ہشام رضی اللہ عنہ ان حروف کثیرہ پر تلاوت کر رہے تھے کہ وہ حروف (یعنی قراء ات) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے۔قریب تھا کہ میں ان پر نماز میں لپکتا۔ میں نے صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر دیا میں انہی کی چادر سے انہیں کھینچتے ہوئے پوچھنے لگا کہ یہ سورت جو میں نے تجھے ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے کس نے پڑھائی ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی ہے۔میں نے کہا آپ غلط کہہ رہے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح نہیں پڑھائی۔پس میں انہیں کھینچتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے (ابھی ابھی) سنا ہے کہ ہشام رضی اللہ عنہ ان حروف پر تلاوت کر رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کا حکم دیا۔ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی قراءت کے مطابق پڑھا جیسے میں نے سنا تھا۔(ہشام رضی اللہ عنہ کی قراء ت سننے کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اسی طرح نازل کی گئی ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! تم پڑھو۔پس جس قراء ت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا اسی کے مطابق میں نے پڑھ دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اسی طرح نازل کی گئی ہے۔بے شک یہ قرآن سات حروف (لغات یا وجوہ) پر نازل کیا گیا ہے پس جو تمہیں آسان لگے اسے پڑھ لو۔'' (صحیح البخاری، کتاب فضائل

القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف)

وضاحت:

اس حدیث سے جہاں بیشتر مسائل اَخذ کیے جا سکتے ہیں ان میں سے ایک واضح اور نمایاں مسئلہ نماز میں (حروف کثیرہ پر) ہشام رضی اللہ عنہ کا قراءت کرنا ہے۔ وہ حروف میں کس نوعیت کا اختلاف تھا اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ حروف کثیرہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ حالت نماز میں مختلف قراءت کی تلاوت کررہے تھے، نہ کہ آیات کی تفسیر وتشریح یا احکام وغیرہ بیان کررہے تھے۔

جیسا کہ بعض کو غلطی بھی لگی ہے۔ دوسرا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث میں لفظ ''القراءۃ'' استعمال کیا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اعتراض بالکل نہیں کیا کہ ہشام رضی اللہ عنہ فلاں فلاں آیت کا ترجمہ وتشریح اس طرح کررہے تھے جس طرح نہ تو آپ بیان کرتے ہیں نہ ہمیں آپ نے کبھی بتایا ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ نماز میں قرآن مجید کے متن کی تلاوت کی جاتی ہے نہ کہ تفسیر یا احکام ومسائل کی۔

ہشام رضی اللہ عنہ کی نماز کا حکم:

① : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں صحابیوں کی قراءت سننے کے بعد یہ فرمانا کہ ہشام رضی اللہ عنہ! جو کچھ تم نے پڑھا ہے وہ وحی ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور اے عمر رضی اللہ عنہ! جو آپ نے تلاوت کر کے سنایا ہے وہ بھی اللہ ہی نے نازل کیا ہے۔ چنانچہ ''ھکذا أنزلت'' کے الفاظ نے یہ ثبوت دیا ہے کہ کلماتِ قرآنیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ بھی قرآن ہے، کیونکہ اسے بواسطہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ لہٰذا اگر وحی ایک طرح کا تلفظ سکھائے تب بھی اور تلفظ میں سات طرح کے تغیرات عطا کرکے تب بھی اسے قرآن ہی کا مرتبہ حاصل ہوگا۔ لہٰذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ جب ''قراءات کا قرآن ہونا اسی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے تو کون انہیں نماز میں

پڑھنے سے منع کر سکتا ہے۔

④: چونکہ حضرت عمر و ہشام رضی اللہ عنہم دونوں اپنے تلفظ میں پائے گئے فرق اور اختلاف کو نبی ﷺ کی وضاحت کے بعد اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہم دونوں قرآن کو درست پڑھنے والے ہیں تو اس کے بعد حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو "اپنی نماز درست ہونے کا فتویٰ" پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی، نہ تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کو لوٹانے کا فتویٰ مانگا اور نہ نبی ﷺ نے انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم جاری کیا اور ہشام رضی اللہ عنہ جو عمر رضی اللہ عنہ کے تلفظ کے خلاف سورۃ الفرقان کی قراءت کر رہے تھے وہ اپنی مرضی کے ساتھ نہیں بلکہ نبی ﷺ کی دی ہوئی اجازت اور پڑھائے ہوئے طریقہ پر تلاوت کر رہے تھے، کیونکہ دونوں صحابیوں نے دوران مخاصمہ یہ کہا تھا کہ "مجھے نبی ﷺ نے ایسے نہیں پڑھایا جس طرح تم پڑھ رہے ہو۔" اور ہشام رضی اللہ عنہ کے نماز لوٹانے کا مسئلہ تو تب سامنے آتا تھا کہ اگر وہ قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز پڑھ رہے ہوتے یا پھر نبی ﷺ ان کی قراءت کو غلط قرار دیتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم دین میں ایسا کام کبھی بھی اختیار نہیں کر سکتے جو سنت مصطفی ﷺ کے خلاف ہو۔ اور آپ ﷺ کی زندگی میں ایسی جسارت کیسے کر سکتے ہیں؟ العیاذ باللہ

لہٰذا اگر حروف کثیرہ (یعنی مختلف قراءات یا لغات) پڑھنے سے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز درست ہے تو یہ مسئلہ آج بھی اسی طرح قائم ودائم ہے۔ آج بھی اگر کوئی قراءات جاننے والا نماز میں پڑھے یا غیر نماز میں تو ان شاء اللہ اس کے یہ دونوں کام عند اللہ مقبول وماجور ہوں گے۔

حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

عن أبي بن كعب قال كنت في المسجد فدخل رجل يصلي فقرأ قراءة أنكرتها عليه ثم دخل آخر فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه فلما

قضيا الصلوٰة دخلنا جميعا على رسول الله فقلت إن هذا قرأ قراءة أنكرتها عليه ودخل آخر فقرأ سوى قراءة صاحبه فأمرهما رسول الله فقرأ فحسّن النبي شانهما فسقط في نفسي من التكذيب ولا اذ كنت في الجاهلية فلما رأى رسول الله ما قد غشيني ضرب في صدري ففضت عرقا وكأنما أنظر إلى الله عزوجل فرقا، فقال لي يا أبي أرسل إليّ أن اقرأ القران على حرف فرددت اليه أن هون على أمّتي فرد إلى الثانية اقرأه على حرفين فرددت إليه أن هون على أمتي فرد إلى الثالثة اقرأه على سبعة أحرف فلك بكل ردة رددتكها مسألة تسألنيها،فقلت اللهم اغفره لامتي اللهم اغفر لامتي واخرت الثالثة ليوم يرغب إلى الخلق كلهم حتى إبراهيم

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جس کو میں نہیں جانتا تھا۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے خلاف پڑھا۔ جب ہم نے نماز مکمل کی تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص ایسی قراءت پڑھتا ہے جس کو میں نہیں جانتا اور دوسرے نے پہلے کے بھی خلاف قراءت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ہی پڑھنے کا حکم فرمایا جب دونوں نے اسی طرح پڑھ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ پس میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ پیدا ہوا کہ جو زمانہ جاہلیت میں بھی نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میری یہ حالت محسوس کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا کہ میں پسینے سے شرابور ہوگیا۔ یوں محسوس ہوا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اُبی رضی اللہ عنہ بے شک (اللہ کی طرف سے) مجھے پیغام بھیجا گیا کہ آپ ﷺ قرآن مجید کو ایک حرف پر پڑھیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے۔ پھر دوسری دفعہ پیغام بھیجا گیا کہ آپ ﷺ قرآن مجید کو دو حرفوں پر پڑھیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے تیسری بار یہ پیغام ملا آپ ﷺ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیے۔اور اے نبی ﷺ! آپ کے لیے ہر تکرار کے بدلے ایک عطا ہے۔میں نے کہا اے اللہ! میری امت کو معاف کر دے۔ اے اللہ میری امت کو معاف کردے اور تیسری دعا کو میں نے اس دن کے لیے رکھا ہے جب ساری مخلوق میری طرف مائل ہوگی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔'' [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب انزل القرآن علی سبعۃ أحرف]

وضاحت:

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جن دو ساتھیوں کی قراءت پر اعتراض تھا وہ انہوں نے ان دونوں سے حالت نماز میں سنی تھی۔ جب نبی ﷺ نے ان کی قراءت سننے کے بعد ان کے صحیح پڑھنے کی تصدیق فرما دی کہ تم لوگوں نے نماز میں جو بھی پڑھا ہے وہ قرآن ہی ہے لہٰذا قراءت درست ہونے کی وجہ سے ان کی نماز میں بھی درست تھی۔

اگر نماز میں مختلف قراءات پڑھنا کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں کراہت کی کوئی شکل ہوتی یا شرعاً کوئی قباحت ہوتی یا کسی فتنے کا اندیشہ ہوتا تو آپ ﷺ وضاحت فرما دیتے کہ آئندہ تم مختلف قراءات پڑھو، لیکن نماز میں نہ پڑھو۔ نبی ﷺ نے انہیں خود ہی تو مختلف احرف سکھائے تھے لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی نازل کردہ وحی کے بارے میں کس طرح کہہ سکتے تھے کہ اسے نمازوں سے دور رکھو۔

سیدنا عمرو بن ہشام رضی اللہ عنہ کی طرح یہ حضرات بھی نمازوں میں مختلف قراءات قرآن

سمجھ کر پڑھ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے جب دونوں کی تحسین کی فرمائی تو ان میں جو وقتی غلط فہمی پیدا ہوئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی نمازوں کے درست ہونے کا مسئلہ بھی خود ہی سمجھ لیا، بصورت دیگر یا تو وہ نماز کو لوٹانے یا نہ لوٹانے کے بارے میں نبی ﷺ سے فتویٰ پوچھ سکتے تھے۔

ایک مسئلہ اگر شریعت سے وضاحت کے ساتھ سمجھ آرہا ہو تو اس کے بعد دیگر اقوال وفتاویٰ کی ضرورت نہیں رہتی، اگر وسعت قلوب واذہان کے ساتھ ان حدیثوں پر غور کرلیا جائے تو بڑی آسانی سے ہدایت مل سکتی ہے مگر اس کے بعد چند آئمہ کے اقوال اس لیے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ سلف وخلف میں موجود جلیل القدر علماء نے ان احادیث کو کس طرح سمجھا۔ آیا ان کے اقوال وفتاویٰ جات مذکورہ اَحادیث کے موافق ہیں یا مخالف؟ مگر ان اقوال وفتاویٰ کو پیش کرنے سے پہلے قراءات عشرہ کا تابع سبعہ احرف ہونا، منزل من اللہ ہونا اور شروع سے آج تک معمول بہا ہونے پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

مروجہ قراءات عشرہ کے صحیح الاسناد اور منزل من اللہ ہونے پر بحث:

اُمت کے پاس اس وقت صحیح سند سے ثابت ہونے والا ذخیرۂ قراءات جو دس قراء (نافع مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، عاصم کوفی، حمزہ کوفی، علی الکسائی کوفی، ابوجعفر مدنی، یعقوب حضرمی، خلف کوفی رحمہم اللہ) سے مروی ہے اسے قراءات متواترہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ قراءات ہیں جو عرضۂ اخیرہ والی ہیں اس پر بھی الحمدللہ بے شمار دلائل موجود ہیں۔ یہ دس قراءات ان تین شروط پر پورا اترتی ہیں جو قراءات کے صحیح ہونے کے لیے مقرر کی گئی ہیں وہ ارکان یہ ہیں۔

صحیح قراءات کی شروط:

①: وہ قراءات جو صحیح سند سے ثابت ہو۔

۲: عربیت کے موافق ہو۔

۳: رسم عثمانی کے حقیقتاً یا احتمالاً موافق ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان قراءات کو امت نے کیا سمجھا اور آیا یہ سبعہ احرف میں شامل ہیں؟

قراءات سبعہ وقراءات ثلاثہ منزل من اللہ سبعہ احرف سے ماخوذ ہیں

(1) علامہ مکی بن أبی طالب القیسی رحمہ اللہ

إن هذه القراء ات كلها التي يقرأ بها الناس اليوم وصحت روايتها عن الائمة إنما هي جزء من الاحرف السبعة التي نزل بها القرآن (الابانة للقیسی: ص ۲)

"یہ سب قراءتیں جنہیں آج لوگ پڑھ رہے ہیں اور آئمہ سے صحیح طور پر ان کی روایت آئی ہے یہ ان احرف سبعہ کا حصہ ہیں جن کے موافق قرآن نازل ہوا۔"

(2) امام زرکشی رحمہ اللہ

"فالقرآن يقرأ بالاحرف السبعة،وجميع القراء ات المقطوع بصحتها ومصدرها هو مجموع الاحرف السبعة" [البرہان: ۱/۳۱۸]

"پس قرآن کو آج بھی احرف سبعہ کے موافق پڑھا جاتا ہے ان تمام قطعی الصحت قراءات (قراءات عشرہ) کا مصدر وماخذ سبعہ احرف ہی کا مجموعہ ہے۔"

امام زرکشی رحمہ اللہ کا دوسرا قول:

"والمعروف أنها ما وراء السبع،والصواب ما وراء العشر و هي ثلاثة آخر،يعقوب، خلف،أبوجعفر، يزيد بن القعقاع،فالقول بان هذه الثلاثة غير متواترة ضعيف جدا"

’’معروف یہ ہے کہ قراءات سبعہ کے علاوہ باقی سب شاذہ ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں، جس نے کہا کہ یعقوب، خلف اور ابوجعفر مدنی کی قراءات غیر متواتر ہیں اس کی بات نہایت کمزور ہے۔‘‘

امام زرکشی رحمہ اللہ کا تیسرا قول:

إن القراء ات توقيفية وليست اختيارية وقد انعقد الاجماع على صحة القراء ات القراء السبعة وأنها سنة متبعة ولا مجال للاجتهاد فيها وإنما كان كذلك لان القراء ة سنة مروية عن النبي ولا تكون القراء ة بغير ما روى عنه [البرہان فی علوم القرآن للزرکشی:۱/۳۲۱]

’’یقینا قراءات توقیفی ہیں اختیاری نہیں یعنی قراء نے اپنی طرف سے گھڑی نہیں ہیں۔ قراء سبعہ کی قراءات کی صحت پر نیز اس بات پر کہ قراءات سنت متبعہ ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔ قراءات سنت ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور غیر مقبول وجوہ کی تلاوت جائز نہیں۔‘‘

امام زرکشی رحمہ اللہ کا چوتھا قول:

”القراء ات التي قرأها القراء السبعة فانها كلها صحت عن رسول الله وهو الذي جمع عليه عثمان المصحف“ (البرہان:۱/۲۲۷)

’’یہ قراءات جن کو قراء سبعہ نے روایت کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہیں اور انہی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مصاحف تحریر کروائے۔‘‘

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ

”إن القراء ات السبع المتواترة لا يحل الطعن فيها بل ينبغي أن

يضيف بها قول من يخالفه ويجعل ذلك شاهدا على وقوعه [شرح الشاطبیہ علی القراءات السبعۃ، ملاعلی قاری: ص۵۹]

’’قراءات سبعہ متواترہ ہیں ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں مناسب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مخالف کے قول کی تضعیف وتردید کی جائے اور قراءات کو نحو کے قاعدہ شاذہ کے وقوع وجواز کا شاہد ومستدل قرار دیا جائے۔‘‘

امام ابن صلاح رحمہ اللہ

”يشترط ان يكون المقرؤ قد تواتر نقله عن رسول الله قرآنا، واستفاض نقله كذلك تلقته الامة بالقبول كهذه القراء ات السبع لان المعتبر فى ذلك اليقين والقطع“ [فتاوی ابن صلاح:۱/۲۳۲]

’’جس قراءات کی تلاوت کی جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا قرآن ہونا نبی ﷺ سے متواتر طریقہ پر منقول ہو وہ قراءات ہر زمانہ میں مشہور وشائع رہی ہو اور اس کو امت نے شرف قبولیت بخشا ہو۔ جیسے مروّجہ قراءاتِ سبعہ ہیں، کیونکہ قراءات میں معتبر وہ شے ہوگی جو قطعیت اور یقین سے ثابت ہو۔‘‘

وضاحت:

امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے قراء سبعہ کی قراءات کو تو ذکر کیا ہے، لیکن قراء ثلاثہ کو ذکر نہیں کیا تو اس سے کوئی یہ مطلب اخذ نہ کر لے کہ وہ ان تین قراءات کو صحیح نہ سمجھتے تھے۔ چونکہ قراءات عشرہ ہم تک دو حصوں میں پہنچی ہیں اب بھی مدارس میں دو حصوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک حصہ مرویات قراء سبعہ اور دوسرا قراء ات ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ امام ابن صلاح نے صرف قراءات سبعہ کا نام لیا گویا اشھر حصہ کو ذکر کر دیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

پوری ملت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان آئمہ نے روایت کی ہیں یا انہیں کتابوں میں جمع کیا گیا ہے، تمام قابل اعتماد ہیں اور ان کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں مسلسل اجماع چلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ اٹھایا تھا وہ پورا ہوا تمام محققین فضلاء اور تمام آئمہ سلف مثلاً قاضی ابوبکر بن ابوالطیب رحمہ اللہ اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہما اس بات کے حامل ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۱/۴۷)

امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ

امام رازی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تینوں ارکان کی جامع قراءات (قراءات عشرہ) منجملہ سبعہ احرف کے ہیں۔ (النشر فی القراءات العشر: ۱/۴۴)

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ

جو مصاحف عثمان رضی اللہ عنہ شہروں کی جانب روانہ کیے تھے ان قرآنوں پر آئمہ عشرہ، متفق الروایت ہیں، یہ حصہ مجموعی، تفصیلی اور افراد و جزئیات یعنی اتفاقی اور اختلافی ہر دو قسم کے الفاظ کے لحاظ سے متواتر ہے۔ پس سبعہ سے اوپر عشرہ تک کی قراءات شاذہ نہیں بلکہ شاذہ وہ ہے جو ماوراء العشر ہے یہی بات صحیح ہے۔ (فتاویٰ شامی: ۱/۳۵۹)

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ

جمع الجوامع فی الاصول کی شرح 'منع الموانع' میں لکھتے ہیں:

”والصحیح ان ما وراء العشرۃ فھو شاذ علی ان القول بان القراء ات الثلاث غیر متواترۃ فی غایۃ السقوط ولا یصح القول بہ عمن یعتبر قولہ فی الدین و ھی قراء ۃ یعقوب، خلف وابی جعفر بن یزید القعقاع لا تخالف رسم المصاحف“

”صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی قراءتیں شاذ ہیں اور یعقوب، خلف

اور ابوجعفر مدنی رحمہم اللہ کی تین قراءتوں کو غیر متواتر کہنا حد اعتبار سے انتہائی گرا ہوا قول ہے۔ جس شخص کی بات کا دین میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا اور یہ تینوں قراءتیں بھی مصحف عثمانی کی رسم کے موافق ہیں۔'' [النشر فی القراءات العشر للجزری:۱/۴۵]

علامہ قاضی عبدالوہاب ابونصر رحمہ اللہ

الحمدللہ! القراءات السبع التی اقتصر علیها الشاطبی والتی هی قراءة أبی جعفر وقراءة یعقوب وقراءة خلف متواترة معلومة فی الدین بالضرورة [النشر فی القراءات العشر :۱/۴۶]

''الحمدللہ وہ قراءات سبعہ جن پر امام شاطبی رحمہ اللہ نے انحصار کیا، نیز ابوجعفر، یعقوب اور خلف رحمہم اللہ کی قراءت بھی متواتر وحروف دین کی ایک اٹل حقیقت ہیں۔''

علامہ دانی رحمہ اللہ

امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ نے جامع البیان میں لکھا ہے:

''وإن القراء السبعة ونظائرهم من الائمة متبعون فی جمیع قراء تهم الثابتة عنهم التی لا شذوذ فیها'' [النشر فی القراءات العشر :۱/۳۷]

''بلا شبہ قراء سبعہ رحمہم اللہ اور ان کے ہم پلہ دوسرے آئمہ کی جملہ قراءات وہ ثابت ہیں ان میں کسی قسم کا شذوذ نہیں ہے۔ جو ان سے صحیح طور پر ثابت ہو اور ان میں شذوذ نہ ہو۔

امام بغوی رحمہ اللہ

فذکرت هؤلاء (ابی جعفر ونافع وابن کثیر وابن عامر وابی عمرو ویعقوب وعاصم وحمزة والکسائی) للاتفاق علی جواز القراءة بها

[مقدمہ تفسیر بغوی:۱/۳۸]

''میں نے ان قراء سبعہ رحمہم اللہ اور ابوجعفر ویعقوب رحمہم اللہ کی قراءات اس لیے بیان کی ہیں کہ ان کی تلاوت جائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ کا دوسرا قول

اہل حجاز، شام اور عراق کے آئمہ قراءات میں سے ہر امام نے اپنی قراءت کی نسبت کسی نہ کسی صحابی کی جانب کی ہے جس نے اس قراءت کے موافق پورا قرآن بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، چنانچہ سند کے لحاظ سے قراءۃ عاصم رحمہ اللہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک قراءۃ ابن کثیر وابوعمرو رحمہم اللہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ تک اور قراءۃ ابن عامر رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی ہے۔

خطابی رحمہ اللہ قول

وأسانيد هذه القراءات المتصلة ورجالها ثقات.[تفسیر قرطبی:۱/۴۳]

''ان قراءات کی اسانید متصلہ اور ان کے رجال ثقات ہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

يجمعون ذلك في الكتب يقرءونه في الصلوة وخارج الصلوة وذلك متفق عليه بين العلماء ولم ينكر احد منهم

''ان قراءات کو علماء نے کتابوں میں جمع کیا ہے۔نماز میں اور اس کے علاوہ دونوں حالتوں میں اسے پڑھتے ہیں۔علماء کے مابین یہ امر متفق علیہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی ان قراءات (قراءات عشرہ) کا انکار نہیں کیا۔[فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مقدمۃ التفسیر:۱۳/۳۹۳]

علامہ حسن ضیاء الدین رحمہ اللہ

احرف سبعہ منزل من اللہ ہیں۔ وہی قطعی الصحۃ قراءات ہیں ان کے سوا قراءات کا

کوئی بھی مرجع وماخذ نہیں ہے جو شخص ان کے ماسوا کو قراءات کا ماخذ ومصدر قرار دینے کی کوشش کرتا ہے وہ دلیل پیش کرے۔

مگر دلیل ہے کہاں؟

یقینا قراء سبعہ اور ثلاثہ کی قراءات قطعی الصحت قراءتیں ہیں اور منجملہ احرف سبعہ کے ہیں:

یہ قراءات نبی ﷺ تک برابر متواتر ہیں نہ کہ وہ صرف آئمہ قراءات تک متواتر ہیں، قراءات میں اجتہاد کا کوئی مجال نہیں بلکہ وہ توقیفی اور سماعی ہیں علماء سلف وخلف کا ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ قبول قراءات کو قوت سند پر موقوف کرتے ہیں۔ نبی ﷺ سے احرف سبعہ سمیت قرآن مجید کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ کے جم غفیر نے اور اسی طرح ہمارے اس زمانہ تک ہر زمانہ کے بے شمار لوگ مسلسل اور برابر اسے حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔[الاحرف السبعۃ ومنزلۃ القراءات: ص۳۵۸ تا ۳۶۶]

اسلام کے ان روشن ستاروں کی روشنی میں ہم نے یہ وضاحت کے ساتھ جان لیا ہے کہ قراءات عشرہ، سبعہ احرف کا حصہ ہیں ان کی اسناد متصل اور صحیح ہیں تمام سلسلہ ہائے اسناد، ثقہ راویوں پر مشتمل ہے ہم ان کو قرآن سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کا کوئی حصہ ایسا نہیں کہ جس کا کوئی انکار کر سکے۔ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک حرف کا منکر گویا پورے قرآن کا انکار کرتا ہے۔

یہ وہ آئمہ دین ہیں جو دن اور رات خدمت قرآن واسلام میں مصروف رہے اور ساری عمر ایسے قیمتی مسائل نکال کر امت کی راہنمائی کے لیے پیش کرتے رہے۔ جو ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔

نتیجہ:

اگر قراء عشرہ کی مرویات دین نہ ہوتیں تو ہر زمانہ میں اس پر نکیر کرنے والا ایک نہ

ایک گروہ ضرور موجود رہتا جبکہ اس بات کا کسی جگہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

یہ بات درست ہے کہ اجتہادی وفروعی مسائل میں لوگوں کو اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مگر قراءات کے بارے میں کسی مسلک کا دوسرے سے کوئی اختلاف نہیں۔ جن آئمہ کے اقوال ابھی ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں ہر مسلک کا عالم شامل ہے۔ لہٰذا پوری امت ایک غلط امر پر کیسے جمع ہوسکتی ہے۔ اس طرح کا خیال تو حدیث کے بھی خلاف ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتي أمر الله وهم على ذلك" [صحیح البخاری: کتاب الاعتصام]

''میری امت میں ایک گروہ یقینا حق بات پر غالب وقائم رہے گا جو شخص ان کی مخالفت کرے گا تو اس سے ان لوگوں (اہل حق) کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اسی حالت پر امر الٰہی ان کا پیغام اجل اور قرب قیامت کا زمانہ آپہنچے گا۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"إن الله لا يجمع امتي على ضلالة" [سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم جماعۃ]

''بے شک اللہ تعالیٰ میری پوری امت کو کبھی گمراہی پر متفق الرائے نہ فرمائے گا۔''

لہٰذا اس آخری فرمان میں قرآن مجید اور اس کے متعلقہ علم قراءات کا انکار سوائے فتنہ قرب قیامت وجہل وحمق کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اب بحث یہ ہو رہی ہے کہ مختلف ممالک میں مختلف قراءات میں نماز پڑھنے والوں کے بارے میں ہم کیا گمان رکھیں کہ ان کی نماز صحیح یا باطل؟

دنیا کے کئی ممالک میں پڑھی جانے والی روایات کا ہمارے ہاں مقبول عام روایت (روایت حفص عن عاصم) کا اختلاف ہے۔ اہل مصر کے ہاں مقبول عام روایت (روایت ورش عن نافع) ہے البتہ وہاں قراءات عشرہ پڑھنے والوں کی تعداد دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس طرح تیونس میں روایت قالون عن نافع عام ہے۔ سوڈان، صومالیہ اور افریقی ممالک میں امام ابوعمر حفص الدوری البصری رحمہ اللہ کی روایت زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر قراءات عشرہ قرآن نہیں تو صاف مطلب ہے کہ صرف ہماری نمازیں درست ہیں اور باقی تمام دنیا کی باطل ہیں یعنی جو شخص ہماری روایت کے مطابق تلاوت کرے وہ درست اور جو مخالفت کرے وہ غلط۔ اب ہم قراءات کے مطابق نماز درست ہونے پر علماء کے فتاویٰ واقوال پیش کرتے ہیں۔

نماز میں مختلف قراءات کی تلاوت

امام ابن صلاح رحمہ اللہ

دس منقول قراءات کے علاوہ کسی قراءت کی تلاوت کرنا مکروہ نہیں بلکہ حرام ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور پڑھنے والا مصادر ومعانی سے واقف ہو یا ناواقف۔

’’ يجب منعه وتاثيمه بعد تعريفه ثم هو مستوجب تعزيره يمنع بالحبس والاهانة ونحو ذلك وعلى المتمكن من ذلك ان لا يهمله‘‘[فتاویٰ ابن صلاح:۱/۲۳۲]

یعنی جو شخص قراءات عشرہ متواترہ کے علاوہ کسی اور قرآءت کو قرآن سمجھ کر اس کی تلاوت کرتا ہے اسے روکنا اور اسے گنہگار قرار دینا ضروری ہے اور وہ پوری طرح جان لینے کے بعد بھی باز نہ آئے وہ مستوجب سزا ہے، اگر وہ اپنے اس فعل پر قائم رہے یا اصرار کرے تو اسے ذلیل کر کے جیل میں ڈال دیا جائے۔ صاحب امر لوگ ایسے شخص کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کریں۔

فائدہ:

اس فتویٰ سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ قراءعشرہ کی مرویات سے نماز میں پڑھنا جائز ہیں، کیونکہ یہ قراءات صحیح سند سے ثابت ہیں ساتھ ہی امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے قراءات شاذہ پڑھنے والے کی سزا بھی متعین فرما دی اور اپنا موقف واضح لفظوں میں سب کے سامنے پیش کردیا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے:

”وتجوز القراء ۃ فی الصلوٰۃ وخارجھا بالقراء ات الثابتۃ الموافقۃ لرسم المصحف کما ثبتت ھذہ القراء ات ای العشر وغیرھا، ولیست شاذۃ حینئذ“

’’نماز میں یا نماز کے علاوہ ہر دو حالت میں ان قراءات کی تلاوت بلا شبہ جائز ہے جو ان مروجہ قراءات عشرہ وغیرہ کی طرح صحیح سند سے ثابت ہیں اور مصاحف عثمانیہ کی رسم کے موافق ہیں اور وہ اب تک شاذ نہ بنی ہوں۔‘‘ [مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ،مسائل تفسیر، المراد بقولہ ان ہذا القرآن،النشر فی القراءات العشر ، لابن الجزری:۱/۴۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”وأما من قرأ بقراء ۃ ابی جعفر ویعقوب ونحوھما فلا تبطل الصلوۃ بھا باتفاق الآئمۃ“

’’جس نے نماز میں قراء ۃ ابوجعفر ویعقوب رحمہما اللہ اور ان جیسی کوئی قراءت پڑھی تو باتفاق آئمہ اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔‘‘

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

سوال: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کسی قوم کی امامت کرواتا ہے وہ ''امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ'' کی قراءت پڑھتا ہے کیا وہ ورش رحمہ اللہ اور نافع رحمہ اللہ کی قراءت بھی ساتھ پڑھ سکتا ہے؟ یا وہ گنہگار ہوگا؟ اس کی نماز میں نقص آئے گا یا اسے نماز لوٹانا ہوگی؟

جواب: یجوز أن یقرأ بعض القرآن بحرف أبی عمرو،وبعضه بحرف نافع،وسواء کان ذلك فی رکعة أو رکعتین وسواء کان خارج الصلوۃ أوداخلها

''جو شخص قرآن کا بعض حصہ ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے حرف (یعنی قراءت) پر پڑھتا ہے اور بعض حصہ حرف نافع یعنی قراءت نافع رحمہ اللہ کے مطابق پڑھتا ہے اس کے لیے جائز ہے چاہے وہ ایک رکعت میں پڑھے یا دو رکعتوں میں اور چاہے وہ نماز میں ان کو پڑھے یا نماز کے علاوہ (یہ بھی جائز ہے)[فتاوی کبریٰ للشیخ الاسلام: مسئلہ نمبر ۱۶۰]

امام بغوی رحمہ اللہ

امام بغوی رحمہ اللہ نے (نماز میں) قراءات متواترہ کی تلاوت کے جواز پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے۔[البحر المحیط للزرکشی: ۱/ ۴۷۴]

امام محمد بن الجزری شافعی رحمہ اللہ

محدث ومقری امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولهذا أئمة أهل العراق الذین ثبتت عندهم قراء ات العشر والاحد عشر کثبوت هذه السبعة یجمعون فی ذلك الکتب ویقرء ونه فی الصلاۃ وخارج الصلوۃ وذلك متفق علیه بین العلماء ولم ینکر أحد منهم" [النشر فی القراءات العشر: ۱/ ۴۰]

''اور آئمہ اہل عراق کے ہاں دس یا گیارہ (قراء کی) قراءات بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح قراء سبعہ کی مرویات، وہ ان قراءات کو کتب میں جمع کرتے ہیں نماز اور غیر نماز میں ان کی تلاوت کرتے ہیں یہ بات علماء کے ہاں متفق علیہ ہے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔''

فتویٰ شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ

سوال: کیا پہلی رکعت میں روایت حفص عن عاصم اور دوسری میں روایت ورش عن نافع پڑھنا صحیح ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ روایت حفص مشہور روایت ہے۔ آج اسلامی ممالک میں اس روایت کے مطابق قرآن تیار کیے جا رہے ہیں اور اسی طرح روایت ورش بھی ایک متواتر روایت ہے بہت سے افریقی ممالک میں اس روایت کے مطابق مصاحف طبع کیے گئے ہیں اور مالکیہ میں سے بھی اکثر اس روایت کو اپناتے ہیں جن قراءات میں آپ کو آسانی لگے انہیں میں سے کسی ایک میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔[فتاویٰ ابن جبرین: مسائل نماز]

سوال: لیبیا کے باشندے روایت قالون پڑھتے ہیں یا ورش؟

جواب: لیبیا میں روایت قالون زیادہ مشہور ہے اسی وجہ سے وہاں پر اس روایت میں قرآن طبع کیے گئے ہیں مگر اس کے ساتھ وہ لوگ روایت ورش بھی اپناتے ہیں۔[فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیہ، باب قراءات القرآنیہ]

سوال: میں جزائر کا رہنے والا ہوں میرے پاس روایت ورش والا ایک قرآن بھی ہے کیا آپ کے پاس ایسے مدارس ہیں جو روایت ورش عن نافع کی تعلیم دیتے ہوں، کیونکہ میں وہاں پڑھنا چاہتا ہوں۔

جواب: آپ نے جو یہ سوال کیا کہ ایسے مدارس ہیں جو روایت ورش کی تعلیم دیتے

ہوں۔تو جی ہاں، بعض جامعات اس کی تدریس میں مشغول ہیں اور بعض معاہد (معہد کی جمع) میں تمام قراءات کی تعلیم دی جاتی ہے۔[فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ، رقم نمبر:۵۶۱۲۱]

سوال: مجھے وضاحت چاہئے، میں نے کسی سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول سنا ہے، جس نے دو قراءتیں ایک نماز میں جمع کیں اس کی نماز باطل ہے، کیا یہ قول صحیح ہے؟ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں ایک رکعت میں روایت قالون پڑھوں اور دوسری میں روایت ورش۔

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی کیا نسبت ہے معلوم نہیں البتہ آپ کے لیے یہ جائز ہے۔

أن تقرأ فی الرکعة الاولی بروایة قالون وفی الرکعة الثانیة بروایة ورش،ونحوها من کل روایة صحت القراءة بها

''کہ آپ پہلی رکعت میں روایت قالون اور دوسری رکعت میں روایت ورش پڑھیں یا ان جیسی تمام وہ روایات تو قراءات صحیح ہے۔''

ابن عربی مالکی نے کہا کہ ہر وہ قراءات جو مثل نافع و عاصم ثابت رحمہم اللہ ہیں ان کے مطابق جائز ہے کہ فاتحہ میں مختلف قراءات پڑھی جائیں کیونکہ یہ (قراءات عشرہ) قرآن ہیں۔[فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ، رقم نمبر ۵۶۱۳۰]

فقہاء کا اتفاق:

اتفق الفقهآء علی جواز القراء ات المتواترة فی الصلوٰة فی الجملة[الموسوعۃ الفقہیہ، تحت حرف القاف القراءات]

''فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام نمازوں میں قراءات متواترہ کی تلاوت جائز ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز میں مختلف قراءات کے مطابق نماز پڑھنا:

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کی وضاحت اس طرح

کی ہے کہ آپ ﷺ پڑھتے تھے (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ۙ۱ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ۙ۲ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ؕ۳ ...) [سنن ابی داؤد، رقم نمبر ۴۰۰۳، ص ۲۰۰]

کہ نبی ﷺ ہر ایک آیت پر وقف کرتے۔ نیز اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے لفظ (مَلِکِ) بغیر الف کے روایت کیا ہے۔ یہ قراءات آج بھی معمول بہا ہے۔

قراءِ عشرہ میں سے نافع مدنی، ابوجعفر مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی رحمہم اللہ کی قراءت بغیر الف کے (مَلِکِ) ہے۔

دوسری روایت:

امام زہری رحمہ اللہ نے ابن مسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ؕ۳'' (بالالف) تلاوت کرتے تھے۔[سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۲۰۰]

قراءِ عشرہ میں عاصم کوفی، علی الکسائی کوفی، یعقوب بصری اور خلف کوفی رحمہم اللہ کی قراءات الف کے ساتھ ہے۔

معمولات ائمہ سے چند دلائل:

تمام ائمہ قراءات جو مختلف قراءات اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے وہ ان کے مطابق نماز میں بھی تلاوت کرتے تھے۔ اللہ کی قدرت دیکھیں کہ ائمہ اربعہ (مالک، شافعی، احمد اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ) مشہور قراءِ عشرہ میں سے بعض کے شاگرد ہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے، امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام شعبہ رحمہ اللہ راوی عاصم رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام عاصم کوفی رحمہ اللہ سے قراءات پڑھیں، اسی طرح امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ نے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ سے قراءات سیکھیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام سفیان رحمہ اللہ نے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کو چار مرتبہ پورا قرآن مجید قراءات میں سنایا تھا۔''(جمال القراء للسخاوی:۲/۴۷۶)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں امام ہشام بن عمار المقری رحمہ اللہ اور عبدالرحمن بن یزید المقری رحمہ اللہ کے نام آتے ہیں۔

مزید امام ہشام رحمہ اللہ (استاذ بخاری) جامع مسجد دمشق میں خطیب تھے اور جمعہ کی نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔

امام سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ہشام رحمہ اللہ اور ابن ذکوان رحمہ اللہ اسی مسجد میں پانچوں نمازوں کے امام تھے۔ان دونوں راویوں کی منقول روایت میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے ان دونوں نے ایک دوسرے کی نمازیں باطل ہونے کے فتوے نہیں دیئے اور امام نسائی رحمہ اللہ امام سوسی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ان کتب کا مطالعہ کریں۔

①: النشر فی القراءات العشر۔امام جزری رحمہ اللہ

②: معرفۃ القراء الکبار امام ذہبی رحمہ اللہ

③: سیر اعلام النبلاء امام ذہبی رحمہ اللہ

④: غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء امام جزری رحمہ اللہ

کتب رجال میں یہ بات صراحت سے موجود ہے کہ امام ہشام رحمہ اللہ کے استاد بھی جامع مسجد کے مشہور خطیب تھے اسی طرح ابن کثیر مکی رحمہ اللہ بھی اپنے زمانے میں مشہور خطیب تھے۔امام خلف، خلاد، دوری، امام ابوعمرو، بصری، امام شعبہ بن عیاش، امام ہشام رحمہم اللہ وغیرہ کثرت سے احادیث بھی روایت کرتے تھے۔

اس زمانے میں جلیل القدر محدثین بھی موجود تھے۔فقہاء کرام اور علمائے نحو بھی تھے، کسی جگہ سے ایسی کوئی آواز اٹھتی دکھائی نہیں دیتی جو ان کی نمازوں کو غلط کہے اور نہ ہی ان کے نمازیں باطل ہونے کے متعلق کسی نے فتویٰ دیا۔جس طرح قرائے اُمت مختلف قراءات روایت کرتے تھے اور انہی قراءات کے مطابق نمازیں پڑھتے تھے، ان کے پیچھے کبار علما بھی موجود ہوتے تو ان محدثین فقہاء اور جلیل القدر علماء رحمہم اللہ پر بھی الزام آئے گا کہ انہوں نے اُمت کو اس فتنے سے بچانے کے لیے کوئی اہم کردار ادا نہ کیا۔آخر ان ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ جو انہوں نے اپنے قراء اساتذہ سے تلقی کے ساتھ سیکھی ہوئی قراءات کے مطابق پڑھیں۔قرونِ اولیٰ میں لوگ جامع العلوم ہوتے تھے۔قراء محدثین کے بعد محدثین قراء کے شاگرد ہوتے تھے۔لیکن انہوں نے قراءات نماز سے پڑھنے پر روکا کیوں نہیں۔

ساری بحث سے نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ قراءات کے مطابق نماز پڑھنا درست ہے۔ جو اس کے خلاف فتویٰ جاری کرے گا گویا کہ اس نے امت کے اجماعی موقف اور متفق علیہ مسئلہ کو جان بوجھ کر مختلف فیہ بنایا ہے۔عامۃ الناس کو گمراہ کیا ہے۔العیاذ باللہ

امام شافعی رحمہ اللہ کا نماز میں تکبیرات بڑی سماعت فرمانا:

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو حالت نماز میں تکبیرات بڑی (جو آخری قرآن میں سورتوں کے اواخر پر پڑھی جاتی ہیں) پڑھتے ہوئے سنا۔(فقال له أحسنت، أصبت السنة) آپ رحمہ اللہ نے اسے کہا کہ (اے بھائی) تو نے بہت اچھا کیا۔تو نے سنت کو پالیا یعنی سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔[تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الضحیٰ + جامع البیان از دانی، ص ۵۲۳]

وضاحت:

بلاشبہ تکبیرات قرآن نہیں بلکہ یہ سنت ہیں اور قرآنوں میں ان کا لکھنا جائز

نہیں۔ان تکبیرات کی مکمل تفصیل کتب قراءات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تکبیرات جو کہ قرآن کا حصہ نہیں، امام شافعی ﷫ کے نزدیک تکبیرات پڑھنے والے کی نماز درست ہے اگر درست نہ ہوتی تو امام اسے ٹوک دیتے یا بعد میں مسئلہ سمجھا دیتے۔لیکن انہوں نے تحسین فرمائی۔اگر تکبیرات نماز میں جائز ہیں تو مختلف قراءات جو کہ قرآن ہی ہیں ان کا پڑھنا بالاولی جائز وصحیح اور ثابت ہے۔

نماز میں شاذ قراءتوں کی تلاوت کا حکم:

نماز اور غیر نماز میں قراءات شاذہ کا حکم یکساں ہے کہ قرآنیت کا اعتقاد کرکے ان کی تلاوت جائز نہیں، علماء نے صرف بطور علم ان کو پڑھنا پڑھانا جائز رکھا ہے تا کہ تفسیری اشکالات کو حل کیا جاسکے لہٰذا جو شخص متواتر قراءات کو چھوڑ کر شاذ قراءتیں پڑھے بلاشبہ وہ فتنہ میں مبتلا ہے، اس کی نماز ہرگز صحیح نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز بھی صحیح نہیں، ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح نہ ہو اور وہ مصاحف عثمانیہ کے رسم کے بھی خلاف ہو، وہ قراءت قراءۃ شاذہ کے حکم میں ہوگی، جیسے حضرت ابی ﷜ اور ابن مسعود ﷜ وغیرہ کی بعض قراءتیں۔

اقوال العلماء

امام مالک ﷫

امام مالک ﷫ کا فتویٰ شاذ قراءات کے بارے میں اس طرح ہے۔

”من قرا فی صلاته بقراءة ابن مسعود وغیره من الصحابة مما یخالف المصحف لم یصل وراءه“ [التمہید لابن عبدالبر:۸/ ۲۹۳]

”جو شخص ابن مسعود ﷜ یا کسی اور صحابی کی قراءت نماز میں تلاوت کرتا ہے جو مصاحف عثمانیہ کے خلاف ہو،تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔“

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ

آپ نے قراءات شاذہ کی تلاوت اور نماز میں شاذ قراءات پڑھنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر امت مسلمہ کے تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور کچھ افراد نے اس بات سے اختلاف کیا ہے تو آپ نے انہیں امت کے اس اجماعی مسئلہ سے منحرف قرار دیا ہے۔ (حوالہ سابقہ)

علامہ سرخسی رحمہ اللہ

ولهذا قالت الامة لوصلى بكلمات تفرد بها ابن مسعود لم تجز صلاته لانه لم يوجد فيه النقل المتواتر و باب القرآن باب يقين و اما لحة فلا تثبت بدون النقل المتواتر كونه قرآنا [أصول سرخسی، فصل فی بیان الکتاب وکونہ حجۃ:۱/۲۸۰]

''امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات یعنی شاذ قراءات نماز میں پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی، کیونکہ اس میں نقل متواتر موجود نہیں اور جو متواتر نہیں اسے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔''

علامہ سرخسی رحمہ اللہ کا دوسرا قول

"ما لم يثبت انه قرآن فتلاوته فى الصلوة كتلاوة غير فيكون مفسدا للصلوة"

''جس کا قرآن ہونا ثابت نہ ہو، نماز میں اس کی تلاوت غیر قرآن کی تلاوت کی مانند ہے اس کی نماز باطل ہے۔'' (حوالہ سابقہ)

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ

"ولو قرأ بقراءة ليست فى مصحف العامة كقراءة ابن مسعود وأبى تفسد صلاته"

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی رضی اللہ عنہ کی وہ قراءات جو مصحف عامہ کے خلاف ہوں اگر کسی نے ان کو نماز میں پڑھ لیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔'' [التقریر والتحبیر علی التحریر، لابن ہمام: ۲/۲۱۵]

علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق نماز میں تلاوت کرنے سے نماز درست نہ ہوگی، کیونکہ وہ مصحف عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگیا تھا۔ (حوالہ سابقہ)

امام ابن نجار فتوحی رحمہ اللہ

وهذا غير متواتر، فلا يكون قرآنا، فلا تصح الصلوة به على الاصح

''قراءات شاذہ غیر متواتر ہونے کی بنا پر قرآن نہیں ہیں لہٰذا صحیح تر بات یہی ہے کہ ان شاذ قراءات سے نماز جائز نہیں۔'' [شرح الکوکب المنیر: ۲/۱۳۶]

علامہ ابن القاسم مالکی رحمہ اللہ

سوال: آپ سے پوچھا گیا، اگر کوئی شخص نماز میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: وہ شخص جس نے شاذ قراءات پڑھنے والے کی اقتداء کی اسے چاہئے کہ نماز کے وقت میں ہی یا نماز کے وقت کے بعد اسے لوٹائے۔ [المدونۃ الکبریٰ، کتاب الصلوۃ الاوّل: ۱/۸۴]

علامہ ابوالبرکات الدردیر رحمہ اللہ

دس کے علاوہ دیگر سب قراءات شاذ ہیں، اگر کوئی شاذ قراءات جو رسم عثمانی کے مخالف ہوتی ہیں ان کی نماز میں تلاوت کرے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ [بلغۃ السالک علی اقرب المسالک فی مذھب الامام مالک: ۱/۲۴۳]

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ)

لا يجوز ان يقرأ بالقراءة الشاذة في صلاة ولا غيرها عالما بالعربية كان أو جاهلا وإذا قرأها قارئ، فان كان جاهلاً بالتحريم عرف به وأمر بتركها، وإذا عان عالما أدب فان اصرحبس حتى يرتدع [البرهان في علوم القرآن، للزرکشی: ۱/ ۴۸۲]

''جو شخص عربی دان ہو یا عربی سے بالکل ناواقف، دونوں میں سے کسی کے لیے بھی قراءات شاذہ کی تلاوت نماز میں یا علاوہ نماز کے جائز نہیں، اگر اسے شاذ قراءات کی حرمت کا علم نہیں تو اسے بتایا جائے کہ آئندہ ایسا کرنے سے باز آجائے، اگر وہ شخص جو علم رکھتا ہے وہ جاننے کے باوجود ان شاذ قراءات کی تلاوت کرتا ہے، اُسے سزا دی جائے اگر وہ اصرار کرنے لگے تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے اس نظریے سے توبہ کرلے۔''

علامہ شہاب الدین الرملی رحمۃ اللہ علیہ

من قرأ بالشاذ، ان كان جاهلاً بتحريمه عرف ذلك، فان عاد اليه بعد ذلك اوكان عالما به عزر تعزيرا بليغا إلى أن ينتهي عن ذلك ويجب على كل مكلف قادر على الانكار أن ينكر عليه [فتاویٰ الرملی، باب فی مسائل شئ: ۴/ ۳۲۰]

''جس نے شاذ قراءات تلاوت کی اگر وہ ان کی حرمت سے ناواقف ہے تو اس کو بتایا جائے اور وہ دوبارہ ایسا کرے یا کوئی عالم اس کو پڑھے تو ان سب کو سخت سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ اس سے باز آجائیں۔ ہر وہ شخص جو مکلف ہے اور قدرت رکھنے والا ہے اس پر واجب ہے کہ ان شاذہ قراءات پڑھنے والے کا انکار کرے۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے قراءات شاذہ کی تلاوت ناجائز ہونے پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے۔[المحلی لابن حزم: ۴/۲۵۵]

امام نووی رحمہ اللہ

ولاتجوز القراءۃ فی الصلاہ ولا لغیرھا بالقراء ات الشاذہ لانھا لیست قرانا، فان القران لایثبت الا بالتواتر، ومن قال غیرہ فھو غالط او جاھل،فلو خالف وقرأ بالشاذ أنکر علیه قراء تھا ما فی الصلوۃ وغیرھا، وقد اتفق فقھاء بغداد علی استتابة من قرأ بالشواذ ونقل ابن عبد البر اجماع المسلمین علی أنه لا تجوز القراءۃ بالشواذ ولا یصلی خلف من یقرأ بھا.

’’نماز میں اور غیر نماز میں قراءات شاذہ کی تلاوت اس لیے ممنوع ہے کہ یہ قرآن نہیں، اور قرآن کا ثبوت صرف تواتر سے ہوتا ہے اگر کسی کا موقف اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو وہ خود غلط اور جاہل ہے اگر وہ اس بات کی مخالفت کرے اور شاذ قراءات کی تلاوت کرے، تو اس کی قراءت کا انکار کیا جائے گا خواہ وہ حالت نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ فقہاء بغداد ایسے شخص کو توبہ کروانے پر متفق ہیں جو نماز میں شواذ کی تلاوت کرتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ملت اسلامیہ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قراءات شاذہ کی تلاوت جائز نہیں، اور جو پڑھے گا اس کے پیچھے نماز بھی درست نہ ہوگی۔‘‘

[کتاب المجموع: ۳/۳۲۹، البرھان للزرکشی: ۱/۳۳۳]

امام ابوالعباس مہدوی رحمہ اللہ

فھذا الضرب،أی المخالف لخط المصحف،وبما أشبھه،متروك

لاتجوز القراءة به ومن قرأ بشئ منه غير معاند ولا مجادل عليه وجب على الامام أن يواخذه بالادب وبالضرب والسجن على ما يظهر له من الاجتهاد ومن قرأ وجادل عليه ودعا الناس إليه وجب عليه القتل لقول النبی المراء فی القرآن كفر والاجماع الامة على إتباع المصحف المرسوم.

''قراءت کی ہر قسم جو مصحف عثمانی کے رسم کے خلاف ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور تبدیلی کی جائے قطعی متروک ہے اس کی تلاوت ناجائز ہے، جو شخص کسی عناد و جدال کے بغیر ایسی قراءات پڑھے، امام پر واجب ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق تادیبی کارروائی قید یا جسمانی سزا کی صورت میں عمل میں لائے۔ اگر کوئی جدال کرے اور لوگوں کو ایسی قراءت کی دعوت بھی دے، اس کا قتل ضروری ہے کیونکہ نبیﷺ کا فرمان ہے: ''قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔'' اور دوسرا یہ کہ مرسوم مصاحف کی پیروی پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔'' [منجد المقرئین، للجزری، ص۲۲۱]

ابن مقسم بغدادی رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) کا قراءات شاذہ پڑھنے سے رجوع کرنا

ابن مقسم بغدادی رحمہ اللہ کو اس بات پر سزا دی گئی تھی کہ وہ ہر اس قراءت کی تلاوت جائز سمجھتے تھے جو عربیت اور رسم مصاحف کے مطابق ہو، اگرچہ سنداً صحیح ثابت نہ ہو، اسی وجہ سے بغداد میں قراء و فقہا کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں بادشاہ وقت بھی شامل ہوا۔ ابن مقسم کو سب علما کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے توبہ کی اور اس رائے سے رجوع کر لیا، حتیٰ کہ ان سے ایک اقرار نامہ بھی لکھوایا گیا۔ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو ''خطیب بغدادی'' نے (تاریخ بغداد) میں ذکر کیا ہے۔[النشر فی القراء

ات العشر :۱/۱۷]

ابن شنبوذ (۳۲۵ھ) کو سزا:

ابن شنبوذ کا مسلک یہ تھا کہ شاذ قراء ات کا پڑھنا پڑھانا جائز ہے اگر وہ قراء ت عربیت کے موافق ہو چاہے رسم عثمانی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس رائے کی وجہ سے ابن شنبوذ کو گرفتار کیا گیا چنانچہ (ربیع الثانی ۳۲۳ھ) بغداد میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اس وقت کا بادشاہ ابوعلی بن مقلہ، امام ابن مجاہد رحمہ اللہ اور علماء، فقہا اور محدثین کی ایک جماعت موجود تھی، ابن شنبوذ نے امام ابن مجاہد سے نہایت تلخ کلامی کی، پھر ابن شنبوذ کو بادشاہ وقت نے دس کوڑوں کی سزا سنائی۔ چنانچہ اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے مذہب سے رجوع کرلیا۔ اس پر ایک دستاویز بھی لکھی گئی۔ [ماخوذ از غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء :۲/۵۵]

خلاصہ بحث:

ساری بحث پڑھنے کے بعد یہ موقف سامنے آیا:

(۱) قراء ات وحی ہیں۔
(۲) قراء ات عشرہ سبعہ احرف کے تابع ہیں۔
(۳) قراء ات عشرہ رسم عثمانی کے موافق ہیں۔
(٤) قراء ات عشرہ سے نماز بالکل درست ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔
(٥) قراء ات عشرہ صحیح الاسناد ہیں اور توقیفی ہیں۔
(٦) قراء ات عشرہ کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔
(٧) سلف وخلف کا نماز میں قراء ات عشرہ پڑھنا عام معمول تھا۔
(٨) امت کے پاس اس وقت جو فقط صحیح قراء ات ہیں وہ قراء عشرہ کی مرویات ہیں۔
(٩) شاذ قراء ات قرآن نہیں، ان کی تلاوت حرام ہے۔

(۱۰) شاذ قراءات بطور تفسیر اور حدیث پڑھی جاسکتی ہیں۔

(۱۱) شاذ قراءات نماز میں پڑھنا جائز نہیں۔

(۱۲) شاذ قراءات کرنے والے کی نماز باطل ہے۔

(۱۳) شاذ قراءتیں پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں، نماز لوٹانا ہوگی۔

(۱٤) شاذ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔

(۱۵) کسی مسلک کے عالم نے شاذ قراءات پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

(۱٦) قراءات کا سیکھنا اور سکھانا تلقی پر موقوف ہے۔

(۱۷) شاذ اور صحیح قراءات کے بارے میں اُمت کے اجماعی موقف سے انحراف جائز نہیں۔

(۱۸) شاذ قراءات اگر کسی نے پڑھیں ہیں تو اس کا سختی سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ ابن مقسم اور ابن شنبوذ کے واقعات میں درج ہے۔

اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ اس مسئلے پر شرح صدر فرمائے۔قرآن اور علوم قرآن کی حفاظت اور خدمت کی توفیق بخشے۔آمین (بشکریہ ماہنامہ رشد)

قراءاتِ عشرہ کی اسانید اور ان کا تواتر

فضیلۃ الشیخ قاری نجم الصبیح التھانوی
صدر مدرس شعبہ تجوید و قراءات مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور

لغت میں سَنَدَ نکرہ سُنُوْدًا واِسْتَنَدَ وتَسَانَدَ اِلَیْہِ سے مراد ہے اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا۔ سَنَّدَ الشَّیْئَ ٹیک لگا کر مضبوط کرنا۔ اَسْنَدَ فِی الْجَبَلِ پہاڑ پر چڑھنا یا اَسْنَدَ فِی الْجَبَلِ پہاڑ پر چڑھانا۔ اَلسَّنَد ایک قسم کی چادر، سہارا۔ اور مولدین کے نزدیک بمعنی دستاویز مستعمل ہے۔ جس کی جمع سَنَدَات ہے یعنی پہاڑ کا وہ حصہ جو تمہارے مقابل ہو جمع اَسْنَاد۔

اَلْاِسْنَاد (مصدر) اس سے مراد اھل مناظرہ کے نزدیک حوالہ دینا ہے جس کی جمع اَسَانِیْد اور اَلْاِسْنَاد ہے اور یہ علوم عربیہ (یعنی قرآن وحدیث میں مستعمل ہے) دو کلموں کے درمیان نسبت تامہ واقع کرنا (مزید تفصیل کے لیے دیکھو مصباح اللغات ص:۴۰۰)

اسناد کی اِصطلاحی تعریف:

اسناد کا مطلب ہے کسی علم مثلاً قرآن اور حدیث کے طریق کو بیان کرنا، چنانچہ سند کسی علمی متن کے طریق کو کہتے ہیں۔ علم المصطلح کے مطابق سند راویوں کا وہ سلسلہ ہے، جس کے ذریعہ کسی علمی متن تک رسائی حاصل کی جائے، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت دیکھیں:

حدّثنا مكي بن إبراهيم قال حدثنا يزيد بن أبي عبد الله وهو مولى سلمة بن الأكوع عن سلمة قال سمعت النبي ﷺ يقول:(من يقل عليّ ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار)

مذکورہ تعریف کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کا قول حدّثنا فلان حدّثنا فلان حدّثنا

فلانؒ اسناد ہے اور سند اس کے وہ رواۃ ہیں، جن کا ذکر متنِ حدیث سے پہلے ہوا ہے، اور متنِ حدیث آپﷺ کا فرمان: مَن یقل عليّ ...... الخ ہے۔ محدثین کرام اسناد و سند دونوں کو ایک معنی میں استعمال کرتے ہیں، البتہ مراد قرائن سے سمجھ آتی ہے۔ [شرح صحیح مسلم مع تغیر قلیل: ۱/۲۵، ۲۷]

دین میں سند کی اہمیت:

اسناد اُمت محمدیہ کا خاصہ ہے۔ ان سے پہلے کسی اُمت کو یہ خاصہ عطاء نہیں ہوا۔ دین میں اس کا انتہائی اہم مقام ہے۔ امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قال عبد الله بن مبارك: الإسناد من الدين،لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء‘‘

’’امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسناد کا اہتمام دینی اُمور میں سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتیں تو جس کے جی میں جو آتا وہ کہہ دیتا۔‘‘ [معرفۃ علوم الحدیث:۶]

❁ امام ابن مبارک رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

’’مثل الذي يطلب أمر دينه بلا إسناد كمثل الذي يرتقي السطح بلا سلّم‘‘

’’جو شخص دین کا کوئی حکم بغیر سند کے طلب کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھنا چاہتا ہے۔‘‘

❁ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’الاسناد سلاح المؤمن فإذا لم يكن معه سلاح فبأيّ شئ يقاتل‘‘ [الإسناد من الدین للشیخ أبو غدۃ]

’’اسناد تو مؤمن کا ہتھیار ہے۔ اگر اس کے پاس اسلحہ نہیں ہوگا تو وہ لڑائی کس

چیز کیساتھ کرے گا۔"

❁ اسی طرح امام سفیان ثوری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"الإسناد زين الحديث ممن اعتنى به فهو السعيد" (أيضا)

"اسناد تو حدیث کی زینت ہے، جس نے اس کا اہتمام کیا وہ بامراد ہوا۔"

❁ امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كلّ حديث ليس فيه حدثنا أو أخبرنا فهو خلّ وبقل [المحدث الفاصل بين الراوي والواعي: ص ۵۱۷]

"ہر وہ حدیث جس میں حدثنا یا اُخبرنا کے الفاظ نہیں ہیں، وہ ردّی اور بے وقعت ہے۔ اسناد کے فقدان کی وجہ سے وہ ناقابل التفات ہوگی۔"

❁ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"مثل الذي يطلب الحديث بلا إسناد كمثل حاطب ليل، يحمل حزمة حطب وفيه أفعى وهو لا يدري" (الإسناد من الدين)

"جو شخص بغیر سند کے حدیث طلب کرتا ہے اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی آدمی رات کے اندھیرے میں لکڑیاں اکٹھی کرتا ہے اور پھر وہ اپنا گٹھا اٹھاتا ہے، لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ اس کی لکڑیوں میں خطرناک ترین سانپ موجود ہے۔"

❁ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام زہری رحمہ اللہ نے ایک دن حدیث بیان فرمائی، میں نے کہا کہ یہ حدیث بلاسند بیان کر دیں، تو امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کیا آپ چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھنا چاہتے ہیں۔" (اَیضا)

بعض اہل علم نے انہی کی مثال کہتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ "وہ شخص جو بغیر سند کے حدیث طلب کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھنا

چاہتا ہے، بھلا وہ آسمان پر کیسے چڑھ سکتا ہے؟‘‘

اِمام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ما ذهاب العلم إلا ذهاب الاسناد‘‘

’’علم کا دارومدار اسناد پر منحصر ہے۔‘‘

❁ حافظ یزید بن زریع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’لكلّ دين فرسان وفرسان هذا الدّين أصحاب الأسانيد‘‘

’’ہر دین کی حفاظت کرنے کیلئے کچھ صاحب فہم ودانش ہوتے ہیں۔ دین اسلام کے صاحب فہم ودانش وہ حضرات ہیں جو دینی علوم کے راوی ہیں۔‘‘

❁ حافظ الجوال ابوسعد سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ علوم قرآن اور حدیث کا مدار نقل پر ہے۔ ان الفاظ کی صحت، صحتِ سند پر منحصر ہے۔ اور صحتِ سند کی بنیاد ثقہ اور عادل راوی کے بغیر ناممکن ہے۔‘‘

پھر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میں نے بہز بن اسعد العمی بصری رحمہ اللہ (متوفی بعد از ۲۰۰ھ) کو کہتے ہوئے سنا کہ جب ان کے سامنے کوئی صحیح حدیث بیان کی جاتی تو فرماتے یہ تو عادل لوگوں کی ایک دوسرے کے لئے گواہیاں ہیں، اور جب ان کے سامنے کوئی کمزور سند بیان کی جاتی تو فرماتے کہ یہ تو ناقابل التفات ہے، اور ساتھ یہ بھی فرماتے اگر کوئی مقروض جس کے ذمہ دس روپے کا قرض ہے وہ اس کی ادائیگی سے انکار کردے تو قرض لینے والا جب تک دو عادل لوگوں کو گواہ بنا کر پیش نہ کرے وہ قرضہ واپس لینے سے قاصر ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا دین تو اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی باتیں عادل لوگوں سے قبول کی جائیں۔‘‘ [أدب الاملاء والاستملاء: ۳،۵۵]

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يكن في أمة من الأمم منذ خلق الله آدم، أمناء يحفظون آثار نبيهم وأنساب سلفهم إلا في هذه الأمة" [شرح مواهب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/ ۴۵۴]

"جب سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق فرمائی، اس اُمت سے بڑھ کر کوئی ایسی اُمت نہیں گزری جو اس قدر امین، اپنے نبی کی باتوں اور اسلاف کے انساب کی حفاظت کرنے والی ہو۔"

❁ امام ابو العباس محمد بن عبدالرحمن سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے محمد بن مظفر رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ نے اس اُمت کو عزت وشرف سے نوازا اور علم الاسناد کے ساتھ اس کو پہلی اُمتوں سے ممتاز کیا، کیونکہ پہلی امتوں کے پاس جو کتابیں موجود ہیں انہوں نے ان میں کئی اپنی باتیں بھی داخل کر دیں۔ اب ان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس سے وہ اپنے انبیاء سے منقول کتب اور غیر معتبر آدمیوں کی رخنہ اندازیوں کے مابین فرق کر سکیں۔"

❁ جہاندیدہ شخصیت، حافظ ابوبکر محمد بن احمد ثقفی اصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں:

"مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ نے اس اُمت کو تین ایسے خصائص عطا فرمائے ہیں جو ان سے پہلی امتوں کا نصیب نہ بن سکے:

① سند واسناد ② إعراب ③ انساب [شرح مواهب اللدنیۃ للزرقانی: ۵/ ۴۵۴، الأجوبۃ القاضلۃ لعبد الحی اللکنوی: ص ۲۴]

اسی وجہ سے کسی شاعر نے ایسی قوم کو، جو سند کا اہتمام نہیں کرتی، مخاطب کرتے ہوئے سند کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے:

ومن بطون کراریس روایتهم

لو ناظروا باقلاً لَمَا غلبوا
والعلم إن فاته إسناد مسنده
کالبیت لیس له سقفٌ ولا طنب

[الکفایة للخطیب البغدادی: ص ۱۶۳]

''ان کی روایات کا مدار سراسر اوراق اور کتب پر ہے، اگر کبھی کسی رڈی چیز سے ان کا پالا پڑ جائے تو انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر علم کی سند ختم ہو جائے تو وہ ایسے گھر کی مانند ہے جس کی چھت ہے، نہ در و دیوار۔''

کسی بھی علم کے لیے اسناد اور واسطوں کا کم ہونا اس کو نہایت قیمتی اور اہل علم میں عالی سند بناتا ہے اکابرین امت شروع سے اس کا اہتمام کرتے آئے ہیں علامہ جزری رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تالیف ''النشر جلد اوّل'' میں اپنی اسناد قراءات ذکر کرنے سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مرض الموت کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ ان سے ان کی موت کے وقت آخری خواہش پوچھی گئی تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ''سند العال وبیت الخال'' اس سے اکابر کی عالی سند کے حصول کی خواہش کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

قراءاتِ عشرہ کی اسانید کی تفصیل

یہ بات تو واضح ہے کہ ہر قاری کے دو راوی ہیں۔ ان میں سے کچھ راوی تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنے شیخ سے بلا واسطہ نقل کیا ہے، جیسا کہ سیدنا قالون رحمہ اللہ اور سیدنا ورش رحمہ اللہ نے امام نافع رحمہ اللہ سے، سیدنا شعبہ رحمہ اللہ اور سیدنا حفص رحمہ اللہ نے امام عاصم رحمہ اللہ سے، سیدنا ابو الحارث رحمہ اللہ اور سیدنا دوری رحمہ اللہ نے امام کسائی رحمہ اللہ سے۔ بعض رواۃ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی روایت امام سے واسطہ کے ساتھ نقل کی ہے۔ پھر ان میں سے کچھ نے ایک واسطہ سے نقل کی ہے جیسے سیدنا دوری رحمہ اللہ اور سیدنا سوسی رحمہ اللہ ہر دو نے شیخ یزیدی رحمہ اللہ کے واسطے سے اپنے استاد ابو عمرو بصری رحمہ اللہ سے اور سیدنا خلف رحمہ اللہ و سیدنا

خلاد رحمہ اللہ نے ایک واسطہ یعنی سیدنا سلیم رحمہ اللہ سے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ سے قراءات نقل کی ہیں نیز بعض راوی ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے شیخ سے ایک سے زائد واسطوں سے نقل کیا ہے، جیسے سیدنا بزی رحمہ اللہ اور سیدنا قنبل رحمہ اللہ نے امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ سے، سیدنا ہشام رحمہ اللہ اور سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ نے امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ سے ایک سے زائد واسطوں سے قرآءت نقل کی ہیں۔

① اِمام نافع رحمہ اللہ کی سند:

یہ بات تو واضح ہے کہ امام نافع رحمہ اللہ کے دو راوی ہیں:

① سیدنا قالون رحمہ اللہ ② سیدنا ورش رحمہ اللہ

امام قالون رحمہ اللہ اور امام ورش رحمہ اللہ دونوں حضرات نے امام نافع رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی۔ امام نافع رحمہ اللہ نے تابعین کی ایک جماعت، جن میں ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ عبدالرحمن بن هرمز الاعرج رحمہ اللہ، شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ مسلم بن جندب رحمہ اللہ اور یزید بن رومان رحمہ اللہ زیادہ معروف ہیں، سے قراءت حاصل کی۔ امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

② امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا بزی رحمہ اللہ ② سیدنا قنبل رحمہ اللہ

ذیل میں ہر ہر راوی کی امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تک سند درج کی جاتی ہے:

◇① سند روایت بزی: احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابوالقاسم بن نافع بن ابوبزہ بزی رحمہ اللہ نے عکرمہ بن سلیمان بن کثیر بن عامر مکی رحمہ اللہ سے، انہوں نے شبل بن عباد رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ سے پڑھا۔

② سند روایت قنبل: ابوعمر محمد بن عبدالرحمن بن خالد بن محمد بن سعید قنبل مخزومی رحمہ اللہ نے ابوالحسن احمد بن محمد بن عون قواس البکّار رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالاخریط رحمہ اللہ سے، انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ قسط رحمہ اللہ سے، انہوں نے شِبل بن عباد رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ سے پڑھا۔

امام عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن جبیر رحمہ اللہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

③ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کی سند:

ان کے دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا دوری بصری رحمہ اللہ ② سیدنا سوسی رحمہ اللہ

سیدنا دوری بصری رحمہ اللہ اور سیدنا سوسی رحمہ اللہ دونوں نے امام یحییٰ بن مبارک یزیدی رحمہ اللہ سے اور انہوں نے امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی۔ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ نے مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے، ان دونوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

④ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا ہشام رحمہ اللہ ② سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ

سیدنا ہشام بن عمار رحمہ اللہ اور سیدنا محمد بن احمد ابن ذکوان رحمہ اللہ دونوں نے ایوب بن تمیم تمیمی رحمہ اللہ سے، انہوں نے یحییٰ بن حارث ذماری رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عامر شامی رحمہ اللہ سے، انہوں نے مغیرہ بن ابوالہاشم مخزومی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوعبداللہ

عمران رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے براہ راست قراءت بھی حاصل کی ہے۔

⑤ امام عاصم کوفی رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو راوی ہیں:

① سیدنا شعبہ رحمہ اللہ ② سیدنا حفص رحمہ اللہ

ابوبکر شعبہ بن عیاش اسدی رحمہ اللہ اور ابو عمر حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی رحمہ اللہ نے امام عاصم کوفی رحمہ اللہ سے، انہوں نے زر بن حُبیش رحمہ اللہ اور عبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ سے، انہوں دونوں حضرات نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور ان تینوں حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

⑥ امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا خلف رحمہ اللہ ② سیدنا خلاد رحمہ اللہ

ابو محمد خلف بن ہشام رحمہ اللہ اور خلاد بن عیسیٰ رحمہ اللہ دونوں نے ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ بن سلیم بن عامر بن غالب بن سعید بن سلیم رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی، انہوں نے امام حمزہ بن عمارہ رحمہ اللہ سے، انہوں نے سلیمان بن مہران رحمہ اللہ سے، انہوں نے یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ سے ،انہوں نے عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ، علقمہ رحمہ اللہ، اسود رحمہ اللہ اور مسروق رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

⑦ امام علی بن حمزہ کسائی کوفی رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا ابو الحارث رحمہ اللہ ② سیدنا دوری کسائی رحمہ اللہ

ابوعمر وحفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہبان ازدی دوری رحمہ اللہ اور ابوالحارث لیث بن خالد رحمہ اللہ دونوں نے امام کسائی رحمہ اللہ سے براہ راست قراءت حاصل کی، انہوں نے ابوعمارہ حمزہ بن حبیب زیات رحمہ اللہ سے، انہوں نے سلیمان بن مہران رحمہ اللہ سے، انہوں نے یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابو مریم زر بن حبیش رحمہ اللہ سے، انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ان دونوں حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

⑧ امام ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا ابن وردان رحمہ اللہ ② سیدنا ابن جماز رحمہ اللہ

ابوالحارث عیسیٰ بن وردان مدنی رحمہ اللہ اور ابوربیع سلمان ابن سالم بن جماز رحمہ اللہ دونوں نے امام ابوجعفر رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں دونوں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

⑨ امام یعقوب بصری رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا رُویس رحمہ اللہ ② سیدنا رَوح رحمہ اللہ

ابوعبداللہ محمد بن متوکل لؤلؤی بصری المعروف رویس رحمہ اللہ اور ابوالحسن روح بن عبدالمومن ہذلی رحمہ اللہ نے امام یعقوب بن اسحاق بصری رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوعمرو بصری رحمہ اللہ سے، انہوں نے مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت

حاصل کی۔

⑩ امام خلف العاشر رحمہ اللہ کی سند:

ان کے بھی دو مشہور راوی ہیں:

① سیدنا اسحاق رحمہ اللہ ② سیدنا ادریس رحمہ اللہ

ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن عثمان بغدادی رحمہ اللہ اور ابوالحسن ادریس بن عبدالکریم حداد رحمہ اللہ نے امام خلف بن ہشام بزار رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابو عیسی سلیم رحمہ اللہ سے، انہوں نے امام حمزہ بن عمارہ بن اسماعیل رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے، انہوں نے منہال بن عمرو رحمہ اللہ سے، انہوں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت حاصل کی۔

قراءات عشرہ کی اسانید کے ذکر کرنے کے بعد ہم دوسرے پہلو کو بیان کرتے ہیں۔ وہ ہے سند عالی اور نازل کی معرفت، کیونکہ عالی سند کا حصول سنت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے قرب کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصحاب حدیث نے عالی اور نازل سند کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

①۔ایسی سند صحیح جو ضعف سے محفوظ ہو، اور اس میں عدد کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہو، یہ علو کی سب سے بہتر قسم ہے۔ موجودہ دور میں سند عالی کی اس قسم میں ۱۴ واسطے موجود ہیں۔ اس کی نظیر قراءات میں، سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ کی امام ابن عامر رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ یا ۱۵ واسطے موجود ہیں، قراءات میں اس کی مثال قراءت عاصم بروایت حفص اور قراءت یعقوب بروایت رویس ہیں۔

②۔محدثین کے ہاں علو کی دوسری قسم ائمہ حدیث میں سے کسی امام کی طرف قرب

ہے، جیسے اَعمش رحمہ اللہ، ہشیم رحمہ اللہ، ابن جریج رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ ہیں۔علم قراء ت میں اس کی مثال امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراء ت ہے، جس میں ان آئمہ تک ۱۲/ واسطے ہیں۔

③۔محدثین کے ہاں تیسری قسم ہے کتب ستہ میں سے کسی ایک کی روایت کرنے کی نسبت کا علو۔ وہ یوں کہ اگر ایک محدث کسی حدیث کو کتب ستہ کے طریق سے بیان کرتا ہے تو وہ نازل ہو اور اگر ان کے علاوہ کسی طریق سے بیان کرے تو وہ عالی ہو۔ قراءات میں اس کی مثال کتبِ معروفہ: تیسیر اور شاطبیہ وغیرہ میں۔

موافقات، ابدال، مساوات اور مصافحات علو کی اس قسم کے قبیل سے ہیں:

موافقت:

یہ ہے کہ اصحاب کتب میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی دوسرے طریق سے (جو نسبتاً کم واسطوں والا ہو) سے اس کے شیخ پر اکٹھا ہونا۔ صاحب کتاب اگر اسے اپنے طریق سے بیان کرتا، تو وہ سند عالی نہ بنتی۔ کبھی اس فن میں اس کی مثال نہیں بھی ملتی۔علم قراءات میں سیدنا بزی رحمہ اللہ نے جو مکی رحمہ اللہ سے بطریق ابن نبان بواسطہ ابوربیعہ روایت کیا ہے، اس کو حافظ ابن جزری رحمہ اللہ نے بواسطہ کتاب المفتاح از ابومنصور محمد بن عبدالملک بن خیرون رحمہ اللہ سے اور کتاب المصباح از ابوالکرم شہرزوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں حضرات یعنی ابومنصور رحمہ اللہ اور شہرزوری رحمہ اللہ نے یہ قراء ت عبدالسعید بن عتاب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ امام جزری رحمہ اللہ کا ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریق کے مطابق نقل کرنا، اصول حدیث کی روشنی میں 'موافقت' کہلائے گا۔

بدل:

یہ ہے کہ کسی مصنف کے استاد کے ایک یا زیادہ اساتذہ تک اس مصنف کی سند کے علاوہ کسی ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جس میں واسطے کم ہوں۔ یہ صورت کبھی عالی نہیں ہوئی یا

بالفاظ دیگر اس کی مثال نہیں ملی۔ یہاں ہم اس کی مثال میں امام ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت، جو دوری رحمہ اللہ نے ابن مجاہد بواسطہ ابوالزعراء نقل کی، پیش کرتے ہیں۔

اس قراءت کو امام دانی رحمہ اللہ نے ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بغدادی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمہ اللہ سے بواسطہ ابن مجاہد نقل کیا ہے۔ اور کتاب المصباح سے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس قراءت کو ابوالکرم رحمہ اللہ نے ابوالقاسم یحییٰ بن احمد السبتی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالحسن حمامی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ امام جزری رحمہ اللہ کا اس قراءت کو بطریق مصباح نقل کرنا امام دانی رحمہ اللہ کے استاد کے لئے بدل کہلائے گا۔

مساوات:

اکثر طور پر روایت کے رواۃ عدد میں برابر ہوں تو اسے مساوات کہتے ہیں، گویا کہ وہ راوی صاحب کتاب سے ملے ہیں، اس سے مصافحہ کیا اور یہ روایت نقل کی ہے۔ اس کی مثال امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت ہے، جسے امام شاطبی رحمہ اللہ نے ابوعبداللہ محمد بن علی نفزی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوعبداللہ بن غلام رحمہ اللہ سے، انہوں نے سلیمان بن نجاح رحمہ اللہ وغیرہ سے، انہوں نے ابوعمرو دانی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالفتح فارس بن احمد رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبدالباقی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالحسن بن بویان بن حسن رحمہ اللہ سے، انہوں ابراہیم بن عمر مقری رحمہ اللہ سے، انہوں نے اُبوالحیض بن بویان رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوبکر بن اشعث رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوجعفر الربعی المعروف ابونشیط رحمہ اللہ سے، انہوں نے سیدنا قالون رحمہ اللہ سے اور انہوں نے امام نافع رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

اسی قراءت کو امام جزری رحمہ اللہ نے ابوبکر خیاط رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابومحمد بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ سے، انہوں نے صائغ رحمہ اللہ سے، انہوں نے کمال بن فارس رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالیمن کندی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن احمد حریری رحمہ اللہ سے،

انہوں نے ابوبکر خیاط رحمہ اللہ سے، انہوں نے غرضی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن بویان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ یہ امام ابن جزری رحمہ اللہ کے لئے مساوات ہے، کیونکہ ابن جزری رحمہ اللہ اور ابن بویان رحمہ اللہ کے مابین سات واسطے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ اور امام جزری رحمہ اللہ کے مابین بھی اتنے ہی واسطے ہیں، تو جس نے امام جزری رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی، گویا اس نے امام شاطبی رحمہ اللہ سے مصافحہ کیا۔

باعتبار سند قراء کی تقسیم اور عالی سند کا بیان:

قراء کرام کے ہاں اسناد کی تقسیم، قراءات، روایت، طریق اور وجہ کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے۔

قراءت: اگر اختلاف ائمہ سبعہ یا عشرہ میں سے کسی ایک سے منقول ہو اور تمام طرق و روایات اس اختلاف کو نقل کرنے میں متفق ہوں، تو اسے اصطلاحاً 'قراءت' کہا جائے گا۔

روایت: اگر اختلاف کی نسبت امام کے راوی کی طرف ہو تو اسے 'روایت' کہا جائے گا۔

طریق: اگر اختلاف کی نسبت راوی کے شاگرد یا اس کے شاگردوں میں سے نیچے تک کسی ایک کی طرف منسوب ہو تو اسے 'طریق' کہا جائے گا۔

وجہ: اگر اختلاف کی نسبت شاگرد کے استاد کی طرف اس طرح ہو کہ وہ اختلاف اس کے لئے اختیاری ہو تو اسے 'وجہ' کہتے ہیں۔

علو کی چوتھی قسم: شیخ کی وفات کا اپنے ساتھی، جس سے راوی نے اخذ کیا ہے، مقدم ہونا۔ مثلاً تاج بن مکتوم رحمہ اللہ سے اخذ کرنا، ابوالمعالی بن اللّبان رحمہ اللہ سے اخذ کرنے میں اعلیٰ ہے، اور ابن اللبان رحمہ اللہ سے نقل کرنا برہان شامی رحمہ اللہ سے نقل کرنے سے اعلیٰ ہے،

اگر چہ یہ تینوں ابوحیان رحمہ اللہ سے نقل میں برابر ہیں، لیکن پہلے کی وفات دوسرے سے اور دوسرے کی وفات تیسرے سے مقدم ہے۔

علو کی پانچویں قسم: علو شیخ کی موت کی وجہ سے ہو، نہ کہ کسی اور امر یا دوسرے استاد کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ علو کب حاصل ہوتا ہے؟ بعض محدثین کا خیال ہے کہ مسند کو علو کا یہ درجہ اس وقت حاصل ہوگا، جب اس سند سے روایت کرتے ہوئے شیخ کی موت کو پچاس برس بیت چکے ہوں۔ امام ابن مندہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق پچاس کے بجائے تیس سال گزر چکے ہوں۔ اس قول کی بناء پر ابن جزری رحمہ اللہ کے وہ شاگرد، جن کا تعلق ۸۶۳ھ سے ہے، کا نقل کرنا عالی ہے، کیونکہ ابن جزری رحمہ اللہ آخری شخص ہیں، جن کی سند عالی ہے اور ۸۶۳ھ تک ان کی موت کو تیس سال گزر چکے ہیں۔ (الاتقان: ۱/۲۰۷ تا ۲۱۰، گیارہویں نوع، کچھ اختصار اور تصرف کے ساتھ)

قراء کی اسانید کے تسلسل کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ قراءات توقیفی ہیں۔ [البرھان للزرکشی: ۱/۳۲۱] علامہ ابن عبدالشکور رحمہ اللہ مسلم الثبوت میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اسانید قراءات بالاجماع صحیح ہیں اور علماء بلکہ اُمت کے ہاں انہیں تلقّی بالقبول حاصل ہے۔ مزید لکھتے ہیں اگر ان اسانید کے معارض کوئی سند آجائے تو وہ ناقابل التفات ہے۔ قراء عشر کی اسانید صحیح ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں امت کے ہاں شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔“ [فواتح الرحموت: ۲/۱]

علماء نے قراءات کے توقیفی ہونے اور ان کے متعلق عدم تواتر والے شبہات کو دور کرنے کے لئے سندوں کا اہتمام کیا تھا۔ جو بھی قراءات کے معاملہ میں تتبع اور تحقیق کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ قراء کرام اپنی قراءات کی نسبت صحت سند کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں۔

أســانیــد قــراءاتِ عشرہ کا تواتر

جو قرآن کریم آپﷺ نے صحابہ کو سنایا وہی سکھایا وہی آسمانوں سے نازل ہوا تھا اور اسی کی تبلیغ کا حکم دیا، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تمہیں میری طرف سے ایک آیت بھی پہنچے تو اس کو آگے پہنچاؤ۔ ہاں بنی اسرائیل سے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں یہ بات بھی یاد رکھو کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔'' [صحیح البخاری:۳۴۶۲]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ اگر تمہارے پاس صرف ایک ہی روایت کا علم ہو تو تمہاری ذمہ داری بنتی ہے کہ اسے آگے پہنچاؤ۔ آنحضرتﷺ کے صحابہ نے اسی حکم کو بجالاتے ہوئے قرآن مجید کو لوگوں تک بلا کم و کاست پہنچایا۔ اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ صحابہ تک جو بات آپﷺ کی پہنچی انہوں نے اللہ کے فضل و کرم سے اس بات کو ہماری طرف نقل کردیا۔'' [فضائل القرآن:۱۹]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپﷺ سے نہ صرف قرآن مجید حاصل کیا بلکہ ان میں سے ایک جماعت نے اس میں مہارت تامہ بھی حاصل کی اور وہ قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے تھے۔ آپؐ انہی لوگوں کو قرآن کی تعلیم کے لئے مختلف أطراف میں روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو آپﷺ کے زمانہ میں 'القراء' کہا جاتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان نے رسول اللہﷺ سے اپنے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد مانگی تو آپﷺ نے ستر (۷۰) انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جنہیں آپﷺ کے زمانہ میں 'قراء' کہا جاتا تھا، کو ان کے ساتھ روانہ کردیا۔ یہ قراء صحابہ رضی اللہ عنہم دن کو لکڑیاں اکٹھی کرتے تھے اور رات کو نماز میں مشغول رہا کرتے تھے۔

عہد نبی میں بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا، جن میں سے بعض تک قراءات کی اَسانید بھی پہنچتی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید حفظ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا ان میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ معروف ہیں:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۵ھ)، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ)، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲ھ)، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲ھ)، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۵ھ)، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۰ھ)، ابودرداء رضی اللہ عنہ (خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر میں انہوں نے وفات پائی)۔ یہ تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے متعلق ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے حیاۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی قرآن کریم حفظ کیا اور یاد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ یہی وہ مکرم ہستیاں ہیں جن کے گرد ائمہ عشرہ کی اَسانید قراءات گھومتی ہیں۔ [الاعلام: ۵/۳۲۶] ان کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید یاد کیا تھا۔ ان میں سے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۸ھ) ابوزید رضی اللہ عنہ، سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (المتوفی ۷۳ھ) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں، لیکن ان کی قراءات ہم تک نہیں پہنچیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ زبانی بھی یاد کر رکھا تھا۔‘‘ (معرفۃ القراء الکبار: ۲۴ تا ۴۲، کچھ تصرف واختصار کے ساتھ)

حفظِ قرآن اس امت کا خصوصی امتیازی وصف ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ماقبل کتب سے ممتاز کیا، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے فرمایا ہے:

’’نقل قرآن میں اصل اعتماد حفظ پر ہے، نہ کہ مصاحف پر، جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے:

’’میرے رب نے مجھ سے فرمایا آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی گئی ہے جسے پانی بھی نہیں مٹا سکتا۔ آپ ﷺ اس کو سوتے جاگتے تلاوت کرتے ہیں۔‘‘[صحیح مسلم:۲۸۶۵]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید اپنی حفاظت میں کتابت کا محتاج نہیں ہے، کہ کتابت شدہ مواد کو پانی کے ساتھ مٹایا جاسکتا ہے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر حال میں قرآن مجید کی تلاوت کی، جیسا کہ اُمت محمدیہ کے وصف کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ ’’بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ‘‘یعنی ان کی اناجیل (قرآنی سورتیں) ان کے سینوں میں محفوظ ہیں، برخلاف اہل کتاب کے کہ ان کی کتب کی حفاظت کا واحد ذریعہ صرف کتابت تھا، وہ صرف دیکھ کر تلاوت کرسکتے تھے، زبانی تلاوت پر انہیں قدرت حاصل نہ تھی۔‘‘[مجموع الفتاوی:۱۳/۴۰۰]

حفظ قرآن مجید کے اہتمام کے ساتھ صرف تلاوت قرآن کرنے اور قرآن کو زبانی یاد کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا گیا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی کتابت کا بھی اللہ تعالیٰ نے انتظام کروایا پس یہ دونوں صورتیں حفاظت کے حوالہ سے ایک دوسرے کو تقویت بخشتی ہیں۔ جب ایک صورت میں غلطی کا اندیشہ ہوتا ہے تو دوسری صورت اس کی تصحیح کردیتی ہے۔ اسی وجہ سے جب بھی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس صحابہ کرام کو حفظ کروانے رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلوا کر وہ وحی لکھوا بھی دیا کرتے تھے۔[رحاب فی القرآن الکریم للدکتور محمد محمد سالم محیسن رحمہ اللہ]

امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اس کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے خاص کردیتا ہے۔ اس نے ایسے ثقہ ائمہ کو اس کام پر مامور کیا، جنہوں نے اس کی تصحیح کی انتہاء کے حصول کی خاطر اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردیں۔ انہوں نے قرآن مجید کو حرف بحرف

آپ ﷺ سے نقل کیا۔ ان لوگوں نے نہ تو کسی حذف و اثبات اور حرکت و سکون کو چھوڑا اور نہ ہی انہیں کسی شک وشبہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے بعض نے مکمل بعض نے اکثر اور متعدد نے قرآن کا بعض حصہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی یاد کرلیا تھا۔'' [النشر فی القراءات العشر :۱/ ۶]

قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر نے آپ ﷺ کے دور میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ ان میں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح انصار میں سے ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابودرداء اور ابوزید رضی اللہ عنہم حافظ قرآن تھے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ کے دور میں کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور اس کے بعد بھی اصاغر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے امام حسین رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، ابن ابزیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کے نام کتب تاریخ میں درج ہیں۔

حفظ قرآن صرف مرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاصہ نہ تھا، بلکہ اس میدان میں صحابیات رضی اللہ عنہن بھی پیچھے نہ تھیں، چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، اُم المؤمنین حضرت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، اُم المؤمنین حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ہمشیرہ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا بہت قابل ذکر ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حالات نے گھمبیر شکل اختیار کرلی۔ مرتدین سے لڑائیاں عروج پر تھیں، جس کے سبب قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بکثرت شہید ہونے لگے۔ قراء کی بکثرت شہادت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہوجائے۔ انہوں نے اس خطرہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگاہ فرمایا اور قرآن مجید کو ایک صحیفے میں جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ مصحف جمع کیا گیا اور تاحیات ان کے پاس رہا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کی وفات کے بعد یہی مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں چلا گیا۔ خلافت عثمانیہ میں جب سلطنت اِسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اطراف عالم میں پھیل گئے، تاکہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ چنانچہ ۲۴ھ کے شروع یا اواخر کی بات ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آذربائیجان کے علاقہ آرمینیہ میں ایک جنگ میں شریک ہوئے، وہاں انہیں اس وقت خطرناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، جب انہوں نے لوگوں کو قرآن کے بارہ میں اختلاف کرتے دیکھا۔ اختلاف یہ تھا کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ میری قراءت تیری قراءت سے بہتر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ معاملہ کی نزاکت کو بھانپ گئے سیدھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس اختلاف کا سدباب کیا جائے اس سے پہلے کہ یہ اختلاف یہود ونصاریٰ کے افتراق کی طرح پھیل جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ آپ نے چار صحابہ رضی اللہ عنہم، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی اور انہیں حکم دیا کہ وہ بڑے بڑے اسلامی شہروں کی تعداد کے مطابق قرآن مجید کے نسخے تیار کریں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کی تعداد

چار تھی، جیسا کہ امام حمزہ زیات رحمہ اللہ اور امام دانی رحمہ اللہ کا مؤقف ہے۔(المقنع :۱۹) بعض نے کہا پانچ تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التوفی ۸۵۲ھ) اور امام سیوطی رحمہ اللہ (التوفی ۹۱۱ھ) کا بھی یہی مؤقف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد چھ تھی۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق سات تھی، جبکہ امام جزری رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق مصاحف کی تعداد آٹھ تھی۔[کتاب المصاحف:۴۳]

بصرہ، کوفہ، شام، یمن، مکہ اور بحرین کی جانب ایک ایک مصحف روانہ کیا گیا۔ ایک مصحف مدینہ میں رکھا گیا اور ایک مصحف، جسے امام کہا جاتا ہے امام شاطبی رحمہ اللہ اپنے قصیدہ اتراب القصائد میں فرماتے ہیں کہ یمن بھی ایک نسخہ روانہ کیا گیا۔ (دیکھو رائیہ شعر:۳۷) حضرت عثمان نے اپنے لئے خاص کر رکھا تھا۔ اسی طرح طبقہ صحابہ کے بعد بے شمار تابعین عظام نے قرآن مجید اور قراءت کی تعلیم حاصل کی۔

تابعی قراء کرام رحمہم اللہ:

ہر شہر والے اپنے اپنے مصحف کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھ کر قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ ان کے بعد تابعین عظام نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا شروع کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد بکثرت ہوئے اور مختلف دیار وأمصار میں پھیل گئے۔[جمال القراء:۲/۴۲۵، النشر:۱/۸]

مدینہ کے معروف قراء تابعین

سعید بن مسیب رحمہ اللہ (التوفی بعد از ۹۰ھ)

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (التوفی ۹۴ھ)

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ (التوفی ۱۰۶ھ)

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ (التوفی ۱۲۴ھ)

عبدالرحمن بن ہرمز المعروف اعرج رحمہ اللہ (التوفی ۱۱۷ھ)

مکہ کے معروف قراء تابعین

عبداللہ بن عمیر اللیثی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۳ھ)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۴ھ)

طاؤس رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۶ھ)

ابن عباس کے غلام عکرمہ رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۵ھ)

عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷ھ)

کوفہ کے معروف قراء تابعین

علقمہ بن قیس رحمہ اللہ (المتوفی بعد از ۷۰ھ)

اسود بن یزید رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵ھ)

مسروق بن اجدع رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳ھ)

عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲ھ)

عمر بن شرحبیل رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳ھ)

بصرہ کے معروف قراء تابعین

عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ (المتوفی ۹۳ھ)

ابوالعالیہ الریاحی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۳ھ)

ابورجاء العطاردی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۵ھ)

نصر بن عاصم اللیثی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۰ھ)

یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ (المتوفی قبل از ۹۰ھ)

شام کے معروف قراء تابعین

مغیرہ بن ابوشہاب المخزومی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱ھ) خلید بن سعد رحمہ اللہ

تبع تابعین میں سے قراء کرام رحمہم اللہ

ابوعبید قاسم بن سلام ﷫ مذکورہ لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ان کے جانشین حامل قرآن لوگوں میں ان جیسی ہمت اور طاقت نہ تھی۔ انہوں نے صرف قراءات کو اپنا مرکز ومحور بنا کر تمام تر توجہ قراءات میں صرف کی۔ لوگ ان سے قراءات نقل کرنے لگے، حتیٰ کہ وہ اس فن کے امام ومقتدا بن گئے۔

مدینہ میں درج ذیل حضرات ائمہ قراءات تھے:

ابوجعفر یزید بن قعقاع ﷫(المتوفی ۱۳۰)

شیبہ بن نصاح ﷫(المتوفی ۱۳۰ یا ۱۶۰ھ)

نافع بن ابی نعیم ﷫(المتوفی ۱۶۰ھ یا ۱۷۰ھ)

مکہ مکرمہ میں درج ذیل حضرات ائمہ قراءات تھے:

عبداللہ بن کثیر مکی ﷫(المتوفی ۱۳۰ھ)

حمید بن قیس الاعرج ﷫(المتوفی ۱۲۰ھ)

محمد بن محیصن ﷫(المتوفی ۱۲۳ھ)

کوفہ میں درج ذیل حضرات ائمہ قراءات تھے:

یحییٰ بن وثاب ﷫(المتوفی ۱۰۳ھ)

عاصم بن ابی النجود ﷫(المتوفی ۱۲۷ھ)

سلیمان بن اعمش ﷫(المتوفی ۱۴۸ھ)

حمزہ بن حبیب ﷫(المتوفی ۱۵۶ھ)

علی کسائی ﷫(المتوفی ۱۸۹ھ)

خلف بن ھشام البزار ﷫(المتوفی ۲۲۹ھ)

بصرہ میں درج ذیل حضرات پر قراءات کی بنیاد منتہی ہوئی:

عبداللہ بن ابواسحاق حضرمی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷ھ)
عیسیٰ بن عمر ثقفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۹ھ)
ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ (المتوفی ۱۵۴ھ)
عاصم جحدری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰ھ)
یعقوب حضرمی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۵ھ)
یحییٰ البزیدی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۲ھ)

شام میں درج ذیل حضرات پر قراءات کی بنیاد منتہی ہوئی:

عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۸ھ)
عطیہ بن قیس الکلابی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۱ھ)
یحییٰ بن حارث ذماری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۵ھ)
شریح بن یزید الحضرمی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۳ھ)'' [جمال القراء:۲/۴۲۸ نقلا عن کتاب القراءات لابی عبید]

صحابہ کرام، تابعین عظام اور حضرات تبع تابعین میں سے بعض دیگر شیوخ قراءات کا تذکرہ

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ ان معلّمین قراءات کے مبارک ناموں میں کچھ نئے نام بھی لائے ہیں۔ وہ اپنی کتاب، کتاب القراءات میں قراء صحابہ وتابعین کے نام ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابوموسیٰ، حضرت

سالم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہم، اُمہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت اُم سلمہ، حضرت اُم حبیبہ، دیگر صحابیات میں حضرت اُم ورقہ، حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہن اور انصار میں سے حضرت ابی، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ اسی گروہ میں سے حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اور آپ کے فرزند حضرت ابوالحارث عبداللہ بن عیاش قرشی رضی اللہ عنہ، حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت واثلہ بن اسقع لیثی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اور بعض نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے قرآن پڑھا تھا اور تمام جماعت روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتی رہتی تھی۔ اس برگزیدہ جماعت نے ہر حرکت و اسکان اور حذف و اثبات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبط کیا تھا اور جس طرح پڑھا تھا اسی طرح تابعین کو پڑھا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قرآن پڑھانے والے تابعین عظام ہیں، جو اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں موجود تھے۔ ان میں سے پانچوں اسلامی مرکزوں میں حسب ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قراءات کے معلم تھے۔

مدینہ طیبہ میں حضرت امام زین العابدین، سیدالتابعین حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت عطاء بن یسار، حضرت معاذ بن الحارث بمعاذ قاری، حضرت امام محمد باقر، حضرت عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، حضرت محمد بن شہاب الزہری، حضرت مسلم بن جندب ہذلی، حضرت زید بن اسلم، حضرت یزید بن رومان، حضرت صالح بن خوات، حضرت عکرمہ بربری مولی حضرت ابن عباس، حضرت امام جعفر صادق رحمہم اللہ وغیرہ۔

مکہ معظمہ میں حضرت عبید بن عمیر، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت طاؤس،

حضرت مجاہد بن جبیر، حضرت عکرمہ بن خالد، حضرت ابن ابی ملیکہ، حضرت درباس رحمہم اللہ مولی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

کوفہ میں حضرت علقمہ بن قیس، حضرت اسود بن یزید، حضرت عبیدہ بن عمرو، حضرت عمرو بن شرحبیل، حضرت مسروق بن اجدع، حضرت عاصم بن ضمرہ سلولی، حضرت زید بن وہب، حضرت حارث بن قیس، حضرت حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی، حضرت ربیع بن خثیم، حضرت عمرو بن میمون، حضرت ابوعبدالرحمن سلمی، حضرت زر بن حبیش، حضرت سعد بن الیاس، حضرت عبید بن نضیلہ، حضرت ابوزرعہ بن عمرو بن جریر، حضرت سعید جبیر والبی، حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس، حصرت عامر شعبی، حضرت حمران بن اعین، حضرت ابواسحق سبیعی، حضرت طلحہ بن مصرف، حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت منصور بن معتمر بن مقسم ضبی ضریر، حضرت زائدہ بن قدامہ، حضرت منہال بن عمرو اسدی رحمہم اللہ وغیرہ۔

بصرہ میں حضرت عامر بن عبدقیس، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ابوالرجاء، حضرت نصر ابن عاصم، حضرت قتادہ، حضرت ابوالاسود دولی، حضرت عطان بن عبداللہ رقاشی رحمہم اللہ وغیرہ۔

دمشق میں حضرت مغیرہ بن ابی شہاب رحمہ اللہ اور حضرت خلید بن سعد رحمہ اللہ وغیرہ۔

ان میں سے بعض نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست اور بعض نے تابعین کے واسطہ سے قرآن پڑھا تھا اور ہر حرف کو ضبط کیا تھا پھر بعض نے اپنا تمام وقت اور بعض نے اکثر اور بعض نے ایک حصہ خدمت قرآن کے لئے وقف کر رکھا تھا۔'' [کتاب القراءات لابی عبید]

صاحب اختیار ائمہ قراءات:

علامہ جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں:

’’پھر ان مذکورین کے بعد بکثرت قراء کرام پیدا ہوئے جو مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل گئے، پھر ان کے جانشین نسل درنسل چلتے رہے، جن کے طبقات کو جانا گیا تو ان کی صفات مختلف ٹھہریں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو روایت ودرایت کے اعتبار سے مشہور ومتقن (پختہ) ثابت ہوئے اور کچھ متوسط درجہ کے لوگ تھے، جن میں ان پہلے حضرات کی سی صفات کا فقدان تھا، جس کی وجہ سے ان کے مابین بکثرت اختلاف رونما ہوا ضبط ومہارت میں کمی واقع ہوئی۔ قریب تھا کہ حق و باطل خلط ملط ہوجائیں تو علماء کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی، جنہوں نے زبردست کوشش کرکے حق کو واضح کیا۔ انہوں نے نہ صرف حروف وقراءات کو جمع کیا، بلکہ وجوہ وروایات (جن پر قراءات کا مدار تھا) کی نسبتوں کی بھی وضاحت فرمائی۔ انہوں نے ایسے اصول وارکان وضع کئے جن کی بنا پر انہوں نے صحیح، مشہور اور شاذ روایات کو الگ الگ کردیا۔‘‘ [النشر: ۱/ ۹]

انہیں تابعین اور تبع تابعین میں سے وہ حضرات ہیں، جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر اپنے آپ کو خدمت قرآن کے لئے وقف کردیا۔ حصول قراءات اور ان کے ضبط و حفظ میں انتہائی جدوجہد کی حتیٰ کہ مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے۔ ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور بعض نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے اور بعض نے صرف تابعین رحمہم اللہ سے اور بعض نے تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے قرآن پڑھا۔ ان ائمہ میں سے ہر ایک نے اپنے اساتذہ کی تعلیم کردہ وجوہ قراءات میں سے عربیت میں اقویٰ اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لئے جدا جدا قراءات اختیار کرلیں اور عمر بھر انہی کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ تمام مفسرین ومحدثین اور جملہ فقہاء ومجتہدین ان کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے اور مذکورہ بالا اسلامی مرکزوں میں سے کوئی شخص ان کے ایک حرف کا بھی انکار نہیں کرتا تھا بلکہ دوسری صدی سے دنیائے اسلام میں وہی پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین علاقوں سے اور ہر شہر وقصبہ سے طلباء

سفر کر کے ان سے پڑھنے آتے تھے اور ان قراءتوں کو ان کے نام سے منسوب کرتے تھے جو آج تک انہی کے نام سے معنون چلی آتی ہیں۔ ان صاحب اختیار حضرات میں سے مختلف علاقوں میں درج ذیل اشخاص نمایاں ہوکر سامنے آئے:

مدینہ منورہ میں امام ابوجعفر یزید بن القعقاع قاری رحمہ اللہ، امام شیبہ بن النصاح قاضی رحمہ اللہ اور ان کے بعد امام نافع بن عبدالرحمن رحمہ اللہ تھے۔

مکہ معظمہ میں امام عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ، امام حمید بن قیس الاعرج رحمہ اللہ اور امام محمد بن عبدالرحمن بن محیصن سہمی رحمہ اللہ نمایاں شخصیتیں تھیں۔

کوفہ میں امام یحییٰ بن وثاب اسدی رحمہ اللہ، امام عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ، امام سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ اور ان کے بعد امام حمزہ بن حبیب الزیات رحمہ اللہ، پھر امام ابوالحسن علی الکسائی رحمہ اللہ، پھر امام خلف بن ہشام رحمہ اللہ نمایاں تھے۔

بصرہ میں امام عبداللہ بن ابی اسحق حضرمی رحمہ اللہ، امام عیسیٰ بن عمرو ہمدانی ضریر رحمہ اللہ، امام ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ اور ان کے بعد امام عاصم بن حجاج حجدری رحمہ اللہ تھے اور پھر امام یعقوب بن اسحق حضرمی رحمہ اللہ تھے۔

دمشق میں امام عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ، امام عطیہ بن قیس کلابی رحمہ اللہ، امام اسماعیل بن عبداللہ بن مہاجر رحمہ اللہ اور ان کے بعد امام یحییٰ بن حارث ذماری رحمہ اللہ اور امام شریح بن زید حضرمی رحمہ اللہ مشہور صاحب اختیار ائمہ تھے۔

اختیار قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں جاری رہا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے صاحب اختیار ائمہ پیدا ہوئے۔ امام ابومحمد مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''کتابوں میں ان ستر صاحب اختیار ائمہ کی قراءات مذکور ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے۔'' اس سے قیاس کریں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان سے کم اور کم تر کتنے ائمہ ہوں گے۔ ائمہ کے تلامذہ اور رواۃ ان گنت تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کی جانشین

ایک قوم بنی جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی مصنف کی یہ طاقت ہے کہ ان کا پورا شمار کر سکے۔‘‘ [النشر :۱/ ۴۷]

کیا علم قراءت خبر واحد کے قبیل سے ہے؟

اعتراض: بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ علم قراءت خبر واحد کے قبیل سے ہے لہٰذا اس میں تواتر نہیں ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں ہم محقق فن علامہ جزری رحمہ اللہ کے اس جواب پر ہی اکتفا کریں گے جو انہوں اس ضمن میں تفصیلا اپنی کتاب منجد المقرئین ومرشد الطالبین میں پیش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کو میں نے اپنے شیخ شمس الدین محمد بن احمد خطیب بیرود شافعی رحمہ اللہ جو اپنے زمانہ کے یگانۂ روزگار امام تھے، کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا:

’’اعتراض کرنے والے حضرات نے قراءات کی تخریج کو احادیث کی تخریج کی طرح سمجھ لیا اور یہ خیال کرلیا کہ جس طرح احادیث میں جب کسی حدیث کا مدار ایک ناقل پر ہو، تو اس کو خبر واحد کہتے ہیں اور ان کے خیال کے مطابق اسی طرح قراءات میں بھی جب کسی قراءت وروایت کی نسبت ایک ہی امام کی طرف ہو تو اس کو بھی خبر واحد ہی کہیں گے، نا کہ متواتر! اور ان حضرات پر یہ بات مخفی رہی کہ خاص اُس ایک امام کی طرف قراءات وروایت کی نسبت فقط اصطلاح وعرف کی بناء پر ہے، ورنہ ہر زمانہ میں پورے شہر والے اس قراءات وروایت کو پڑھتے پڑھاتے تھے، جس کو انہوں نے جماعت در جماعت پہلے لوگوں سے حاصل کیا تھا اور اگر اس قراءت وروایت کا ناقل ایک ہی شخص ہوتا اور دوسرے اہل شہر میں اس کا چرچا وشہرہ اور رواج نہ ہوتا تو اس پر کوئی بھی اس ایک امام کی موافقت نہ کرتا۔ سب کے سب اس قراءت وروایت سے بچتے اور دوسرے کو بھی اس سے بچنے کا حکم کر دیتے، حالانکہ ایسا نہیں۔‘‘

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں شیخ نے سچ فرمایا، چنانچہ مندرجہ ذیل اقوال واِرشادات اس کی صداقت کی واضح دلیل ہیں:

① ابن مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے قنبل رحمہ اللہ نے بتایا کہ ۲۳۷ھ میں مجھے میرے شیخ قواس رحمہ اللہ نے فرمایا:

''تم جا کر بزی رحمہ اللہ سے ملو اور ان سے کہو کہ یہ حرف یعنی وما ھو بمیت (مخفف) ہماری قراء ت میں سے نہیں ہے اور روایت کی رو سے میّت کا وہی لفظ تخفیفِ یاء سے پڑھا جاتا ہے، جو مصداق کی رُو سے مر چکا ہو اور جو ابھی مرا نہ ہو وہ مشدد ہی ہے۔ پس میں سیدنا بزی رحمہ اللہ سے ملا اور انہیں اس بات کی خبر دی تو انہوں نے فرمایا: قد رجعت عنه یعنی میں نے اس سے رجوع کر لیا۔''

② محمد بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ سے ملا اور ان سے کہا:

''آپ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ کو کس طرح پڑھتے ہیں؟ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ کسرہ سے۔ اس شخص نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو (وَلَا يُعَذَّبُ وَلَا يُوْثَقُ) فتحہ سے پڑھتے تھے، پھر آپ کسرہ کیوں پڑھتے ہیں؟ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''لو سمعت الرجل الذی قال سمعت النبی ﷺ ما أخذته عنه ودری ما ذاك لأنی أتهم الواحد الشاذ إذا كان علی خلاف ما جاء ت به العامة''

''یعنی میں اگر خود بھی کسی سے کوئی ایسی قراء ت سن لوں جس کو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سنا ہو اور وہ قراء ت عام ومتواتر قراء ت کے خلاف ہو۔ تب بھی اس شخص سے اس قراء ت کو اخذ نہیں کروں گا کیونکہ

میں کسی واحد شاذ روایت کو متہم جانتا ہوں جب کہ وہ اکثر ناقلین کی روایت کے خلاف ہو۔‘‘

شیخ ابوالحسن سخاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

’’فتحہ والی قراءت بھی تواتر سے ثابت ہے۔‘‘

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’میں کہتا ہوں کہ سچ فرمایا کیونکہ یہ امام کسائی رحمہ اللہ اور امام یعقوب رحمہ اللہ کی بھی قراءت ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک روایت ایک قوم کے یہاں تو متواتر ہوتی ہے اور دوسری جماعت کی رائے پر غیر متواتر اور امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ نے فتحہ والی قراءت کا انکار اسی بنا پر کیا ہے کہ وہ آپ کو تواتر کے طریق پر نہیں پہنچی تھی۔‘‘

علامہ جزری رحمہ اللہ مزید فرماتے کہ ’’میں کہتا ہوں کہ متقدمین حضرات کی یہی عادت تھی کہ جو قراءت ان کے یہاں بطریق تواتر ثابت نہیں ہوتی تھی اس کا انکار فرما دیتے تھے اور خاص خاص قراء و رواۃ کی طرف منسوب ہونے کے باوجود قراءات و روایات متواتر اس بنا پر ہیں کہ ان قراء کی تعیین و تخصیص لازم نہیں، بلکہ اگر ان کے بجائے دوسرے قراء معین و مخصوص کر لئے جائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں اور خاص ان قراء کی تعیین کا سبب یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے یہ حضرات قراءات کے پڑھنے پڑھانے کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے یا یہ کہ یہ حضرات تعیین و انتخاب کا کام سرانجام دینے والے لوگوں کے مشائخ و اساتذہ ہیں۔ اسی بناء پر انہوں نے اپنے اساتذہ ہی کو خاص کر لیا، یہی وجہ ہے کہ اسلاف و متقدمین میں سے کئی حضرات نے قراءت و روایت کے خاص ایک امام کی طرف منسوب کرنے کو مکروہ جانا ہے، چنانچہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ متقدمین ’فلاں کی سند‘، ’فلاں کی قراءت‘ کہنے کو ناپسند سمجھتے تھے۔‘‘

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’میں کہتا ہوں کہ یہ اسی بات سے اندیشہ کرنے کی بنا پر تھا کہ ابوشامہ رحمہ اللہ کی طرح کوئی شخص یہ وہم نہ کر لے کہ قراءت جب ایک خاص شخص کی طرف منسوب ہو تو ’آحاد‘ کے قبیل سے ہوتی ہے اور یہ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ ان قراء میں سے ہر ہر قاری کی طرف جو جو قراءت منسوب ہے۔ اس کی تلاوت کرنے والے ہمارے اس زمانہ کی بہ نسبت خود اس قاری کے اور اسی طرح اس سے پہلے کے زمانہ میں کئی گنا زیادہ تھے۔ اگر ہر ہر قراءت متواتر نہ ہو تو لازم آئے گا کہ قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر ہو۔ اس لئے کہ ہم قرآن مجید میں بہت سے حروف وکلمات ایسے پاتے ہیں کہ ان میں قراء کا اختلاف ہے، اس طرح کہ ان قراء کرام میں سے ہر ایک کی قراءت دوسرے قاری کی قراءت سے مختلف اور جدا ہے، مثلاً أَرْجِهْ (شعبہ بالخلف ،حفص،حمزہ)، أَرْجِهِ (ورش، کسائی، خلف، ابن جماز ،ابن وردان بالخلف)، أَرْجِهِ (قالون، ابن وردان کی وجہ ثانی)، أَرْجِئْهُ (مکی ، ہشام بالخلاف)، أَرْجِئْهُ (ابوعمرو، یعقوب، ہشام اور شعبہ دونوں کی وجہ ثانی) أَرْجِئْهِ (ابن ذکوان)۔ اسی طرح مٰلِكِ (عاصم کسائی، خلف، یعقوب)، مَلِكِ (نافع ،ابوجعفر، مکی، ابوعمرو، شامی، حمزہ) اور وَمَا يَخْدَعُونَ (نافع، ابن کثیر، ابوعمرو)، وَمَا يَخْدَعُونَ (شامی، عاصم، حمزہ، خلف، ابوجعفر، یعقوب) وغیرہ وغیرہ۔

پس مندرجہ بالا قول کی رُو سے ان میں سے کوئی قراءت بھی متواتر نہیں اور اس کی خرابی ظاہر ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ غیر متواتر ہو، اس لئے کہ دو یا تین سے تواتر ثابت نہیں ہوتا اور یہ صحیح نہیں۔‘‘

چنانچہ امام جعبری رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

’’اس کلمہ کی اختلافی وجوہ میں سے ہر ہر وجہ اسی طرح متواتر ہے، مگر یہ وجوہ اس کلمہ کے اجزاء میں سے بعض ہیں نہ کہ کل، کیونکہ کل تو پورا کلمہ ہے نہ کہ محض یہ وجوہ۔‘‘

امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پس اس سے اس شخص کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا جو یہ کہتا ہے کہ اختلافی کلمات تو متواتر ہیں لیکن اس کی اختلافی وجوہ متواتر نہیں، اور اس قول کے فساد کی وجہ یہ ہے کہ اختلافی کلمہ انہی اختلافی وجوہ کے مجموعہ کا نام ہے، ان سے الگ اور مستقل کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا جب آپ الصراط پڑھتے ہیں تو اس کا تلفظ صاد یا سین یا اشمام بالزای یا ان تین میں سے کسی ایک وجہ کے مطابق کرتے ہیں، ان سے الگ اور جدا اس کلمہ کا کوئی اور مزید تلفظ نہیں کر سکتے۔ پس ان وجوہ کے عدم تواتر سے خود اس کلمہ کا عدم تواتر لازم آئے گا، جو باطل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جعبری رحمہ اللہ کا مقصود ابوشامہ رحمہ اللہ کے قول کا رد ہے۔ واللہ اعلم''

③ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام مالک رحمہ اللہ سے تو یہ روایت بیان کی ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزو نہیں، لیکن ان کا مذہب اس کے برعکس یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن بلکہ ہر ہر سورت کا جزو ہے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ اہل مکہ میں سے ہیں، جو دو سورتوں کے درمیان بسملہ کو ثابت رکھتے ہیں اور اسے فاتحہ کی اور اسی طرح ہر ہر سورت کی ایک مستقل آیت شمار کرتے ہیں، نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اسماعیل قسط رحمہ اللہ سے قراءت ابن کثیر رحمہ اللہ پڑھی ہے، پس شافعی رحمہ اللہ نے عدم بسملہ والی اُس روایت پر تو اعتماد نہیں کیا، جو امام مالک رحمہ اللہ سے ہے، اس لئے کہ وہ آحاد میں سے ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت پر اعتماد کرلیا، کیونکہ وہ متواتر ہے۔ یہ ایک لطیف اور انتہائی دقیق بات ہے جو قابل غور ہے اور میں اپنے اصحاب کی کتب میں یہ لکھا ہوا دیکھتا تھا کہ شافعی رحمہ اللہ نے عدم بسملہ والی حدیث امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، لیکن اس پر اعتماد نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس بارہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے کوئی علت وسبب ظاہر ہوا ہوگا، ورنہ بلاوجہ وہ اس حدیث کی اتباع کو ترک نہ کرتے۔''

علامہ جزری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

’’ہمارے اصحاب میں سے کسی نے بھی اس کی وجہ بیان نہیں کی اور میں ایک رات اس میں غور وفکر کررہا تھا کہ اچانک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈالی کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت آحاد میں سے ہے اور قراءت ابن کثیر متواتر ہے، شائد اسی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ نے آحاد کو چھوڑ کر متواتر پر عمل کرلیا، واللہ اعلم

اسی طرح مزید ذکر فرماتے ہیں کہ میں نے قراءت ابن کثیر رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت سے بھی پڑھی ہے، جو بعینہٖ سیدنا بزی رحمہ اللہ اور سیدنا قنبل رحمہ اللہ کی روایت کی طرح ہے، اور جب شافعیہ کے اکابر ائمہ میں سے ہمارے بعض اصحاب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مجھ سے قراءات ابن کثیر بروایت امام شافعی رحمہ اللہ پڑھنے کے خیال کا اظہار فرمایا۔ پس اس تفصیل سے بھی اس بات کی تائید ہوگئی کہ ہر شہر والوں کی قراءت ان کے اعتبار سے متواتر ہے۔‘‘

④ امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

’’بصرہ میں سب سے پہلے جس نے قراءت کی وجوہ کو تلاش کیا اور انہیں ایک تالیف میں جمع کردیا اور شاذ ومشہور اور متواتر قراءتوں کی تحقیق کی، وہ ہارون بن موسیٰ اعور رحمہ اللہ ہیں جو قراء میں سے تھے۔ پس لوگوں نے ان کے اس عمل کو ناپسند کیا اور یہ کہا کہ انہوں نے قراءتوں کو ایک تالیف میں جمع کرکے نامناسب کام کیا ہے، جس سے فن قراءت کی اہمیت وعظمت ختم ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ قراءات کی شان تو یہ ہے کہ انہیں ہر قرن وزمانہ والے جماعت در جماعت بالمشافہ ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں۔‘‘

اس قول سے بھی قراءات کے متواتر ہونے کی مزید تائید ہوجاتی ہے۔

⑤ حافظ علامہ ابوسعید خلیل کیکلائی علائی رحمہ اللہ اپنی کتاب المجموع المذھب میں فرماتے ہیں:

’’شیخ شہاب الدین ابوشامہ رحمہ اللہ نے کتاب المرشد الوجیز وغیرہ میں ایسا کلام

فرمایا ہے جس سے قراءات سبعہ اور ان کے علاوہ دوسری اختلافی قراءات میں فرق معلوم ہوتا ہے اور ابوشامہ رحمہ اللہ کے سوا دوسرے قراء متقدمین کے کلام سے یہ وہم ہوتا ہے کہ قراءات سبعہ کی وجوہ متواتر نہیں بلکہ ان میں سے اکثر وجوہ صرف ایسی ہیں کہ ان میں صحت سند، اتباع رسم، موافقت عربیت ولغت فصیحہ یہ تینوں رکن موجود ہیں اور ان میں فقط استفاضہ وشہرت کافی ہے تواتر کی شرط کی ضرورت نہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ ان لوگوں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ قراءات عشرہ کی بھی وجوہ متواتر ہیں اور ان لوگوں کو یہ شبہ اس سے ہوگیا کہ قراءات سبعہ کی سندیں صرف مشہور ومعروف قراء وروات ورجال میں منحصر ہیں جو متواتر کی حد تک نہیں پہنچتے اس بنا پر انہوں نے یہ خیال کرلیا کہ یہ قراء تیں اخبار آحاد کے قبیل سے ہیں۔''

⑥ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ امام الائمہ ابوالمعالی رحمہ اللہ سے اس بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''ان سندوں کے خاص ایک جماعت میں منحصر ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قراء تیں ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ثابت ومنقول ہی نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ قراء تیں ہر زمانہ اور ہر شہر میں اور ہمیشہ سے جماعت در جماعت اور طبقہ در طبقہ متواتر چلی آرہی ہیں اور خاص ان حضرات کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اختلافی وجوہ کے ضبط ونشر کی اور اپنے شیوخ سند کے حفظ وضبط کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے، دیکھو حجۃ الوداع وغیرہ کے بارہ میں جو اخبار واحادیث وارد ومنقول ہیں وہ نہایت واضح مگر آحاد کے قبیل سے ہیں اس کے باوجود حجۃ الوداع وغیرہ کا واقعہ متواترہ ہے کہ اسے ہر زمانہ اور ہر شہر میں ایک طبقہ اور ایک بہت بڑی جماعت دوسرے طبقہ اور جماعت سے نقل کرتی چلی آئی ہے پس قراءات کا حال بھی یہی ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر تنبیہ کرنا نہایت ضروری ومناسب ہے۔'' [کلّه ماخوذ من منجد المقرئین ومرشد الطالبین للامام

المحقق محمد ابن الجزری رحمہ اللہ]

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم ذیل میں آئمہ عشرہ کے ہزاروں تلامذہ میں سے معروف دو دو تلامذہ کا ذکر کردیں اور پھر ہر راوی کے مزید آگے چند معروف شاگردوں کا تذکرہ کردیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ قراء کے ہاں موجود قراءات عشرہ صغری یا عشرہ کبری سے مراد کون کون سے طرق ہیں، جو عملاً درسگاہوں میں بطور تعلیم وتعلم جاری ہیں۔

صاحب اختیار ائمہ قراءات عشرہ کے دو دو شاگرد، جو زیادہ معروف ہوئے، اصطلاح قراء میں راوی کہلاتے ہیں اور پھر راویوں سے مثلاً علامہ جزری رحمہ اللہ تک جن واسطوں سے قراءات پہنچیں، ان کو طرق' کہتے ہیں۔

آئمہ عشرہ، ان کے مشہور رواۃ اور طرق کا تعارف

نوٹ: طرق میں پہلے چوکور نمبر سے مراد استاذ اور گول نمبر سے مراد ان کے شاگرد ہیں:

نمبر شمار	امام	راوی	طریق
①	امام نافع مدنی رحمہ اللہ [۷۰ھ۔۱۶۹ھ]	① سیدنا قالون رحمہ اللہ [۱۲۰ھ۔۲۰۰ھ] ② سیدنا ورش رحمہ اللہ [۱۰۰ھ۔۱۹۷ھ]	[۱] ابونشیط ① ابن بویان ② قزاز [۲] حلوانی ① ابن ابی مہران ② جعفر بن محمد [۱] ازرق ① نحاس ② ابن سیف [۲] اصبہانی ① ابن جعفر ② مطوعی
②	امام ابن کثیر رحمہ اللہ [۴۵ھ۔۱۲۰ھ]	① سیدنا بزی [۱۷۰ھ۔۲۵۰ھ] ② سیدنا قنبل [۱۹۵ھ۔۲۹۱ھ]	[۱] ابوربیعہ ① نقاش ② ابن بنان [۲] ابن حباب ① ابن صالح ② ابن عمر [۱] ابن مجاہد ① ابواحمد سامری ② صالح [۲] ابن شنبوذ ① ابوالفرج ② شطوی

③	امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ [۷۰ھ۔۱۵۴ھ]	① دوری بصری [۱۵۰ھ۔۲۴۶ھ] ② سیدنا سوسی [۱۷۳ھ۔۲۶۱ھ]	[۱] ابوالزعراء ① ابن مجاہد ② معدل [۲] ابن فرح ① ابن ابی بلال ② مطوعی [۱] ابن جریر ① عبداللہ بن حسین ② ابن حبش [۲] ابن جمہور ① شنذائی ② شنبوذی
④	امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ [۸ھ۔۱۱۸ھ]	① سیدنا ہشام [۱۵۳ھ۔۲۴۶ھ] ② ابن ذکوان [۲۴۲ھ]	[۱] حلوانی ① ابن عبدان ② جمال [۲] داجونی ① زید بن علی ② شنذائی [۱] اخفش ① نقاش ② ابن اخرم [۲] صوری ① رملی ② مطوعی
⑤	امام عاصم کوفی رحمہ اللہ [۱۲۷ھ]	① سیدنا شعبہ [۹۵ھ۔۱۹۳ھ] ② سیدنا حفص [۹۰ھ۔۱۸۰ھ]	[۱] یحییٰ بن آدم ① شعیب ② ابوحمدون [۲] علیمی ① ابن خلیع ② رزاز [۱] عبید ① ہاشمی ② ابن ابوہاشم [۲] عمرو بن صباح ① فیل ② زرعان
⑥	امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ [۸۵ھ۔۱۵۶ھ]	① سیدنا خلف [۲۲۹ھ] ② سیدنا خلاد [۲۲۰ھ]	[۱] حداد ① ابن عثمان ② ابن مقسم ① ابن صالح ② مطوعی ① ابن شاذان ② ابن الہیثم ③ وزان ④ طلحی
⑦	امام کسائی کوفی رحمہ اللہ [۱۱۹ھ۔۱۸۹ھ]	① ابوالحارث [۲۴۰ھ] ② دوری کسائی [۲۴۶ھ]	[۱] محمد بن یحییٰ ① بطی ② قنطری [۲] سلمہ بن عاصم ① ثعلب ② ابن فرج [۱] نصیبینی ① ابن جلندا ② ابن دیزویہ [۲] ابوعثمان ① ابن ابی ہاشم ② شنذائی

⑧	امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ [۱۳۰ھ]	① ابن وردان [۱۶۰ھ] ② ابن جماز [۱۷۰ھ]	[۱] شاذان ① ابن شبیب ② ابن ہارون [۲] ھبۃ اللہ ① حنبلی ② حمامی [۱] ابوایوب ہاشمی ① رزین ② ازرق جمال [۲] دوری ① ابن نفاخ ② ابن نھشل
⑨	امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ [۱۱۷ھ۔۲۰۵ھ]	① سیدنا رویس [۲۳۸ھ] ② سیدنا روح [۲۳۴ھ]	① ابوالطیب ② نخاس ③ ابن مقسم ④ جوہری [۱] ابن وہب ① معدل ② حمزہ بن علی [۲] زبیری ① غلام بن شنبوذ ② ابن حبشان
⑩	امام خلف العاشر رحمہ اللہ [۱۵۰ھ۔۲۲۹ھ]	① سیدنا اسحٰق [۲۸۶ھ] ② سیدنا ادریس [۱۸۹ھ۔۲۹۶ھ]	① محمد بن اسحٰق ② برصاطی ③ سوسنجردی ④ ابن شاذان ① شطی ② مطوعی ③ ابن بویان ④ قطیعی

قراءت، روایت اور طریق:

اگر کسی قراءت کے تمام راوی اس پر متفق ہیں تو یہ قراءت کہلاتی ہے اور اگر کسی قراءت کے رواۃ میں اختلاف ہے مگر روایت کے طرق متحد ہیں تو یہ روایت کہلاتی ہے اور اگر راوی کے شاگردوں میں اختلاف ہے خواہ کسی طبقہ میں ہو تو یہ طریق کہلاتا ہے۔

مثلاً امام عاصم رحمہ اللہ سے جب ان کے دونوں شاگرد سیدنا حفص رحمہ اللہ اور سیدنا شعبہ رحمہ اللہ ان کی کسی اختیار کردہ قراءت پر متفق ہوں تو وہ 'قراءت' کہلاتی ہے اور اگر ان کی کسی اور اختیار کردہ قراءت کو نقل کرنے میں ان کے شاگردوں کا اختلاف ہو، مثلاً سیدنا

حفص رحمہ اللہ اس کو روایت کرتے ہوں اور سیدنا شعبہ رحمہ اللہ روایت نہ کرتے ہوں، تو یہ امام عاصم رحمہ اللہ کی سیدنا حفص رحمہ اللہ سے 'روایت' کہلائے گی۔ اسی طرح امام شعبہ رحمہ اللہ امام عاصم رحمہ اللہ کی کسی اختیار کردہ قراءت کو نقل کرتے ہوں، جس کو امام حفص رحمہ اللہ نقل نہ کرتے ہوں، تو وہ امام عاصم رحمہ اللہ کی امام شعبہ رحمہ اللہ سے روایت کہلائے گی۔ پھر مثلاً امام حفص رحمہ اللہ کی روایت بھی اس وقت کہلائے گی، جب امام حفص رحمہ اللہ کے تمام شاگرد اس کو نقل کرنے میں متفق ہوں۔ اگر ان کے شاگرد ان سے کوئی اور قراءت نقل کرنے میں مختلف ہوں، جیسے سیدنا عبید رحمہ اللہ ایک طرح سے پڑھتے ہوں اور دیگر شاگرد دوسرے طریقے سے پڑھتے ہوں، تو ان میں سے ہر ایک کی نقل کردہ روایت کو اصطلاح قراء میں 'طریق' کہتے ہیں۔

الاسناد فی کتب التجوید والقراءات

شیخ محمد ادریس العاصم
رئیس العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

تمام کتبِ سماویہ میں قرآن مجید کی عظمت وعزت عیاں اور نمایاں ہے۔ اپنی اصل شکل میں اس وقت اگر کوئی صحیح اور کامل آسمانی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے اسی کو عالمگیریت کا درجہ حاصل ہے۔

قرآن مجید سے پہلی کتابیں مخصوص زمانہ اور مخصوص اقوام تک محدود تھیں، ان کتب کی حفاظت کا نہ تو خالق کائنات نے ذمہ اٹھایا اور نہ ہی ان کے محفوظ رہنے کا کوئی اعلان کیا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت کا ذِمہ بھی لیا اور ساتھ ہی اعلان بھی کر دیا۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"۔ (الحجر:۹)

''بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس مقصد حفاظت کی تکمیل کے لیے رب العالمین نے ایک ایسا ذریعہ فرمایا جو روزِ قیامت تک جاری وساری رہے گا وہ ہے ناقلین قرآن کا سلسلہ سند۔

اللہ تعالیٰ نے قرآء کے اذہان وقلوب کو اس کام کے لیے تیار کیا۔ ہر وقت امت میں اتنے حفاظ وقرآء موجود رہے کہ جن کو احاطۂ شمار میں لانا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہر زمانہ میں ناقلین قرآن آنے والوں تک اپنے علم کو منتقل کرتے رہے حتیٰ کہ موتیوں کی طرح پروئی ہوئی راویوں کی ایک لڑی بن گئی، جس کو سند کا نام دیا جاتا ہے اور سند کا دوسرا نام 'سلسلۃ الذھب' بھی ہے۔

سند کی لغوی تعریف:

اہل لغت لفظ 'سند' کے کئی معنی بیان کرتے ہیں۔مثلاً ٹیک لگانا، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا، سہارا وغیرہ۔(مصباح اللغات:۴۰۰)

اِصطلاحی تعریف:

نبی ﷺ تک پہنچنے کا طریقہ یعنی رستہ۔(مراد ایک راوی کا اپنے سے اُوپر والے راوی سے بات نقل کرنا) اس کو سند کہتے ہیں۔

مثلاً راقم الحروف نے پاکستان میں روایت حفص اور قراء اتِ سبعہ کی سند اُستاذ الاساتذہ الشیخ المقری قاری إظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ سے حاصل کی، انہوں نے امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ سے، انہوں نے الشیخ قاری محمد عبداللہ مکی رحمہ اللہ سے (اور قاری عبدالمالک رحمہ اللہ نے قراء ات عشرہ قاری عبدالرحمن مکی الٰہ آبادی سے، انہوں نے اپنے بھائی قاری عبداللہ مکی سے حاصل کی ہے) ایک لحاظ سے وہ دونوں اُستاد بھائی اور دوسرے لحاظ سے اُستاد شاگرد ہوتے ہیں۔

قاری عبداللہ مکی صاحب نے روایت حفص کی سند حاصل کی الشیخ ابراہیم سعد بن علی المصری سے اُنہوں نے الشیخ حسن بدیر سے انہوں نے علامہ محمد بن اَحمد المتولی سے......اس سے آگے سند مشہور و معروف ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے قراء اتِ عشرہ صغریٰ و کبریٰ مدینہ یونیورسٹی سعودیہ میں اُستاذ الاساتذہ المقری القاری عبدالفتاح السید عجمی المرصفی سے حاصل کیں۔اُنہوں نے إمام القراء الشیخ عبدالعزیز الزیات سے انہوں نے الشیخ عبدالفتاح ھنیدی سے اُنہوں نے علامہ محمد المتولی سے......اس سے آگے سند مشہور و معروف ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے بخاری پڑھی شیخ الحدیث مولانا اَبوالبرکات احمد سے

انہوں نے اِمام المحدثین حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے انہوں نے امام العلماء حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ سے انہوں نے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ اسحاق رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ سے......آگے سند مشہور ہے۔

بات سمجھنے کی یہ ہے کہ میں نے جن شیوخ کا نام ذکر کیا ان میں سے ہر ایک اپنے سے مقدم راوی سے اَخذ علم کو ثابت کر رہا ہے اسی طرح کے سلسلہ روایت کو سند کہتے ہیں۔

اِمام حزم رحمہ اللہ کی تعریف سند

جس بات کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے اس طرح نقل کیا ہو کہ وہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے کہ ان میں سے ہر ایک اس کا نام ونسب بھی بتائے کہ جس نے اُسے خبر دی ہے، سب کی حالت وشخصیت اور عدالت وزمانہ اور مقام معلوم ہو۔ (الملل والنحل (مترجم): ۳۲۳)

گویا کہ دینی علوم میں سند کی بے حد اہمیت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سند اللہ رب العزت نے اپنے ہی کلام میں ذکر فرمائی ہے۔

☆ اِرشاد ربانی ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَؕ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُۙ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَۙ﴿۱۹۴﴾ [الشعراء: ۱۹۴۔۱۹۲]

''بے شک وہ (قرآن) رب العلمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے یہ (قرآن) آپ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں۔''

اَہمیت سند:

①: ناقلین قران وحدیث کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

’’ہر آنے والا اپنے سے پہلے عادل لوگوں سے یہ علم (قرآن وحدیث) نقل کرے گا وہ شخص غلو کرنے والوں، باطل لوگوں اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو محفوظ کرے گا۔ (التمہید لابن عبدالبر:۵۹)

②: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ

قال یحییٰ: "الإسناد من الدین" ’’اسناد دین میں سے ہیں‘‘ (التمہید: ۵۷)

③: امام اوزاعی رحمہ اللہ

"ما ذهاب العلم إلا بذهاب الإسناد" ’’جب اسناد ختم ہو جائیں گی تو علم بھی مٹ جائے گا‘‘ (التمہید: ۵۷)

④: امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

قال المروزي: سمعت عبدالله بن المبارك يقول:

"لو لا الإسناد لقال كل من شآء ما شآء" ’’اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ دیتا۔‘‘ [التمہید: ۵٦]

⑤: امام شعبہ رحمہ اللہ

قال يحيىٰ: سمعت شعبة يقول: "إنما يعلم صحة الحديث بصحة الإسناد"

’’امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شعبہ رحمہ اللہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یقیناً حدیث کی صحت کا علم تب ہوتا ہے جب اس کی سند صحیح ہو۔‘‘

⑥: امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ

عن ابن سيرين قال: لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت

الفتنة قالوا: سمُّوا لنا رجالكم فيُنظر إلى أهل السنّة فيُؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.

''ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلے زمانہ میں کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے سند نہ پوچھتے، پھر جب فتنہ پھیلا (یعنی گمراہی شروع ہوئی اور بدعتیں روافض اور خوارج، مرجیہ اور قدریہ کی شائع ہوئیں) تو لوگوں نے کہا اپنی اپنی سند بیان کرو دیکھیں گے اگر روایت کرنے والے اہل سنت ہیں تو ان کی روایت قبول کریں گے، اور جو بدعتی ہیں تو ان کی روایت قبول نہیں کریں گے۔'' [مقدمہ صحیح مسلم، ۱/۱۵، باب فی أن الاسناد من الدین]

⑦: امام مالک رحمہ اللہ

عن ابن أبي يونس سمعت مالكا يقول: "إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذونه"

'' ابن ابی یونس کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا: بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے پس دیکھو تم کس سے حاصل کر رہے ہو؟''

[سیر أعلام النبلاء: ۵/۳۴۳]

⑧: امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ

قال محمد بن عبدالله بن عمار قال يحيى بن سعيد: "لا تنظروا إلى الحديث، ولكن انظروا إلى الإسناد، فإن صح الإسناد وإلا فلا تغتروا بالحديث إذا لم يصح الإسناد"

''محمد بن عبداللہ بن عمار کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے کہا ہے کہ حدیث کو نہ دیکھو بلکہ اس کی اسناد کو دیکھو اگر اسناد صحیح نہ ہوں تو حدیث سے دھوکہ نہ کھاؤ (یعنی اُسے چھوڑ دو) اگر سند صحیح ہے تو حدیث کو قبول کرلو۔'' [سیر أعلام النبلاء: ۹/۱۸۸]

اَہمیت سند پر متعدد کتب میں اَقوال بکثرت ملتے ہیں۔ البتہ ہم انہی اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اَقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سند کے بغیر دین کا کوئی علم ثابت نہیں ہوتا اور صحیح سند پر دین کا دارومدار ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کے ثبوت کے لیے سند صحیح ہونا ضروری ہے۔

زیرنظر مضمون میں ہم انشاء اللہ تجوید وقراءات کی وہ مشہور کتب بیان کریں گے جن میں مصنفین نے اپنی اسناد ذکر کی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر زمانہ میں تجوید وقراءات کے ناقلین و مصنفین نے اَسناد کو بیان کیا ہے البتہ بعض نے اپنی کتابوں میں اَسناد حذف کردی ہیں اور ایسا صرف اختصار کی غرض سے کیا۔ مثلاً امام شاطبی رحمہ اللہ نے قصیدۃ الشاطبیہ میں اسناد ذکر نہیں کیں حالانکہ جس کتاب ''یعنی التیسیر فی القراءات السبع'' کو اصل قرار دیتے ہوئے امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں اسناد کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ التیسیر فی القراء ات السبع امام دانی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ہے۔

اسی طرح امام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'طیبۃ النشر فی القراءات العشر' اور 'الدرۃ المضیۃ فی القراءات الثلاث' میں اَسناد حذف کردی ہیں، البتہ اِمام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'النشر فی القراءات العشر' میں اَسناد ذکر کرنے کے ساتھ ان پر خوب بحث بھی کی ہے، جن مصنفین نے اَسناد ذکر کی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا اَنداز ہے مثلاً بعض نے اپنی اَسناد کو قراء عشرہ تک اور متاخرین میں سے بعض نے امام جزری رحمہ اللہ تک اور کئی ایک نے اِمام شاطبی رحمہ اللہ تک یا علامہ دانی رحمہ اللہ تک اور بعض نے امام حفص رحمہ اللہ تک اور اکثر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اَسناد بیان کی ہیں۔

(1) کتاب السبعۃ فی القراء ات

مصنف: امام ابن مجاہد رحمہ اللہ: (۲۴۵ھ الی ۳۲۴ھ)

یہ وہ کتاب ہے جس میں مروّجہ قراء سبعہ کی قراءات کو سب سے پہلے جمع کیا گیا، امام ابن مجاہد رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے جلیل القدر امام تھے۔ اس کتاب میں امام ابن مجاہد نے اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک مختلف طرق کے ساتھ اَسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق الدکتور شوقی ضیف نے کی ہے اور یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔اسے مکتبہ دارالمعارف القاہرہ مصر نے طبع کیا ہے۔

(2) جامع البیان فی القراءات السبع المشهوره

مصنف: امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اَسناد اور طرق بیان کرنے کا اَنداز اس طرح اپنایا ہے کہ اپنے سے لے کر مختلف روایات وطرق قراء سبعہ تک ذکر کیے ہیں اور پھر قراء سبعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اَسناد ذکر کی ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے محققین کی صف میں شامل ہیں۔ آپ علم قراءات کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) کتب کے مصنف ہیں جن میں اکثر قراءات پر ہیں اس کتاب کی تحقیق الحافظ المقری محمد صدوق الجزائری رحمہ اللہ نے کی ہے اور دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔

(3) الإختیار فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابومحمد عبداللہ بن علی الحنبلی البغدادی المعروف بسبط الخیاط رحمہ اللہ (م ۴۶۴ھ الی ۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک دس قراء کی سند ذکر کی ہے۔ امام سبط الخیاط رحمہ اللہ علم القراءات میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب النشر فی القراءات العشر میں آپ کی خوبصورت آواز کی بے حد تعریف کی

ہے اس کتاب کی تحقیق عبدالعزیز بن ناصر السبر رحمہ اللہ نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مکتبہ ملک فہد (الریاض) نے طبع کی ہے۔

(4) إرشاد المبتدی و تذکرۃ المنتھی فی القراءات العشر

(5) الکفایۃ الکبریٰ فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابوالعز محمد بن حسین بن بندار الواسطی القلانسی رحمہ اللہ (م ۵۲۱ھ)

جیسا کہ کتب کے نام سے ظاہر ہے کہ ان میں دس قراءات کو جمع کیا گیا ہے۔ مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ ایک ایک جلد میں طبع کی گئیں ہیں ان کتب کی تحقیق عثمان محمود غزال نے کی ہے۔

(6) التلخیص فی القراءات الثمان

مؤلف: امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری رحمہ اللہ (م ۴۷۸ھ)

اس کتاب میں آٹھ قراء کی مرویات کو جمع کیا گیا ہے مصنف کا شمار اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء ثمانیہ (یعنی نافع، مکی، بصری، شامی، عاصم، حمزہ، کسائی، یعقوب رحمہم اللہ) تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی تحقیق محمد عقیل موسیٰ نے کی ہے الجماعۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے اسے طبع کیا ہے۔

(7) التذکرۃ فی القراءات الثمان

مؤلف: إمام أبوالحسن طاہر بن عبدالمنعم بن غلبون المقری الحلبی رحمہ اللہ (۳۹۹ھ)

یہ بھی آٹھ قراءات میں ہے یعنی جو قراء پیچھے گزرے ہیں وہی مراد ہیں، اس میں مؤلف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ شاطبی رحمہ اللہ نے دو مرتبہ

اپنی کتاب قصیدۃ الشاطبیہ میں دو جگہ ابن غلبون طاہر کا نام ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ باب المد والقصر میں اور دوسرا باب الھمز المفرد میں۔

باب المد والقصر میں ہے:

"وعاداً الأولى" ابن غلبون طاهر: بقصر جميع الباب قال وقولا

باب الھمز المفرد میں ہے:

"وبارئكم" بالهمز، حال سكونه، وقال ابن غلبون: بياء تبدلا

التذکرہ کی تحقیق ایمن رُشدی نے کی ہے اور یہ کتاب دو جلدوں میں ہے الجماعۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے شائع کی ہے۔

(8) الإقناع فی القراءات السبع

مؤلف: امام ابوجعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری رحمہ اللہ (۵۴۰ھ)

اس کتاب میں مصنف نے پہلے اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک اسناد ذکر کی ہیں پھر قراء سبعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد بیان کی ہیں۔

کتاب کی تحقیق شیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں طبع ہوئی ہے اور دوسرا نسخہ دو جلد میں ہے جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ نے طبع کروایا ہے۔ اُس کی تحقیق الدکتور عبدالحمید قطامش نے کی ہے۔

(9) المبهج فی القراءات السبع

مؤلف: عبداللہ بن علی بن احمد بن عبداللہ المعروف بسبط الخیاط رحمہ اللہ۔ (۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک کثیر تعداد میں طرق اور روایات کا ذکر کیا ہے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ اس مضمون میں پہلے بھی ہو چکا ہے۔ المبہج کی تحقیق سید کسروی حسن نے کی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(10) غاية الاختصار فی القراء ات العشر

مؤلف: امام ابوالعلاء الحسن بن احمد بن الحسن الھمدانی العطار رحمہ اللہ (م ۵۶۹ھ)

اس کتاب میں مصنف نے پہلے قراء ات عشرہ کی اسناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی ہیں پھر اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں۔ تحقیق الدکتور اشرف محمد فواد طلعت نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور اسے الجماعۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

(11) التیسیر فی القراء ات السبع

مؤلف: امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ)

صاحب جامع البیان کی کتاب ''التیسیر'' قراء ات سبعہ میں مشہور و معروف ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے اسی کتاب کو اصل بناتے ہوئے اپنی کتاب حرز الامانی ووجہ التھانی تحریر فرمائی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کا اسناد ذکر کرنے کا انداز اس طرح ہے کہ پہلے قراء سبعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں، بعد میں اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک سندیں بیان کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں ہے۔ دارالکتب العربی بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

(12) المصباح الزاھر فی القراء ات العشر البواھر

تالیف: إمام أبوکرم المبارک بن الحسن الشھرزوری رحمہ اللہ (م ۵۵۰ھ)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ تالیف دس قراء ات پر مشتمل ہے اس میں امام نے قراء عشرہ کا مختصر تعارف اور پھر ان کی اسناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی ہیں، بعد میں متعدد طرق کے ذریعے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک اسناد بیان کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الشیخ عبدالرحیم الطرھونی نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔

(13) إعراب القراء ات السبع وعللها

تالیف: ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر ابن خالویہ الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۴۰۳ھ)

اس میں امام نے اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک کئی ایک واسطوں کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق ابومحمد الاسیوطی نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے اسے دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

(14) المکرر فیما تواتر من القراء ات السبع و تحرر

مؤلف: امام ابوحفص عمر بن قاسم بن محمد المصری الانصاری رحمہ اللہ (۹۰۰ھ)

اس کتاب میں مصنف نے قراء سبعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق احمد محمود عبدالسمیع شافعی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی ایک جلد میں ہے۔ اسے دارالکتب العلمیہ نے شائع کیا ہے۔

(15) النشر فی القراء ات العشر

مؤلف: امام محمد بن محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ (م ۸۳۳ھ)

امام جزری رحمہ اللہ کا علم قراء ات کی نقل و روایت اور تحقیق میں وہ مقام ہے جو حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے آپ اعلیٰ درجہ کے حافظ، متقن اور محقق تھے۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے النشر فی القراء ات العشر میں اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

(16) المبسوط فی القراء ات العشر

مؤلف: ابوبکر احمد بن الحسن بن مھران الاصبہانی رحمہ اللہ (۳۸۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔
ابن مھران قراءات کے بہت بڑے عالم تھے اس کتاب کی تحقیق سبیع حمزہ حاکمی نے کی ہے، یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔
دار القبلة للثقافة الإسلامية جدہ سے نے طبع کیا ہے۔

(17) الغاية في القراءات العشر

ابوبکر احمد بن مھران نیشاپوری رحمہ اللہ (۳۸۱ھ)

مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، کتاب کی تحقیق محمد غیاث الجنباز نے کی ہے۔یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔

(18) الکنز في القراءات العشر

مؤلف: امام شیخ عبداللہ بن عبدالمؤمن ابن الوجیہ الواسطی رحمہ اللہ (م ۷۴۰ھ)

موصوف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق ھناء الحمصی نے کی ہے۔

(19) الکتاب الموضح في وجوه القراءات وعللها

مؤلف: امام نصر بن علی بن محمد ابوعبداللہ الشیرازی الفارسی الفسوی النحوی المعروف بابن ابی مریم رحمہ اللہ (م ۵۶۵ھ)

اس کتاب میں امام نے آٹھ قراء کی قراءات ذکر کی ہیں۔مؤلف نے اس میں ان قراء کے رواۃ کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الدکتور عمر حمدان الکبیسی نے کی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور اسے الجماعۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

(20) فتح الوصید فی شرح القصید المعروف شرح الشاطبیة

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد ابی الحسن السخاوی رحمہ اللہ (۶۴۳ھ)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام شاطبی رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ انہوں نے قصیدہ شاطبیہ کی شرح لکھی اور اس میں اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق احمد عدنان الزعبی نے کی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اسے مکتبہ دار البیان دولۃ الکویت نے طبع کیا ہے اور دوسرا نسخہ چار جلدوں پر مشتمل ہے جسے مکتبۃ الرشد (الریاض) نے طبع کیا ہے اس کی تحقیق محمد الادریسی الطاھری نے کی ہے۔

(21) المستنیر فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابوطاہر احمد بن علی بن عبید اللہ بن عمر بن سوار البغدادی رحمہ اللہ (۴۹۶ھ)

امام نے اپنی کتاب میں اپنے سے قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق دکتور عمار امین الددو نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور دار البحوث للدراسات الإسلامیة، إحیاء التراث الإسلامی، الإمارات العربیة المتحدہ دبئی نے طبع کیا ہے۔

(22) شرح الدرر اللوامع فی أصل مقرأ الإمام نافع

مصنف: امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک بن المنتوری القیسی رحمہ اللہ (۸۳۴ھ)

الدرر اللوامع نظم میں ہے امام ابن برّی (۷۳۰ھ) نے تالیف کی ہے اور یہ صرف امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت میں ہے شارح نے ناظم سے لے کر امام نافع تک ایک جگہ اور

دوسری جگہ امام نافع رحمہ اللہ سے نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہیں اس شرح کی تحقیق استاذ الصدیقی سیری فوزی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی دو جلدوں میں ہے۔

(23) الروضة فی القراء ات الإحدیٰ عشرہ

مؤلف: امام ابوعلی الحسن بن محمد بن ابراہیم البغدادی مالکی رحمہ اللہ (۴۳۸ھ)

ابوعلی مالکی نے اپنے زمانہ کے مختلف اساتذہ سے قراءات حاصل کیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الروضہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ الروضہ کی تحقیق الدکتور مصطفی عدنان محمد سلمان نے کی ہے اور مکتبۃ العلوم والحکم نے مدینہ منورہ سے اور دار العلوم والحکم نے شام سے شائع کیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

(24) شرح الهداية

مصنف: امام ابوالعباس احمد بن عمار المہدوی رحمہ اللہ (۴۴۰ھ)

یہ کتاب توجیہات القراءات کے نام سے مشہور ہے۔ امام مہدوی اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں شامل ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب قصیدۃ الشاطبیہ میں باب الاستعاذہ کے آخری شعر میں ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

وإخفاؤه فصل أباه وعاتنا
وكم من فتى كالمهدوي فيه أعملا

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، اس کی تحقیق الدکتور حازم سعید حیدر نے کی ہے اور محقق نے آپ کے چند شیوخ قراءات کا تذکرہ بھی کتاب کے شروع حصہ میں کیا ہے۔ مکتبۃ الرشد (الریاض) نے اسے طبع کیا ہے۔

(25) إعراب القراءات السبع وعللها

مصنف: امام ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن خالویہ الھمدانی النحوی الشافعی رحمہ اللہ (۳۷۰ھ)

آپ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد ہیں۔علم قراءات میں اعلیٰ ترین مقام رکھتے ہیں۔اس کتاب میں آپ نے اپنے سے قراء سبعہ تک کئی اسناد ذکر کی ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسناد بیان کی ہیں، اس کتاب کی تحقیق الدکتور عبدالرحمن بن سلیمان العثیمین نے کی ہے۔یہ دوجلدوں میں ہے۔مکتبۃ الخانجی القاھرہ،مصر نے طبع کیا ہے۔

(26) كتاب معاني القراءات

مؤلف: امام ابومنصور محمد بن احمد الازھری رحمہ اللہ (۳۷۰ھ)

امام کی یہ کتاب آٹھ قراء کی مرویات پر مشتمل ہے، سات شاطبیہ والے اور ایک ثلاثہ والے امام یعقوب۔امام ابومنصور نے اپنے سے لے کر آٹھ قراء تک اسناد ذکر کی ہیں۔اس کتاب کی تحقیق الشیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔

(27) الكتاب الأوسط في علم القراءات

مؤلف: امام ابومحمد الحسن بن علی بن سعید المقری العمانی (م ۴۱۳ھ)

یہ کتاب قراء سبعہ کی مرویات پر مشتمل ہے۔امام العمانی جلیل القدر علماء کی صف میں شامل ہیں۔اس کتاب میں آپ نے قراء سبعہ سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اور قراء سبعہ کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔اس کی تحقیق الشیخ عزۃ حسن نے کی ہے۔یہ کتاب مکتبہ دارالفکر دمشق نے طبع کی ہے۔

(28) المستطاب في التجويد المسمىٰ هداية القراء

تالیف: امام شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۹۲۳ھ)

امام قسطلانی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ شارح بخاری ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "لطائف الإشارات لفنون القراء ات" بھی ہے آپ نے المستطاب میں قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق السید یوسف احمد نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے۔ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

(29) تقریب النشر فی القراء ات العشر

تالیف: الامام المقری الحافظ محمد بن محمد بن محمد الجزری الشافعی الدمشقی (۸۳۳ھ)

یہ النشر فی القراء ات العشر کا اختصار ہے۔ اس کتاب میں امام نے قراء عشرہ اور ان کے روات اور چند طرق کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی تحقیق علی عبدالقدوس عثمان الوزیز نے کی ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے۔ دار احیاء التراث بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

(30) الجعبری ومنهجه فی کنز المعانی فی شرح حرز الأمانی ووجه التهانی

دراسۃ۔ الاستاذ احمد الیزیدی

اس میں احمد الیزیدی نے علامہ جعبری کی سند امام شاطبی تک اور امام شاطبی کی سند بواسطہ علامہ دانی قراء سبعہ تک بیان کی ہے۔

(31) تقریب النفع وتیسیر الجمع بین القراء ات السبع و معه المقدمة المسماة أعلام أهل القرآن

مؤلف: السید نبیل بن ہاشم بن عبداللہ الغمری آل باعلوی۔

مؤلف نے اس کتاب میں اپنے استاذ المکی بن عبدالسلام بن مکی بن کیران

(۱۳۳۱ھ۔۱۴۲۱ھ) کی اسناد قراء سبعہ تک اور پھر نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں اور اپنے استاذ کی سند حدیث بھی نبی ﷺ تک ذکر کی ہے۔

دارالبشائر الاسلامیہ (بیروت) نے اس کو طبع کیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(32) هداية القاري إلى تجويد كلام الباري

مؤلف: أستاذی و سیدی امام القراء والمجوّدین الشیخ عبدالفتاح السید عجمی المرصفی (۱۴۰۹ھ)

علم تجوید کے حوالہ سے یہ کتاب مرجع و مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں شیخ نے اپنی اسناد نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں۔

(33) الرسالة الترمسية في إسناد القراءات العشرية

مؤلف: الشیخ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی (۱۳۳۰ھ)

آپ نے قراء کی اسناد پر تفصیلی کام کیا ہے اور اسناد پر ایک رسالہ ''کفایۃ المستفید فیما علا من الأسانید'' بھی تالیف کیا ہے۔

(34) الإمام المتولي وجهوده في علم القراءات

مؤلف: الشیخ الدکتور ابراهیم بن سعید بن احمد الدوسری نے تالیف کیا ہے۔

جس میں اسناد کا بیان بہت عمدہ اور دلنشین انداز میں کیا ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ مکتبۃ الرشد (الریاض) نے اسے طبع کیا ہے۔

(35) شیخ علی محمد الضباع

موجودہ دور میں بڑے محقق مانے جاتے ہیں۔ مختلف کتب کے مصنف ہیں۔ فن تجوید و قراءات پر کئی ایک کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بعض متون کی شروح لکھی ہیں۔ انہوں

نے قصیدۂ شاطبیہ کی تصحیح کی ہے اور آخر میں اپنے سے لے کر امام شاطبی تک سند ذکر کی ہے اور اس کی تصدیق الشیخ محمد علی خلف الحسینی شیخ القاری المصر یہ نے کی ہے۔ طبع بمطبعۃ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ بمصر۔

(36) تصحیح قصیدۂ شاطبیۃ

کاوش: إمام القراء القاری المقری إظہار أحمد التھانوی (۱۴۱۲ھ بموافق ۱۹۹۱ء)

شیخ نے اس فن پر مختلف کتب تالیف فرمائیں جو کہ مرجع و مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جامع العلوم تھے۔ آپ نے قصیدۂ شاطبیہ کی تصحیح فرمائی اور اس میں اپنی سند امام شاطبی تک ذکر فرمائی ہے۔

(37) قواعد التجوید علی روایۃ حفص عن عاصم بن أبي النجود

مؤلف: الشیخ عبدالعزیز القاری

قواعد تجوید پر بڑی عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں شیخ نے اپنی سند کو نبی ﷺ تک بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور مکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ نے اسے طبع کیا ہے۔

(38) الدر الفرید فی شرح قواعد التجوید

مصنف: الشیخ عبدالحق محدث دھلوی (۱۰۵۲ھ)

متن اور شرح دونوں آپ کی تصانیف ہیں۔ ان کے اور علامہ جزری کے مابین دو واسطے ہیں۔ آپ نے اپنی سند علامہ جزری رحمہ اللہ تک بیان کی ہے۔

لکھتے ہیں:

قرأت قرآن العظیم علی عدة من المشائخ الأجلاء المقرئین

والقراء المجودين، من أعلاهم سناً، الشيخ العلامة المقرى المجود محمد بن إبراهيم السمديسى المصرى وهو على الشيخ المقرى أحمد الدميوطى المصرى وهو عن الشيخ الإمام شمس الدين محمد ابن الجزرى، شيخ القراء والمجودين وسنده إلى النبي ﷺ مشهور فى الكتاب والسنة مذكور فى بعض مصنفاته .... انتهى

’’میں نے بہت سے اجل مشائخ وقراء اور مجودین سے قرآن پڑھا ہے، جو ان میں عمر اور مرتبے میں زیادہ بڑے ہیں۔ وہ ہیں الشیخ العلامہ، المقری المجود محمد بن ابراہیم السمدیسی المصری اور انہوں نے الشیخ المقری أحمد الدمیوطی المصری سے انہوں نے الشیخ الامام شمس الدین محمد بن الجزری شیخ القراء والمجودین سے۔ آپ کی سند نبی ﷺ تک کتاب وسنت میں مشہور ہے اور آپ کی بعض تصنیفات میں بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ انتھی‘‘

(39) المرشد فی مسائل التجوید والوقف

مصنف: استاذی امام القراء والمجودین المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ (م ۱۴۱۲ھ)

سوال و جواب کی شکل میں تجوید پر نہایت شاندار کتاب ہے۔ بڑے آسان فہم انداز میں مسائل تجوید بیان کیے گئے ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۹ پر اپنی سند نبی ﷺ تک بیان کی ہے۔

(40) عذار القرآن

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد اسماعیل پانی پتی رحمہ اللہ

یہ تجوید کی کتاب ہے۔ مسائل تجوید پر عمدہ روشنی ڈالتی ہے۔ بعض جگہوں پر تجویدی

اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ موصوف نے اپنی سند نبی ﷺ تک بیان کی ہے۔

(41) كمال الفرقان شرح جمال القرآن

مؤلف: الشیخ القاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ

جمال القرآن کی بڑی اچھی شرح ہے۔ جمال القرآن مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے جو مسائل تجوید پر ہے۔ اور القاری محمد طاہر رحیمی نے اپنی سند اس میں نبی ﷺ تک بیان کی ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے امام حفص رحمہ اللہ سے نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہے۔

(42) زينة المصحف.....تحبير التجويد

یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کی ہیں اور علم التجوید پر ہیں۔ ان میں راقم الحروف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک روایت حفص کی سند ذکر کی ہے۔ قراءات اکیڈمی اُردو بازار لاہور نے طبع کی ہیں۔

(43) شجرة الأساتذه فی أسانيد القراءات العشر المتواترة

اس میں أسانید کی مفصل بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب میرے محترم اُستاد ذی وقار إمام القراء والمجودین المقری القاری حضرت الشیخ إظہار أحمد التھانوی رحمہ اللہ نے شروع کی۔ لیکن اُسے مکمل کیے بغیر جہان فانی سے رحلت فرما گئے، راقم الحروف نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور جابجا حاشیہ بھی لکھا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(44) الوجوه المثانی فی القراءات السبع

مؤلف: مولانا أشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

موصوف نے اس کتاب کے آخر میں اپنے تمام علوم کی أسناد کا مختصر بیان کیا ہے۔ وہاں اپنی تجوید کی سند بھی ذکر کی ہے۔ یہ کتاب تفسیر بیان القرآن کے آخر میں لگائی گئی

ہے۔اور علیحدہ سے بھی مطبوع ہے۔

(45) شجرۃ سبع قراء ات

مؤلف: شیخ القراء المجودین ابو محمد محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ (۱۳۷۲ھ)

موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ قراءاتِ سبعہ کی اَسناد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان فرمایا ہے (یہ شجرہ) شرح سبعہ قراءات کی پہلی جلد میں ہے، شرح سبعہ دو جلدوں میں ہے۔ یہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور نے طبع کی ہے۔

(46) کتاب التبصرۃ فی القراء ات السبع

مؤلف: امام القراء المقری ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ (م ۴۳۷ھ)

آپ علامہ دانی رحمہ اللہ کے معاصرین میں سے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے سات قراء کی مرویات پر لکھی ہے۔ آپ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ اس میں امام نے اپنے سے قراء سبعہ تک مختلف طرق اور قراء سبعہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اَسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کو الدار السّلفیہ بمبئی ہندوستان نے طبع کیا ہے۔

(47) خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد ضیاء الدین احمد صدیقی رحمہ اللہ

علم التجوید پر عمدہ کتاب ہے۔ موصوف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند اس کتاب میں ذکر کی ہے۔

(48) ھدیۃ الوحید فی علم التجوید

مؤلف: شیخ القراء القاری عبدالوحید الہٰ آبادی رحمہ اللہ

علم تجوید پر موصوف کی اچھی کاوش ہے۔ مختصر انداز بیان کے ساتھ مسائل تجوید ذکر

کیے گئے۔اس میں شیخ نے اپنی سند ذکر کی ہے۔

(49)ضوابط نبلآء التجوید

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد عبدالمعبود رحمہ اللہ

یہ تجوید پر ایک رسالہ ہے۔موصوف نے اس میں اپنی سند ذکر کی ہے۔

(50)توضیح العشر فی شرح طیبۃ النشر

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد عبداللہ مراد آبادی رحمہ اللہ

یہ ایک جلد میں ہے۔علامہ جزری رحمہ اللہ کی طیبۃ النشر جو دس قراء کی مرویات پر مشتمل ہے اور شعر میں ہے اس کی شرح ہے۔اس میں قاری عبداللہ مراد آبادی صاحب نے اپنی طیبہ کی عشرہ بطریق سند ذکر کی ہے۔

(51)جمال القراء وکمال الإقرآء

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد السخاوی رحمہ اللہ (م ۶۴۳ ھ)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام شاطبی رحمہ اللہ کے خاص تلامذہ میں شامل ہیں۔آپ امام ابوشامہ مقدسی کے شیخ ہیں۔امام سخاوی رحمہ اللہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے 'الاتقان' میں بارہا آپ کی اس کتاب کے حوالے پیش کیے ہیں۔جمال القراء میں آپ نے قراء سبعہ سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اَسناد ذکر کی ہیں۔یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ایک نسخے کی تحقیق الدکتور علی حسین البواب نے کی ہے اور مکتبۃ التراث مکۃ مکرمہ نے اسے طبع کیا ہے۔اور دوسرے نسخے کی تحقیق عبدالحق عبدالدائم سیف القاضی نے کی ہے۔اور مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع مضمون میں یہ ذکر کیا تھا کہ سند کے بغیر نہ قرآن ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حدیث۔اور بعض لوگوں کو عدم علم اور ناقص تحقیق کی بنا پر سنگین غلطی لگ گئی کہ قراءات کی کوئی سند نہیں اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ قراء سبعہ یا عشرہ کی اسناد

نبی ﷺ تک تو ٹھیک ہیں۔ البتہ بعد والوں کی اَسناد قراء سبعہ یا ثلاثہ تک نہیں پہنچتی۔ چنانچہ یہ اَمر اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے نہ تو کسی شیخ قراءات کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کیا نہ کتب قراءات کی ورق گردانی کی۔ ہم نے اختصار کی غرض سے چند کتب کا تذکرہ کیا ورنہ بیسیوں ایسی کتب ملتی ہیں جن میں اُستاد کا ذکر ہے اور ان ناقلین کی عدالت وثقاہت اور امامت پر امت کا مکمل اعتماد ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ قراءات بغیر سندوں کے یا کمزور اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں بالکل فضول بات ہے۔ دُعا ہے کہ اَحکم الحاکمین حق کو پرکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قراءات عشرہ صغری اور قراءت عشرہ کبری کا تعارف اور فرق

فضیلۃ الشیخ محمد ادریس العاصم
رئیس العاصم لجنة المحققین للدراسات العلوم الاسلامیة

اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا اور آخرت کے تمام امور میں اپنی امت کے لیے اللہ سے جس طرح آسانی وسعت اور مواقع کثیرہ نہایت الحاح وزاری کرکے طلب فرمائے ہیں وہ اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں ہیں، انہی آسانی اور وسعت والے امور میں سبعۃ احرف بھی ہے، کہ جس میں امت محمدیہ کو قرآن کی تلاوت سات فصیح لغات عرب میں کرنے کی اجازت اللہ کی طرف سے ملی ہے، فاقروا ما تیسر منه، کے کلمات امت محمدیہ کے لیے اسقدر بڑاانعام ہیں کہ ہم اس کا جس قدر بھی شکر اللہ کی بارگاہ میں ادا کریں وہ کم ہے سبعۃ احرف سے اخذ کردہ دس قراءت متواترہ آج الحمدللہ امت کے پاس بڑے مضبوط انداز میں محفوظ ہیں، یہاں یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ سبعۃ احرف سے مرادوہ مشہور سبعہ قراءت نہیں ہے جو امام مجاہد رحمہ اللہ کی کتاب ''السبعہ'' یا امام دانی رحمہ اللہ کی ''التیسیر'' یا امام شاطبی رحمہ اللہ کی ''حرز الامانی ووجہ التھانی'' میں بیان کیں گئیں ہیں، بلکہ تمام وجوہ صحیحہ جو کسی بھی قراءت میں بیان ہورہی ہیں انہیں سبعۃ احرف کہا جاتا ہے۔موجودہ دور میں خاتمۃ المحققین امام متولی رحمہ اللہ(التوفی ۱۳۱۳ھ) اور ان کے تلامذہ نے دواصطلاحات متعارف کروائی ہیں جو کہ اب قراءت کے علمی حلقوں میں معروف ہوچکی ہیں، ایک اصطلاح قراءات عشرہ صغری اور دوسری قراءات عشرہ کبری ہے۔

راقم الحروف جب قراءات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گیا تو عشرہ صغریٰ اور عشرہ کبریٰ پڑھانے والوں کی باہمی کشاکش مصری اساتذہ میں پائی جاتی تھی۔عشرہ کبریٰ پڑھنے پڑھانے والے مصری اساتذہ کرام کا موقف تھا کہ عشرہ

کبریٰ میں جو زائد وجوہ صحیحہ متواترہ ہیں وہ عشرہ صغریٰ میں موجود نہیں ہیں۔ اور عشرہ کبریٰ کی طرف التفات نہ کرنے سے ہم قرآن کی قراءات میں بہت سی صحیح وجوہ پڑھنے سے اعراض کررہے ہیں۔ طالب علم ہمارے پاس چار سال پڑھتے ہیں اور چار سال پڑھنے کے بعد بھی بعض قراءات متواترہ رہ جاتی ہیں اس لیے طلبہ کو طیبۃ النشر پڑھائی جائے۔ بہر حال ہمارے تعلیمی دورانیہ کے ابتدائی سال میں طیبۃ النشر پڑھنے پڑھانے والوں کا موقف پُرزور تھا اور اس کو پذیرائی بخشتے ہوئے یونیورسٹی انتظامیہ نے طیبۃ النشر کا متن داخل نصاب کردیا۔ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ عشرہ کبریٰ کی اضافی کلاس مسجد نبوی شریف میں بعد از نمازِ مغرب ہوتی تھیں جو کہ نمازِ عشاء کے بعد تک جاری رہتی تھیں، راقم الحروف نے اس دور میں طیبۃ النشر کا متن اصول تک زبانی یاد کیا۔ جامعہ کی صبح کی کلاسوں میں راقم الحروف نے طیبۃ النشر کے اصول مکمل پڑھ لیے تھے اور فرشی کلمات بھی سورۃ الاعراف تک ہوچکے تھے۔ جامعہ اسلامیہ میں ہمارے طیبۃ النشر کے اساتذہ میں دکتور محمد محمد سالم محیسن رحمہ اللہ، دکتور محمود بن عبدالخالق جادو رحمہ اللہ، الشیخ محمد صادق قمحاوی رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

مگر پھر اس کے بعد بہت سے عرب، اردنی، سوڈانی اور دیگر طلباء نے شور مچایا کہ ہمارے لیے جامعہ کے اوقات کار کے بعد اضافی کلاسیں پڑھنا بہت مشکل ہے۔ اسی عرصہ میں عشرہ صغریٰ پڑھنے پڑھانے والے مصری اساتذہ کرام سرگرم عمل ہوگئے اور انہوں نے ان طلباء کی طرف داری کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں طلباء پر اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ اور اس طرح یونیورسٹی انتظامیہ نے نصاب میں دوبارہ شاطبیہ ودرہ یعنی عشرہ صغریٰ کو بحال کردیا۔

راقم الحروف کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے جامعہ کے اندر بھی عشرہ صغریٰ اور عشرہ کبریٰ پڑھنے کا موقع میسر آیا۔ اور بعد ازاں قراءات کے عظیم استاذ اور استاذ الاساتذہ المقری الکبیر الشیخ عبدالفتاح عجمی المرصفی رحمہ اللہ سے بھی قراءات عشرہ صغریٰ اور عشرہ کبریٰ میں

استفادے کا موقع میسر آیا۔

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ احسان اور شکر ہے کہ پاکستان میں عشرہ صغریٰ میں اپنے دور کے امام فضیلۃ الشیخ القاری المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ سے استفادہ کی نعمت عظمیٰ سے بھی بہرہ مند ہو چکا تھا۔ بہر حال راقم الحروف جب انفرادی استفادے کی غرض سے اپنے محسن مربی اور قراءات عشرہ صغریٰ وعشرہ کبریٰ کے استاذ عظیم الشیخ عبدالفتاح عجمی المرصفی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قراءات عشرہ صغریٰ مکمل کر کے الحمدللہ جمع الجمع میں مکمل قرآن سنا رہا تھا تو اس دوران ایک دن شیخ نے فرمایا شیخ ادریس طیبہ کب شروع کرنی ہے؟ میں نے عرض کیا شیخ ہمارے پاکستان میں عشرہ صغریٰ ہی چلتی ہے۔ عشرہ کبریٰ کی طرف لوگوں کا التفات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شیخ مرحوم کی قبر اطہر کو منور کرے آمین فرمانے لگے شیخ ادریس ایک دور آنے والا ہے کہ تمہارے بلاد پاکستان میں قراءات عشرہ کبریٰ کا چرچا ہوگا۔ تم مجھ سے عشرہ کبریٰ ضرور پڑھو۔ میں نے عرض کی شیخ جامعہ میں مَیں نے طیبۃ النشر کے اصول مکمل پڑھ لیے تھے اور فروش بھی سورۃ الاعراف تک ہو چکے تھے مناسب خیال کریں تو اس کے آگے سے شروع کروادیں۔ شیخ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فرمایا بالکل نہیں۔ دوبارہ سے کتاب شروع کرو۔ الحمدللہ راقم الحروف نے اپنے محسن، اپنے مربی اپنے شیخ کے کہنے پر طیبۃ النشر شروع کی اور پھر ۱۴۰۵ھ میں شیخ کو بطریق طیبہ اجراء سنا کر سند فراغت حاصل کی۔

۱۹۸۸ء کے لگ بھگ راقم الحروف واپس پاکستان آیا تو عشرہ صغریٰ کا دور دورہ تھا۔ ۲۰۰۱ء کے لگ بھگ کی بات ہے، میرے نہایت قابل احترام ساتھی فضیلۃ الشیخ القاری عبدالرحمن ڈیروی رحمہ اللہ کا فون راقم کے پاس آیا انہوں نے کہا شیخ ادریس میں نے اپنے تین طلباء کو قراءات عشرہ بطریق شاطبیہ ودرہ پڑھا دی ہے اب وہ قراءات عشرہ بطریق طیبہ پڑھنا چاہتے ہیں میں انہیں تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ تینوں طلباء ماشاء اللہ بڑے ذی استعداد تھے ان میں سے دو افغانی اور ایک برما کا طالب علم تھا۔ اس وقت سے الحمدللہ راقم الحروف عشرہ کبریٰ کی تدریس میں مشغول ہے۔ میرے مربی، میرے محسن،

میرے شیخ محترم شیخ عبدالفتاح عجمی المرصفی رحمہ اللہ کا فرمان میرے کانوں میں اب بھی بار بار گونجتا ہے ''شیخ ادریس ایک دور آنے والا ہے کہ تمہارے بلاد پاکستان میں قراءات عشرہ کبریٰ کا چرچا ہوگا تم مجھ سے عشرہ کبریٰ ضرور پڑھو۔''

اس عرصہ میں راقم الحروف سے بعض حضرات نے تبرکاً اسناد طیبہ حاصل کی جن میں فضیلۃ الشیخ دکتور احمد میاں التھانوی حفظہ اللہ اور جامعہ دارالعلوم کے فضیلۃ الشیخ القاری عبدالملک شہزادہ صاحب حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ طیبۃ النشر بالا ستیعاب پڑھنے والوں میں قاری نجم الصبیح التھانوی صدر شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ تجوید القرآن لاہور۔ قاری محمد سعید صدر شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، قاری عبدالباسط منشاوی صدر شعبہ تجوید وقراءات جامعہ محمدیہ لوکو ورکشاپ مغلپورہ لاہور، قاری ولی اللہ عثمانی صدر شعبہ تجوید وقراءات جامعہ فاروقیہ مردان، ڈاکٹر قاری محمد حمزہ مدنی مدیر کلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ لاہور، قاری محمد اعجاز صدر شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ شاہ فرید کالونی ملتان روڈ لاہور، قاری عبدالغفور سواتی صدر شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ تجوید القرآن رنگ محلہ مینگورہ سوات، ڈاکٹر قاری انس مدنی جامعہ لاہور الاسلامیہ لاہور، قاری ابوبکر عاصم مدرس مدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن لاہور، قاری خدا بخش بصری صدر شعبہ تجوید وقراءات جامعہ نظامیہ لاہور اور قاری نزیر احمد حال مقیم مظفر گڑھ قابل ذکر ہیں۔

اب یہاں سے میں قراءات عشرہ کبریٰ کی وہ وجوہ جو عشرہ صغریٰ سے زائد ہیں ان کا چیدہ چیدہ بیان کرتا ہوں۔

١ ......امام نافع رحمہ اللہ کے راوی ورش رحمہ اللہ کا طریق اصبہانی صرف اور صرف طیبۃ النشر یعنی عشرہ کبریٰ میں بیان ہورہا ہے۔

٢ ......عشرہ صغریٰ میں امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے راوی سوسی کے لیے ادغام کبیر ہے جبکہ

عشرہ کبریٰ میں دونوں راویوں سوسی اور دوری بصری کے لیے ادغام کبیر ہے۔

3...... باب السکت علی الساکن قبل الھمز میں ابن ذکوان راوی امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ، حفص راوی امام عاصم رحمہ اللہ کے لیے عشرہ صغریٰ میں عدم سکتہ ہے اور عشرہ کبریٰ کی رُو سے سکتہ بھی ہے۔

4...... نون ساکن اور تنوین کا لام اور راء میں بطریق شاطبیہ ودرہ ادغام بلاغنہ نافع، مکی، ابوعمرو، شامی، ابوجعفر، یعقوب اور حفص کے لیے ہے اور ادغام مع الغنہ بطریق طیبہ ہے۔

5...... فِعلی، فَعلی، فُعلی کے وزن والی تانیث کے الفات اور گیارہ سورتوں کے رؤس آیات میں ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے لیے تقلیل بطریق شاطبیہ (عشرہ صغریٰ) اور فتح بطریق طیبہ (عشرہ کبریٰ) ہے۔

6...... کلمہ الدُّنیا میں دوری بصری کے لیے تقلیل بطریق شاطبیہ ہے اور فتح اور امالہ کی وجوہ بطریق طیبہ ہیں۔ یعنی ان کے لیے تین وجوہ اس کلمہ میں ہیں ① فتح، ② تقلیل، ③ امالہ۔

7...... ترقیق راءات اور تغلیظ لام میں ازرق جو کہ ورش کا طرق ہے بہت سی زائد وجوہ ہیں۔

8...... حتیٰ کہ باب التکبیر میں بھی بطریق طیبہ (عشرہ کبریٰ) میں زائد وجوہ ہیں۔

یہ بہت ہی مختصر طور پر راقم الحروف نے عشرہ کبریٰ کی زائد وجوہ صحیحہ بیان کی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتب ''الکواکب النیرہ فی وجوہ الطیبہ'' مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور اور ''شرح طیبۃ النشر فی القراءات العشر'' مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور ملاحظہ کریں۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ زائد وجوہ کی تلاوت سے ان شاء اللہ العزیز مزید نیکیوں کا حصول بھی صحیح احادیث مبارکہ کی رُو سے ہمارے لیے ممکن ہے۔ ان توضیحی نکات کے بعد اب تاریخی طور پر قراءات عشرہ صغریٰ اور قراءات عشرہ کبریٰ کا پس منظر بھی بیان کرتا ہوں۔

امام دانی رحمہ اللہ م ۴۴۴ھ نے اپنی ''التیسیر'' میں قراءات سبعہ کو پیش کیا ہے، یہ کتاب اپنی تالیف کے فوراً بعد علمی حلقوں میں انتہائی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور علمی حلقوں میں اسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی علامہ دانی رحمہ اللہ کی ''التیسیر'' کو علامہ شاطبی رحمہ اللہ المتوفی ۵۹۰ھ نے حرز الامانی ووجہ التھانی المعروف شاطبیہ کے نام سے منظوم کیا، علمی حلقوں میں اس نظم کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں، علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میرے پاس علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے تلمیذ جحیج رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ تھا جس میں شاطبیہ اور رائیہ کے متن تھے، مجھے اس مجموعے کے وزن کے برابر چاندی کی پیش کش ہوئی مگر میں نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔

علامہ جزری رحمہ اللہ م ۸۳۳ھ علم قراءات کے ذریں دور کی وہ عبقری شخصیت ہے جنہوں نے علوم قراءات کے اوپر بیش بہا تصانیف کیں ہیں، علامہ جزری رحمہ اللہ نے التیسیر کی نہج اور طرز کے اوپر تحبیر التیسیر نشر میں تحریر فرمائی جس میں آپ نے عشرہ قراءات کی تکمیل کردی نشر میں آپ نے اس کتاب کے ذریعے قراءات عشرہ صغری کی تکمیل کی، بعد ازاں آپ نے علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے منظوم قصیدہ ''حرز الامانی ووجہ التھانی المعروف الشاطبیہ'' کی طرز پر سبع کے بعد والی تین قراءات کا تکملہ "الدرة المضيه للقراء ات الثلاث المتممة للقراء ات المتواترة" تحریر فرمایا اور یہ نظم میں قراءات عشرہ صغری کی تکمیل تھی، یہ قصیدہ عجیب وغریب اوصاف اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، قراءات عشرہ کے شائقین جانتے ہیں کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا قصیدہ لامیہ (یعنی الشاطبیہ) عربی زبان و ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے، اور اس کے اوزان کے اوپر قصیدہ لکھنا بڑا ہی مشکل کام ہے لیکن شمس المحققین علامہ جزری رحمہ اللہ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔

پھر الدرة المضیہ میں اختصار کی ایسی مثال قائم کی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، امام ابو جعفر رحمہ اللہ کی قراءات کی اصل امام نافع رحمہ اللہ کی قراءات کو قرار دیا، امام یعقوب بصری رحمہ اللہ کی قراءات کی اصل امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کی قراءات کو قرار دیا، اور امام

خلف العاشر رحمہ اللہ کی قراءات کی اصل امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کی قراءات کو قرار دیا۔

اس طرح یہ ائمہ ثلاث جن موقع پر اپنی اصل کی مانند تھے وہ قراءات بیان نہیں کیں اور جن مواقع پر ان ائمہ نے اپنی اصل سے خلاف کیا وہ اس قصیدے میں بیان فرمادیا ہے اور صرف دوسو چالیس اشعار میں قراءات الثلاث بیان کردی۔پس علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی ''حرز الامانی ووجہ التھانی المعروف الشاطبیہ''اور علامہ جزری رحمہ اللہ کی ''الدرۃ المضیہ فی القراء ت الثلاث''کو ملا کر قراءات العشر الصغری کہا جاتا ہے ،بعد ازاں علامہ جزری رحمہ اللہ نے علم قراءات کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ''النشر فی القراءات العشر''کے نام سے تصنیف فرمایا،اس میں علامہ موصوف نے اپنے قراءات کے اساتذہ عظام سے قراءات کی جس قدر بھی کتب پڑھیں تھیں اور ان کے مطابق اپنے اساتذہ کو قرآن سنایا،وہ تمام صحیح اور متواتر وجوہ اس عظیم الشان تصنیف میں جمع کردیں۔

بعد ازاں آپ نے ''النشر فی القراءات العشر''کے دو اختصار فرمائے ایک نثر میں جس کا نام آپ نے ''تقریب النشر فی القراءات العشر''رکھا اور ایک نظم میں جس کا نام آپ نے ''طیبۃ النشر فی القراءات العشر''رکھا۔علامہ جزری رحمہ اللہ کی یہی منظوم کتاب ''طیبۃ النشر فی القراءت العشر''کو قراءات عشرہ کبری کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں آپ نے قراءات کی وہ زائد وجوہ بیان فرمائی ہیں جو قراءات عشرہ صغری کی حامل کتب ''الشاطبیۃ''اور''الدرۃ''میں نہیں ہیں۔قراءات عشرہ صغری اور قراءات عشرہ کبری پر نامور علماء محققین قراءات نے اپنے اپنے ادوار میں کام کیا ہے،جس کی فہرست بہت طویل ہے،مختصر کچھ نام تحریر کرتا ہوں۔

کتب قراءات عشرہ صغری:

①:شرح شاطبیہ،للامام سخاوی رحمہ اللہ

②:شرح شاطبیہ کبیر،للامام ابوشامہ رحمہ اللہ

③: شرح شاطبیہ صغیر، للامام ابو شامہ رحمہ اللہ

④: کنز المعانی، شرح شاطبیہ للامام جعبری رحمہ اللہ

⑤: کنز المعانی المعروف شرح شعلہ للشیخ شعلہ موصلی رحمہ اللہ

⑥: شرح شاطبیہ لملا علی قاری رحمہ اللہ

⑦: شرح شاطبیہ للشیخ ہمدانی رحمہ اللہ

⑧: شرح شاطبیہ، للشیخ سیوطی رحمہ اللہ

⑨: شرح شاطبیہ، للامام قسطلانی رحمہ اللہ

⑩: شرح سراج القاری للشیخ ابن القاصح رحمہ اللہ

⑪: شرح شاطبیہ للشیخ علی محمد ایضاع المصری رحمہ اللہ

⑫: الوافی شرح شاطبیہ، للشیخ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ

⑬: عنایات رحمانی شرح شاطبیہ اردو، للشیخ فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ

⑭: شرح شاطبیہ للشیخ اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ

⑮: امانیہ شرح شاطبیہ، للشیخ اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ

⑯: شرح الدرۃ المضیہ، للشیخ امام نویری رحمہ اللہ

⑰: الغرہ شرح الدرۃ

⑱: شرح الدرۃ للشیخ السمنہودی رحمہ اللہ

⑲: شرح الدرہ للشیخ علی محمد ایضاع المصری رحمہ اللہ

⑳: شرح الدرۃ للشیخ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ

㉑: القرۃ المضیہ شرح الدرۃ شیخ فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ

㉒: الدراری شرح الدرۃ شیخ اظہار احمد رحمہ اللہ

اس کے علاوہ قراءات صغری میں نثر میں بھی کتب موجود ہیں جن میں :

①: البدور الزاہرہ فی القراءات العشر المتواترۃ للشیخ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ

②: ابلاح النفع فی القراءات السبع ، یہ راقم الحروف کی تصنیف ہے

③: احسن المقال فی القراءات الثلاث ، یہ بھی راقم کی تصنیف ہے۔

④: تکثیر النفع فی القراءات السبع از قاری رحیم بخش رحمہ اللہ

⑤: تکمیل الاجر فی القراءات العشر از قاری رحیم بخش رحمہ اللہ

⑥: رسائل قراءات عشرہ ، قاری رحیم بخش رحمہ اللہ

⑦: رسائل قراءات عشرہ قاری نجم الصبیح

قراءات عشرہ کبری پر بھی بہت کثیر تعداد میں کتب ہیں چیدہ چیدہ یہ ہیں :

[1]: شرح طیبۃ النشر ، للشیخ احمد الجزری ابن الناظم رحمہ اللہ

[2]: شرح طیبۃ ، للشیخ علامہ نویری رحمہ اللہ تلمیذ امام جزری رحمہ اللہ

[3]: شرح طیبۃ المعروف الکوکب الدری ، للشیخ صادق قمحاوی رحمہ اللہ

[4]: شرح طیبۃ للشیخ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی رحمہ اللہ

[5]: شرح طیبۃ ، شیخ زین الدین الدائم رحمہ اللہ

[6]: توضیح العشر للشیخ عبداللہ مرادآبادی رحمہ اللہ

[7]: المراءت النیرہ شرح طیبۃ ، قاری رحیم بخش رحمہ اللہ

[8]: شرح طیبۃ النشر ، جو کہ راقم الحروف کی ہے

[9]: الکواکب النیرہ فی وجوہ الطیبۃ یہ بھی راقم کی ہے

[10]: نیز ایک شرح طیبہ غیر مطبوع جو شیخ ضباع مصری رحمہ اللہ کی ہے۔

یہ ایک مختصر سا جائزہ اور تعارف قراء ات عشرہ صغری اور قراء ات عشرہ کبری کا قارئین کی دلچسپی کے لیے تحریر کیا ہے ، ان شاء اللہ پھر کبھی موقع ملا تو مزید تفصیل گوش گزار کی جائے گی ۔ راقم الحروف : القاری محمد ادریس العاصم عفی عنہ خادم القرآن وعلومہ

فن رسم کی مبادیات

قاری عبدالواحد صاحب

1 تعریف: علم الرسم سے ان قواعد کو مراد لیا جاتا ہے کہ ان کو جان لینے کے بعد لکھنے والا قرآن کی رسم کی غلطیوں (حرفوں کے اضافہ اور کمی) سے محفوظ رہتا ہے۔

2 موضوع: ہمزہ، الف اور وہ کلمات جن کو ایک دوسرے سے جدا کرکے یا ملا کر لکھنا ضروری ہے اور وہ حروف جو کسی دوسرے حرف سے تبدیل کرکے یا حرف کا اضافہ کرکے یا حرف کم کرکے لکھے جاتے ہیں۔

3 فائدہ: قرآن کے کاتب کا قلم رسمی اغلاط سے محفوظ رہتا ہے۔

4 حکم: وجوب کفایہ۔ کیونکہ کتابت کا سیکھنا دیگر فنون کی طرف واجب علی الکفایہ ہے۔

5 شرف: قرآن سے متعلقہ ہر علم میں اس کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن سے منسلک تمام علوم کی تدوین اور ان کی حفاظت کتابت پر ہی موقوف ہے۔

6 کتابت کا انگلیوں سے تعلق: ایسا ہی ہے جیسے نحو کو زبان سے اور منطق کا برہان سے۔

7 فن کی بنیاد: صرفی اصولوں اور نحوی قاعدوں پر رکھی گئی ہے۔

8 علم الرسم کے واضعین: علماء بصرہ وکوفہ ہیں۔

علم رسم کے واضعین

زیادہ صحیح یہ ہے کہ جس نے عربی رسم الخط کو سب سے پہلے ایجاد کیا وہ مرامر بن مرہ ہے جو شہر انبار کا باشندہ ہے۔ بعد میں علماء کوفہ نے اس علم کے مزید قواعد میں اضافہ کیا۔

اسی وقت سے خط کوفی معرض وجود میں آیا۔ اس کے کچھ زمانہ بعد علماء بصرہ نے رسم کے قواعد کی مزید تہذیب وتدوین کی۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ عرب میں کتابت کا فروغ انبار ہی سے ہوا۔ دور اسلامی آیا تو کتابت مکہ و مدینہ کے علاوہ ممالک مفتوحہ میں بھی عام ہوئی۔

ابوعلی محمد بن علی بن مقلہ (۸۸۶ءتا ۹۴۱ء) پہلا شخص ہے جس نے رسم کو ترقی دی۔ اس نے خط کوفی کو موجودہ رسم، خط نسخ میں تبدیل کیا جس کو اس قدر رواج ہوا کہ رسم الخط کوفی گویا ناپید ہوگیا، یہی مقبول ومروج رسم الخط علی بن ہلال المعروف ابن البواب کے دور میں مزید مقبول اور ارتقائی منازل سے گزر کر بنو عباس کے سرکاری دفاتر میں رواج پذیر ہوا۔

ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے عربی رسم خط وجود میں آیا دور جاہلیت کے عرب زیادہ تر حفظ وروایت پر ہی اپنی یاداشتوں کا دارومدار رکھتے تھے۔

البتہ حرکات اور نقطے اسلام کے وجود میں آنے کے بعد ایجاد ہوئے جن میں کچھ شکلوں کے موجد ابو الاسود دؤلی رحمہ اللہ ہیں اور ایجاد کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اہل عجم قرآن میں حرکات صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے چنانچہ زبر، پیش کے لیے انہوں نے اوپر نیچے آگے پیچھے بطور علامت نقطے ایجاد کیے۔ ابوالاسود رحمہ اللہ کے بعد ان کے دو شاگردوں نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ اور یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ نے مزید واضح اور منضبط صورتوں پر حرکات کو نقطوں میں ظاہر کیا۔

چنانچہ انہیں دونوں شاگردوں نے حرفوں کی معجمہ (نقطوں والے حروف) اور مہملہ (بے نقط حروف) کی تقسیم کی۔ حروف مہملہ کل چودہ حروف مقرر ہوئے جو حسب ذیل ہیں:

ا، ح، د، ر، س، ص، ط، ع، ك، ل، م، ہ، و، ء۔

معجمہ حروف کل چودہ سمجھے گئے جو یہ ہیں:

ب، ت، ث، ج، خ، ذ، ز، ش، ض، ظ، غ، ف، ق، ن

یاء کا قاعدہ یہ مقرر ہوا کہ کلمہ کے آخر میں آئے تو مہملہ، شروع یا درمیان میں ہو تو معجمہ۔ حرکات کو جب نقطوں کی شکل میں رکھا گیا تو یہ صورت باعث نزاع ہوئی جب امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ فراہیدی نے حرکات کو اس شکل میں مقرر کیا جو اس وقت مصاحف میں موجود ہے اور عام طور پر وہی سب کے نزدیک مقبول و مروج ہے۔

خلیل بن احمد رحمہ اللہ نے کل آٹھ علامتیں مقرر کیں جو حسب ذیل ہیں:

① فتحہ ② ضمہ ③ کسرہ انفرادی حالت میں اور ① فتحہ مکررہ یعنی مفتوح منون ② ضمہ مکررہ یعنی مضموم منون ③ کسرہ مکررہ یعنی مکسورہ منون ④ سکون ⑤ تشدید ⑥ مد ⑦ صلہ اور ⑧ ہمزہ۔ شکلوں کی حسب ذیل صورتیں قرار پائیں۔

بَ، بُ، بِ، بًا، بٌ، بٍ، بْ، بّ، أ، آ، ٱ

یہ علامتیں جو خلیل رحمہ اللہ کی مجوزہ ہیں، درحقیقت سب چھوٹے چھوٹے حروف یا ان حروف کے کچھ مختصر حصے ہیں ان علامتوں اور ان کے مدلولات میں کھلی ہوئی واضح مناسبت پائی جاتی ہے، بخلاف ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ کی اصطلاحوں کے کہ وہ محض اصطلاحات ہی ہیں اور دوال اور مدلولات کے درمیان مناسبت مفقود ہے۔

رسم الخط کی تین قسمیں

① خَطُّ الْمُصْحَف:

قرآن مجید میں بہت سے کلمات خلاف قیاس صورت پر مرسوم ہیں، اور یہ رسم عثمانی کی اتباع میں ہے جو باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے، بلکہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ کلمات یونہی مرسوم تھے۔

مثلاً مصحف امام میں لاتحین مرسوم ہے، قیاس رسم کا تقاضہ یہ ہے کہ تا حین سے جدا لکھی جائے کیونکہ لات کلمہ واحد ہے اور حین دوسرا کلمہ ہے۔

اور مثلاً فَمَالِ هٰؤُلَاء وغیرہ میں لام جارہ کو مجرور سے جدا لکھا گیا ہے۔ ایسے ہی كُلَّ مَا أُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ میں لفظ كُلَّ کو مَا سے جدا لکھا گیا ہے۔

بہر حال یہ سُنَّتِ مُتَّبِعهُ ہے اور یہ رسم قرآن مجید ہی تک محدود ہے۔

② خَطُّ الْعَرُوضِ:

بسا اوقات اوزان شعری کے مطابق ،کلمات کو قطع کر کے لکھا جاتا ہے۔

مثلاً یہ شعر ؎

تَلَقَّ	الْأُمُوْرَ	بِصَبْرٍ	جَمِيْلٍ
وَصَدْرٍ	رَحِيْبٍ	وَّخَلِّ	الْحَرَجْ

عروضیین اس طرح لکھیں گے ؎

تَلَقْقَ	لُلْ	أُمُوْرَ	بِصَبْرِنْ	جَمِيْلِنْ
وَصَدْرِنْ	رَحِيْبِنْ	وَخَلْ	لِلْ	حَرَجْ

’’حالات کا سامنا خوبصورت صبر اور کشادہ سینے کے ساتھ کر، اور کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کر۔‘‘

③ خط اصطلاحی یا خط قیاسی:

اس میں بہت سی اصطلاحات مروج ہیں کہیں ملفوظ کو لکھائی میں حذف کرتے ہیں، کہیں حرفِ غیر ملفوظ کا لکھائی میں اضافہ کرتے ہیں۔ کہیں ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف لکھا جاتا ہے مثلاً بُشْرٰى کہ تلفظ میں الف ہے لیکن لکھنے میں الف حذف کیا جاتا ہے اور کلمہ کے آخر میں یاء لکھی جاتی ہے اسی طرح اَلصَّلٰوة اور اَلزَّكٰوة وغیرہ ہیں کہ اس میں الف حذف کیا جاتا ہے اور واؤ لکھی جاتی ہے۔

خط اور رسم الخط کے درمیان فرق

خط کی تعریف:

خط کے معنی ہیں کلمہ کو اس کے ان حروف ہجا سے لکھنا جو اس پر وقف اور اس سے ابتداء کرنے کے وقت پائے جاتے ہیں۔

رسم الخط کی تعریف:

رسم الخط کے معنی ہیں قرآنی کلمات کو حذف وزیادت اور وصل وقطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

خط میں تبدیلی اضافہ، کمی وغیرہ ہو سکتی ہے لیکن رسم الخط میں تبدیلی قطعاً جائز نہیں نیز اس کو درج ذیل اشارے میں سمجھیں العٰلمین، الرّحمٰن، ھٰؤلاء، من نبائ المرسلین وغیرہ یہ چار کلمات ہیں ان کا موجودہ خط تو رسم عثمانی کے مطابق ہے کیوں کہ ان میں الف لکھا ہوا نہیں ہے اور ھٰؤلاء میں واؤ اور من نبائ میں یا لکھی ہوئی ہے اور اگر ان کو اس طرح لکھیں العالمین، الرحمان، ھاألاء، من نبا المرسلین تو ان کی کتابت گو تلفظ کے مطابق ہے لیکن رسم عثمانی کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان میں الف لکھا ہوا ہے نیز ھٰؤلاء میں واؤ من نبائ میں یاء مرسوم نہیں پس یہاں خط تو ہے لیکن رسم الخط نہیں۔

علم رسم المصاحف عثمانیہ

ڈاکٹر مظفر صاحب
صدر مدرس شعبہ تجوید و قراءات، ورس حضرت میاں وڈا صاحب

قرآن کی تعریف:

قرآن وہ کلام معجز ہے جسے حضرت محمد ﷺ پر بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل کیا گیا۔ جسے مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔ جو آپ ﷺ سے بتواتر منقول ہے اور جس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

قرآن کریم کے بعض دوسرے نام:

قرآن کریم کے بہت سے نام ہیں یہاں اختصار کی بنا پر بعض نام تحریر کیے جاتے ہیں، مثلاً ① الکتاب، ② الفرقان، ③ الھدیٰ، ④ القرآن، ⑤ موعظہ، ⑥ ذکر، ⑦ حکیم، ⑧ حبل، ⑨ احسن الحدیث، ⑩ تذکرہ، ⑪ شفاء الما فی الصدور، حکمت وغیرہ۔

قرآن کریم کی جمع وتالیف اور مصاحف عثمانیہ

جمع وتالیف:

یہ دو لفظ ہیں ان کے معنی ومفہوم میں قدرے تغایر پایا جاتا ہے تالیف کے معنی تو اوراق میں لکھنے اور تناسب کے ساتھ جمع کرنے کے ہیں۔ مگر جمع کے لفظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ لفظ تالیف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مطلق جمع کرنے کے لیے بھی آتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں پہلے جمع القرآن کا باب قائم کیا ہے اور پھر تالیف القرآن کا ترجمہ باندھا ہے۔ حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں یہاں جمع سے

مراد متفرق اور منتشر اجزاء کو چند مصحف یا ایک مصحف میں جمع کرنے کے ہیں۔

اور تالیف سے مراد آیات کو ایک سورۃ کی شکل میں ترتیب دینے یا چند سورتوں کو ایک مصحف میں ترتیب دینے کے ہیں۔ جمع القرآن کو چار ادوار میں منقسم کیا جاسکتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1: عہد نبوی ﷺ میں جمع قرآن:

امام کائنات حضرت محمد ﷺ پر جو آیت یا سورت نازل ہوتی آپ اسے کاتبین وحی سے لکھواتے تاکہ حفظ صدری کے علاوہ بذریعہ کتابت بھی وحی محفوظ ہوجائے۔ جمع نبوی کا مقصد قرآن کریم کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا تھا اس لیے قرآن کریم کو مختلف اشیاء پر تحریر کیا گیا کچھ سفید پتھروں کی تراشی ہوئی تختیوں پر کچھ سفید چمڑوں اور کچھ لکڑی کی ہموار تختیوں پر اس لیے یہ جمع یکجائی شکل میں نہ تھی عہد صدیقی میں جس کا تذکرہ آئندہ ہوگا کہ جمع قرآن سے یہ مقصود تھا کہ قرآن کو یکجائی کتابی صورت میں جمع کیا جائے تاکہ متفرق قطعات میں سے کسی قطعہ کے ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اور یہ جمع کاغذ پر ہوا ہے جو عہد نبوی ﷺ میں نہ تھا جبکہ عہد صدیقی میں کاغذ شام سے المدینۃ المنورۃ پہنچ چکا تھا۔

موطاء میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَمَعَ اَبُوْبَکْرٍ الْقُرْاٰنَ فِیْ الْقَرَاطِیْسِ.

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ میں ہے:

حَتّٰی جُمِعَ عَلٰی عَھْدِ اَبِیْ بَکْرٍ فِیْ الْوَرَقِ.

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کاغذ پر لکھ کر جمع کیا گیا۔

الغرض کہ نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق لکھے گئے قرآن کے حصہ کو خانہ بندی

میں محفوظ کر دیا جاتا اور اس کی نقول بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حاصل کر لیتے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی بالترتیب قرآن کریم جمع ہوتا رہا اور مکمل جمع تھا۔

کچھ مشہور کاتبین وحی کے نام:

① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ② حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
③ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ
⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ⑥ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
⑦ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ⑧ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ
⑨ حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ⑩ حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ
⑪ حضرت حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ ⑫ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ
⑬ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ⑭ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ
⑮ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کتب احادیث اور سیرت مطہرہ کی کتب میں تقریباً اٹھاون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام وارد ہیں جو کہ مختلف اوقات میں وحی الٰہی لکھنے کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں جمع قرآن کریم:

اس جمع کے محرک امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے، حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جب جنگ یمامہ میں ستر حفاظ اور قراء شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا جب میں گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور کہا کہ یمامہ کی جنگ کی

تیزی میں قراء شہید ہو گئے ہیں اگر اور جنگوں میں بھی شہادت قراء کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو قرآن کے اکثر حصوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا آپ حکم دیں کہ قرآن کریم کو تحریری صورت میں جمع کیا جائے، میں نے ان سے کہا کہ ہم ایسا کام کیوں کریں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم اس میں خیر ہے ان کا مطالبہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم عہد نبوی ﷺ میں تحریری صورت میں خود نبی ﷺ نے لکھوایا تھا لیکن ایک کتابی اجتماعی شکل میں نہیں تھا حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا مطالبہ اجتماعی اور کتابی صورت میں جمع کرنے کا تھا اس لیے حضرت خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اس سے مراد مجموعی کتابی صورت کی تدوین تھی۔ جس کی تدوین عہد نبوت میں ممکن نہ تھی لیکن عہد صدیقی میں ایسے احوال اور حالات پیش آئے کہ ایسا کرنا ضروری ہو گیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر وہ مصلحت کھل گئی۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے اس کام سے انکار کیوں کر رہے تھے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو فرمان تھا کہ میں کیسے وہ کام کروں جو نبی ﷺ نے نہیں کیا۔ اس سے درج ذیل تین وجوہ مراد ہیں:

1 ...... آپ ﷺ نے قرآن کریم کو ایک جگہ دو جلدوں کے درمیان جمع نہیں کیا لہٰذا میں کیوں کروں۔ یعنی آپ ﷺ نے چونکہ دو جلدوں کے درمیان جمع نہیں کیا لہٰذا میں بھی دو جلدوں کے درمیان نہیں کرتا، کہیں آپ ﷺ کے عمل کے خلاف کام نہ ہو جائے۔

2 ...... نبی ﷺ کے زمانہ میں مکمل قرآن لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انکار کر رہے تھے وہ لکھنے کا انکار نہیں تھا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں قرآن لکھا ہوا

تھا۔ انکار اس بات پر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تھا کہ قرآن کو ایک ایسے خاص رسم پر لکھا جائے جس پر تمام اختلاف منطبق ہو جائیں انکار صرف لکھنے کا نہ تھا بلکہ خاص رسم پر لکھنے کا انکار تھا۔ یعنی سبعہ احرف کے مطابق لکھنے سے انکار تھا۔

۳...... جنگ یمامہ میں قراء کی ایک جماعت کی شہادت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مصحف میں جمع قرآن کرنے کی تجویز پیش کرنے پر آمادہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پہلے پہل ہچکچاہٹ اور تردد کی وجہ یہ تھی کہ کہیں یہ امر قرآن کریم کے حفظ کے سلسلہ کو کمزور نہ کردے۔ اور لوگ صرف تحریر پر اعتماد نہ کر بیٹھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع نہ کرنے کے اسباب:

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وہ اسباب پیدا نہیں ہوئے تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور جس کی وجہ سے کتابی صورت میں مدون کرنا ضروری ٹھہرا۔

۲...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تحریر کی وہ سہولتیں میسر نہیں تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فراہم ہوئیں جیسے کاغذ و دیگر ادوات کتابت۔

۳...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں نسخ آیات کا احتمال تھا جس کی وجہ سے کتابی صورت میں تغیر کرنا پڑتا جو موزوں نہ تھا۔

۴...... قرآن کریم کی ترتیب نزول احوال وواقعات کے مطابق تھی اور آیات وسور کی ترتیب ربط مضامین کے اعتبار سے تھی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں قرآن کریم کتابی صورت میں مرتب کیا جاتا تو جدید نازل شدہ آیات کو ان کے مناسب آیات وسور کے ساتھ ملا دینے میں دشواری ہوتی۔

ان وجوہات کی بنا پر عہد نبوی میں قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا گیا۔

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حالات بالکل بدل گئے قراء کرام کی محاذ جہاد پر شہادتوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت پیدا کی کاغذ اور ادوات کتابت کی سہولت مہیا ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوئی اور قرآن کا نزول مکمل ہوا۔ لہٰذا قرآن کو کتابی صورت دینے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

دستور جمع صدیقی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں پوری احتیاط برتی اور ایسے انتظام کیے کہ قرآن کی جمع کتابی میں کسی قسم کے سہو اور فروگذاشت کا احتمال باقی نہ رہے۔ آپ نے جمع قرآن میں صرف محفوظ یا مکتوب یا مسموع ہونے پر اکتفا نہیں کیا کہ ان آیات کو قلمبند کیا جائے۔ جو کسی کو حفظ ہوں نیز وہ تحریری طور پر بھی موجود ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی بھی گئی ہوں۔ بلکہ جمع قرآن میں دو قاعدوں پر عمل کیا گیا۔

۱......ان لکھی ہوئی آیات کو جمع کیا جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے لکھوائی ہوں اور دو عادل گواہ بھی ہمراہ ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی اور سُنی گئی ہیں اس طرح لکھوانے کا ثبوت مہیا ہو جائے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ لِعُمَرَ وَزَيْدٍ أُقْعُدَا عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَمَنْ جَاءَ كُمَا بِشَاهِدَيْنِ عَلَى شَيْءٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاكْتُبَاهُ.
>
> ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا آپ دونوں حضرات مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ پھر اس کے بعد جو شخص آپ کے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ مع دو گواہوں کے لائے اسے لکھ لو''

۲......دوسری یہ کہ وہ آیات مکتوب ہونے کے علاوہ کثیر تعداد صحابہ کے سینوں میں محفوظ

بھی ہوں۔ (مناہل العرفان)۔ اسی طرح ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

وَمَا كَانُوْا يَكْتُبُوْنَ فِي الصُّحُفِ وَالْاَلْوَاحِ وَالْعَصَبِ وَكَانَ لَا يُقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ.

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کو لکھتے تھے صحیفوں، تختیوں اور شاخہائے خرما پر سے لیکن اس کو دو گواہوں کی گواہی کے بعد قبول کیا جاتا تھا۔''

تیسرا دور جمع عثمانی:

اسلام کا دائرہ جب وسیع تر ہوگیا تو جن مسلمانوں نے قرآنی آیات کو جس استاذ سے جس طرز تلفظ اور قراءۃ سے سیکھا تھا ان میں اور دیگر مسلمانوں میں جن کو دوسری قراءۃ کی تعلیم دی گئی تھی۔ اختلاف پیدا ہونے لگا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فتح آرمینیہ اور آذربائیجان سے واپسی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

أَدْرِكْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ تَخْتَلِفُوْا اِخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ.

''امیر المومنین اس امت کو سنبھالیے اس سے پہلے کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا ہوجائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ جب تم میں یہ اختلاف ہے تو دور کے شہر والوں میں اس سے زیادہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔

أَنْتُمْ عِنْدِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فَمَنْ نَأَىٰ مِنَ الْأَمْصَارِ أَشَدَّ اِخْتِلَافًا.

(الاتقان فی علوم القرآن ومناھل العرفان)

پس آپ نے یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آگے پیش کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن کریم کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لکھا گیا تھا۔ اور پھر اہتمام کیا گیا کہ ایسے رسم پر ان مصاحف کو لکھا جائے جس پر دوسری قراءات بھی منطبق ہوں یعنی یہ مصاحف سبعہ احرف کے مطابق ہوں اور اس کے متعدد نقول تیار کروا کر مشہور شہروں میں بھجوا دیے جائیں۔ اور اسی کے مطابق قرآن کریم کی تعلیم دی جائے۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے مصاحف عثمانیہ کی تحریر کے لیے جو مجلس بنائی گئی وہ ان چار ارکان پر مشتمل تھی تین قریشی اور ایک انصاری۔ قریشی حضرات میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن الحارث رضی اللہ عنہ، انصار میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ جو سبعہ احرف کے حافظ اور ماہر تھے اور عرضہ اخیرہ کے مشاہد اور کاتب وحی اور کاتب غیر وحی تھے۔

دستور جمع عثمانی:

جمع عثمانی میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا:

① ...... مصحف میں وہ چیز درج ہو جس کے قرآن ہونے کا قطعی یقین ہو۔

② ...... جس کے متعلق معلوم ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام (یعنی عرضہ اخیرہ) میں باقی تھا۔

③ ...... جس کی صحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور منسوخ التلاوت نہ ہو۔

مصاحف عثمانیہ کی تعداد:

① مصحف مدنی	② مصحف مکی	③ مصحف شامی	④ مصحف بصری
⑤ مصحف یمنی	⑥ مصحف بحرین	⑦ مصحف کوفی	⑧ مصحف امام

مصاحف عثمانیہ کی تاریخ

مصحف مدنی:

مصاحف عثمانیہ میں سے جو نسخہ مدینہ میں رکھا گیا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیات میں آپ کے پاس رہا آپ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر خلافت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا وہاں سے اندلس پہنچا وہاں سے مراکش کے دارالسلطنت فاس میں پہنچا (تاریخ ادریسی تذکرہ مصاحف) پھر کسی طرح مدینہ منورہ پہنچا جنگ عظیم اوّل میں فخری پاشا گورنر مدینہ اس کو دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا وہاں اب تک موجود ہے۔

مصحف مکی:

مکی مصحف ٦٥٧ھ تک معظمہ میں رہا محمد بن جبیر اندلسی رحمہ اللہ نے ٥٧٩ھ میں مکہ میں اس کی زیارت کی تھی مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں انہوں نے سیاحت کی یہ نسخہ جامع دمشق میں موجود تھا آپ کی زیارت غالباً انیسویں صدی عیسوی کے اخیر میں تھی کشاف المہدی صفحہ ١٥٧ میں ہے کہ سلطان عبدالحمید خان رحمہ اللہ جو ١٨٧٦ھ میں تخت نشین ہوئے اور تقریباً تیس برس تک انہوں نے حکومت کی ان کے زمانہ میں مسجد جامع دمشق میں آگ لگ گئی اس میں یہ مصحف بھی جل گیا۔ اللہ اعلم وعلمہ اتم

مصحف شامی:

احمد مقری مورخ رحمہ اللہ نے ٧٥٣ھ میں اس کی زیارت کی تھی یہ نسخہ کوفہ سے سلاطین اندلس پھر سلاطین موحدین پھر سلاطین بنی مرین کے قبضہ میں آیا اور جامعہ قرطبہ میں رہا اہل قرطبہ نے سلطان عبدالمومن رحمہ اللہ کو دیا عبدالمومن رحمہ اللہ کے حکم سے ابن بشکوال رحمہ اللہ نے مراکش کے دارالسلطنت فاس میں منتقل کیا یہ منتقلی گیارہ شوال ٥٥٣ھ کو ہوئی۔

۶۴۵ھ میں یہ مصحف خلیفہ معتضد علی بن مامون کے پاس رہا۔ اسی سال خلیفہ مذکور نے علسمان پر فوج کشی کی اور مارا گیا اسی فوج کشی میں یہ مصحف گم ہو گیا لیکن پھر علسمان کے شاہی خزانہ میں پہنچا وہاں سے ایک تاجر خرید کر فاس لایا وہاں اب تک موجود ہے۔

مصحف بصری:

یہ نسخہ کتب خانہ خدیو جو مصر میں ہے موجود رہا اس کو سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے وزیر نے ۵۷۵ھ میں تیس ہزار اشرفی میں خریدا۔

مصحف یمنی:

مصحف یمنی کتب خانہ جامع ازہر مصر میں موجود ہے۔

مصحف بحرین:

فرانس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مصحف کوفی:

کتب خانہ قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تین مصاحف اور ہیں جن میں مصحف عثمانی دوم جامع سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قاہرہ میں ہے اور مصحف عثمانی سوم جامعہ ملیہ دہلی میں موجود تھا اگر ہنگامہ تقسیم ہندوستان میں تلف نہ ہوا ہو تو موجود ہوگا مصحف عثمانی چہارم انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ ''کتبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ'' یہ نسخہ شاہان مغلیہ کے پاس تھا مغل بادشاہ اکبر کی مہر اس پر ہے ۱۸۴۵ء میں یہ نسخہ میجر راونس کو ملا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ کو دیا اب انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے اس کے ۱۸۱ صفحات ہیں فی صفحہ ۱۶ سطریں ہیں۔

مصحف امام:

یہ وہ قرآن حکیم ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ذاتی مصحف تھا۔ شہادت کے وقت

آپ اسی کی تلاوت فرمارہے تھے۔ شہادت کے بعد یہ آپ کے صاحبزادے حضرت خالد بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ بعد ازاں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس پہنچا۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔ ابن بطوطہ رحمہ اللہ (م ۷۷۹ھ) نے بھی اسی کو دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے یہ مصحف بصرہ میں ملاحظہ فرمایا۔ یاد رہے کہ ابن بطوطہ رحمہ اللہ نے مصحف شامی کی بھی دمشق میں زیارت کی ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ (م ۸۳۳ھ) اپنی تالیف ''النشر فی القراءات العشر'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ کے کتب خانہ میں اس کی زیارت کی ہے۔ امیر تیمور (م ۸۰۷ھ) بعد ازاں اسے اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا۔ بعد میں اس مصحف کو جامع عبید اللہ الاحمر میں منتقل کیا گیا۔ پھر ترکستان کے حاکم نے اس کو پیٹرزبرگ روس میں منتقل کردیا۔ ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس کے بعد یہ مصحف ادارہ نظارت دینی کو منتقل کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں اسے دوبارہ سمرقند منتقل کیا گیا۔ اس وقت یہ قرآن ادارہ مشرق شناسی ازبکستان تاشقند میں موجود ہے۔ اس کی ایک فوٹو کاپی پنجاب لائبریری میں قرآن مرکز میں بھی موجود ہے۔ لاہور کے عجائب گھر میں راقم نے آج سے تقریباً ۳۰ سال پہلے دیکھی تھی۔

آیات وسور قرآن

جمع عثمانی ۲۵ھ میں ہوا امام زرکشی رحمہ اللہ ودیگر علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ ترتیب آیات قرآن توقیفی ہے یعنی حکم الٰہی سے ہوئی ہے ہر آیت کے متعلق حضرت جبرائیل علیہ السلام حکم دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے ساتھ رکھو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ سے اسناد حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے امر کیا کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں رکھو اسی طرح ابوداؤد وترمذی ونسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے۔

كَانَ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا

هٰذِهِ الْآيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا.

''جب رسول اللہ ﷺ پر آیات نازل ہوتیں تو آپ ﷺ کاتب کو بلا کر فرماتے ان آیات کو اس سورۃ میں جس میں فلاں مضمون ہے شامل کر دو۔''

ترتیب سور میں راجح قول یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی سے ہوئی اور توقیفی ہے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے کرمانی رحمہ اللہ کی کتاب البرہان سے نقل کیا ہے۔

تَرْتِيْبُ السُّوَرِ هٰكَذَا هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ وَعَلَيْهِ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ يَعْرِضُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ كُلَّ سَنَةٍ.

''سورتوں کی ترتیب بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ لوح محفوظ میں ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ جبرائیل علیہ السلام کو سناتے تھے۔''

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے المدخل میں بھی لکھا ہے

كَانَ الْقُرْآنُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُرَتَّبًا سُوَرُهُ وَآيَاتُهُ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ إِلَّا الْبَرَاءَةَ وَالْأَنْفَالَ. (الحدیث ابن عطیہ)

امام ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے توقیفی ہونے کے ثبوت کے لیے سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان جلد ۲ صفحہ ۶۳ میں حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جو مسند احمد وسنن ابی داؤد میں موجود ہے اور ابن رشد رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف سے بھی مزید روایت نقل کی ہے امام زرکشی رحمہ اللہ نے البرہان میں لکھا ہے کہ جو ترتیب سور کو اجتہادی کہتے ہیں وہ درحقیقت توقیفی مانتے ہیں اور نزاع لفظی ہے کیونکہ توقیف عام ہے قولی ہو یا فعلی بہرحال ذخیرہ حدیث میں قرآن کی اکثر سورتوں کے نام عہد نبوت میں رائج اور معروف تھے جو الاتقان میں مذکور ہیں جو سورت کے توقیفی ہونے کی دلیل ہے۔

چوتھا دور نقاط و اعراب

چوتھے دور میں نقطے اور اعراب سے قرآن کریم کو مزین کیا گیا۔

مصاحف عثمانیہ نقاط اور اعراب سے خالی تھے کیونکہ اس وقت کے جو لوگ تھے عربی ان کی مادری زبان تھی عربی لکھنے پڑھنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا حالانکہ اس زمانے میں نحو کے قواعد بھی وضع نہیں کیے گئے تھے نحو کے قواعد حضرت ابوالاسود الدؤلی التابعی البصری رحمہ اللہ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں نے وضع کیے تھے۔

اور حضرت ابوالاسود ہی رحمہ اللہ نے مصاحف میں لال نقطے لگائے جو کہ اعراب کی جگہ تھے پھر امام خلیل بن احمد النحوی الفراہیدی رحمہ اللہ نے مصاحف میں شد و مد و ہمزہ اور علامت وصل و علامت وسکون کو قائم کیا۔

ہم شکل حروف کو باہم ممتاز کرنے کا رواج ابتدائی دور اسلام میں نہیں تھا خلیفہ عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کی حکومت میں عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو پھر عجمی حضرات نے پڑھنے میں زیادہ غلطیاں کیں تب حجاج بن یوسف امیر عراق کے حکم سے نصر بن عاصم اللیثی رحمہ اللہ اور یحییٰ بن یعمر عدوانی رحمہ اللہ نے ہم شکل حروف کو ممتاز کرنے کے لیے ان حروف پر نقطے لگائے اور پورے قرآن کے ایسے حروف کو نقطوں سے منقط کر دیا اور یہ سلسلہ تمام لوگوں میں آج تک اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ یاد رہے کہ نصر بن عاصم اللیثی رحمہ اللہ اور یحییٰ بن یعمر عدوالی رحمہ اللہ دونوں ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔

قرآن کا رسم الخط

دنیا کی کتابوں میں یہ امتیاز صرف قرآن مجید [1] کو حاصل ہے کہ وہ آج ہمارے پاس ٹھیک ان ہی الفاظ میں موجود ہے۔ جن الفاظ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

[1] بل ھو قرآنٌ مجیدٌ فی لوحٍ محفوظ (سورہ البروج ۲۱، ۲۲) یہ قرآن عظیم الشان ہے لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)

ہوا تھا۔ اور چودہ سو سال① سے زیادہ کا عرصہ گزرنے پر بھی یہ مقدس کلام ہر قسم کی تحریفات اور حذف و اضافہ سے بالکل پاک ہے۔② یہ میرا چیلنج اور دعویٰ ہی نہیں تاریخ کی کھلی شہادت اس پر ثبت ہے کہ اس کا حرف حرف متواتر و محفوظ چلا آ رہا ہے۔

قرآن کی اس زبردست حفاظت کا کا ایک سبب تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ③ ہے۔ جو اس نے خصوصیت سے اس کتاب کے لیے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے سائے میں رسول اللہ ﷺ نے اس کتاب کی حفاظت، جمع اور تدوین کے سلسلے میں جو کوششیں اور انتظامات④ فرمائے وہ اس کا دوسرا سبب ہیں۔

عام طور پر کسی علم یا کلام کی حفاظت کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک حفظ یعنی کلام کو بجنسہٖ اپنے اصل الفاظ کے ساتھ دل و دماغ میں محفوظ کر لینا، دوسرا تعامل یعنی اس کلام یا علم کے مطابق عملاً زندگی کو ڈھال لیا جائے۔ اور تیسرا کتابت ہے۔ یعنی اس کلام کو

---

① قرآن کا نزول ہجرت مدینہ سے ۱۳ سال قبل مکہ میں شروع ہوا تھا۔ مطابق ۶۱۰ء

② قرآن کے علاوہ جو آسمانی کتابیں آج پائی جاتی ہیں۔ مثلاً تورات، انجیل وغیرہ ان کے بارے میں قطعی ثابت نہیں ہوتا کہ مکمل طور پر یہ وہی کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں بعض حصے ان کے ایسے ہیں، جو قرآن کے ارشادات کی روشنی میں ''الہامی'' معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ جو کتابیں موجود ہیں ان کی تاریخ تدوین کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ● محض لوگوں کی یادداشت پر مرتب ہوئیں۔ ● جس رسول پر نازل ہوئی تھیں اس کے وصال کے بعد قید تحریر میں آئیں۔ ● سینکڑوں حوادث کا شکار ہوئیں۔ ● اصل مفقود ہے۔ ترجمہ در ترجمہ ہوتی ہوئی پہنچیں۔ اسی وجہ سے ان کے نسخوں میں سخت اختلافات ہیں۔

③ الرا تلك آيت الكتاب وقران مبين ..... انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحفظون (الحجر ۱۵: ۹) ا۔ل۔ر یہ آیات ہیں کتاب الٰہی اور قرآن مبین کی ..... یہ ذکر (قرآن) تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

④ انتظامات کے سلسلے میں کاتبان وحی کی تعداد (یعنی تقریباً چالیس) لکھنے کے لیے بہترین اشیاء (مثلاً لخاف، عسیب، کتف، رق وغیرہ) کا استعمال اور قرآن کے بار بار پڑھنے (دور) اور حفظ کی ترغیب قابل ذکر ہے۔

کسی چیز پر عبارت میں محفوظ کرتے ہوئے لکھ لیا جائے۔ قرآن کو تینوں طریقوں سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اسے حفظ بھی کیا گیا اس کے مطابق نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھالا کہ وہ قرآن کے چلتے پھرتے زندہ نسخے تھے۔① اور اس تعامل کے ساتھ اس کی کتابت بھی ہوئی۔ لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان تینوں حفاظتی طریقوں میں ''سماع اور تلقی'' اصل ہے۔ اور اعتماد و اعتبار اسی کو حاصل ہے۔ قرآن اول دن سے سماع اور تلقی پر موقوف ہے۔ اگر کتابت② نہ ہوتی تب بھی قرآن تواتر③ کے ساتھ منقول و محفوظ ہوتا ہاں غایت درجہ کی حفاظت کے لیے کتابت کا اہتمام

---

① وقال معمر عن قتادة سئلت عائشة عن خلق رسول اللهﷺ قالت کان خلقه القران تقول کما هو فی القران. (معمر نے قتادہؒ سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا اخلاق تو سرتاپا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن میں (لفظاً) ہے اسی طرح (عملاً ان کی زندگی میں ہے۔) (تفسیر ابن کثیر)

② کتابت کے ضمن میں فی زمانہ یہ غلط فہمی عام ہے کہ کسی علم کو محفوظ کرنے کا مستند ترین ذریعہ کتابت ہے۔ حالانکہ درحقیقت محض کتابت کی صورت میں کسی چیز کا آجانا اس بات کی قطعاً ضمانت نہیں ہے کہ وہ چیز ہر نقص سے پاک اور محفوظ ہے۔ حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ ضرور ہے لیکن واحد اور مستند ترین نہیں۔ اس مسئلہ پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بڑی مفصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب تدوین حدیث۔

③ قرآن کی حفاظت اور اس کا شک وشبہ سے بالاتر ہونے میں فی الحقیقت ''تواتر'' کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ اور قرآن کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم ترین وجہ یہی تواتر ہے۔ مزید آں تواتر اپنی تمام اقسام واشکال اور اپنی پوری شان سے موجود ہے۔ یہ تواتر ہمہ جہتی ہے۔ یعنی تواتر مکانی بھی موجود ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں متواتر رہا اور ہے۔ اس میں تواتر زمانی بھی ہے۔ یعنی ہر زمانے میں متواتر رہا اور ہے۔ اس میں تواتر منسوب الیہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس ذات اقدس (محمد ﷺ) کی طرف اس کی نسبت ہے وہ ذات بھی متواتر ہے۔ اس میں تواتر منسوب بھی ہے یعنی قرآن کا رسول ﷺ کی طرف منسوب ہونا بھی متواتر ہے۔ تواتر نسبت بھی موجود ہے یعنی منسوب و منسوب الیہ کے درمیان کا تعلق اور علاقہ اور اس میں تواتر جزو وکل بھی ہے۔ یعنی جس طرح قرآن مجموعی حیثیت سے متواتر ہے۔ اسی طرح اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک نقطہ بلکہ ایک ایک شوشہ تک متواتر ہے۔

بھی ہو گیا۔

کتابت قرآن کے ضمن میں ایک اہم چیز قرآن کا مسئلہ ''رسم الخط'' ہے۔ یعنی ہم یہ معلوم کریں کہ حضور ﷺ نے کس رسم الخط میں قرآن کی کتابت کرائی اور آج قرآن جس مکتوب شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ کتابت کے دائرہ میں کن کن مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچا ہے۔

تاریخ کتابت

خط کا آغاز کب اور کیسے ہوا، اور مختلف رسم الخط کس طرح وجود میں آ گئے۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اس کی ایک مستقل تاریخ ہے جو بہت پرانی اور دلچسپ ہے۔ لیکن یہاں یہ موقع نہیں ہے کہ خط کی اس طویل داستان کو دہرایا جائے۔ کیونکہ بالفعل زیر بحث مسئلہ قرآنی رسم الخط کا ہے۔ البتہ تاریخ کے بعض ان اشارات کا تذکرہ ناگزیر ہے جن کے بغیر ہم اصل موضوع تک نہیں پہنچ سکتے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجملاً قرآن کا رسم الخط ''عربی'' خط سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خط کو سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایجاد کیا تھا۔[1] اور حمیری، کوفی وغیرہ دراصل اسی کی مختلف شاخیں اور اصلاح یافتہ شکلیں ہیں۔[2] اس

---

[1] المحکم فی نقط المصاحف دانی۔ ص ۲۰۔ ابن ندیم نے خط عربی کی ایجاد کے سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک ہشام کلبی کی روایت ہے جس میں عرب عاربہ کے ۶ اشخاص کو موجد قرار دیا گیا ہے۔ دوسری روایت کعب سے ہے جس میں عربی فارسی اور دیگر خطوط کی ایجاد کو حضرت آدم علیہ السلام سے منسوب کیا گیا ہے۔ تیسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ کہ یہ قبیلہ بولان کے تین آدمیوں کی ایجاد ہے جو انبار میں رہتے تھے۔ ایک قول حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ متعدد اقوال اور بھی نقل کیے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ الفہرست لابن ندیم۔

[2] اور یہی قول قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ یہ سب قومیں سام بن نوح کی اولاد کہی جاتی ہیں۔

بیان کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پڑپوتے نبط بن حمل ① نے خط عربی میں اصلاح کر کے جس خط کو باقی رکھا۔ اس کا نام نبطی ہوا۔ اہل معین ② نے نبطی میں اصلاح کی وہ جزم کہلایا۔ جزم کو اہل سبا نے مزید ترقی دی وہ مسند حمیری ③ بن گیا۔ اسی میں بنی ہاشم کے ایک شخص قیرابن موز نے اصلاح کی اس وجہ سے وہ ''قیراموز'' مشہور ہوا۔ بعد میں اہل عراق نے اس میں اصلاح کر کے اسے کوفی بنالیا۔ ④

ایک دوسری روایت کے مطابق عربی خط کا سلسلہ نسب فنیقی خط سے جا کر ملتا ہے۔ جب فنیقی خط کا زوال ہوا تو غلبہ آرامی خط کو حاصل ہوا۔ آرامی خط میں غالباً سب سے پہلے حروف کو ملا کر لکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ عبرانی، نبطی، سریانی، سینائی اور عربی اسی آرامی خط کی شاخیں ہیں۔ ان خطوط کے چند نمونے درج ذیل ہیں: ⑤

---

① نبایوط یا نبط وغیرہ کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو ارض القرآن ج:۲، ص:۵۶ تا ۵۹

② معین ایک آبادی اور شہر کا نام تھا۔ جو یمن میں واقع تھا اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا۔ یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت یمن کا مستقر تھا۔ اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صفاء) واقع تھا۔ اہل معین کے بعد سبا اس کے مالک بنے۔ (ارض القرآن ج:۱، ص: ۲۰۳ تا ۲۰۷)

③ حمیر یا سباء کا طبقہ ثالثہ ورابعہ (از ۱۱۵ق م ت ۵۲۵ء) حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں ہے صرف خاندان اور محل حکومت کا فرق ہے۔ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا۔ حمیر مغربی یمن میں بحراحمر و بحر عرب کے متصل آباد تھے۔ سبا کی تباہی وتفرق کے بعد حمیر نے مآرب تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ آخری حمیری بادشاہ ذونو اس (۵۲۵ء) تھا۔ (ارض القرآن ج:۱، ص: ۲۷۳ تا ۲۷۶)

④ ملاحظہ ہو، مضمون بعنوان ''کتاب قرآن مجید'' ماہنامہ خاتون پاکستان قرآن نمبر بابت ۱۳۸۴ھ ص: ۲۳، از مولانا ظہور الحسن ناظم سیوہاروی، تاریخ القرآن۔ از عبدالصمد صارم ۔ص: ۲۹ نیز فہرست ابن ندیم ص: ۱۳ تا ۱۵

⑤ یہ روایت (ص ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵) اور خطوط کے یہ نمونے کتاب ''فن تحریر کی تاریخ'' سے ماخوذ ہیں۔ مصنفہ محمد اسحاق صدیقی علی گڑھ۔ ۱۹۶۲ء (شکل نمبر ۱۰۸ ص: ۱۵۸ نیز شکل نمبر ۱۳۲ ص: ۲۰۳)

قدیمی

آرامی ①

① آرامی خط میں زمانہ اور مقام کے اعتبار سے تفاوت رہا ہے۔ نینوئی، حترانی، مصر، یروشلم اور تدمیر (یا تدمر) میں بالترتیب، ساتویں صدی ق م، چوتھی اور پانچویں صدی ق م۔ تیسری اور چوتھی صدی ق م، دوسری صدی ق م، پہلی صدی ق م، اور پہلی صدی عیسوی کے حروف میں معمولی معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ ہم نے مثال میں مصر کے دوسری صدی قبل مسیح والے خط کی نقل دی ہے۔ (فن تحریر کی تاریخ... شکل نمبر: ۱۳۲، ص: ۲۰۳)

نبطی ①

① نبطی خط بھی زمانے اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہا ہے۔ ہم نے مثال میں جو شکلیں پیش کی ہیں زیادہ تر حجر میں پہلی سے تیسری صدی عیسوی تک کے زمانے کی ہیں۔ (ایضا) خط نبطی کی عبارت کا ایک نمونہ درج ذیل ہے۔

یہ دراصل ایک مزار کی لوح ہے جس میں خط نبطی میں عبارتیں کندہ ہیں۔ تین سطریں ہیں جنہیں بائیں سے دائیں (انگریزی کی طرح) پڑھا جاتا ہے۔ پہلی سطر میں جو عبارت ہے (دنا نفشو فشرد) اس کے معنی ہیں یہ فشرد کی قبر ہے۔ دوسری سطر کی عبارت (بشالی رابوجدت) کا مطلب ہے۔ بیٹا بشالی، راب بوڑھا، تیسری سطر (مالک تنوخ) میں ہیں شاہ تنوخ۔

یہ بھی ایک مزار کا کتبہ ہے جو امراء القیس ابن عمرو (لخمی بادشاہ ۳۲۸ ق م) کی قبر پر لگا ہوا ہے۔ (ماخوذ اسلامک ریویو۔ دوکنگ۔ ۲۶ مئی ص:۱۹)

کوفی ①

کتبات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربوں نے تیسری صدی عیسوی میں نبطی رسم الخط اختیار کرلیا تھا۔ اور چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں اس خط میں تغیر وتبدل کرکے بڑی حد تک انفرادیت پیدا کرلی تھی۔ ② کیا ہم اس منفرد خط کو خالص "عربی خط" کا نام نہیں دے سکتے؟

آخر میں "الخط الاُم" کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

"جغرافیائی حیثیت سے سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں۔ عربی، بابلی

① ساتویں صدی عیسوی میں جن کتبوں پر جس طرح کی اشکال ملتی ہیں ان میں سے یہ منتخب شدہ ہیں۔ یہاں لفظ کوفی کے استعمال سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا نام "کوفی" کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ کوفہ تو ظہور اسلام کے بہت بعد میں آباد ہوا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ وہی خط ہے جسے بعد میں کوفہ کے صاحبان فن نے ترقی دی۔ اور چونکہ کوفہ سے مخصوص ہوگیا۔ اس بناء پر ماہرین نے دوسرے خطوط سے ممتاز تمیز کرنے کے لیے اس کو خط کوفی کہہ دیا۔ اور جس خط کوفی کی طرف اشارہ ہے یہ دراصل وہ خط ہے جسے ایک قول کے مطابق اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک شخص مجمع نے خط حیری میں اصلاح کرکے ۴۰۰ ق م۔ میں بنایا تھا اور حیرہ و کوفہ کا تعلق بالکل واضح ہے (فن تحریر کی تاریخ ص ۲۰۰، خاتون پاکستان۔ قرآن نمبر ص: ۳۳)

② فن تحریر کی تاریخ، ص: ۲۰۳

اور شامی ان میں سے ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں:

①۔عربی: آرامی،ثمودی،مدیانی،نبطی ،سبائی،حمیری،حبشی وغیرہ

②۔بابلی: آرامی،کلدانی،سریانی

③۔شامی: آرامی،فنیقی،عبرانی،تدمری

جس زمانے میں یہ تمام قومیں صرف ایک خاندان یا قبیلہ تھا۔ظاہر ہے کہ ان کی کوئی مشترک زبان ہوگی۔جس کا نام ''سامی'' رکھتے ہیں۔سینکڑوں، ہزاروں برس کے بعد جب یہ ایک خاندان سینکڑوں قبائل اور یہ قبائل مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے تو آب وہوا، خصائص وعادات ، رسوم وعوائد، مذاہب ، اخلاق اور دیگر ضروریات کے اختلاف سے بنوسام کی مادری زبان سے مختلف زبانیں نمودار ہوگئیں۔لغویین میں اختلاف ہے کہ ان میں سب سے پہلی زبان کونسی ہے۔

بنوسام کا اصل مسکن عرب تھا اس لیے اصل سامی زبان کا جو کچھ بھی نام ہو،لیکن جغرافیائی اور ملکی حیثیت سے اس کا نام ''عربی''[1] ہی ہوگا۔پھر سامی قبائل میں سب سے پہلا نامور اور ممتاز قبیلہ بنوارم پیدا ہوا۔اس بناء پر عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی ہوگی۔ آرامی قبائل جس جس ملک میں جا کر بس گئے ان کے انتساب سے بعد کو ان کا الگ الگ نام پڑا۔اس بیان کے مطابق آل وسام کی قدیم ترین زبان کی ملکی حیثیت سے عربی اور قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہیے۔

عرب کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ان میں باہم متعدد امور میں امتیاز اور تفریق ہے۔ اہل عرب اس کی قومی تقسیم کرتے ہیں یعنی بنوقحطان اور بنواسماعیل اور علمائے یورپ نے اس کی جغرافیائی حد بندی کی ہے۔یعنی جنوبی اور شمالی ۔ بنوقحطان جنوبی عرب کے باشندے ہیں۔اور بنواسماعیل کا مسکن شمالی عرب ہے۔عربی زبان بھی ان دو شاخوں میں

[1] یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے اسے دور کر لینا چاہیے عربی زبان سے بعینہ وہ زبان مراد نہیں ہے جو ظہور اسلام کے وقت بولی جاتی تھی اور اب تک محفوظ ہے۔

منقسم نظر آتی ہے۔ شمالی (اسماعیلی) اور جنوبی (قحطانی) جنوبی عربی کی قسمیں یہ ہیں۔ سبائی، حمیری، حضر موتی، مہری، حبشی وغیرہ۔ ان میں سے سبائی زبان تو بہت پہلے مردہ ہوچکی تھی۔ بقیہ زبانیں ظہور اسلام تک بولی جاتی تھیں۔ شمالی زبانوں کے حدود، تدمیر (شام کے قریب) اور حیرہ (عراق کے قریب) سے شروع ہوتے ہیں۔ ان کی شاخیں ہیں۔ تدمیری، نبطی، حجازی۔ ان میں بھی الفاظ، حروف ومعانی اور قواعد کا باہم فرق ہے۔ دو پچھلی زبانوں میں آرامی کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ تدمیری زبان کی عربی زبان سے الفاظ میں بہت مغائر ہے بلکہ عبرانی کے قریب قریب ہے۔'' [1]

ظہور اسلام کے وقت عربوں میں کون سا خط رائج تھا؟

ماہرین السنہ اور مورخین کے بیان کے مطابق ظہور اسلام کے وقت عرب میں خط حیری یعنی خط انباری رائج تھا۔

كان الخط الذي يكتب به العرب في مبدأ ظهور الاسلام هو الخط الانباري الحيري المسمّٰى بعد انتقاله الى الحجاز بالحجازي.[2]

''ظہور اسلام کے وقت اہل عرب جس خط میں لکھتے تھے وہ انباری یعنی حیری تھا۔ جو حجاز میں منتقل ہوجانے کے بعد حجازی خط کے نام سے موسوم ہوا۔''

---

[1] ارض القرآن ج:۲،ص:۱۲۹ تا ۱۳۱ ملخصاً

[2] کتاب الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ

حیرہ① اور انبار② عراق کے دو مشہور مقامات ہیں۔

① حیرہ کوفہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر تھا (جسے اب نجف کہتے ہیں) یہ جاہلیت میں بخت نصر کے زمانے سے ملوک عرب کا مسکن رہا۔ پھر نعمتوں نے اس پر قبضہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ تبع اکبر (تبع قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ یہ لوگ قوم سبا کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ (۱۱۵ ق م) میں ان کو سبا کے ملک پر غلبہ حاصل ہوا اور ۳۰۰ء تک یہ حکمران رہے۔ (تفہیم القرآن، مولانا مودودی رحمہ اللہ ج:۴، ص:۵۶۹) نے جب خراسان کا رخ کیا تو فوج کے ایک حصہ کو اس مقام پر چھوڑ دیا۔ اور ان سے کہا کہ اس جگہ قیام کرو۔ دوسری روایت کے مطابق اسے اس لیے حیرہ کہا جاتا ہے کہ جب تبع کے لوگ اپنے لشکر سمیت یہاں آئے تو حیرہ کے مقام پر پہنچ کر اپنا راستہ بھول گئے اور حیران و سرگرداں ہوئے اس بنا پر اس کا نام حیرہ ہوا۔

حیرہ کی بنیاد بخت نصر نے نجف کے قریب رکھی۔ اس میں قلعے اور فصیل وغیرہ تعمیر کی اور سارے شہروں سے عرب تاجروں کو بلا کر آباد کیا۔ بخت نصر کے بعد اہل حیرہ اہل انبار سے ضم ہو گئے۔ اور حیرہ انتہائی خراب وخستہ حالت میں بہت عرصہ تک پڑا رہا۔ یہاں کے عرب قبائ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ بہت سے قبائل کے لوگ سائے، بالوں کے خیموں، اور پانی کی تلاش میں انبار و حیرہ کے درمیان فروکش ہو گئے۔ جنہیں ''عبرت ضاحیۃ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اہل حیرہ تین اقسام (اصناف) میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک حصہ کو ''تنوخ'' کہتے تھے یہ وہ لوگ تھے جو سایہ اور بالوں کے خیموں کی تلاش میں فرات کے مغربی کنارے پر (حیرہ اور انبار کے درمیان) مسکن نشین ہو گئے تھے۔ دوسرے حصہ کو ''عباد'' کہا جاتا ہے یہ وہ لوگ تھے جو حیرہ میں رہتے تھے۔ ان کے متفرق قبائل تھے جو اپنے ملوک کی عبادت کرتے تھے اور وہاں رہ پڑے تھے۔ اور تیسرے حصہ کو ''احلاف'' کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اہل حیرہ سے ملے اور وہاں ٹھہر گئے۔ یہ نہ تو تنوخ تھے نہ عباد۔ اور اردشیر کے مطیع تھے۔ (معجم البلدان ج:۲، ص:۳۳۱)

حیرہ عربوں کی ''لخمی سلطنت'' کا پایہ تخت تھا۔ اسے ۳۰۰ء میں آباد کیا گیا تھا۔ عملی طور پر ساسانیوں کے زیر اثر تھا۔ لخمیوں کی سلطنت وادی فرات اور خلیج فارس کے بالائی حصہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کی حیثیت عرب وفارس کے درمیان ایک ''فاصل ریاست'' Buffer State کی تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا، ج:۱۱، ص:۵۸۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۱۲ھ میں اسے فتح کیا۔ اس زمانے میں حیرہ کا مرزبان (حاکم) ایک ایرانی آزاذبہ تھا۔ اور اس وقت سے ۲۵ سال پیشتر عراقی عربوں کا یہ دارالحکومت اپنی پہلی شان وشوکت سے محروم ہو چکا تھا۔ (صدیق اکبر مؤلفہ سعید اکبر آبادی، ص:۲۵۴)

حیرہ کی فتح سے بیرونی دنیا میں مسلمانوں کا پہلا قدم نکلا۔ یہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تقریباً ایک سال تک قیام کیا۔ اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ فی الحقیقت حدود عرب سے باہر یہ مسلمانوں کا پہلا پایہ تخت تھا۔ (خلافت عروج انحطاط اور زوال سر ولیم میور۔ ص:۵۸)

② انبار، فرات کا ایک برباد شدہ شہر۔ بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر نہر خلکروی کے بالکل جنوب میں واقع تھا۔ ایک دفعہ اجڑ کر ۳۵۰ء میں دوبارہ ایرانی شہنشاہ کے ہاتھوں آباد ہوا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کا گڑھ بھی رہا ہے۔ بغداد کی تعمیر سے پہلے تک انبار جسے سفاح نے ''ہاشمیہ'' کا نام دے دیا تھا، عباسی خلافت کا مستقر اور مرکز رہا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج:۱، ص:۸۸۶) [بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر]

اس وقت عرب میں جو حیری وانباری خط رائج تھا دراصل اسے اہل مکہ نے اہل حیرہ وانبار سے سیکھا تھا۔ اور ہمارے نزدیک غالباً اسی کو بعد میں کوفی کہا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ماہرین انباری یا حیری کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت خط کوفی رائج تھا۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ۶ھ میں نبی اکرم ﷺ نے جو تبلیغی خطوط مختلف حکمرانوں کو ارسال فرمائے تھے ان میں سے کافی خطوط اس وقت تک دستیاب ہو چکے ہیں۔ وہ واضح طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ خطوط صریحاً خط کوفی میں لکھے ہوئے تھے۔ ایک نمونہ درج ذیل ہے۔ ①

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى المنذر بن

اس کو سب سے پہلے سابورین ہرمز ذوالاکتاف نے آباد کیا۔ اس کی تجدید ابو العباس السفاح خلیفہ اول۔ بنو عباس نے کی۔ اس میں قصور ومحلات تعمیر کیے۔ اور اپنی موت تک وہیں مقیم رہا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کو انبار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے عرب کے ان لوگوں کو تاخت وتاراج کیا جن کا کوئی اخلاق اور کوئی کردار نہ تھا تو قیدیوں کو وہاں (انبار میں) رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انبار بابل کی حد تھی اور چونکہ وہاں جو، گندم اور اینٹوں وغیرہ کے انبار لگے رہتے تھے اس لیے اسے "انبار" کہا جانے لگا۔ اور اکاسرہ اپنے ملازموں کو غلہ یہیں سے فراہم کیا کرتے تھے۔ (معجم البلدان۔ یاقوت حموی، ج:۱، ص:۲۵۸)

یہ شہر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص:۲۵۸)

① ایسے خطوط کی تعداد تو دو ڈھائی سو ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبہ جاتی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔ لیکن ان میں سے بعض خطوط کے عکس جو شائع ہو چکے ہیں یہ ہیں:

- مکتوب نبوی ﷺ بنام نجاشی
- مکتوب نبوی ﷺ بنام منذر
- مکتوب نبوی ﷺ بنام مقوقس نمبر ۱
- مکتوب نبوی ﷺ بنام مقوقس نمبر ۲

ساوی سلام علیك. فانی حمد الله الیك الذی لا اله غیرہ واشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبدہ ورسوله. اما بعد. فانی اذکرك الله عزوجل فانه من ینصح دا......

① علاوہ ازیں حیرہ، ابنار اورکوفہ ② (جو بعد میں آباد ہوا) تینوں مقامات عراق

---

① متن میں دیا ہوا نمونہ پچھلے حاشیہ کی تفصیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ کی کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' سے ماخوذ ہے۔ ملاحظہ ہو (ص: ۱۰۶ تا ۱۶۸)

② کوفہ، عراق میں سرزمین بابل کا مشہور شہر ہے چونکہ یہاں کے لوگ جمال رخسار رکھتے تھے۔ اس بنا پر اس کا نام کوفہ ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوفہ کو کوفہ لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے کہا گیا جیسے کہتے ہیں کہ قد تکوف الرمل یعنی ریت کے ذرات جمع ہو گئے۔ ایک قول کے مطابق یہ کوفان سے بنا ہے کہ لوگ بلاؤشر کے درمیان تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ کوفہ شہروں کا ایک ٹکڑا ہے اس لیے کوفہ کہا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قد اعطیت فلانًا کیفیة ای قطعة. ۱۸ھ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آباد ہوا۔ (بصرہ کے بعد) (معجم البلدان، ج: ۴، (:۴۹۰)

کوفہ کو ابتدأ ایک چھاؤنی (فوجی علاقہ) کے طور پر آباد کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس نے اسلامی ریاست کے دارالخلافہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہی شہر شیعہ تحریک کا گڑھ رہا۔ علمی وتمدنی اعتبار سے دسویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کا مرکز رہا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج: ۱۳، ص: ۵۱۲)

مدائن وغیرہ کی فتح اور بصرہ کے بعد آباد ہوا۔ زمین کا انتخاب خاص طور پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر) اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق وعرب کا فرماں روا تھا، ان کا پایہ تخت یہی مقام تھا۔ اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدید وغیرہ اس کے پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوش نما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدالعذاء (عارض محبوب) کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف قسم کے عربی پھولوں، اقحوان، شقائق، قصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ ۱۷ھ میں تعمیر شروع ہوئی۔ شہر کی وضع اور ساخت کے لیے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم تھا۔ یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس راس الاسلام فرماتے تھے۔ اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے علم النحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد بھی یہیں سے ہوئی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ وغیرہ کی شرکت سے فقہ کو جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث وفقہ اور علوم عربیہ کے بڑے بڑے ائمہ فن یہاں پیدا ہوئے۔ (الفاروق حصہ دوم)

کے اندر ہی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اور کیا عجب کہ ان تینوں مقامات پر ایک ہی خط متداول ہو اور جسے جگہ کی مناسبت سے مختلف نام دے دیئے گئے ہوں۔

جہاں تک مکہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مورخین ① کا اجماع کہ مکہ میں سب سے پہلے خط کا تعارف حرب بن امیہ ② کے ذریعہ ہوا۔ حرب بن امیہ نے خط کو اپنے سفر

---

① کلبی کی روایت ہے کہ سرزمین عرب میں سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند لوگوں یعنی مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرہ، اور عامر بن جدرہ نے کتابت سیکھی۔ اور ان کے استاد جبلان بن (موہم) کاتب الوحی ہود علیہ السلام تھے۔ قبیلہ طے کے لوگوں سے انبار والوں نے اور انباریوں سے آگے چل کر عراق اور حیرہ میں یہ فن عام ہوا۔ اور یہیں سے بشر اور حرب کے واسطوں سے یہ فن حجاز میں پہنچا۔ (مناہل العرفان۔ زرقانی، ج:۱، ص:۳۵۵)

② حرب بن امیہ بن عبد شمس، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دادا تھے۔ حرب نے خط کی تعلیم بشر بن عبدالملک سے پائی تھی۔ کیونکہ بلادِ عراق اور دوسرے مقامات پر تجارت کے سلسلے میں اس کا آنا جانا رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ تعلقات اس قدر مستحکم ہو گئے کہ بشر نے مکہ آکر حرب کی لڑکی صہباء سے نکاح بھی کر لیا۔ حرب سے خط کو متعدد لوگوں نے سیکھا۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ (تاریخ القرآن۔ کردی، ص:۱۱۹)

ایک روایت کے مطابق حرب کا استاد عبداللہ بن جدعان بھی تھا۔ ایک مرتبہ زیاد بن انعم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حضرات قریش! اس کتابت کو کیا تم زمانہ جاہلیت میں بھی جانتے تھے؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ: ہاں   زیاد: آپ لوگوں کو کس نے کتابت سکھائی؟۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ: حرب بن امیہ نے   زیاد: حرب بن امیہ کو کس نے سکھائی؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ: عبداللہ بن جدعان نے   زیاد: عبداللہ بن جدعان کو کس نے سکھائی؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ: قبیلہ انبار والوں نے   زیاد: انباریوں کو کس نے سکھائی؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ: یمنی قبیلہ کندہ کا ایک شخص تھا جو انباریوں میں رہنے لگا تھا۔ اسی نے ان کو کتابت سکھائی۔

زیاد: اس تو وارد کندی نے کہاں سے سیکھی؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ: جلمان بن دہم سے جو حضرت ہود علیہ السلام کا کاتب تھا۔ (دانی المحکم فی نقط المصاحف، ص:۳۶) تحریر و کتابت کا یہی ماخذ ذرا سے فرق کے ساتھ ابن ابی داؤد نے بھی اپنی کتاب ''کتاب المصاحف'' میں بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ج:۱، ص:۴)

تجارت کے دوران مختلف لوگوں سے حاصل کیا تھا۔ جن میں سے بشر بن عبدالملک ① خاص ہے۔ پھر اس کے بعد قریش مکہ کے بہت سے لوگوں نے اس کو سیکھ لیا۔

جہاں تک مدینہ کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں ماسکہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی تھا جو بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتا تھا۔ چانچہ مدینہ میں جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو دس سے کچھ زائد لوگ اس فن سے متعارف تھے۔ ان ہی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عربی اور سریانی دونوں زبانیں بھی بعد میں سیکھ لی تھیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ہی تحریص وترغیب پر تھوڑی ہی مدت میں مدینہ میں کثرت سے لوگوں نے فن کتابت سیکھ لیا۔ اور اس کی خوب اشاعت ہوگئی۔

مکہ اور مدینہ میں خط کی ان تفصیلات کے معلوم ہوجانے کے بعد غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی کتابت بھی اسی خط میں کرائی ہوگی جسے بعد میں ''خط کوفی'' سے موسوم کیا گیا۔ اس وقت اسے ممکن ہے خط عربی، یا خط حجازی یا خط حیری

---

① بشر بن عبدالملک دومۃ الجندل کے رئیس اکیدر بن عبدالملک بن عبدالجن الکندی کا بھائی تھا۔ بشر حیرہ آتا رہتا تھا اور وہاں کچھ عرصہ قیام بھی کیا کرتا تھا۔ وہ نصرانی تھا۔ اس نے اہل حیرہ سے ''خط عربی'' کو سیکھا۔ پھر مکہ آیا اور یہاں کے لوگوں کو سکھایا۔ اس فن میں وہ بہت ماہر ومشاق تھا۔ (تاریخ القرآن۔ کردی، ص: ۱۲۰)

چنانچہ دومۃ الجندل کا ایک باشندہ قریشیوں کو خطاب کرتے ہوئے اپنی سرزمین کا احسان بیان کرتا ہے:

اتجحدوا نعماء بشر علیکموا | فقد کان میمون النقیبة ازهرا
فاجریتم الاقلام عودًا و بداة | وضاهیتموا کتاب کسریٰ وقیصرا

(قریشیو! بشر کے احسانات کے منکر نہ ہو۔ وہ بڑی درخشندہ روایت ونسب کا مالک تھا۔ تم نے اپنے سفروں میں اس کے پاس آتے جاتے قلموں میں خوب روانی پیدا کی۔ یہاں تک کہ قیصر وکسریٰ کے میر منشیوں کے مشابہ ہوگئے۔)

بہر حال اسی طرح بشر طائف اور شام وغیرہ متعدد علاقوں میں بھی گیا اور وہاں کے لوگوں کو خط کی تعلیم دی۔ (تاریخ القرآن۔ کردی، ص: ۱۲۰)

کہا جاتا ہو۔ اس بات کے ثبوت میں ہمارے پاس نہ تو ایسی روایت ہے اور نہ ایسے مضبوط دلائل جن کی روشنی میں ہم کوئی بات حتمی طور پر کہہ سکیں۔ اور نہ ہی آپ کی زیر نگرانی کتابت شدہ قرآن کے اوراق وغیرہ کا کوئی عکس دستیاب ہوا ہے۔ البتہ بعض ایسے قرائن ضرور پائے جاتے ہیں جن کے پیش نظر درج بالا رائے کا اظہار کیا گیا۔

۱...... اس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اس وقت وہاں وہی خط حتماً اول تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کو سیکھا تھا۔ اس لیے اسی خط میں قرآن کی کتابت بھی ہوئی ہوگی۔

۲...... دوسرا قرینہ بلکہ ثبوت (جیسا کہ ذکر ہو چکا) یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن نامہ ہائے مبارک کے عکس ہم تک پہنچ سکے ہیں وہ صاف طور پر اسی خط میں ہیں جس کو ''خط کوفی'' کہا جاتا ہے۔

۳...... کاتبان وحی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اکثر کے متعلق یہ تصریح ملتی ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر قرآن کو (اس کے بعض حصوں یا متفرق سورتوں کو) حسب توفیق محفوظ کر رکھا تھا۔[1] بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف تھے۔ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذاتی مصاحف تھے۔ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مصاحف کے بعض ٹکڑے اور ان کے عکس قابل لحاظ ہیں۔

ان کو دیکھ کر صاف طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ''خط کوفی'' تھا۔ حروف کے اشکال اور ادغام واظہار میں فرق تھوڑا بہت، بدخطی یا خوش خطی کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ اور وہ بالکل فطری ہے۔

۴...... عام روایات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں قرآن کی لغت قریش (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا) کے مطابق تحریر کرایا تھا۔ اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ آپ نے اسے جس رسم الخط میں تحریر کرایا تھا اس کی پیروی

---

[1] تاریخ القرآن، صارم، ص: ۳۰۰، بحوالہ تسہیل البیان فی رسم قرآن القرآن، ص: ۳۹، وفوائد مکیہ، ص: ۲۸

آج بھی جاری ہے اور اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی بنا پر امت کا اجماع اور سواد اعظم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے۔ یعنی ہمیشہ سے وہی ہے جس کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تدوین کرائی اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تحریر کرایا تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قول سے اسی بات کا تائید ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کتابت اسی رسم الخط میں ہوئی تھی۔

فكتب تلك المصاحف على ما استقر عليه في العرضة الاخيرة عند رسول الله ﷺ عن جبريل عليه الصلوة والسلام عن الله تعالى. (مناہل العرفان، ج:۱، ص:۳۰۰، محمد عبدالعظیم زرقانی)

''پس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مصاحف (قرآن) کو بعہد خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ اسی رسم الخط میں لکھا۔ جو آخری عرضہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تھا۔''

بعض علماء رسم الخط کے توقیفی ہونے پر متفق نہیں ہیں۔ کچھ علماء اس سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ توقیفی وغیر توقیفی کی بحث تو بہت طویل ہے ہم مسئلہ کی وضاحت کے لیے اجمالاً کچھ باتیں عرض کریں گے:

اگر ان تمام مباحث کا جائزہ لیا جائے تو رسم الخط کے ذیل میں علوم قرآنی کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو واضح طور پر تین مذاہب[1] سامنے آتے ہیں:

(۱)...... ایک مذہب یہ ہے کہ رسم الخط توقیفی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تجویز کردہ تھا۔

(۲)...... بعض کے نزدیک رسم الخط توقیفی (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا اختیار کردہ تھا) ہے۔

(۳)...... بعض کہتے ہیں کہ پہلے توقیفی تھا اب غیر توقیفی ہے۔

---

[1] البرہان فی علوم القرآن، زرکشی، ج:۱، ص:۳۷۷

ان مذاہب کی کچھ تفصیل معلوم کرنا ناگزیر ہے اس لیے ہم ترتیب سے بیان کریں گے۔

1: رسم الخط (رسم عثمانی) توقیفی ہے:

اور اس کی مخالفت جائز نہیں یہی جمہور کا مذہب ہے اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱...... اس کا سکھانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ (جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔ سورۃ العلق آیت ۴، ۵) سورۃ القلم میں ہے: ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنِ (ن، قلم کی اور جو اہل قلم لکھتے ہیں اس کی قسم ۔ آیت: ۱)[البرہان فی علوم القرآن، زرکشی، ج:۱، ص:۳۷۷]

۲...... یہ (رسم الخط) ان اسماء کے حروف ہیں جو ''اسماء'' میں داخل ہیں اور ان ''اسماء'' میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا۔ [زرقانی ج:۱، ص:۳۷۰، مزید مباحث فی علوم القرآن، صبحی الصالح، ص:۳۷۵، ۳۷۶]

۳...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کاتبان وحی موجود رہتے تھے جو وحی کو فوراً لکھ لیتے تھے۔ کاتبان وحی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستور العمل بھی مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

> ألق الدواة، وحرف القلم وانصب الباء وفرق السين ولا تعود الميم وحسن الله ومد الرحمن وجود الرحيم، وضع قلمك على اذنك اليسرى، فانه اذكرلك. [الدیلمی ص:۳۱۴، کنزل العمال: ج:۱۰، الدر المنثور ج:۱، ص:۱۰]
>
> ''دوات کو صحیح کرو، قلم کی نوک پلک صحیح کرو، باء کو نمایاں کرو، سین کے دندانوں کو واضح کرو، میم کی آنکھ کو خراب نہ ہونے دو، اللہ خوبصورت لکھو،

رحمٰن میں مد بناؤ، رحیم کو عمدہ کر کے لکھو، قلم کو اپنے بائیں کان پر رکھ لیا کرو، اس طریقہ سے تمہیں لکھنے والی بات یاد رہے گی۔''

آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے بھی اسی رسم الخط میں مصحف قلم بند کرایا۔ پھر بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے مطابق نسخے تیار کرائے اور دیار وامصار میں بھیج دیے۔ یہ سلسلہ تبع تابعین تک جاری رہا۔ اور کسی نے نہ تو اس رسم الخط کی مخالفت کی اور نہ اس کا ثبوت مذکور ہے کہ اس کو بدلنے کی فکر کی ہو۔ یہاں تک کہ علوم کی باقاعدہ تدوین ہوئی۔ ان میں نئی نئی شاخیں پیدا ہوئیں لیکن رسم عثمانی اس طرح محفوظ ومتحرم رہا اور سب اسی کی پیروی کرتے رہے۔ [زرقانی ج:۱،ص:۳۷۰]

۴..... اس رسم الخط کو رسول اللہ ﷺ کے دور میں اختیار کیا گیا اس (مصحف عثمانی) پر بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔ تمام ائمہ مجتہدین اس پر متفق ہوئے اور مسلمانوں کا عہد تابعین میں ہی اجماع ہوا۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع واجب ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا لازمی ہے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین کی (عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ.) اور اس عہد میں اجماع امت واجب الاتباع ہے۔ بہر حال رسم مصحف کے سلسلے میں یہ اجماع اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اس سے عدول وتخالف جائز نہیں ہے۔ اور تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا اتباع کریں۔ [کردی ص:۱۰۳]

۵..... حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا مصحف کو ان حروف ہجاء میں لکھا جاسکتا ہے جو لوگوں نے ایجاد کر لیے ہیں؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا نہیں! ایک اور موقع پر جب یہ دریافت کیا گیا تو فرمایا مصحف کے حروف میں تغیر نہیں کیا جاسکتا مثلاً واؤ اور الف تک کے معاملے میں بھی کہ یہ رسم الخط میں تو زائد ہیں لیکن لفظ میں معدوم ہوتے ہیں جیسے لفظ اولوا۔ [کردی ص:۱۰۳]

6 ...... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا مصحف عثمانی کے خط کی مخالفت حرام ہے۔ [کردی ص:۱۰۳، زرقانی ج:۱، ص:۳۷۲]

7 ...... علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قراء علماء اور اہل کتاب کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس رسم مصحف کا اتباع کریں کیونکہ اسی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتابت کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امین اور کاتب وحی تھے۔ [زرقانی، ج:۱، ص:۳۷۳]

8 ...... فقہ حنفی کی کتاب المحیط البرہانی میں ہے کہ "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مصحف کی کتابت "رسم عثمانی" کے علاوہ کسی اور رسم الخط میں کی جائے۔" [زرقانی، ج:۱، ص:۳۷۲]

9 ...... قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شفا کے آخر میں لکھا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے کہ اس رسم الخط میں قصداً ایک حرف کی بھی کمی یا زیادتی یا تبدیلی کسی دوسرے لفظ کے بدلے میں، یا اس میں کسی حرف کا شامل کرنا، جائز نہیں۔ [کردی، ص:۱۰۵]

10 ...... شیخ عبدالرحمن القاضی المغربی رحمہ اللہ نے کہا: "رسم مصحف عثمانی کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ دوسرے تمام ائمہ اور افراد کا بھی اس پر اجماع ثابت ہے۔" [کردی، ص:۱۰۵]

11 ...... مصحف عثمانی کے رسم الخط کے چھ قواعد بھی ہیں جنہیں علمائے فن نے بیان کیا ہے۔ یعنی حذف زیادت، ہمزہ، بدل، فصل، وصل ان قواعد کے تحت وہ لکھا جاتا رہا اور آئندہ بھی لکھا جاسکتا ہے۔ [زرقانی، ج:۱، ص:۳۶۲]

12 ...... رسم الخط کے توقیفی ہونے کی بہت واضح دلیل یہ ہے کہ رسم عثمانی کے تحت بعض الفاظ کو جہاں جس طرح لکھا دیا گیا تھا۔ اس کو تبدیل کرنے کی آج تک کوشش نہیں کی گئی۔ اور زمانے کی ساری ترقیوں کے باوجود رسم الخط میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایسے الفاظ

کی مثالیں تو بہت ہیں ہم ذیل میں چند ذکر کریں گے:

①۔ نبای المرسلین (انعام: ۳۴)	نباء المرسلین (قصص: ۳)
②۔ سبع سموت (فصلت: ۱۲)	سموت (پورے قرآن میں)
③۔ ولا تقولن لشای (کہف: ۲۳)	قولنا لشئ (نحل: ۴۰)
④۔ قال ابن أمّ (اعراف: ۱۵۰)	قال یبنئوم (طہٰ: ۹۴)
⑤۔ وبالو الدین احسانا (بقرہ: ۸۳)	وبالوالدین احسانا (نساء: ۳۶)
⑥۔ قل اصلاح (بقرہ: ۲۲۰)	اور اصلح بین الناس (نساء: ۱۱۴)
⑦۔ وذلک جزاء الظالمین (مائدہ: ۲۹)	وذلك جزاء المحسنین (مائدہ: ۸۵)
⑧۔ نعمت اللہ (بقرہ: ۲۳۱)	نعمة اللہ (مائدہ: ۷)

⑨۔ فہل ینظرون الا سنت الاولین فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا (فاطر: ۴۳) سنة اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا (فتح: ۲۳)

⑩۔ وجنت نعیم (واقعہ: ۸۹)	جنة (پورے قرآن میں)

⑪۔ لعنت اللہ علی الکاذبین (آل عمران: ۶۱) ان علیہم لعنة اللہ (آل عمران: ۸۷)

⑫۔ قل کم لبثتم ف الارض (مومنون، ۱۱۲، ۱۱۴، انبیاء ۴، ۱۱۲، زخرف: ۲۴)

اذ قال لابیہ وقومہ (انبیاء: ۵۲، ۵۶، ۶۳، ۶۶، زخرف: ۶۶)

یہ تو چند مثالیں تھیں ورنہ اس قسم کے اختلافات (رسم الخط میں) قرآن میں بہت جگہ پائے جاتے ہیں۔ جو بجائے خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رسم الخط توقیفی ہے۔ غیر توقیفی ہوتا تو یہ اختلافات موجود نہ رہتے سب جگہ یکساں طور پر لکھا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسم الخط کو ہر زمانے میں اصلی شکل پر برقرار رکھا گیا۔ بقول زمخشری

قرآن کے رسم الخط میں بعض الفاظ خلاف قیاس لکھے گئے ہیں لیکن مسلمانوں نے اسے درست کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لکھا ہوا پایا تھا اسی طرح آئندہ نسلوں تک پہنچاتے چلے گئے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ بھی سامنے آتا ہے کہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ سے قبل بھی اس کے علاوہ کوئی اور رسم الخط نہ تھا۔ ان دلائل کی بنا پر ہم رسم الخط کو توقیفی قرار دے سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں رسم عثمانی کے اتباع سے متعدد فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

①...... مصاحف کی کتابت پر ابتدائے امر سے لوگوں کا واقف ہونا۔ نیا رسم الخط ہونے کی صورت میں لوگ عجیب سا محسوس کریں گے اور پڑھنے میں مشکلات پیش آئیں گی۔

②...... ایک ہی کلمہ بقدر امکان، متعدد قراءات پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس میں یہ رعایت موجود ہوتی ہے۔ کہ اگر کسی کلمہ کی دو یا اس سے زیادہ قراءتیں ہیں تو ان کی گنجائش رہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ: ان هذان لساحران کو مصحف عثمانی میں یوں لکھا جائے گا۔ ان هدن لساحران (بغیر کسی نقطہ یا تشدید اعراب وغیرہ کے) اس کو کئی طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

قرأۃ نافع	ٍان هذن
قرأۃ ابن کثیر	ٍان هذان
روایت حفص	ان هذان
قرأۃ ابی عمرو	ٍان هذين

③...... اس میں ظاہری اعتبار سے مختلف معانی کا احتمال رہتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ: ام من يكون عليهم وكيلا اور ام من يمشي سويا على صراط مستقيم اگر اس کو "امن" کی طرح ادغام کے ساتھ لکھ دیں تو پہلے والے "ام" (جو منقطع ہونے پر دلالت

کر رہا ہے اور "بل" (بلکہ کے معنی میں آیا ہے) اور دوسرے "ام" (پہلے سے مختلف ہے) کے معنی میں فرق نہ رہے گا۔

④......زیادت یاء معنی خفی پر دلالت کرتی ہے مثلاً والسماء بنینھا بائید اس میں اللہ کی قوت کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔

⑤......اس میں حرف کی اصل حرکت (زبر، زیر، پیش) کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ کون سے حروف منقلب ہوتے ہیں۔

⑥......بعض لغات فصیحہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے مثلاً ھاء تانیث، تاء مفتوحہ (لغت طے) مثلاً یوم یاتی لا تکلم نفس الا باذنہ. یأت. یہ دلالت ہے لغت ہذیل پر۔ (یاء کے حذف کے ساتھ)

⑦......اس کی سند متصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔

2: رسم الخط (رسم عثمانی) غیر توقیفی ہے:

بعض علماء (خصوصاً جدید زمانے کے) یہ خیال رکھتے ہیں کہ رسم الخط غیر توقیفی (اصطلاحی) ہے۔ اس سلسلے میں ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

① ...... جہاں تک کتابت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے امت پر کوئی چیز فرض قرار نہیں دی۔ کتاب اللہ کے نصوص یا ان کے مفہوم میں بھی ایسی بات نہیں پائی جاتی۔ سنت میں بھی کوئی نص نہیں ہے نہ دلیل، اور نہ اجماع امت نے اس کو واجب کہا۔ اور نہ قیاسات شرعیہ کی دلالت ہے۔ بلکہ سنت تو اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ سہولت کے لحاظ سے جو رسم چاہے اختیار کر لے۔ اس وجہ سے خطوط مصاحف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بہت سوں نے مخارج الفاظ کے اعتبار سے کتابت کی اور بہت سوں نے اصطلاح کے اعتبار سے کمی زیادتی کی۔ اور اسی لیے نئے خطوط میں قرآن کو لکھنے کا جواز پیدا ہوا اور آنے والے زمانوں میں مختلف خطوط میں مصاحف کی کتابت کو روا رکھا

گیا۔ کیونکہ فی الحقیقت خطوط تو علامات اور نشانیاں ہیں۔ جن کے سہارے اسرار و رموز اور اشارات چلتے ہیں۔ [زرقانی، ج:۱، ص:۳۷۳]

⟐ ...... یہ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آپ اُمی تھے۔ نہ تو لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۞ [العنکبوت:۴۸]

تو یہ کیسے ممکن تھا کہ نبی کریم ﷺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو املا کرا دیتے اور وہ اس ہدایت کے ساتھ کہ فلاں جگہ، فلاں حرف کی زیادتی کے ساتھ فلاں لفظ لکھو اور فلاں جگہ اس کو حذف کر دو۔ اور فلاں جگہ ملا کر (اصل کے ساتھ) لکھو اور فلاں جگہ (فصل کے ساتھ) علیحدہ علیحدہ لکھو۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کیف وکم کے ساتھ املا کی روایتیں منقول نہیں ہیں۔ اور یہ باتیں فی الحقیقت اگر تواتر سے ثابت ہوتیں تو کسی بندۂ خدا کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ علاوہ ازیں یہ واضح رہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس طرح کتابت وتحریر کے اتنے دقیق اصول وقواعد سے واقف تھے تو پھر یہ بات کیسے صادق آتی کہ آپ نبی اُمی ﷺ ہیں۔ [کردی]

⟐ ...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی لفظ "تابوت" کی کتابت کے معاملہ میں جب باہم مختلف ہوئے۔ یعنی اسے بالتاء مطولہ سے لکھا جائے یا گول ھاء سے (تابوہ) تو معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو تاء سے لکھنے کا حکم دیا۔ اگر رسم توقیفی ہوتا اور اسے نبی کریم ﷺ نے املا کرایا ہوتا تو ایسی صورت میں حضرت زید رضی اللہ عنہ لوگوں سے کہہ سکتے تھے کہ "نبی کریم ﷺ نے مجھے تاء کے ساتھ ہی لکھنے کا حکم دیا تھا۔" اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرما سکتے تھے کہ "تم اسی طرح اور اسی کیفیت کے ساتھ لکھو جس طرح تمہیں رسول اللہ ﷺ نے

املا کرایا ہے۔ [کردی]

④...... اگر رسم الخط توقیفی ہوتا تو رسم الخط کو ''رسم عثمانی'' کے نام سے نہ پکارتے بلکہ اس کو رسم توقیفی یا رسم نبوی کہا جاتا۔ [کردی، ص:۹۸ تا ۱۰۰]

منذر بن ساوی کے نام رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک



ساتویں صدی ہجری کے ایک قرآن شریف کے نسخے کی تصویر



⑤......اگر رسم الخط توقیفی ہوتا تو اس کی صراحت امام مالک رحمہ اللہ ضرور کرتے جب کہ آپ رحمہ اللہ نے چھوٹے بچوں کے لیے ایسے مصاحف کو پڑھنا جائز قرار دے دیا جو رسم عثمانی میں نہ تھے۔ اور اسی طرح دوسرے تمام ائمہ کو تصریح کرنی چاہیے تھی۔ [کردی، ص:۹۸ تا ۱۰۰]

⑥......بعض لوگ رسم الخط میں ذرا سا بھی تغیر جائز نہیں رکھتے مثلاً طٰغین (صافات، ن) اور طاغین (نباء) کو ایک ہی صورت میں نہیں لکھ سکتے۔ اور بہت سے لوگوں نے تو

اس کو اس حد تک مکروہ جانا کہ کفر کا فتویٰ لگا دیا اور کہا کہ جو رسم الخط میں زیادتی یا کمی کا ارتکاب کرے گا۔ حالانکہ حدیث کی روشنی میں یہ سب کو معلوم ہے کہ کسی مسلمان کی طرف نسبت کفر کرنا بجائے خود کفر ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اس قول (لشایء) کو علم وعقل کے مطابق محض (لشيء) لکھ دینے سے لکھنے والے کا شمار کافروں میں ہو جائے گا؟ (جس میں ایک الف کم کر دیا گیا ہے) یا اسی طرح ایک لفظ میں ایک الف زیادہ کر دینے سے وہ ہمیشہ ہمیشہ نار دوزخ کا ایندھن بنے گا؟ اور صالحین کی دعاؤں سے محروم اور شفاعت کا مستحق نہ رہے گا؟ [الفرقان، ابن خطیب، ص:٦٧]

⑦...... ابن خلدون کا مندرجہ ذیل بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ رسم الخط اصطلاحی اور غیر توقیفی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب قرآن کریم کو لکھا تو اپنے خاص رسم خط میں جو اکثر مواقع میں مروجہ اصول کتابت کے بالکل مخالف تھی۔ پھر تابعین بھی تبرکاً انہیں کے نشانات قدم پر چلے اور ان سے انحراف کو گستاخی سمجھا۔ کیونکہ یہ بزرگ برگزیدہ خلق تھے اور ناقلین کتاب اللہ۔ ان سے سرمو مخالفت مناسب نہ جانی اور آئندہ بھی ولیوں اور عالموں کے رسم الخط کی تبرکاً خواہ وہ ٹھیک ہو یا غلط، پیروی کی جاتی ہے۔ اور اس سے عدول برا سمجھا جاتا ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو صحابہ ہی ہیں۔ لیکن علمائے رسم خط نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسم الخط میں جگہ جگہ اختلاف کی وضاحت کر دی۔ اور ان مقامات کی پوری پوری نشان دہی کی جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اصول سے باہر قدم رکھا۔

اب اگر کوئی ناسمجھ عقیدت مندی میں ہماری بیان کردہ حقیقت سے انکار کرے اور یوں کہے کہ نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسم الخط سب جگہ اصول وقواعد کی حد میں تھا۔ اور جہاں اصول ٹوٹتا نظر آتا ہے وہاں اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے جو اپنے اندر ایک معقولیت رکھتی ہے۔ مثلاً لَاَاْذْبَحَنَّهٗ میں الف کی زیادتی جو خلاف اصول نظر آتی ہے وہ ایک وجہ معقول پر مبنی ہے کہ یہاں ساتھ ساتھ یہ بھی بتانا ہے کہ ذبح کا عمل وقوع پذیر نہ ہوا۔ یا اس قسم

کی اور مثالیں۔ تو یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں اور ایسی توجیہات وتاویلات کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عقیدت رکھتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خط رسم الخط کی غلطی مانیں تو ان میں ایک قسم کا نقص لازم آئے گا۔ حالانکہ وہ نقص سے پاک ہیں اور یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ خط وکتابت کوئی ایسا کمال نہیں کہ اس کی غلطی نقص میں شمار ہو۔ لہذا اسی تخیل کے ماتحت یہ اس نقص سے انکار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رسم الخط کے کمال کے معترف رہے۔ اور جہاں اصول ٹوٹتا نظر آیا، وہاں اس کی وجہ کی تلاش میں لگ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطاطی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کوئی کمال نہیں کہ اس کا قصور ان کی ذاتوں میں نقص پیدا کرے۔ کتابت تو دراصل ایک شہری معاشی صنعت ہے اور صنعت میں کمال ایک مطلق اضافی کمال ہے۔ اس کا نقص وقصور انسان کی دینی حیثیت ومذہبی اہمیت پر اثر نہیں ڈالتا۔ اور نہ اس کی اخلاقی کیفیت کو بگاڑتا ہے۔ اس کے کمال ونقص کا اثر محض اسباب معاش پر پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہونا آپ میں کمال ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرف کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھے جہاں پہنچ کر معاشی صنعتوں سے پاک ہی ہونا چاہیے۔ البتہ اُمی ہونا ہمارے حق میں نقص ہے کمال نہیں۔ ظاہر ہے آپ حق سے وابستہ اور دنیا سے دور تھے۔ اور ہم دنیا سے وابستہ اور حق سے دور ہیں۔ دنیوی زندگی میں گھرے ہوئے ہیں۔ صنعتوں کے بغیر ہماری گزر نہیں۔ علوم اصطلاحیہ حاصل کیے بغیر ہم رہ نہیں سکتے۔ اس لیے اُمی ہونا ہمارے لیے سراپا نقص وقصور ہے۔ [ابن خلدون، مقدمہ، ص:۴۱۷، ۴۱۸]

ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسم خط توقیفی نہیں بلکہ غیر توقیفی ہے۔ [کردی، ص:۱۰۰]

3: ان اعتراضات کے جوابات:

مناسب معلوم ہوا کہ ان اعتراضات کے جوابات بھی ترتیب وار نقل کر دیئے

جائیں، تاکہ ذہن میں خلجان کا باعث نہ بنیں:

1 ......اولین اعتراض کہ کتابت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اُمت پر کوئی چیز فرض قرار نہیں دی۔ اس سلسلہ میں اکابر علماء رسم اس بات کے قائم ہیں کہ قرآن مجید کی رسم رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تھی۔

امام شاطبی رحمہ اللہ "عقیلہ" میں فرماتے ہیں:

وکل ما فیہ مشھود بسنتہ
ولم یصب من اضاف الوھم والغیرا

یعنی قرآن مجید میں جس قدر بھی اوضاع ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ کے حکم وسنت سے شہرت یافتہ ہیں۔ اس شخص نے درست بات نہیں کی۔ جس نے اس رسم کو وہم وتغیر کی طرف منسوب کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ساتھ کتابت کی تعلیم شروع ہوئی۔ جس طرح آپ ﷺ کو علوم قرآنی کا انکشاف ہوا اصول کتابت کا بھی ہوا۔ ورنہ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ بے جوڑ بات ہوگی اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ [النحل:۴۳،۴۴]

''اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو (اور ان پیغمبروں کو) دلیلیں اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا)۔''

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ کا تعلق، فعل اَرْسَلْنَا سے ہے، فَسْـَٔلُوْٓا سے نہیں یعنی ہم نے ہمیشہ مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ یہ ایسی مشہور بات ہے کہ اہل علم سے پوچھ لو کہ ہر پیغمبر

کو معجزات اور صحیفوں ہی کے ساتھ بھیجا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر پیغمبر صحیفوں کے ساتھ آئے اور ظاہر بات ہے کہ ان صحیفوں کی تلاوت علی الامہ ہر پیغمبر ہی نے کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوشت وخواند تمام پیغمبروں کا عمل رہا ہے۔ اس میں حضرت ادریس علیہ السلام یا حضرت ھود علیہ السلام یا حضرت آدم علیہ السلام ہی کی خصوصیت نہیں لھذا علماء روایت کا یہ کہنا ہے کہ:

القرآن قد کتب بامرہ املائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کوئی تعبیر مجازی نہیں۔ سیدھا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ آپ کے حکم سے لکھا گیا اور اس کے رسم وانشاء بھی آپ کے فرمان سے ہوئی۔

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ کے ذیل میں پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ خاں رحمہ اللہ اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن میں کہتے ہیں۔

اس پہلی وحی کا لب لباب انسانی علم کا ایک ذریعہ ہونے کے سبب قلم کی تعریف کرنا ہے۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب قرآن کریم کو تحریری شکل میں محفوظ رکھنا تھا۔

۲ دوسرا اعتراض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور اُمی تھے۔

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ نبوت کے بعد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ پڑھ سکتے تھے۔

بغوی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ کتابت میں مہارت نہ تھی لیکن واقفیت تھی۔ بغوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تہذیب میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ فرمایا ہے انہ الاصح۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت بیان کی کہ وفات سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوشت وخواند سے واقف ہو چکے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیخ کبیر ابوعمرو شعبی رحمہ اللہ سے یہ روایت نقل کی گئی تو فرمایا کہ

روایت صحیح ہے کہ ہم نے اپنے اصحاب کو پایا وہ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے معراج کی رات جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا۔ صدقہ کا ثواب دس گناہ اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے۔

آپ کتابت پر قادر تھے صحیح بخاری میں اس پر احادیث کی شہادت موجود ہے صلح حدیبیہ میں ہے۔

فاخذ رسول اللہ ﷺ الکتاب ولیس یحسن الکتاب فکتب هذا ماقاضی علیہ محمد بن عبداللہ۔ [الحدیث]

ابو ذرھروی رحمہ اللہ ، ابوالفتح نیشاپوری رحمہ اللہ اور مغاربہ میں ابوالولید باجی رحمہ اللہ اور سمنانی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔

نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ حدیث "الق الدواۃ" ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کتابت قرآن کے متعلق بہت واضح ہدایات فرمایا کرتے تھے۔

۳...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضرات میں لفظ "تابوت" کی تاء کو لمبا یا گول لکھنے کی بابت جو اختلاف ہوا۔ یہ تاریخ وسیر کی تمام کتب میں واحد واقعہ ہے جو مصاحف کی کتابت کے دوران پیش آیا۔ اس کا سبب یہ امر ہوا کہ مصحف ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں لفظ "التابوت" کی تاء حوادث زمانہ کے سبب حذف ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس بناء پر اس کی تاء کی کتابت میں اختلاف ہوا۔

ابن ابی داؤد اپنی کتاب ''کتاب المصاحف'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ارکان مجلس کو ہدایت فرمائی کہ اگر تمہارے درمیان کسی کلمہ کی کتابت میں اختلاف پیدا ہوجائے تو تم نے وہ کلمہ لغت قریش پر لکھنا ہے۔ ان اراکین کا اختلاف

صرف سورۃ البقرہ کے کلمہ "التابوت" میں ہوا کہ اس کی تاء ثانی کو کس طرح لکھا جائے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ اس کو تاء مدورہ سے لکھا جائے اور رباقی حضرات کا خیال تھا کہ نہیں اسے تاء مطولہ سے لکھا جائے۔ آخر یہ مسئلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ کے فرمان کے مطابق اسے لغت قریش کے مطابق تاء مطولہ سے تحریر کیا گیا۔

۴ ...... رسم الخط توقیفی کو رسم عثمانی کیوں کہا جاتا ہے۔

لفظ توقیفی اور سماعی ہم معنی ہیں توقیف وقف سے ہے بمعنی ٹھہراؤ، یعنی اوضاع رسمی کا موجد کوئی کاتب وحی نہیں ہے یا یہ لفظ وقوف بمعنی شعور و تعلیم سے ہے۔ یعنی یہ تمام رسم امر مشروع سے شارع علیہ السلام کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں ہے۔

چونکہ مصاحف کو تحریر کروا کے بلا د اسلامی میں پھیلانا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے۔ لہٰذا یہ خط بھی ان سے منسوب ہوگیا۔ بالکل ایسے ہی جیسے کہ قراءات متواترہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ ہیں۔ مگر آئمہ عشرہ کے ان کے لیے اپنی ساری عمریں لگا دینے کی وجہ سے ان سے منسوب ہوگئیں۔ بعینہ یہ رسم الخط توقیفی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر کردہ ہے۔ مگر چونکہ مصاحف کی نشر واشاعت کا عظیم الشان کارنامہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ لہٰذا یہ خط ان کے نام سے موسوم ہو کر رسم عثمانی کہلایا۔

۵ ...... رسم الخط توقیفی ہونے کے متعلق ہم علماء اسلام کے اقوال اوپر نقل کر آئے ہیں اور جن میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی شامل ہے۔

۶ ...... رسم کو تبدیل کرنے پر کفر کا فتویٰ۔

عمدۃ البیان میں شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ رسم قرآن کو تبدیل کرنا کفر ہے۔

وکیف لایجب الاقتداء لما اتی نصابہ الشفاء

الی عیاض انه من غیرا حرفا من القرآن عمدا کفرا

زیادة اونقصا او ان ابدلا شیا من الرسم الذی تاصلا

''کسی طرح اقتداء نہیں ہے۔ اس کو جو شفاء میں نص ذکر کی ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہ جس نے عمداً قرآن سے کوئی حرف تبدیل کیا اس نے کفر کیا ہے۔ زیادہ کیا یا کم کیا یا رسم سے کسی حرف کو بدلا جو کہ اصل ہے۔ اس نے بھی کفر کیا اس کا کفر ہونا ظاہر ہے کہ جو کام خیر القرون میں صحابہ کرام نے کیا اور پھر صحابہ کرام کا اجماع بھی اس پر ہے۔ اس کا تبدیل کرنا کفر سے کم نہیں۔ لہٰذا یہ رسم توقیفی ہے جس میں تغیر وتبدل ہرگز جائز نہیں۔''

مذکورہ بالا بیان سے فتویٰ کی بہت اچھی طرح تصریح ہوجاتی ہے کہ چونکہ یہ رسم توقیفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف لکھنا کفر کے زمرے میں ہی آئے گا۔

ج......ابن خلدون کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق طعن کا جواب ہم آگے چل کر بہت وضاحت سے نقل کریں گے۔

نوٹ: یہ جوابات ہم نے ''ایضاح المقاصد شرح عقیلة اتراب القصائد'' الاستاذ المقرئین حضرت مولانا قاری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ میں سے نقل کیے ہیں۔ مزید تفصیل اور معلومات کے لیے شرح مذکور کا مطالعہ فرمائیں۔

4: رسم الخط توقیفی بھی غیر توقیفی بھی:

ایک زمانہ تھا جب کہ رسم الخط توقیفی تھا اور اس کی مخالفت جائز نہیں تھی مگر آج کل مصاحف کی کتابت عام لوگوں کے لیے اصطلاحات مروجہ میں کی جائے جو ان میں شائع اور ذرائع ہیں اور اب ان کے لیے رسم عثمانی میں کتابت جائز نہیں کہ کہیں جہلاء رسم الخط میں تغیر وتبدل نہ کریں۔ [زرقانی، ج:۱، ص:۳۷۸]

یہ مذہب کچھ عجیب وغیرہ واضح ہے پھر ایسے دلائل بھی اس کی پشت پر نہیں ہیں جن کے پیش نظر ہم اسے فوراً قبول کر لیں۔

رسم الخط کے بارے میں ایک رائے ہی بھی ہے کہ یہ ایک بھید ہے۔ مثلاً علامہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے اپنے شیخ عارف باللہ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ سے اپنی کتاب ''الابریز'' میں نقل کیا ہے رسم قرآنی دراصل اللہ کے اسرار میں سے یک سر ہے۔ [زرقانی، ج:۱،ص:۳۷۵]

رسم الخط کے توقیفی واصطلاحی ہونے کے بارے میں مندرجہ بالا بحث کے بعد اول الذکر موقف ہی زیادہ واضح اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہاں غیر مناسب نہ ہوگا اگر یہ مسئلہ بھی مختصراً زیر بحث آجائے کہ صحابہ قواعد کتابت واملاء سے واقف تھے یا نہیں؟ یہ خاصا اہم مسئلہ ہے۔ اور جو لوگ رسم الخط کو توقیفی نہیں مانتے وہ اس بات پر خاصا زور دیتے ہیں کہ صحابہ کرام اس معاملہ میں بالکل کورے تھے۔

صاحب تاریخ القرآن علامہ کردی رحمہ اللہ نے اس سوال پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قواعد کتابت واملاء سے نہ صرف واقف بلکہ ماہر تھے۔ ان کے جواب کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں:

① ..... تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسم الخط سے واقف تھے۔ وہ اس بات کا بھی علم رکھتے تھے کہ کیا لکھنا چاہتے اور کیا نہ لکھنا چاہیے۔ اور کس حرف کو کس طرح ملانا چاہیے۔ اور کس طرح نہ ملانا چاہیے۔ دراصل انہوں نے ان سب باتوں کے علی الرغم بعض حکمتوں کے پیش نظر مختلف مقامات پر عام قواعد کتابت کے خلاف لکھا ہے۔

② ..... یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملوک وامراء سے مختلف اہم مسائل میں مراسلت فرماتے تھے۔ معاہدات، دستاویزات بیع وشراء، عطاء وضمان وغیرہ بھی لکھتے تھے۔ اس لیے اگر وہ قواعد املاء وکتابت سے بے بہرہ تھے تو پھر یہ ہونا چاہیے

تھا کہ سارے معاملات بگڑ جاتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ حالانکہ عبارت وحروف کے بگڑنے کی وجہ سے سارا مطلب خبط ہوجاتا اور کتابت کی غلطی سے پورا معاملہ ہی فسخ ہوجاتا مثلاً وہ عمرو اور عمر دونوں میں واضح فرق کرکے لکھتے تھے۔ چنانچہ قرون اوّل کے بعض وہ مکتوبات وخطوط جو مصر کے دارالکتب عربیہ میں محفوظ ہیں اور جو پتھروں، کھالوں اور پاپیرس وغیرہ پر لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں کتابت یا املاء کی غلطیاں نہیں پائی جائیں۔ بلکہ دور کیوں جایئے حجاز کے پہاڑوں اور چٹانوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کتابت اور خطوط کے بہت نمونے پائے جاتے ہیں۔ [کردی، ص:۱۱۸] خصوصاً مکہ مدینہ اور طائف میں ان حروف کی تراش خراش اور حسن خط کو دیکھ کر دیکھنے والا ان کے کمالِ فن پر حیران رہ جاتا ہے۔

۴...... خط (کوفی) حجاز میں حیرہ اور انبار سے پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی خط میں لکھا کرتے تھے اور اس پر مورخین کا اجماع ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے کتابت حرب بن امیہ کے ذریعہ پہنچی۔ پھر جب مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر فن کتابت عام ہوا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو سیکھ لیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ لوگوں کو کتابت سکھائیں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ سب کو معلوم ہے کہ جو شخص زرِ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ فدیہ کے طور پر مدینہ کے دس بچوں کو تعلیم دے۔ اس کی وجہ سے تعلیم وکتابت عام ہوگئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر اس فن کے جاننے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی کی تعداد چالیس سے اوپر ہے۔

ان دلائل کی بناء پر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قواعد املا اور کتابت سے پوری طرح واقف تھے۔ [کردی، ص:۱۱۶ تا ۱۲۳]

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دور کے بعد کا رسم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد

مبارک میں قرآن کو بین الدفتین جمع کیا گیا۔ [الاتقان فی علوم القرآن] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک پوری مجلس نے حد درجہ احتیاط اور وافر شہادتوں کے موصول ہونے کے بعد اس کو انجام دیا۔ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تحریر کردہ نسخہ قرآن کا کوئی نمونہ نہیں پہنچا۔ لیکن اوپر جو بیان آچکا ہے اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تحریر کردہ مصاحف کا رسم الخط بھی دراصل وہی ہوگا جسے بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ [الاتقان فی علوم القرآن]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس سلسلے میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ قرآن کی تعلیم وتبلیغ کا خاص اہتمام ہوا۔ اور یہ تعلیم اس حد تک عام ہوئی کہ نہ صرف بچے بلکہ چھوٹے لڑکیاں اور بچیاں بھی لکھنا پڑھنا سیکھتی تھیں۔ ''عنوان البیان'' میں ہے کہ مکتب میں سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بچوں کو تعلیم کا حکم فرمایا اور حضرت عامر بن عبداللہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو پڑھانے لکھانے پر مامور کیا۔ بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر فرمائی۔ حکم دیا کہ ناسمجھ بچوں کے لیے تختی پر لکھواؤ۔ پڑھاؤ اور سمجھدار بچوں کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ استاد صبح کی نماز کے بعد سے دن پڑھے تک پڑھانے میں مشغول رہتا اور پھر ظہر سے عصر تک یہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔ [الاتقان فی علوم القرآن] پھر اسی تبلیغ واشاعت کا نتیجہ تھا کہ:

> اذا مات عمر کانت مائة الف صحف من مصر الی العراق الی الشام الی الیمن فی بعن فلم یکن اقل.
>
> ''یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو قرآن کے جو نسخے مصر سے لے کر عراق تک اور عراق سے شام تک اور شام سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔'' [الاتقان فی علوم القرآن]

علم الفواصل کی اہمیت اور فوائد

قاری ابوبکر العاصم
مدیر العاصم لجنة المحققین للدراسات العلوم الاسلامیہ
مدرس المدرسة العالیہ تجوید القرآن

علم الفواصل کی تعریف

لغوی معنی:

فَوَاصِلُ جمع ہے فَاصِلٌ کی، جس کی مؤنث اَلْفَاصِلَةٌ ہے۔علم عروض کی اصطلاح میں تین حروف متحرک کے بعد چوتھا حرف ساکن ہوتو اسے اَلْفَاصِلَةُ الصُّغْرٰی کہا جاتا ہے جیسے ضَرَبَتْ. فَعَلَتْ وغیرہ۔اور اگر چار حروف متحرکہ کے بعد پانچواں حرف ساکن ہو تو اسے اَلْفَاصِلَةُ الْکُبْرٰی کہا جاتا ہے جیسے ضَرَبَکُمْ. فَعَلَکُمْ وغیرہ۔ فَصَلَ فَصْلاً جس کا معنی ہے کسی چیز کو جدا کرنا، علیحدہ کرنا اور اسی سے ہے "فَصَلَ الْخُصُوْمَاتِ" یعنی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ فَصَلَ بَیْنَهُمَا فاصلہ ہونا۔[مصباح اللغات ص ۶۳۵۔۶۳۶۔]

اصطلاحی تعریف:

"فهو: فن يبحث فيه عن احوال آيات القرآن الكريم من حيث عددها ومبدئها وخاتمتها"[1]

یعنی "علم الفواصل ایک ایسا فن ہے جس میں قرآن کی سورتوں کی آیات کا شمار اور ان آیات کے ابتدائی اور آخری سرے بتائے جاتے ہیں۔"

---

[1] کاشف العسر شرح ناظمة الزهر ص ۴۳۔بشیر الیسر شرح ناظمة الزهر ص ۱۷۔معالم الیسر شرح ناظمة الزهر ص ۱۶۔المحرر الوجیز فی عدآی الکتاب العزیز ص ۴۵، حواشی نفائس البیان ص ۵۔ للشیخ واستاذی اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ۔

موضوع:

"سور القرآن وآیاته من الحیثیة السالفة"①

علم الفواصل کا موضوع قرآن کی سورتیں اور آیتیں ہیں جو کہ حضرات سلف رحمہم اللہ سے منقول ہے۔"

اس علم کا مقصد اور غرض وغایت:

اس علم کی غرض وغایت اور مقصد یہ ہے کہ "آیات اور فواصل کے رؤوس، مبداء ومنتہا جو چاہے اختلافی ہیں یا اتفاقی ہیں جو کہ سب نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سن کر حاصل کیے ہیں۔ ان کی پہچان اور معرفت حاصل ہو جائے۔ ②

آیت کی تعریف

لغوی تعریف:

اَلْآيَةُ: علامت۔ من الکتاب آیت الأیة عبرت جس کی جمع آئی اور آیات ہے۔

اٰیَةُ الرَّجُلِ: وجود۔ کہا جاتا ہے "خَرَجَ الْقَوْمُ بِاٰيَتِهِمْ" قوم پوری جماعت کے ساتھ نکلی۔" [مصباح اللغات، ص: ۵۳]

قرآن کریم میں آیت مختلف مقامات پر مختلف معانی میں استعمال ہو رہا ہے۔

۱: علامت: جیسے اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ

۲: معجزہ: جیسے سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍ

① بشیر الیسر شرح ناظمة الزهر ص ۸، معالم الیسر شرح ناظمة الزهر ص ۱۹، حواشی نفائس البیان ص ۵۔ تعلیق واستاذی اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ۔

② حواشی نفائس البیان تعلیق واستاذی اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ ص ۵۔

۳: عبرت: جیسے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً

۴: برہان: جیسے وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

۵: جماعت: جیسے: جَآءَ الْقَوْمُ بِاٰیَتِهِمْ

اصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف میں اس قدر مفاہیم اور مطالب ہونے کی وجہ سے اصطلاحی تعریف میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ یہاں ہم راجح اور مقبول عام تعریف بیان کرتے ہیں۔

علامہ جعبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الایة قرآن مرکب من جمل ولو تقدیرا ذو مبدا او مقطع مندرج فی سورة." [الاتقان فی علوم القرآن ج۱، ص۷۶.]

یعنی آیت قرآن کے ایسے حصہ کو کہتے ہیں جو چند جملوں سے مرکب ہو اگرچہ تقدیراً ہی ہو اور اس کا مبداء (آغاز) بھی ہو اور مقطع (اختتام) بھی ہو اور وہ قرآن کی کسی سورۃ میں شامل ہو۔ اس سے ملتی جلتی آیت کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔

"اَلْاٰیَةُ طَآئِفَةٌ ذَاتُ مَطْلَعٍ وَمَقْطَعٍ مُنْدَرِجَةٌ فِیْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ." [1]

"یعنی آیت قرآن کا وہ حصہ ہے جس کا آغاز بھی ہو اور اختتام بھی ہو اور جو قرآن کی کسی سورۃ میں مندرج ہو۔"

[1] مناہل العرفان فی علوم القرآن ج ۱، ص ۳۳۹ للشیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ۔

علم الفواصل کی اہمیت اور فوائد

◆ نماز میں مسنون قرآءت کا میسر آجانا:

"عن ابی برزة رضی الله عنه ان رسول اللهﷺ کان یقرأ فی صلوة الغداة بالستین الی المائة"①

"حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔"

◆ نماز تہجد میں دس، پچاس، سو، دو سو اور تین سو آیتوں کی تلاوت پر خاص درجوں کا عطا ہونا:

"قَالَ عَبْدُاللهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا "مَنْ قَرَأَ فِیْ صَلٰوةِ اللَّیْلِ بِعَشْرِ اٰیَاتٍ لَمْ یُکْتَبْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ وَمَنْ قَرَأَ بِخَمْسِیْنَ اٰیَةً کُتِبَ مِنَ الْحَافِظِیْنَ وَمَنْ قَرَأَ بِمِائَةِ اٰیَةٍ کُتِبَ مِنَ الْقَانِتِیْنَ وَمَنْ قَرَأَ بِمِائَتَیْنِ کُتِبَ مِنَ الْفَائِزِیْنَ." [سنن الدارمی: ۳۴۵۷]

"حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے نماز تہجد میں دس آیات تلاوت کی اسے غافل لوگوں میں نہیں لکھا جاتا ہے (بلکہ شاغلین میں شمار کیا جائے گا) اور پچاس آیات کی تلاوت کرنے والوں کو حافظین (یعنی اللہ کو یاد کرنے والے) میں لکھ دیا جاتا ہے اور سو آیات کی تلاوت کرنے والوں کو فرماں برداروں میں لکھ دیا جاتا ہے اور دو سو آیات کی تلاوت کرنے والوں کو کامیاب لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔"

① صحیح البخاری، حدیث: ۵۴۲، سنن نسائی، حدیث: ۹۴۸

◈ دو، تین، چار یا ان سے زیادہ آیات سیکھ لینے سے اُتنی ہی اونٹنیوں کے مل جانے سے بہتر ہونا:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم صفہ پر موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز وادی عقیق یا وادی بطحان جائے اور بغیر گناہ و قطع رحمی کے دو بلند کوہان والی خوبصورت اونٹنیاں لے کر واپس آئے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص کو یہ بات محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت مسجد میں جائے اور قرآن مجید کی دو آیات سیکھ لے تو یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہے۔ تین آیات تین اونٹنیوں سے اور چار آیات چار اونٹنیوں سے۔ یعنی جس قدر آیات سیکھے گا اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی۔ [صحیح مسلم: ۸۵۳۔ سنن ابوداؤد: ۱۴۵۶]

◈ آیتیں شمار کرنے کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب نصیب ہونا۔ کیونکہ آپ انگلیوں سے آیات کو شمار فرماتے تھے:

رسول اللہ ﷺ شمار آیات فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا اور ہاتھوں کی انگلیوں پر ایک آیت شمار کی، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ پر دو آیات، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ پر تین آیات، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ پر چار آیات، اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ پر پانچ آیات شمار کیں اور اپنی تمام انگلیاں بند کر لیں۔ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ پر ایک انگلی کھولی اور چھٹی آیت شمار کی اور پھر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ پر دوسری انگلی اٹھائی اور سات آیات شمار کیں۔ [البیان فی عدآی القرآن للامام دانی رحمہ اللہ مخطوطہ ورقہ/۱۶، القول الوجیز فی فواصل الکتاب العزیز ص:۹۵ للشیخ محمد

رضوان المخللانی رحمہ اللہ]

❺ سورۂ ملک کی تیس آیات کا سفارش کرنا اور اس سفارش کا قبول ہوجانا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَّ سُوْرَةً مِّنَ الْقُرْاٰنِ ثَلَاثُوْنَ اٰیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی اَغْفِرَلَهٗ وَ هِیَ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ. [مسند احمد: ۷۹۱۵۔ جامع الترمذی: ۲۸۹۱۔ موطا امام مالک: ۴۸۸.]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیس آیات نے ایک شخص کے لیے سفارش کی اور اسے جنت میں داخل کردیا وہ سورۃ الملک ہے۔‘‘

❻ سورۃ الکہف کے شروع کی دس آیات حفظ کرلینے کے سبب دجال کے فتنہ سے محفوظ رہنا:

((عَنْ اَبِیْ دَرْدَاء رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ حَفِظَ عَشَرَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ. [صحیح مسلم: ۸۰۹۔ مسند احمد: ۲۱۲۰۵.]

’’حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرلیں اسے دجال نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔‘‘

❼ رات کو سورۃ البقرہ کی دس آیات کے پڑھ لینے سے قرآن نہیں بھولے گا:

حضرت مغیرہ بن سبیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من قرأ عشر آیات من البقرہ عند منا مه لم ینس القرآن: اربع من اولها وآیة الکرسی وآیتان بعدها وثلاث من آخرها قال اسحاق لم ینس ما قد حفظ قال ابومحمد منهم من یقول المغیرة بن سمیع. [سنن الدارمی، کتاب القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ۔]

’’یعنی جو شخص رات کو سوتے ہوئے سورۃ البقرہ کی دس آیات پڑھتا ہے

اسے قرآن نہیں بھولے گا پہلی چار آیات، آیت الکرسی اور اس کے بعد والی دو آیات اور سورۃ کی آخری تین آیات۔ اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سے قرآن یاد کیا ہے نہیں بھولے گا۔''

◆ رات میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات کی تلاوت کرنا (آفات اور پریشانیوں سے بچانے اور ہر نعمت عطا ہونے) کے لیے کافی ہیں۔[مسلم:۸۵۷]

◆ نماز کی درستگی آیات کے جاننے پر موقوف ہے۔[الاتقان فی علوم القرآن: ج۱،ص ۴۴۔]

◆ نماز میں سورۃ الفاتحہ کے بعد چھوٹی تین آیات اور بڑی ایک آیت کا پڑھنا مستحب ہے۔[الاتقان فی علوم القرآن: ج۱،ص ۴۴.]

◆ جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں خطیب کے لیے کم از کم ایک آیت پڑھنا ضروری ہے ورنہ خطبہ کامل نہ ہوگا۔[الاتقان فی علوم القرآن: ج۱،ص ٦٦.]

◆ آیات کے سروں (رأس الآیت) پر وقف کرنا سنت ہے۔[امام بیہقی فی شعب الایمان]

◆ گیارہ سورتوں (طٰہٰ۔ النجم۔ الشمس۔ الاعلیٰ۔ اللیل۔ الضحیٰ۔ العلق۔ النازعات۔ عبس۔ القیامہ۔ المعارج) کے رءوس آیات والے الف دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ ان کے ہمراہ ھاء نہیں ہے جیسے صَلّٰی ٥ اِذَا هَوٰی وغیرہ اور یہی اکثر ہیں۔ دوسرے وہ کہ ان کے بعد ضمیر واحد مونث ھاء بھی آتی ہے جیسے وَضُحٰهَا وغیرہ۔ پس پہلی قسم والی میں جو کہ بغیر ھاء ہیں اُن میں ورش کے لیے صرف تقلیل ہے اور دوسری قسم میں فتح اور تقلیل دو وجوہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فواصل کے علم کے ذریعے ہی معرفت پیدا ہوگی۔

ایسے ہی امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے لیے ان گیارہ سورتوں کے رءوس الایات کے الفوں میں بھی تقلیل کریں گے خواہ وہ کسی وزن پر ہوں۔

اسی طرح امام حمزہ رحمہ اللہ اور امام کسائی رحمہ اللہ ان گیارہ سورتوں کی اواخر آیات میں امالہ کرتے ہیں۔

یہ مذہب تو بطریق شاطبی تھا اور درہ وطیبہ کی رو سے امام خلف العاشر رحمہ اللہ بھی امام حمزہ رحمہ اللہ اور امام کسائی رحمہ اللہ کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح بطریق طیبہ ازرق کے لیے تو وہی مذہب ہے جو ابھی بطریق شاطبیہ بیان ہوا اور امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے لیے ان گیارہ سورتوں کے رءوس آیات میں بطریق شاطبیہ تقلیل ہے تو بطریق طیبہ فتح بھی ہے۔

ایسے ہی رءوس آیات پر آنے والی پچاس یاءات زوائد کو امام یعقوب رحمہ اللہ حالین میں اثبات یاء سے پڑھتے ہیں ان میں سے انسٹھ یاءات تو وہ ہیں جو کہ صرف امام یعقوب رحمہ اللہ ہی اثبات یاء سے پڑھتے ہیں جبکہ چھبیس یاءات ایسی ہیں جن میں امام یعقوب رحمہ اللہ کی موافقت دیگر ائمہ بھی کرتے ہیں۔

علم الفواصل کی اس کتاب میں اس قدر تفصیل کے ساتھ مختلف ائمہ قراءات کے یہ مسائل اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ ان کا تعلق علم فواصل اور رأس آیت کی معرفت سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

فاصلہ کے معنی اور اس کی پہچان:

فاصلہ کے لغوی معانی اور علم الفواصل کی تعریف ہم اس سے قبل بیان کرچکے ہیں۔

اصطلاحی تعریف کی رو سے ''الفاصلة كلمة آخر الاية''[1] ''کسی آیت کے آخری کلمہ کو فاصلہ کہا جاتا ہے۔'' جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں کلمہ الْعٰلَمِيْنَ[2]

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن: ج ۲، ص ۹۶۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن مترجم ج ۲ ص ۲۳۹ للشیخ سیوطی رحمہ اللہ۔ حواشی نفائس البیان ص ۶۔ لشیخی واستاذی اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ۔

اب یہاں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہر علم میں اُس علم کے قواعد اور اصطلاحات اور ضوابط کی رو سے کسی چیز کو نام دیا جاتا ہے۔

پس علم الفواصل کی رو سے آیت کے آخری کلمہ کو ''فاصلہ'' کہتے ہیں اور علم وقف کی رو سے آیت کے آخری کلمہ کو ''رأس آیت'' کہتے ہیں۔ گویا یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ ایسے ہی ہم اس مفہوم کو مزید وسیع کریں تو شعر کے آخری لفظ کو قافیہ کہتے ہیں جیسے:

بَدَأْتُ بِبِسْمِ اللهِ فِي النَّظْمِ أَوَّلَا
تَبَارَكَ رَحْمَانًا رَحِيْمًا وَّمَوْئِلَا

پس اس شعر میں مَوْئِلَا کا کلمہ ''قافیہ'' کہلاتا ہے اور سجع کے آخری لفظ کو ''قرینہ'' کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بتاتے چلیں کہ سجع کیا ہے تو اہل لغت کے قول کے مطابق ''نثر میں ملتے جلتے الفاظ کو بار بار لانا سجع کہلاتا ہے۔'' [الاتقان جلد دوم، ص ۲۴۲ للشیخ سیوطی رحمہ اللہ]

اس کی مثال ایسے سمجھو کہ جیسے اس کتاب کے شروع میں ہم ایک خطبہ لائے ہیں۔ پس اس کو غور سے دیکھو تو ہر جملے کے ملتے جلتے الفاظ جیسے وَيَسَّرَهُ. قَدَرَهُ. بَصَرَهُ. اَلْعِبَرَةُ وغیرہ قرینہ کہلائیں گے۔

اوپر کی ساری بحث سے معلوم ہوا کہ علم الفواصل کی رو سے آیت کے آخری کلمہ کو ''فاصلہ'' علم وقف کی رو سے ''رأس آیت'' علم شعر کی رو سے شعر کے آخری کلمہ کو ''قافیہ'' اور سجع یا نثر کی رو سے جملہ کے آخری کلمہ کو ''قرینہ'' کہتے ہیں مگر ان الفاظ میں سے فاصلہ کو ''راس آیت'' کے مترادف نام سے تو پکارا جاسکتا ہے مگر آیت کے آخری کلمہ کو ''قافیہ'' یا ''قرینہ'' کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی شعر کے باب میں شعر کے آخری کلمہ ''قافیہ'' کو یا قرآن کو ''سجع'' قرار دینا یا آیت کے آخری حصوں کو ''قرینہ'' کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ''فاصلہ'' اور ''راس آیت'' کے الفاظ صرف اور صرف قرآن کے

لیے مخصوص ہیں اور ''قافیہ'' صرف اشعار میں ہوا کرتا ہے اور ایسے ہی ''قرینہ'' بھی سجع میں ہوتا ہے ایسے مترادف کلمات کو قرآن میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھو الاتقان فی علوم القرآن مترجم ج ۲، ص ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۲، ۲۴۳]

علم الفواصل توقیفی علم ہے یا قیاسی علم ہے:

دراصل علم عدد آیات قرآنیہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

(۱) توقیفی (۲) قیاسی۔

(۱) توقیفی:

لفظ ''توقیفی'' یا ''سماعی'' ہم معنی ہیں۔ توقیف وقف سے ہے بمعنی ''ٹھہراؤ'' یعنی علم الفواصل میں ''فاصلہ'' کا موجد ائمہ فن یا بزرگان سلف میں سے کوئی نہیں ہے یا یہ لفظ ''وقوف'' بمعنی شعور و تعلیم سے ہے یعنی یہ تمام فواصل آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت سے معلوم ہوئے ہیں۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ اس عقیدے کے پرجوش حامی ہیں۔ ناظمۃ الزہر میں فرماتے ہیں:

بِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَدَّ عَلَيْهِمُ
لَهُ الْاٰیَ تَوْسِيْعًا عَلَى الْخَلْقِ فِي الْيُسْرِ

یعنی رسول اللہ ﷺ نے امت کی سہولت اور آسانی کی غرض سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن کریم کی آیات کو شمار کیا ہے۔

توقیفی کی تعریف علامہ جعبری رحمہ اللہ اس طرح فرماتے ہیں:

''أمّا التوقيفي فما ثبت انه النبي صلى الله عليه واله وسلم وقف عليه دائما تحققنا أنه فاصلة، وما وصله دائما تحققنا انه ليس بفاصلة'' [حدیقۃ الزہر فی عدد آی السور۔]

یعنی توقیفی سے مراد یہ ہے کہ وہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہو یعنی جس موقع پر رسول

اللہ ﷺ سے ہمیشہ وقف کرنا ثابت ہو اس کے فاصلہ ہونے کا یقین کریں گے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ وصل کیا ہے اس کی نسبت ہم یہ کہیں گے کہ وہ فاصلہ نہیں ہے۔

اس کی مزید تفصیل اور وضاحت علامہ جعبری رحمہ اللہ نے اس طرح کی ہے کہ:

''جس مقام پر آپ ﷺ نے ایک بار وقف کیا اور دوسری مرتبہ وصل فرمایا تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلی مرتبہ تو آپ ﷺ نے فاصلہ بتانے کے لیے یا وقف تام بتانے کے واسطے وقف کیا اور دوسری مرتبہ جو آپ ﷺ نے وہاں وصل فرمایا تو اس میں بھی دو احتمال ہیں کہ یا تو وہ فاصلہ نہیں تھا یا پھر یہ کہ فاصلہ تو تھا مگر اس قدر واضح فاصلہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس کا اگلی آیت سے وصل کر دیا۔'' [الاتقان فی علوم القرآن مترجم ج ۲،ص ۲۴۰.]

میرے شیخ محترم استاذی وشیخی القاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''آیات قرآنیہ کا علم توقیفی ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات سے ہی معلوم ہوسکتا ہے قیاس اور رائے کا اس میں دخل نہیں ہے اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ الٓمّٓصٓ چار حرفی حروف مقطعات ہیں اور اسے آیت شمار کیا گیا ہے مگر ایسے ہی ایک دوسرا چار حرفی حروف مقطعات الٓمّٓرٰ کو آیت شمار نہیں کیا گیا ہے۔ دو حرفی یٰسٓ آیت شمار کی گئی ہے لیکن دوسرا دو حرفی طٰسٓ آیت نہیں ہے۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ دو آیات ہیں اور دوسرا پانچ حرفی کٓھٰیٰعٓصٓ ایک ہی آیت ہے۔ وَالطُّوْرِ. وَالْفَجْرِ. وَالضُّحٰی اور وَالْعَصْرِ جیسے ایک کلمی حروف پر آیت ہے۔ مگر وَالتِّیْنِ. وَالشَّمْسِ اور وَالَّیْلِ پر آیت نہیں ہے۔ پس اوپر درج تمام امثلہ پر غور کیا جائے تو یہی خیال دل میں راسخ ہوتا

ہے کہ یہ علم توقیفی ہے اور شارع علیہ السلام کی تعلیمات سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔“[1]

پس اوپر بیان ہونے والے مضمون سے ظاہر ہوا کہ یہ علم توقیفی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے بتلانے سے ہے۔

(۲) قیاسی:

اس علم کے قیاسی یا اجتہادی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس علم کو اخذ کیا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرات تابعین رحمہم اللہ نے لیا اور ان سے پھر حضرات تبع تابعین رحمہم اللہ نے لیا اور اس کو باقاعدہ منظم کیا اور اس کے اصول وضوابط مقرر کیے اور اس طرح یہ علم ہم تک پہنچا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اس بابت ناظمۃ الزہر میں فرما رہے ہیں:

وَلَمَّا رَأَى الْحُفَّاظُ أَسْلَافَهُمْ عُنُوْا
بِهَا دَوَّنُوْهَا عَنْ أُولِي الْفَضْلِ وَالْبِرِّ

یعنی جب حفاظ علم الفواصل نے اسلاف کو اس علم کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو اہل علم حضرات سے منقول کردہ اقوال کی روشنی میں اس علم کو مدون کردیا۔

معلوم ہوا کہ علم الفواصل بھی دو طرح پر وضع ہوا ہے۔

① مِنْ حَيْثُ الْأَدَآءِ ② مِنْ حَيْثُ الْقَوَاعِدِ.

پس مِنْ حَيْثُ الْأَدَآءِ تو اس علم کا وہ حصہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے سن کر اور سماعت فرما کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم الفواصل اخذ فرمایا اور یہ اس علم کا توقیفی یا سماعی حصہ ہے۔

اور بعد میں امت کی آسانی کے لیے اہل علم حضرات نے جو اس کے اصول وقواعد

---

[1] حواشی نفائس البیان صفحہ ٦، للشیخ الاستاذ الکریم القاری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ۔

مرتب فرما کر تحریری طور پر اسے مدون کر دیا تو یہ مِنْ حَيْثُ الْقَوَاعِدِ ہے اور علم کے اس حصہ کو قیاسی کا نام دے دیا گیا۔

حضرت استاذی وشیخی القاری المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس علم کے قیاسی یا اجتہادی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس علم الفواصل کے قواعد وضوابط تمام کے تمام تر حضرات علماء رحمہم اللہ نے ترتیب دیے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس علم کے زیادہ تر مسائل تو توقیفی اور سماعی ہیں اور انہی زیادہ تر مسائل سے علماء علم الفواصل نے کچھ فروعی قواعد وضوابط ترتیب دیے ہیں اور یہ فن کی وہ جزئیات ہیں کہ جن کے متعلق کوئی واضح حکم یا نص وارد نہیں ہے۔ پس قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ ان کے احکامات انہی توقیفی اور سماعی مسائل سے اخذ کیے گئے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ پس اس علم کے دو حصے ہیں (۱) وہ جو نص یا روایت سے ثابت ہے اور یہی زیادہ تر ہیں اسے توقیفی اور سماعی کہا جاتا ہے۔ (۲) قیاسی اور اجتہادی، وہ جو کہ نص اور روایت میں غور وفکر کر کے قیاس اور اجتہاد سے علماء نے وضع کیے ہیں۔''①

آیت کے فاصلہ معلوم کرنے کے چار بنیادی اصول:

اس گفتگو کے بعد جان لو کہ قیاس یا اجتہاد سے کسی آیت کے فاصلہ کے تعیین کے لیے چار اصول وضع کیے گئے ہیں۔ جن کے نام علماء عدد نے درج ذیل مقرر کیے ہیں۔

(۱) مساوات یا تناسب۔ (۲) مشاکلہ۔ (۳) اجماع و اتفاق۔ (۴) انقطاع کلام۔

① حواشی نفائس البیان ص ۶۔ للشیخ الاستاذ الکریم القاری المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ۔

① مساوات یا تناسب:

آیت کا آخری سرا یعنی فاصلہ پہچاننے کے قیاسی طریقوں میں پہلا طریقہ مساوات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آیت مقدار میں اپنے سے پہلی اور بعد والی آیات کے مساوی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب علماء عدد نے بڑی اور چھوٹی دونوں طرح کی سورتوں کی آیات پر غور کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ بڑی سورتوں میں بڑی آیات اور چھوٹی سورتوں میں چھوٹی آیات ہوتی ہیں۔ پس جو سورتیں زیادہ لمبی ہیں ان کی آیات بھی اسی لحاظ سے لمبی ہیں جیسے سورۃ البقرہ سے سورۃ البراءۃ تک کی آٹھ سورتیں اور جو سورتیں طول میں ان سے کم ہیں ان

کی آیات ان آٹھ سورتوں سے ذرا کم درجہ کی طویل ہیں جیسے سورۂ یونس علیہ السلام سے سورۃ الفرقان تک کی سولہ سورتیں اور جو سورتیں طول میں تیسرے درجہ پر ہیں ان کی آیات بھی اسی لحاظ سے ان دوسری قسم کی سولہ سورتوں کی آیات سے طوالت میں کم ہیں۔ پھر اس کے بعد چھوٹی سورتیں جیسے سورۃ الصافات، سورۃ الرحمن وغیرہ کہ ان کی آیات اس تیسری قسم کی سورتوں کی آیات سے چھوٹی ہیں اور پانچویں قسم کی سورتیں وہ ہیں جو بالکل چھوٹی ہیں اور ان کی آیات بھی کم حروف والی ہیں جیسے سورۃ العصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ الاخلاص وغیرہ۔

نوٹ:

ہم نے جو مساوات کا قاعدہ کلیہ اوپر بیان کیا ہے وہ اکثری قاعدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثری قاعدہ یہی ہے کہ بڑی سورتوں کی آیات بڑی اور چھوٹی سورتوں کی چھوٹی آیات ہوتی ہیں۔ مگر اس قاعدہ کے خلاف توقیف اور نقل کی پیروی کے سبب برعکس بھی ہوتا ہے چنانچہ بڑی اور چھوٹی دونوں طرح کی سورتوں میں ایسی آیات بھی

موجود ہیں کہ بڑی آیات کے درمیان چھوٹی آیت اور چھوٹی آیات کے درمیان بڑی آیت آجائے۔

④ مشاکلہ:

مشاکلہ سے مراد یہ ہے کہ فاصلہ کا اپنے سے پہلے اور بعد والی آیات کے فواصل سے ہم شکل اور یکساں ہونا۔

پھر مشاکلہ میں بھی دو اقسام ہیں۔

اول:...... بالکل آخری حرف حروف مدہ یالین کے پانچ حروف میں سے نہ ہو تو یہ سب آخری حرف یکساں اور موافق ہوں گے جیسے سورۃ النساء، سورۃ الاسراء اور سورۃ الکہف وغیرہ کہ جن میں آیات کا آخری حرف الف ہے جیسے اَلِیْمًا، کَبِیْرًا وغیرہ اور جیسے سورۃ البلد کی پہلی پانچ آیات اور سورۃ الاخلاص کی آیات کہ یہ حرف دال پر ختم ہورہی ہیں ایسے ہی سورۃ التکویر کی پہلی چودہ اور سورۃ الانفطار کی پہلی پانچ آیات کہ یہ سب تاء ساکنہ پر ختم ہورہی ہیں۔

دوم:...... اور دوسری قسم یہ ہے کہ فاصلہ کا آخری حرف سے ماقبل حرف حروف مدہ یالین میں سے ہو جیسے سورۃ البقرہ میں بِمُؤْمِنِيْنَ، وَمَا يَشْعُرُوْنَ، يَكْذِبُوْنَ، مُصْلِحُوْنَ، يَشْعُرُوْنَ وغیرہ۔ یا سورۃ القریش میں قُرَيْشٍ، وَالصَّيْفِ، اَلْبَيْتِ، خَوْفٍ وغیرہ تو ایسی حالت میں ان حروف مدہ یالین کی وجہ سے مشاکلہ ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے آیت شمار کی جاتی ہے۔

نوٹ:

فواصل کے درمیان مناسبت دیکھنے کے لیے واؤ الف اور یاء میں کوئی فرق نہیں ہے ایک سورۃ میں یہ تینوں اکٹھے بھی جمع ہوجاتے ہیں جیسے سورۂ آل عمران میں تینوں

حروف مدہ مجتمع ہیں یُظْلِمُوْنَ، قَدِیْرٌ، حِسَابٍ وغیرہ۔

③ اجماع واتفاق:

آیات کی پہچان کے قیاسی طریقہ میں تیسرا طریقہ اجماع ہے یعنی کسی کلمہ کے ہم شکل دوسرے کلمات پر آیت شمار کرنے میں ائمہ شمار کا متفق ہونا جیسے پورے قرآن میں کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے جو صرف ایک کلمہ والی ہو مگر اس سے درج ذیل انتیس (۲۹) آیات کو علماء شمار نے مستثنیٰ کیا ہے جو دو اقسام کی ہیں۔

اول:...... حروف مقطعات: حروف مقطعات میں سے بیس آیات ہیں۔ اس کی تفصیل تو ہم آگے بیان کریں گے۔ یہاں صرف سورتوں کے نام درج کر رہے ہیں۔

(۱) البقرہ (۲) آل عمران (۳) العنکبوت (۴) الروم (۵) لقمٰن (۶) السجدہ (۷) الاعراف (۸) مریم (۹) طٰہٰ (۱۰) الشعراء (۱۱) القصص۔ (۱۲) یٰس (۱۳) الغافر (۱۴) فصلت (۱۵۔۱۶) الشوریٰ میں دو آیات (۱۷) الزخرف (۱۸) الدخان (۱۹) الجاثیہ (۲۰) الاحقاف۔

دوم:...... درج ذیل ایک کلمہ پر بھی مختلف علماء عدد نے آیات شمار کی ہیں:

① وَالطُّوْرِ ② وَالْفَجْرِ ③ وَالضُّحٰی ④ وَالْعَصْرِ ⑤ اَلرَّحْمٰنُ ⑥ مُدْهَآمَّتٰنِ (الرحمٰن) ⑦ اَلْحَآقَّةُ ⑧ اَلْقَارِعَةُ ⑨ اَلْخَنَّاسِ (الناس)

نوٹ:

اَلْخَنَّاسِ پر مکی اور شامی نے آیت شمار کی ہے اور بقایا آٹھ مواقع پر کوفی نے آیت شمار کی ہے۔

ایسے ہی اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا (المزمل) پر مکی شمار کے مطابق اس لیے آیت ہے کہ اس کے بعد فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا پر اجماعاً آیت ہے۔ اسی طرح سورۂ آل عمران میں اَلْقَيُّوْمُ

(آیت نمبر ۲ آل عمران) پر اجماعی آیت ہے اس اجماع کو بروئے کار لاتے ہوئے سورۃ البقرہ کے اَلْقَیُّوْمُ (البقرہ آیت ۲۵۵) پر بصری، مدنی ثانی اور مکی نے آیت شمار کی ہے۔

④ انقطاع کلام:

یعنی آیت کا ایسا فاصلہ کہ جس پر مضمون یا کلام ختم ہوجاتا ہو اور بعد میں آنے والے کلام کا محتاج نہ رہنا۔ جیسا کہ علم الوقف میں وقف تام یا وقف کافی میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں وقوف اکثر مواقع پر آیات کے آخر پر واقع ہوتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورتوں کے آخر میں ہونے والے انقطاع سورۃ سے بھی آیت کا فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کے کلام سے مفہوم ہوا کہ راس آیت سے بھی فاصلہ کا پتہ لگتا ہے اور انقطاع سور سے بھی فاصلہ کی تعیین ہوتی ہے۔

نوٹ:

قیاس یا اجتہاد سے آیت کے فاصلہ کی تعیین کے چار اصولوں کی درج بالا یہ تمام قیمتی بحث ''بشیر الیسر شرح ناظمۃ الزہر''، ''المحرر الوجیز فی عد آی الکتاب العزیز''، ''الاتقان فی علوم القرآن''، ''کاشف العسر شرح ناظمۃ الزہر'' کی انتہائی عرق ریزی سے مطالعہ کرنے کے بعد بطور اختصار درج کی ہے۔ تفصیل کے متمنی حضرات درج بالا کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

سات معروف شمار آیات اور ان کا تعارف

قاری صفدر صاحب

(۱) مدنی اول:

یہ عدد امام نافع رحمہ اللہ نے امام ابوجعفر یزید بن القعقاع المدنی رحمہ اللہ اور امام شیبہ بن نصاح مدنی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو سترہ (۶۲۱۷) ہے۔

(۲) مدنی آخیر:

یہ عدد امام اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ نے امام ابوجعفر یزید بن القعقاع المدنی رحمہ اللہ اور امام شیبہ بن نصاح مدنی رحمہ اللہ سے امام سلیمان بن جماز رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چودہ (۶۲۱۴) ہے۔

(۳) مکی شمار:

یہ عدد امام عبد اللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ نے امام مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو دس (۶۲۱۰) ہے۔

(۴) بصری شمار:

یہ عدد امام عطاء بن یسار رحمہ اللہ اور امام عاصم الجحدری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اسی شمار کو اہل بصرہ امام عاصم رحمہ اللہ سے روایت کر کے امام ایوب بن المتوکل رحمہ اللہ کی طرف

منسوب کرتے ہیں۔ اس شمار کے مطابق قرآن حکیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چار (۶۲۰۴) ہے۔

(۵) دمشقی شمار:

یہ شمار امام یحییٰ بن حارث الذماری رحمہ اللہ نے امام عبد اللہ بن عامر یحصبی رحمہ اللہ سے اور انہوں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ عدد خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن حکیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو ستائیس (۶۲۲۷) یا چھ ہزار دو سو چھبیس (۶۲۲۶) ہے۔

(۶) حمصی شمار:

یہ وہ شمار ہے جسے امام شریح بن یزید الحمصی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن حکیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چونتیس (۶۲۳۴) ہے۔

نوٹ:

عموماً کتب علم الفواصل میں حمصی شمار کے مطابق آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو بتیس لکھی جاتی ہے مگر ہماری تحقیق کے مطابق یہ چھ ہزار دو سو بتیس کی بجائے چھ ہزار دو سو چونتیس ہے۔ تفصیل سورۃ الشوریٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) کوفی شمار:

یہ شمار امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس شمار کے مطابق قرآن حکیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) ہے۔

نوٹ:

ضروری ہے کہ ہر قاری کی قراءت کرتے ہوئے اس کے شمار کو مدنظر رکھا جائے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱: امام نافع مدنی رحمہ اللہ مدنی ثانی کے شمار کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲: امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ مدنی اول کے شمار کو اختیار کرتے ہیں۔

۳: امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ مکی شمار کو اختیار کرتے ہیں۔

۴: امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ اور امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ بصری شمار کو تسلیم کرتے ہیں۔

۵: امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ دمشقی شمار کو تسلیم کرتے ہیں۔

٦: اور چار کوفی ائمہ یعنی امام عاصم کوفی رحمہ اللہ، امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ، امام کسائی کوفی رحمہ اللہ اور امام خلف العاشر رحمہ اللہ کوفی شمار پر اعتماد کرتے ہیں۔

لہٰذا ان ائمہ کی قرآءت اور روایات پر جو مصحف سعودی حکومت کے ایماء پر شائع ہو رہے ہیں اس میں ان کے شمار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے قراءات پڑھنے والے قاری کے لیے ان شمار کی معرفت بہت ضروری ہے۔

علمِ الفواصل

قاری سعید احمد
مدرس شعبہ تجوید و قراءات جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ
رکن العاصم لجنة المحققين للدراسات العلوم الاسلامية

جس طرح حق تعالیٰ نے قرآن مجید کے سمجھنے، سمجھانے اور یاد کرنے میں آسانی عطا فرمانے کی غرض سے اپنی اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے اور سبع احرف پر نازل کیا۔ اسی آسانی کے لیے اس کو ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر تقسیم فرمایا۔ جن میں کچھ بڑی ہیں، کچھ درمیانی اور کچھ انتہائی چھوٹی حتیٰ کہ تین آیات کی۔ پھر ان سورتوں کو آیتوں پر تقسیم فرمایا اور ان کے چھوٹے چھوٹے حصے بنا دیے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اور زیادہ آسانی پیدا کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے رُوبرو قرآن مجید کی آیتیں بھی شمار کیں۔ اس کو سیکھنے، سکھانے اور یاد کرنے میں مزید آسانی پیدا کرنے کی غرض سے پانچ پانچ اور دس دس آیتوں کے شمار کی تعلیم فرمائی۔ اس بارے میں صحیح احادیث اور آثار بھی وارد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عطاء بن سائب رحمہ اللہ ابی عبدالرحمن اسلمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم قرآن کی دس آیات پڑھنے کے بعد اس وقت تک آپ ﷺ سے اگلی دس آیات نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ اس کے حلال وحرام اور اَمر و نہی سے آگاہی حاصل نہ کر لیتے۔ [مسند احمد: ۲۲۳۸۴]

اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو دس دس آیتیں پڑھاتے تھے پھر جب تک ہمیں ان دس آیتوں کے احکام نہیں سکھا دیتے تھے اس وقت تک دوسری دہائی شروع نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے ان کا کہنا ہے کہ:

”تعلمنا القرآن والعمل جميعاً“ [البیان فی عدآی القرآن: ۳۳]

یعنی ہم نے قرآن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے احکامات کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ان سب وسعتوں کے مہیا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اولاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور پھر ان کے ذریعے پوری اُمت کو قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کرنے میں آسانی نصیب ہوجائے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو تابعین رحمہم اللہ تک اسی طرح پہنچایا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم عمر بھر کلام الٰہی کے الفاظ اور اس کے حروف کے نقل کرنے میں مشغول رہے، اسی طرح اس کی آیات کے شمار کی بھی حفاظت کرتے رہے۔ پھر تابعین رحمہم اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے الفاظ اور آیات کے شمار کی تعلیم حاصل کی۔ ان سے آگے یہ تعلیم آئمہ شمار کے ذریعے نقلاً بعد نقلٍ سلسلہ بہ سلسلہ مختلف ادوار کے شیوخ قراءات کے ذریعے ہم تک پہنچ گئی۔ ذیل میں آیات کے شمار سے متعلق احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا کس قدر شوق تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات کی تعیین کی بھی تعلیم حاصل کی۔

شمار کے بارے میں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

* حضرت ابی برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔ یعنی کم از کم ساٹھ اور زیادہ سے سو آیات کی تلاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں فاتحہ کے بعد تلاوت فرماتے تھے۔ [صحیح بخاری: ۵۴۱]

* حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’جس نے ایک رات میں بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں اسے وہ دونوں کافی ہوجائیں گی۔‘‘[صحیح بخاری، ۵۰۰۹]

✱ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ نبی ﷺ اس سورت یعنی فاتحہ کی تلاوت فرما رہے تھے سو آپ ﷺ 'بسم الله الرحمن الرحيم. العلمين. الرحيم. يوم الدين. نستعين.' پانچوں میں سے ہرایک پر ایک ایک انگلی بند کرتے رہے اور نستعین پر پہنچ کر پانچ انگلیاں بند کرلیں۔ پھر المستقیم پر ایک انگلی کھڑی کی جس میں اِشارہ تھا کہ یہاں چھ آیتیں ہوگئیں، پھر سورت کے آخر پر ایک انگلی اور اٹھالی جس کے معنی یہ تھے کہ سات آیتیں ہوگئیں۔[البیان فی عدآی القرآن:۶۳]

✱ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’جس نے سورۂ کہف کی شروع کی دس آیتیں حفظ کرلیں پھر اس کو دجال نے گھیر لیا تو وہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کو دجال کے فتنے سے بچالیا جائے گا۔‘‘[صحیح مسلم:۱۸۸۳]

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ دجال کے دجالی فتنے سے اس کو بچائیں گے اور اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

✱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

’’تیس (۳۰) آیتوں نے اللہ کی جناب میں ایک شخص کی سفارش کی یہاں تک کہ اس کو جنت میں پہنچا دیا اور وہ سورۃ "تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" (الملک:۱) ہے۔‘‘ [جامع الترمذی:۲۸۹۱]

✱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

’’جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت سماعت فرمائی قیامت کے روز وہ آیت اس

کے لیے نور ہوگی۔'' [البیان فی عدآی القرآن:۳۳]

* حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسم اعظم (یعنی اللہ کا بڑا نام) ان دو آیات میں ہے۔

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿﴾ [البقرۃ:۱۶۳]

الٓمٓ ﴿﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ﴿﴾ [آل عمران:۳/۱،۲،البیان فی عدآی القرآن:۳۶]

* حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے ایک رات میں پانچ سو سے لے کر ایک ہزار آیات تک تلاوت کیں تو اس کے لیے دو قنطار اجر ہے۔ قنطار کے قیراط کی مثال بڑے پہاڑ کی سی ہے۔'' (ایضاً:۳۸)

* حضرت ابوعبدالرحمن کا کہنا ہے کہ جن حضرات نے ہمیں قرآن مجید پڑھایا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان معلمین نے ہمیں یہ بات بھی بتلائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دس دس آیتیں پڑھاتے تھے پھر جب تک ہمیں ان دس آیتوں کے احکام نہیں سکھا دیتے تھے اُس وقت تک دوسری دہائی شروع نہیں کراتے تھے۔ اسی لیے یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں ''تعلمنا القرآن و العمل جمیعاً'' یعنی ہم نے قرآن کے الفاظ اور اس کے احکام دونوں چیزیں سیکھی ہیں۔ [البیان فی عدآی القرآن:۳۳]

اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیات کی تلاوت کے ساتھ ساتھ احکام کی تعلیم فرمانا اور آیات کے شمار کا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک وقت میں دس آیات کی تلاوت فرماتے اور پھر اگلی دس آیات کی تلاوت اس وقت تک نہ فرماتے جب تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی دس آیات کے احکام کو سیکھ نہ لیتے۔

✸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ جب گھر لوٹ کر آئے تو تین حاملہ اونٹنیاں پائے جو نہایت فربہ ہوں بڑی بڑی۔ ہم نے کہا بے شک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس تین آیتیں کہ ان کو آدمی نماز میں پڑھتا ہے بہتر ہیں اس کے لیے تین اونٹنیوں سے جو بڑی اور موٹی ہوں۔'' [صحیح مسلم:۱۸۷۲]

شمار آیات کے بارے میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آثار و اَحادیث آئی ہیں۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتحہ کی آیات کا، سورۂ الملک کی آیات کا شمار بتانا اور سورت کے اوّل یا آخر میں سے کسی خاص مقام کی آیتوں کے مخصوص شمار پر ثواب کی تعیین فرمانا لغو اور بے فائدہ نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ لوگوں کو آیات کا شمار معلوم کرنے کی طرف متوجہ فرمائیں تا کہ ان کو مخصوص آیات کی تلاوت کا ثواب میسر آئے۔ ان سب اَحادیث سے فواصل کی تعلیم اور اس کے حفظ کی طرف توجہ کرنا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ کہ فواصل کا شمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونا پتہ چلتا ہے جو کہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ فواصل کی تعیین توقیفی ہے نہ کہ قیاسی۔

شمار آیات سے متعلق اَقوال صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر علوم قرآنیہ حاصل کیے اسی طرح آیات کا شمار بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دس آیات کی قراءت کے ساتھ ساتھ اس کے احکامات بھی سکھاتے اور پھر جب تک ہم ان دس آیات کو سیکھ نہ لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگلی دس آیات کی قراءت نہ فرماتے۔ [مسند احمد:۲۲۳۸۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شمار کی تعلیم تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی لیکن شمار آیات میں مشہور ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوئے۔ یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی نفلی نمازوں میں بھی اپنی انگلیوں کے پوروں پر آیات کا شمار کیا کرتے تھے تاکہ ان کے ذریعے اجر موعود کو پاسکیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما:

امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نفلی نماز میں قرآن کی آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔[البیان فی عدآی القران:۴۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما:

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔(حوالہ بالا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔(ایضا:۴۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت قاسم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز میں آیات کا شمار کیا کرتی تھیں۔[البیان فی عدآی القرآن:۴۲]

مندرجہ بالا تمام روایات جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نماز میں آیات کے شمار سے متعلق آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز میں آیات کے شمار پر ابھارنا تھا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آیات کے شمار کا نماز میں اس قدر اہتمام فرماتے تھے تو یہ کیسے ممکن

ہے کہ وہ نماز کے باہر اس کی تعلیم وتلقین کا اہتمام نہ فرماتے ہوں۔ نماز کے علاوہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا آیات کوشمار کرنا ذیل کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کی آیات کا شمار بھی کیا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ ایک تلاوت کا اور دوسرا شمار کرنے کا۔ [شرح المخللاتی:۹۵]

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات کا شمار دیکھ کر اپنے بعد آنے والوں یعنی تابعین رحمہم اللہ کو اس کی تعلیم دی اور انہیں آیات کو شمار کرنے پر ابھارا۔

اَقوال تابعین رحمہم اللہ

تابعین میں سے چوبیں لوگوں کے نام تقریباً ہمارے سامنے آتے ہیں جو آیات کے شمار میں مشہور ہیں ان ائمہ کی نسبت مدینہ، کوفہ، مکہ، بصرہ اور شام کی طرف کی جاتی ہے۔

اہل مدینہ میں:

عروہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، نافع بن جبیر بن مطعم اور یزید بن رومان رحمہم اللہ۔ [البیان فی عدآی القرآن:۴۳]

اہل کوفہ میں:

ابوعبدالرحمن السلمی، زر بن حبیش، سعید بن جبیر، شعبی، یسیر بن عمرو، ابراہیم النخعی، یحییٰ بن وثاب، خثیمہ بن عبدالرحمن اور عاصم بن ابی النجود رحمہم اللہ۔ [البیان فی عدآی القرآن:۴۳]

اہل مکہ میں:

عطاء بن ابی رباح، طاؤس، ابن ابی ملیکہ اور مغیرہ بن حکیم یمانی رحمہم اللہ۔ (ایضاً)

اہل بصرہ میں:

حسن، ابن سیرین، مالک بن دینار، ثابت البنانی، ابومجلز اور حبیب بن الشہید رحمہم اللہ۔ (ایضا)

اہل شام میں:

کعب الاحبار رحمہ اللہ۔ (محولہ بالا)

ان تمام شہروں کے کل آئمہ جو اُوپر بیان کیے گئے ہیں چوبیس (۲۴) ہیں۔ جن میں سے چار مدینہ کے، نو کوفہ کے، چار مکہ کے، چھ بصرہ کے اور ایک شام کا۔ ان سب آئمہ سے آیات کا شمار نماز میں اور نماز کے باہر ثابت ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ فرض نمازوں میں آیات کے گننے میں کوئی حرج نہیں۔ (ایضا:۴۷)

اسی طرح کی روایات باقی آئمہ سے بھی مروی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

عبدالرحمن بن عیسیٰ رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوعبدالرحمن رحمہ اللہ سے جو بھی قرآن کریم پڑھتا وہ اس کو قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آیات کے شمار کی بھی تعلیم دیتے۔ (ایضا:۴۸)

امام عاصم رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی قرآن کی تلاوت کرتا تو وہ اپنی انگلیوں پر تلاوت کرنے والے کی آیات کا شمار کرتے۔ (ایضا)

خالد الحذاء رحمہ اللہ ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔ (ایضا:۶۶)

شمار آیات کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر اپنے مابعد آنے والوں یعنی تابعین رحمہم اللہ کو سکھائی اور ان سے آگے پھر شمار آیات کی یہ تعلیم ائمہ سبعہ اور امام

دانی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق آئمہ ستہ تک پہنچی جو مندرجہ ذیل ہیں:

① مدنی اوّل ② مدنی اخیر ③ مکی ④ کوفی ⑤ بصری ⑥ شامی۔ (ایضا:۶۷)

یہ شمار و تعیین اس طرح روشن و ظاہر ہیں جس طرح صبح صادق کی روشنی واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔ نیز جس طرح صبح کی روشنی سے رات کی اندھیری ختم اور ناپید ہوجاتی ہے اسی طرح یہ روایتیں بھی آیات کے شمار اور ان کی تعیین کے بارے میں تمام شکوک وشبہات کو بالکل رفع کردیتی ہیں۔

مذکورہ بالا تمام آثار و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم (علم الفواصل) توقیفی ہے۔ لیکن اگر یہ علم توقیفی ہے تو پھر آئمہ شمار میں آیات کے شمار کے بارے میں اختلاف کیوں ہے؟ اس بناء پر ائمہ کرام کے دو مؤقف سامنے آتے ہیں۔

①: جو تمام آیاتِ قرآنیہ کے رءوس کی تعیین کو توقیفی قرار دیتے ہیں اور اس میں اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''تمام شمار توقیفی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے معلوم ہوئے ہیں اور اجتہادی نہیں ہیں جن میں قیاس اور رائے کا دخل ہو۔'' [کاشف العسر:۵۷]

②: جو اکثر آیات کے رءوس کی تعیین کے توقیفی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن رءوس آیات کے تعیین کے ایک قلیل حصہ کے قیاسی/اجتہادی ہونے کے قائل ہیں۔ یہی مؤقف امام دانی، ابن عبدالکافی اور علامہ شاطبی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی مؤقف مقالہ نگار کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ ذیل میں قائلین توقیفی اور قیاسی دونوں کے مؤقف بیان کیے جاتے ہیں۔

فواصل کا توقیفی ہونا:

توقیفی کسے کہتے ہیں اس سے متعلق علامہ جعبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أما التوقيفي فما ثبت أنه النبي ﷺ وقف عليه دائماً تحققنا أنه

فاصلة، وما وصله دائماً تحققنا أنه ليس بفاصلة." [حدیقة الزہر فی عد آی السور (مخطوطہ):۲۲۸]

''جس کلمہ پر رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ وقف کرنا ثابت ہے ہم اس کے فاصلہ ہونے کا یقین کریں گے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ وصل کیا ہے اس کی نسبت ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ فاصل نہیں ہے۔''

قائلین توقیفی کے دلائل:

ائمہ کا وہ گروہ جن کا کہنا ہے کہ فواصل کا کلی علم توقیفی ہے اس میں اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ وہ اس کے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں:

①: قرآن مجید میں ایسے کلمات بھی آئے ہیں جو اپنی ظاہری شکل اور اپنے وزن میں ان کلمات سے ملتے جلتے ہیں جن پر سب نے آیت شمار کی ہے۔ لیکن یہ کلمات اجماعاً متروک ہیں اور ان پر کسی نے بھی آیت شمار نہیں کی۔ پس اگر آیات کے مقرر کرنے میں اجتہاد اور رائے وعقل کا ذرا بھی دخل ہوتا تو یہ کلمات آیات میں سے خارج نہ ہوتے۔ کیونکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ جتنے کلمات بھی آیات کے ہم شکل ہیں ان سب پر آیت شمار کی جاتی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ پس ہم شکل ہونے کے باوجود ان پر آیت نہ ہونا صاف بتا رہا ہے کہ آیات کی تعیین عقل ورائے سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بتانے سے کی گئی ہے۔ کیونکہ عقل تو یہ بتاتی ہے کہ ہم شکل کلمات کا حکم بھی ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ یا تو سب پر آیت ہو یا کسی پر بھی نہ ہو۔ [ماخوذ از کاشف العسر :۶۴]

قاری رحیم بخش رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رؤوس آیات کے توقیفی ہونے کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن پاک میں بہت سے کلمات ایسے ہیں جو وزن اور شکل کے اعتبار سے آیتوں کے مشابہ ہیں (اس کو شبہ الفاصلہ کہتے ہیں) حالانکہ اماموں نے ان کو رؤوس آیات میں شمار

نہیں کیا نیز ایسے کلمات بھی کافی آئے ہیں جو آیات کے سروں کے ہم شکل نہیں ہیں (اس کو شبہ الوسط کہتے ہیں) جیسے ''ألا تعالوا'' لیکن ان کے شمار کرنے پر اجماع ہے اور ان پر سب ہی نے آیت شمار کی ہے۔'' [ہدایات الرحیم: ۳]

④: بعض جگہ ایسے کلمات پر بھی آیت شمار کی گئی ہے جن پر کلام اور جملہ پورا نہیں ہوتا یا ان کلمات کا بعد والے کلمات سے قوی درجہ کا تعلق ہوتا ہے۔ اس صورت میں عقل اور اجتہاد کا تقاضا یہی تھا کہ ان پر آیت شمار نہ کی جاتی کیونکہ ظاہر کی رو سے آیت کلام کے ایک حصہ کا نام ہے اور کسی حصہ کا کامل ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ اپنا مطلب بتانے میں بعد والے کلام سے بالکل بے نیاز ہو اور اس کا محتاج نہ ہو۔ ﴿أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَى﴾ (العلق: ۹۶/۹)، ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى﴾ (النازعات: ۷۹/۳۷) ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ (اللیل: ۹۲/۱۷) مذکورہ بالا کلمات ایسے نہیں، کیونکہ جب جملہ پورا نہیں یا بعد والے کلمہ کا پہلے کلمہ سے تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ یہ کلمات بعد والے کلمات سے بے نیاز ہیں۔ پس جملہ کے کامل نہ ہونے یا بعد والے الفاظ سے قوی تعلق ہونے کے باوجود ان کلمات پر آیت شمار کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ آیات کی تعیین عقل ورائے سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بتانے سے مقرر ہوئی ہے۔ [بشیر الیسر: ۲۴؛ مرشد الخلان: ۱۸]

قاری فتح محمد رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''ایسے کلمات بھی کافی ہیں جو آیات کے سروں کے ہم شکل نہیں لیکن ان کے شمار کرنے پر اجماع ہے۔'' [کاشف العسر: ۱۳۹]

③: دکتور وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

''ولا سبيل لمعرفة أول الآية وآخرها إلا بالتوقيف الشارع فلا مجال فيها للقياس والرأي، بدليل أن العلماء عدوا ''المص'' آية، ولم يعدوا نظيرها وهو ''المر'' آية'' [الموسوعة القرآنية الميسر ۳: ۲۳۶]

''آیت کے اوّل وآخر کو شارع کے وقف کے علاوہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں
اور نہ ہی اس میں قیاس اور رائے کا کوئی عمل دخل ہے، اس کی دلیل علماء کا
'المص' پر آیت شمار کرنا اور 'المر' پر آیت کا شمار نہ کرنا ہے۔''

عبدالفتاح قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات جو قرآن مجید کی انیس سورتوں کے شروع میں آرہے ہیں ان پر صرف کوفی نے آیت شمار کی لیکن ان میں سے تین حروف کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور ان پر آیت شمار نہیں کی ہے۔

① وہ جن کے آخر میں راء ہے۔ مثلاً 'الر، المر'
② 'طس' جو نمل کے شروع میں ہے۔
③ مقطعات کے وہ حروف جو اکیلے آرہے ہیں۔ مثلاً 'ص، ن، ق' وغیرہ۔ سورۃ شوریٰ کے 'ق' پر حمصی اور کوفی دونوں کے لیے آیت ہے جبکہ باقی مقطعات کو کوفی نے لیا ہے۔ ان کو حمصی نے نہیں لیا۔ باقی پانچوں امام مدنی اوّل وآخر، مکی، دمشقی اور بصری ان حضرات نے مقطعات کے کسی حرف پر بھی آیت شمار نہیں کی۔ علماء کے ہاں یہ تفریق اور جدائی آیات کے توقیفی ہونے کی دلیل ہے۔ [بشیر الیسر: ۴۴]

نوٹ: یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سورۂ شوریٰ کے حروف مقطعات پر حمٓ ① عسٓقٓ ② دو آیات شمار کی گئی ہیں اور یہ حمصی اور کوفی دونوں شمار کر رہے ہیں۔ حمصی ان دو مقطعات کو آیت شمار کرنے کے علاوہ اور کہیں بھی مقطعات کو آیت شمار نہیں کرتے اور باقی پانچوں شمار کسی بھی حروف مقطعات پر آیت شمار نہیں کرتے ہیں۔

④ اگر آیات اور ان کے شمار توقیفی نہ ہوتے بلکہ عقل ورائے سے مقرر کیے جاتے تو کوئی آیت بھی ایسی نہ ہوتی جو صرف ایک کلمہ والی ہو کیونکہ ایک کلمہ سے کوئی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ صرف ایک کلمہ والی آیتیں بڑی سورتوں میں بھی آئی ہیں جیسے دو مقطعات جن پر آیات شمار کی گئی ہے اور چھوٹی

سورتوں میں بھی موجود ہے۔ جیسے 'والطور، والفجر، والضحی، والعصر' یہ بات نبی ﷺ کے بتانے اور آپ ﷺ سے سننے ہی پر منحصر ہے۔[کاشف العسر :۶۹]

نیز یہ کہ پورے قرآن میں کوئی آیت بھی ایسی نہیں جو صرف ایک کلمہ والی ہو نہ بڑی سورتوں میں اور نہ چھوٹی سورتوں میں لیکن صرف ذیل کی تین صورتوں میں ایسی آیات ہیں جو صرف ایک کلمہ والی ہیں۔

①: مقطعات میں اور وہ بیس (۲۰) ہیں۔

②:ان الفاظ میں جن سے قسم کھاتے ہیں جبکہ وہ دوسری آیتوں کے ہم شکل بھی ہوں۔ان میں سے چار پر آیت شمار کی ہے۔

③:قسموں کے سوا دوسرے الفاظ میں سے اور یہ پانچ ہیں۔

اس طرح ایک کلمہ والی کل آیات انتیس (۲۹) ہیں ان میں اکثر کو کوفی نے شمار کیا ہے اور بعض میں دوسرے امام بھی شریک ہو گئے ہیں۔ (ایضا:۱۰۱)

⑤:بڑی سورتوں میں چھوٹی آیتیں بھی آئی ہیں۔

⑥: چھوٹی سورتوں میں بڑی آیتیں بھی موجود ہیں۔ (ایضا:۱۳۹)

⑦: آیات کے آخری سرے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف آیات کے آخری کلمات پر دو نقطے لگاتے تھے اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس کلمہ کے آخری حرف پر آیت ختم ہوگئی ہے۔اسی طرح نقطوں کا ترک اس بات کی علامت تھی کہ اس کلمہ کے آخری حرف پر آیت کا سرا نہیں ہے۔اس کی توضیح کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل کافی وافی ہے کہ ان حضرات نے انفال وقتال یعنی براءۃ کے درمیان 'بسم اللہ' نہیں لکھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تھی نبی کریم ﷺ اس کے شروع میں 'بسم اللہ' لکھنے کا حکم فرما دیتے تھے جبکہ سورۂ براءۃ کے شروع کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کا کوئی بیان نہیں ملا۔ پس جب ان کو اس بات کا علم نہیں ہوا کہ

آپ ﷺ نے اس سورۃ کے اوّل میں 'بسم اللہ' لکھنے کا حکم فرمایا ہے یا نہیں تو اس بارے میں توقف اختیار کرلیا اور 'بسم اللہ' کو ترک کر دیا۔

پس اگر آیات کا ثبوت اجتہاد سے ہوتا تو ان کو براءۃ کے شروع میں ضرورت پیش نہ آتی اور 'بسم اللہ' کو لکھ دیتے نیز وہ حضرات قرآنوں کے مجرد (نقطوں اور حرکتوں تک سے خالی) رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے تھے اس کے باوجود بھی آیتوں کے شمار کے لیے ان کے اخیر میں نقطے لگاتے تھے۔ پس یہ عمل واضح دلیل ہے اس پر کہ آیات توقیفی ہیں اور ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نیز آیات کے درمیان کے ان نقطوں میں اماموں کا اختلاف کرنا آیات کے توقیفی ہونے کی یقینی دلیل ہے۔ [ماخوذ از لوامع البدر: ۹۰، ۹۱]

⑨: امام عاصم رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام زر بن حبیش رحمہ اللہ کے واسطے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان عالی نقل کیا ہے کہ ایک بار ہمارا ایک سورت کی آیات میں اختلاف ہوگیا سو بعض نے کہا کہ تیس (۳۰) آیتیں ہیں اور بعض اس طرح گویا ہوئے کہ نہیں بتیس (۳۲) ہیں۔ سو ہم حضور ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور "فداہ أبي و أمي" کا مبارک رنگ متغیر ہوگیا (یعنی ناراضگی کے آثار پیدا ہوئے) آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آہستہ سے کچھ بات فرمائی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ حضور ﷺ امر فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھو، جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے (یعنی جو جو عدد آیات کا جس جس کو بتایا گیا ہے وہ اسی اسی طرح عدد پر قائم رہے)۔

پس اس روایت سے جہاں آیات کا توقیفی ہونا اور ان کا شمار معلوم ہوا وہاں یہ بھی بخوبی واضح ہوگیا کہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ وہاں بعض نے آیت شمار کی ہے اور بعض نے نہیں کی کیونکہ یہ اختلاف اگر صحیح نہ ہوتا اور یہ تعداد آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی نہ ہوتیں تو آپ ﷺ کسی ایک عدد کو ساقط فرما کر اختلاف کو رفع فرما دیتے۔ [ہدایات رحیم: ۲]

شمار میں اختلاف کی وجہ:

قائلین توقیف آئمہ شمار میں اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’شمار کے اماموں کے اختلاف سے اس میں شبہ ہوتا ہے کہ اختلاف اجتہاد کی علامت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شمار میں جو اختلاف ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قراءۃ کی وجوہ میں اختلاف ہے۔‘‘ [کاشف العسر:۱۳۹]

فواصل کا قیاسی ہونا:

جس آیت پر آپﷺ نے ایک بار وقف کیا اور دوسری مرتبہ اس پر وصل فرمایا تو اس چیز میں یہ احتمال ہے کہ آپﷺ کا وقف کرنا فاصلہ کی تعریف کے لیے تھا یا وقف تام کی تعریف کے واسطے یا یہ بات بتانے کے لیے کہ اس جگہ استراحت (آرام لینا) مقصود ہے اور اس کے بعد وصل کرنا۔ مگر ایسا (یعنی وقف تام یا استراحت) اسی صورت میں سمجھا جائے گا جبکہ وہ مقام فاصلہ کا نہ ہو۔ اسی طرح وصل کرنا کہ وہ مقام فاصلہ ہو مگر وقف تام کے لیے اس کو وصل کر دیا۔ اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کلمہ پر فاصلہ ہے یا نہیں اس بات کی تعیین اجتہاد کے ذریعے کی جاتی ہے۔

قیاس کسے کہتے ہیں اس سے متعلق علامہ جعبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’فهو ما ألحق من المحتمل غير المنصوص بالمنصوص لمناسب، ولا محذور في ذلك لأنه لا زيادة فيه ولا نقصان وإنما غايته أنه محل وصل أو فصل‘‘[حدیقۃ الزہر فی عد آی السور (مخطوطہ):۲۲]

’’قیاس یہ ہے کہ جو احتمال غیر منصوص کسی مناسب امر کی وجہ سے منصوص کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو وہ بھی فاصلہ مانا جائے گا اور اس بات میں کوئی خرابی نہیں ہے اس میں کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوتی اور اس کی غرض و غایت محض اس کا محل وصل یا محل فصل ہونا ہے۔‘‘

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ وقف ہر کلمہ پر الگ الگ بھی جائز ہے اور تمام قرآن کا وصل کرنا بھی جائز ہے لہٰذا قیاس اس بات کا محتاج ہے کہ وہ فاصلہ کی معرفت کا کوئی طریقہ معلوم کرے۔ [الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۲۶۹]

قائلین قیاسی کے دلائل:

قائلین قیاسی کی رائے ہے کہ اس علم کا بہت بڑا حصہ تو ایسا ہے جو توقیفی ہے۔ لیکن ایک قلیل حصہ قیاسی بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کچھ جزئیات منقول ہیں۔ ان سے قواعد کلیہ مستنبط کیے گئے اور انہی کی طرف جزئیات بھی لوٹا دی گئی ہیں۔ جن کے بارے میں نص نہیں آئی۔ قائلین قیاسی کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جب حضرت اعمش رحمہ اللہ تابعی سے امام حمزہ رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کیا سبب ہے کہ آپ نے ﴿إِلَّا خَآئِفِينَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۱۴) پر آیت شمار نہیں کی تو اس کے جواب میں اعمش رحمہ اللہ نے یہ دلیل بیان کی کہ ہماری قراءۃ میں ﴿خَآئِفِينَ﴾ کے بجائے ﴿خيفاً﴾ ہے۔ [البیان فی عد آی القرآن: ۱۰۹]

مقصد یہ تھا کہ اس قراءت کی رُو سے یہ کلمہ پچھلی اور بعد والی آیتوں کے شکل اور ان کے وزن پر نہیں حالانکہ قرآن مجید کی اکثر آیتیں شکل و وزن میں متحد ہو کر آئی ہیں۔ اس کے اپنی ماقبل اور مابعد آیات سے شکل و وزن میں متحد نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اعمش رحمہ اللہ نے اس پر آیت شمار نہیں کی۔

قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ علامہ دانی رحمہ اللہ کی اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

①: آیات کے بارے میں مشاکلہ اور تناسب والا قاعدہ معتبر بھی ہے اور اماموں نے اس کو استعمال بھی کیا ہے۔

②: جن کلمات پر آیت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نص و روایت نہ آئی ہو

ان میں اجتہاد کرلینا اور اس کے ذریعہ سے ان کا حکم معلوم کرلینا صحیح اور درست ہے۔
[کاشف العسر:۱۳۶]

ابو ایوب انصاری رحمہ اللہ امام اعمش رحمہ اللہ اور امام حمزہ رحمہ اللہ کے قول سے متعلق فرماتے ہیں:

''آیات کے بارے میں اجتہاد کے جائز اور صحیح ہونے کی ایک دلیل وہ بھی ہے جس کو اعمش رحمہ اللہ نے "خَآئِفِيْنَ" پر آیت شمار نہ کرنے کے بارے میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں ہماری قراء ۃ "خيفاً" ہے۔ اس کی رُو سے یہاں مشاکلہ اور موازنہ کا قاعدہ معدوم ہے اس لیے ہم نے اس کو آیت کا آخری سرا شمار نہیں کیا اور اس ارشاد کی بنیاد اس اجتہاد پر ہے جس میں کسی طرح بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔'' [لوامع البدر:۹۱]

③: آیات کی تمام جزئیات کے بارے میں نصوص نہیں آئیں (یہ رائے ابن عبدالکافی، علامہ دانی رحمہ اللہ اور امام شاطبی رحمہ اللہ وغیرہم کی ہے)۔ [مرشد الخلان:۲۰]

④: شمار میں اماموں کا اختلاف ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا ظاہر کے خلاف ہے کہ آیات کا اختلاف قراء ۃ کی وجوہ کے اختلاف کی طرح ہے اس لیے کہ قراءت کی وجوہ اُمت پر آسانی اور مہربانی فرمانے کے لیے نازل ہوئی ہیں اور شمار کا یہ حال نہیں ہے۔ [کاشف العسر:۱۳۶]

قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آیات کے بعض مواقعوں کا اجتہاد سے ثابت ہونا اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لیے کہ اس سے قرآن مجید میں نہ کوئی زیادتی لازم آتی ہے اور نہ کمی بلکہ اس علم کے تمام مسائل وصل وفصل کے مقامات کی تعیین کے لیے ہیں۔'' [کاشف العسر:۱۴۰]

قائلین توقیفی اور قیاسی کے نقطۂ نظر میں تطبیق:

قائلین توقیفی اور قیاسی کے نقطۂ نظر میں تطبیق بیان کرتے ہوئے عبدالرزاق علی

ابراہیم موسیٰ فرماتے ہیں:

"إن هذا العلم بعضه ثبت بالنص وهو العظم وبعضه ثبت بالإجتهاد ولكن لما كان الإجتهاد في هذا العلم هو رد الجزئيات التي لم ينص عليها إلى ما نص عليه منها، صح أن يقال: إن هذا العلم نقلي." [مرشد الخلان:۲۱]

''اس علم کا بعض حصہ نص سے ثابت ہے جو بہت زیادہ ہے اور بعض حصہ اجتہاد سے ثابت ہے۔ اس علم میں اجتہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان جزئیات کو جن کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی ہے، ان جزئیات کی طرف لوٹانا جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ علم نقلی ہے۔''

قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس علم (یعنی علم الفواصل) کے دو حصے ہیں:

(۱) وہ جو نص اور روایت سے ثابت ہے اور یہ اکثر ہے۔

(۲) وہ جو اجتہاد کے ذریعے حاصل ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جن جزئیات کے بارے میں نص اور روایت نہیں آئی ان کو ان جزئیات کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جن کے بارے میں نص موجود ہے اور ان ہی سے غیر منصوص جزئیات کا حکم بھی نکال لیا جائے۔ پس چونکہ بغیر نص والی جزئیات کا حکم بھی نص والی جزئیات ہی سے نکالا جاتا ہے اس بناء پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ علم پورے کا پورا توقیفی اور نقلی ہے۔[کاشف العسر:۷۰-۷۱]

قاری صاحب رحمہ اللہ اس سے متعلق مزید فرماتے ہیں کہ آیات کے شمار میں اختلاف سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیات کے شمار توقیفی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نہ ہوں کیونکہ یہ اختلاف مشاکلہ اور تناسب کی وجہ سے ہے۔ یہ دونوں قاعدے بھی فن کے علماء

نے اُن آیات سے نکالے ہیں جن پر آیت ہونے کے بارے میں نص و روایت موجود ہے۔ پس ان آیات سے یہ دو قاعدے نکال کر اُن میں بھی جاری کر دیئے جن کے بارے میں نص و روایت نہیں تھی اور اس ذریعہ سے ان غیر نص والی آیات کو بھی وہی حکم دے دیا جو نص والی آیات کا تھا اور وہ حکم یہ تھا کہ ان پر آیت ہے۔ پس اسی طرح غیر نص والی آیات پر بھی یہی حکم لگا دیا کہ ان پر بھی آیت ہے چونکہ یہ حکم مشاکلہ اور تناسب کے ذریعہ لگایا گیا ہے اور یہ دونوں نص والی آیات سے مستنبط ہیں اس بناء پر گویا وہ بغیر نص والی آیات بھی نص والی آیات ہی سے لی گئی ہیں اور اس طرح سب آیات توقیفی ہوگئیں۔ (ایضا:۱۳۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ آیات کے فواصل کے شمار میں جو اختلاف ہے اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ یہ تمام اجتہادی رقیاسی ہیں۔ اس علم میں جو توقیف ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کے الفاظ اور اس کی آیات اور ان کا شمار یہ تینوں چیزیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور یہ اختلاف و اجتہاد توقیف کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیات کی تعلیم ان کے رؤوس پر وقف کرنے کے ذریعے دی۔ جن رؤوس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وقف کیا ان پر سب آئمہ کے نزدیک فواصل ہیں اور جن پر ہمیشہ وصل کیا اُن پر اجماعاً فواصل نہیں۔ آئمہ کے مابین اختلاف اصل میں ان رؤوس کے بارے میں ہوا جن پر ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کیا اور دوسری مرتبہ وصل۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقف اور وصل میں اختلاف ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف فاصلہ کی تعلیم کے لیے کیا تھا یا وقف تام یا استراحت کے لیے؟ اسی طرح وصل کہ اُس پر فاصلہ تھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف تام کی وجہ سے وصل کیا۔ اس اختلاف کی بناء پر آئمہ میں اختلاف واقع ہوا کہ ان آیات کے رؤوس پر فواصل ہیں یا نہیں۔

آپ ﷺ کے وقف ووصل کی تین صورتیں ہیں:

① وہ کلمات جن پر آپ ﷺ نے ہمیشہ وقف کیا ہے ان پر اجماعاً فاصلہ کا اطلاق ہوگا۔

② وہ کلمات جن میں ہمیشہ وصل کیا ہے یہ اجماعاً متروک ہیں۔

③ وہ کلمات جن پر کبھی وقف کیا ہے اور کبھی ان کو وصل سے پڑھا ہے اس قسم میں اختلاف ہے۔

اس تیسری صورت کے وقف میں پھر تین طرح کے احتمالات ہیں:

①: اس لیے کہ یہ آیت کا آخری سرا ہے۔

②: اس لیے کہ آگے پڑھنے کے لیے سانس میں قوت آجائے۔

③: وقف کا طریقہ بتلانے کے لیے ہو کہ کسی حرف پر وقف کس طرح کیا جاتا ہے۔ مثلاً وقف میں حرکت والے حرف کو ساکن اور تاء تانیث سے بدل دیتے ہیں وغیرہ۔

جس طرح تیسری صورت کے وقف میں احتمالات ہیں اسی طرح وصل میں بھی دو احتمالات ہیں:

① یہ بتانے کے لیے ہو کہ یہ آیت کا آخری سرا نہیں ہے۔

② اس لیے ہو کہ آیت کا آخری سرا تو ہے لیکن پہلی بار جو وقف کیا تھا وہ رؤوس کی تعلیم کے لیے تھا۔ پھر جب آپ ﷺ اس سے مطمئن ہو گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر فاصلہ کو پوری طرح سمجھ لیا ہے تو پھر وصل کر دیا۔

پس ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس پر آیت ہے یا نہیں اور ان احتمالات میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس پر فاصلہ ہے یا نہیں اجتہاد وقیاس ہی سے ممکن ہے۔ آیات کے رؤوس ایسے ہیں کہ وہ نہ تو کلی اجتہادی ہیں اور نہ کلی توقیفی۔ آیات

کے رؤوس کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تقریباً چھ ہزار نوے (۶۰۹۰) بنتی ہے ایسے ہیں کہ اُن پر سب کا اتفاق ہے جبکہ کل آیات چھ ہزار دو سو (۶۲۰۰) سے کچھ زائد ہیں ان اختلافی رؤوس سے عددی لحاظ سے کوئی نسبت حاصل نہیں۔ آئمہ کرام نے ان اختلافی رؤوس کی تعیین کے لیے ان آیات سے جن کے رؤوس کی بابت نص وارد ہوئی ہے، کچھ قواعد مرتب کیے اور پھر ان قواعد کی روشنی میں اختلافی رؤوس کی تعیین ممکن بنائی۔ یہ قواعد انہوں نے چونکہ نص والی آیات سے اخذ کیے تھے اس لیے یہ جزئیات رقواعد ان کلیات رنص والی آیات کا حصہ بن گئے۔ اس طرح یہ علم سارے کا سارا نقلی کہلانے لگا۔

اہمیت وقف

ڈاکٹر احسان اللہ احسان

اہمیت وقف کے متعلق قرآن سے احکامات ہم مقدمہ میں بیان کر آئے ہیں اب ہم یہاں احادیث رسول اکرم ﷺ سے اہمیت وقف واضح کریں گے۔

احادیث رسول ﷺ کے علم وقف کا ثبوت:

حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

((عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الْبَكْرِيِّ رحمه الله قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه يَقُوْلُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِنَا وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيُؤْتَى الْإِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهُ مِنْهَا كَمَا تَتَعَلَّمُوْنَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ الْقُرْآنَ وَلَقَدْ رَأَيْتُ الْيَوْمَ رِجَالًا يُؤْتَى أَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ قَبْلَ الْإِيْمَانِ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهِ إِلَى خَاتِمَتِهِ مَا يَدْرِيْ مَا آمِرُهُ وَلَا زَاجِرُهُ وَلَا مَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهُ مِنْهُ وَيَنْثُرُهُ نَثْرَ الدَّقَلِ))①.

حضرت قاسم بن عوف البکری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا: یقیناً ہم نے اپنے زمانہ کا ایک عرصہ اس صورت حال میں گزارا کہ ہمیں پہلے ایمان کی تعلیم دی جاتی پھر قرآن کی حضرت محمد ﷺ پر سورت نازل ہوتی تو ہم اس کی حلال کردہ اور حرام کردہ

① السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۲۰۔ کتاب القطع والائتناف للشیخ ابو جعفر النحاس ص ۸۷۔ الاتقان فی علوم القرآن للشیخ السیوطی ۱/۲۸۲

چیزوں کو پہچانتے نیز یہ کہ کہاں کہاں وقف کیا جانا چاہیے اس (علم وقف) کی تعلیم (ایسے اہتمام سے) حاصل کرتے جیسے آج تم قرآن سیکھتے ہو۔ جبکہ آج صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے افراد دیکھ رہا ہوں جنہیں (تعلیم) ایمان سے پہلے قرآن سکھا دیا جاتا ہے سو وہ سورۂ فاتحہ تا آخر قرآن تک پڑھتا چلا جاتا ہے حالانکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کس چیز کا حکم ہو رہا ہے اور کس سے منع کیا جا رہا ہے اور نہ اسے یہ پہچان ہوتی ہے کہ وقف کہاں کرنا ہے اس لیے وہ ایسے ہی بے ترتیب انداز میں پڑھے جاتا ہے۔

اس حدیث پر امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اپنی کتاب "القطع والائتناف" میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مواقع اوقاف کی تعلیم اسی اہتمام کے ساتھ حاصل کرتے تھے جس طرح قرآن کی (تجوید کی) تعلیم حاصل کرتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول "لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِّنَ الدَّهْرِ" اس بات کی واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ علم وقوف کو سیکھنے کا عمل تمام صحابہ کے لیے اہم و ضروری تھا یعنی اجماع صحابہ تھا۔" [القطع والائتناف ص ۸۷]

راقم یہاں یہ کہتا ہے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب مبارک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو بالتجوید اور مواقع وقوف کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ قَالَ تعالیٰ: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ (الجمعہ) یعنی وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھے۔

میرے اس موقف کو تقویت اس تشریحی قول سے بھی ملتی ہے جو امام القراء والمجودین علامہ ابو عمرو سعید بن عثمان الدانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المکتفی فی الوقف والابتداء" میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم الوقف توقیفی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و تعلیم سے تھا اور اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ [المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۱۳۴۔۱۳۵]

علامہ جزری رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تفسیری قول "اَلتَّرْتِیْلُ هُوَ تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ" اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔

"(یہ دونوں بیانات مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کی دلیل ہیں کہ علم تجوید کا سیکھنا اور معرفت الوقوف کا حصول اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔" [النشر فی القراءات العشر ص ۲۲۵۔ ج ۱]

③ حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ:

وَقَدْ تَاَوَّلَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ حَدِیْثَ جَرِیْرٍ رضی اللہ عنہ: بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّهُ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّنْصَحَ بِعِلْمِ الْقُرْاٰنِ فَیَقِفُ الَّذِیْ یَعْلَمُهُ عَلٰى مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ مِنَ الْقَطْعِ وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّسْتَاْنَفَ بِهِ. [القطع والائتناف للشیخ ابو جعفر النحاس ص ۹۱]

اور بعض علماء نے حدیث جریر رضی اللہ عنہ سے یہ تاویل کی ہے (کہ علم وقف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امر تھا) حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہم تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کریں گے اور خیر خواہی یہ ہے کہ لوگوں کو تعلیم قرآن دیں نیز وقوف کے مواقع بتائیں کہ جو دوران تلاوت ضروری ہیں اور ابتداء و اعادہ کے مواقع کے ساتھ جملہ استینافیہ

کے متعلق بھی باخبر کریں۔

یہ حدیث مبارکہ بہت واضح ہے جس سے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مانند علم وقف کے توقیفی ہونے کے شواہد معلوم ہو رہے ہیں۔

حدیث حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ رَجُلَانِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَتَشَهَّدُ أَحَدُهُمَا فَقَالَ: مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ. وَمَنْ يَّعْصِهِمَا! فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: قُمْ. أَوْ إِذْهَبْ. بِئْسَ الْخَطِيْبُ أَنْتَ[1]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں دو شخص آئے ان میں سے ایک نے پڑھا مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ' وَمَنْ يَّعْصِهِمَا پر وقف کیا (جس سے معنی ہو گئے) جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ بامراد ہوا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ بھی بامراد ہوا۔ (العیاذ باللہ) کہا پس رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا یہاں سے اٹھ جایا فرمایا یہاں سے دور چلا جا تو برا خطیب ہے۔

مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مناسب یہ تھا کہ وہ اپنے کلام میں وَمَنْ يَّعْصِهِمَا کی بجائے فَقَدْ غَوٰی پر وقف کرتا یا پھر وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ پر وقف کرتا جب یہ بے موقع وقف عام کلام میں اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو اپنی محفل سے اٹھ جانے کا حکم فرمایا تو کلام اللہ میں وقف قبیح کی کس طرح

---

[1] صحیح مسلم ۲/ ۵۹۴۔ مسند امام احمد ۴/ ۲۵۶۔ ۴/ ۳۷۹۔ القطع والائتناف ص ۸۸۔ المکتفیٰ فی الوقف والابتداء ص ۱۳۳۔ البرہان فی علوم القرآن ۱/ ۳۴۳۔ التمہید فی علم التجوید ص ۱۷۷۔ منار الہدیٰ فی الوقف والابتداء ص ۴

گنجائش ہو سکتی ہے۔" [القطع والائتناف ص ۸۸ لابی جعفر النحاس]

علامہ دانی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ایسے وقف عام لوگوں کے کلام میں ناپسندیدہ ہیں اس لیے کہ ربط کلام اور کلمہ کا معنوی حسن متاثر کر رہا ہے۔ پس رب العالمین کے کلام میں تو غلط اور بے موقع وقف بہت ہی سخت ناپسندیدہ اور بھونڈا ہے اور اللہ رب العزت کا کلام اس بات کا کہیں زیادہ متقاضی ہے کہ اس میں ایسے وقف قبیح سے حتی الامکان اجتناب کرنا اولی وافضل ہے۔" [المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۱۳۲ للامام الدانی رحمہ اللہ]

علامہ زرکشی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"جب ایسے وقف عام کلام میں ناپسندیدہ ہیں تو کلام اللہ میں ایسے وقف تو انتہائی شدید ناپسندیدہ ہوں گے۔" [البرھان فی علوم القرآن ص ۳۴۳۔ ج۱ للشیخ الزرکشی]

علامہ جزری رحمہ اللہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

یہ حدیث دلیل ہے کہ وقف قبیح کے موقع پر وقف کرنا جائز و صحیح نہیں ہے۔ [التمہید فی علم التجوید ص ۱۷۷ للشیخ الجزری رحمہ اللہ]

ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس شخص نے يَّعْصِهِمَا پر وقف کیا۔ بہتر یہ تھا کہ وہ رَشَدَ پر وقف کرتا یا غَوٰی پر وقف کرتا یا پورا جملہ ایک سانس میں پڑھتا۔" [المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریہ لملا علی القاری رحمہ اللہ]

علامہ اشمونی یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں غلط وقف کرنے پر واضح دلیل ہے۔ اس شخص کو چاہیے تھا کہ وہ فَقَدْ رَشَدَ پر سانس توڑ دیتا اور نئے سانس سے وَمَنْ يَّعْصِهِمَا

سے شروع کر کے فَقَدْ غَوٰی پر وقف کرتا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب لوگوں کے مابین ہونے والے عام گفتگو میں یہ ناپسندیدہ ہے تو کلام اللہ میں ایسا وقف شدید ناپسندیدہ ہوگا جس سے اجتناب کرنا نہایت اولی اور بہتر ہوگا۔'' [منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۴ للشیخ اشمونی رحمہ اللہ]

اہمیت وقف کا اقوال صحابہ سے ثبوت:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت ابن ابی طلحہ رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے پڑھا: وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ اور یہاں وقف کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اِنْقَطَعَ الْكَلَامُ یعنی کلام قطع ہوگیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تنبیہ فرمانا اس لیے تھا کہ آیت میں بے محل وقف کیا گیا بہتر یہ تھا کہ جہاں مفہوم پورا ہو رہا تھا یعنی اِلَّا قَلِيْلًا پر وقف کرتا۔ [القطع والائتناف ص ۹۰]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن حکیم میں فرما رہا ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو مومنین پر ہرگز غلبہ نہیں دیں گے'' جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کفار مومنین کو شہید کر رہے ہیں یعنی کفار مسلمانوں کو مغلوب کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے قبل کو بھی اس سے ملا کر پڑھو یعنی ''فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اب ماقبل کو ملانے سے مفہوم یہ ہوا کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں کو مومنین پر ہرگز غالب نہیں کریں گے۔ [القطع والائتناف ص ۹۰]

ان دونوں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم وقف کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔

پہلے موقع میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جملہ پورا کیے بغیر کیے گئے وقف پر تنبیہ فرمائی کہ کلام کا ربط نہیں رہا جملہ پورا کیا جانا ضروری تھا۔

اور دوسرے موقع میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ظرف مقدم کے بغیر پڑھا گیا آیت کا جملہ مفہوم کو واضح نہیں کر رہا لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماقبل سے پڑھنے کو فرمایا۔

اقوال ائمہ فن سے اہمیت علم وقف:

معمر رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان کے سامنے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (الکہف ۱و۲) کو وصل سے پڑھا۔ جس سے معنی کچھ یہ بنے ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے کہ جس نے اپنے بندے پر ایسی کتاب نازل کی جس میں کوئی کجی نہ رکھی جو سیدھی ٹھیک نہ ہو''۔ اس پر حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یعنی ایسی کتاب نازل ہوئی جو سیدھی ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں'' معلوم ہوا کہ یہاں آیت پر یا تو وقف ہونا چاہیے یا پھر روایت حفص رحمہ اللہ میں جس طرح وارد ہے کہ یہاں سکتہ کیا جائے وہ ضروری ٹھہرا۔ وصل سے معنوی قباحت پیدا ہو رہی ہے۔ [القطع والائتناف ص ۹۰]

امام ابوبکر محمد بن القاسم بن بشار الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''قرآن کی پوری معرفت میں سے ایک علم وقف وابتداء کا جاننا بھی ہے اس وجہ سے کہ کوئی شخص بھی قرآن کی مکمل معرفت اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ وقف وابتداء کے علم کی معرفت حاصل نہ کر لے۔

پس یہ بات علم وقف کی تعلیم اور تعلم کے وجوب پر ایک واضح دلیل ہے اس لیے قرآن پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی آیت جس میں عذاب وعقاب کا

تذکرہ ہو اس آیت سے قطع کرکے پڑھے جس میں جنت اور ثواب کا تذکرہ ہے۔ اور ایسے ہی ان آیات کو جن میں ثواب اور جنت کا تذکرہ ہو عذاب وعقاب کی آیات سے قطع کرکے پڑھے۔ ①

امام ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْوَقْفَ لَمْ يَعْرِفِ الْقُرْآنَ** یعنی جس نے وقف و ابتداء کے علم کی معرفت حاصل نہ کی اس نے قرآن کی معرفت نہیں پائی۔ ②

امام ابو القاسم یوسف بن علی بن جبارہ الهذلی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الکامل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''علم وقف و ابتداء تلاوت قرآن کا زیور ہے اور قرآن پڑھنے والے کے لیے زینت ہے اور تلاوت کرنے والے کی وضاحت و بلاغت کا اظہار ہے اور تلاوت قرآن سننے والے کے لیے معنی کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے والا ہے اور عالم دین کی شان ہے اور مناسب و موقع محل کے مطابق وقف سے دو مختلف المعانی احکام اور دو متغیر احکام کے مابین فرق کو واضح کرنے کا ذریعہ ہے۔'' (تعلیقات مالکیہ حاشیہ فوائد مکیہ)

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''چونکہ قرآن کی تلاوت کرنے والا پوری سورت یا پورا واقعہ ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا پس اسے سانس لینے کے لیے مناسب موقع و محل دیکھنا چاہیے بصورت دیگر اندیشہ ہے کہ آیت کا مفہوم تبدیل ہو کر معنی کے سمجھنے میں خلل نہ پیدا ہو جائے۔ اسی لیے ائمہ قراءات اور سلف صالحین نے علم وقف و ابتداء کی پہچان کو ایک مستقل علم کی شکل دی۔'' [النشر فی القراءات العشر ج ۱'

① الایضاح فی الوقف والابتداء۔ منار الهدی فی الوقف والابتداء ص ۴۔ الاتقان فی علوم القرآن ج ۱۔ ص ۸۵

② نہایۃ القول المفید ص ۱۵۲۔ جامع الوقف۔ الجواهر النقیۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ ص ۱۹۲

ص ۲۲۴۔ ۲۲۵]

آگے چل کر علامہ جزری ؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بعد میں آنے والے علماء فن نے قراءت کی اجازت دینے والے اساتذہ پر یہ شرط عائد کی کہ وہ اپنے تلامذہ کو اس وقت تک سند اجازت نہ دیں جب تک وہ علم وقف و ابتداء کے ماہر نہ ہو جائے۔

نیز ہمارے اساتذہ کرام اس غرض کے لیے ہمیں ہر ہر حرف پر ٹھہراتے تھے اور اپنی انگلیوں کے اشارہ سے بتاتے تھے کہ فلاں کلمہ پر ٹھہر جاؤ اور یہ وہ طریقہ تھا جس کو ہمارے مشائخ نے اپنے اساتذہ ومشائخ سے اخذ کیا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ [النشر فی القراءات العشر ج ۱۔ ص ۲۲۵]

شیخ الاسلام زکریا الانصاری ؒ فرماتے ہیں:

''علم وقف صدر اول میں حضرات صحابہ کرام ؓ حضرات تابعین کرام اور تمام علماء کے نزدیک ایک بڑا پسندیدہ علم تھا۔ مشائخ قراء اور ائمہ وفضلاء اس علم کے طالب ہوتے اور زمانہ سلف سے اس علم کی حقانیت اور اہمیت پر اخبار ثابتہ اور صحیح آثار موجود تھے۔ [المقصد لتلخیص ما فی المرشد فی الوقف والابتداء ص ۵]

صاحب غیث النفع شیخ ابو الحسن علی بن محمد النوری الصفاقسی ؒ فرماتے ہیں:

''علم وقف و ابتداء کی معرفت نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر قرآن کریم کے معنی مراد نہ صرف یہ کہ واضح نہیں ہوتے ہیں بلکہ کلام نامکمل رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء متقدمین ومتاخرین نے علم وقف و ابتداء کے تعلیم وتعلم پر انتہائی زور دیا ہے۔ [تنبیہ الغافلین وارشاد الجاہلین ص ۱۲۸]

علامہ احمد الجزری ؒ فرماتے ہیں:

''علم وقف کی ابتدا تجوید کے متعلقات میں سے ہے کلمات قرآن کو تجوید کے ساتھ

اداء کرنے کے ہمراہ قاری قرآن کو وقوف و ابتداء کی معلومات بھی ہونا ضروری ہیں۔[الحواشی المفہمہ شرح المقدمۃ الجزریہ ص ۳۸]

خاتمۃ القراء فی الھند الشیخ القاری المقری محمد عبدالرحمن مکی الہ آبادی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے۔ ایک تو علم تجوید یعنی حروف کے مخارج اور اس کے صفات کا جاننا۔ دوسرا علم اوقاف ہے یعنی اس بات کو جاننا کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے اور کس طرح نہ کرنا چاہیے اور کہاں معنی کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے۔''[فوائد مکیہ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی ص ۵۱]

امام القراء حضرت قاری المقری محمد عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''امام عاصم رحمہ اللہ حسن وقف و ابتداء کا اہتمام فرماتے تھے۔ جب امام عاصم رحمہ اللہ کا مذہب معلوم ہوگیا تو اب روایت حفص رحمہ اللہ میں تلاوت کرنے والوں کا اتباعاً للامام وقف اور ابتداء میں اتمام کلام حسب المعنی کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے خصوصاً ایک قاری مقری ذمہ دار کے لیے اور اس کا التزام نہ کرنے اور اس کے خلاف کرنے سے یہ نقصان اور خرابی ہوگی کہ وہ طلباء جو اس سے اخذ کر رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں ان کی نظر میں اس چیز (علم وقف و ابتداء) کی اہمیت اور ضرورت نہ رہے گی اور وقف و ابتداء کے مسئلہ میں عملاً وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد ہوجائیں گے اور اس کوتاہی کا سلسلہ آئندہ ان فارغین کے تلامذہ میں بھی جاری و ساری رہے گا جس کی تمام تر ذمہ داری قاری مقری پر ہوگی۔''[تعلیقات مالکیہ حواشی بر فوائد مکیہ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور ص ۴۷]

امام القراء حضرت قاری مقری عبد المالک صاحب نور اللہ مرقدہ وقف کی اہمیت و ضرورت کا کس قدر خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

''مدرسہ تجوید القرآن لاہور کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے موقع پر منعقدہ محفل میں ایک نوجوان خوش گلو قاری نے سورۂ آل عمران میں وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ پڑھتے ہوئے لفظ اَللّٰهُ پر وقف کیا۔ تلاوت ختم ہوئی تو حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے قاری کو تنبیہ کی اور فرمایا تمہارے اس بے موقع وقف سے تلاوت کا سارا لطف جاتا رہا۔ کیونکہ وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ سے قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ کا وصل کرنے سے مطلب ہوا کہ ''اگر بیوی عاقر ہے تو کوئی بات نہیں نعوذ باللہ اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ (فوائد علمیہ (قلمی) امام القراء کے علمی نکات'' مرتبہ استاذ محترم حضرت مولانا قاری مقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ)

استاذ ذی وقار حضرت القاری المقری الشیخ عبد الفتاح السید العجمی المرصفی المصری الازہری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

مِنْ مُهِمَّاتِ الْمَسَائِلِ فِيْ عِلْمِ التَّجْوِيْدِ مَعْرِفَةُ كُلٍّ مِنَ الْوَقْفِ وَالْاِبْتِدَاءِ فَاِنَّهُمَا مِنْ مَبَاحِثِهٖ بِمَكَانٍ مَكِيْنٍ بَعْدَ مَعْرِفَةِ مَسَائِلِ الْمَخَارِجِ وَالصِّفَاتِ وَيَنْبَغِيْ لِكُلِّ مَعْنِيٍّ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ مُجْتَهِدٌ فِيْ اِتْقَانِهَا وَحَقِّهَا وَمُسْتَحَقِّهَا اَنْ يُقْبِلَ عَلَيْهَا وَيَصْرِفَ هِمَّتَهٗ اِلَيْهَا اِذْ لَا يَتَحَقَّقُ فَهْمُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يَتِمُّ اِدْرَاكُ مَعْنَاهُ اِلَّا بِذٰلِكَ فَرُبَّمَا يَقِفُ الْقَارِئُ قَبْلَ تَمَامِ الْمَعْنٰى وَلَا يَصِلُ مَا وَقَفَ عَلَيْهِ بِمَا بَعْدَهٗ حَتّٰى يَنْتَهِيَ اِلٰى مَا يَصِحُّ اَنْ يَقِفَ عِنْدَهٗ. وَعِنْدَئِذٍ لَا يَفْهَمُ هُوَ مَا يَقُوْلُ وَلَا يَفْهَمُهُ السَّامِعُ بَلْ رُبَّمَا يَفْهَمُ مِنْ هٰذَا الْوَقْفِ مَعْنًى اٰخَرَ غَيْرَ الْمَعْنَى الْمُرَادِ وَهٰذَا فَسَادٌ عَظِيْمٌ وَخَطَرٌ جَسِيْمٌ

لاَ تَصِحُّ بِهِ الْقِرَآءَتُ وَلاَ تُوْصَفُ بِهِ التِّلاَوَةُ. وَقَدْ أَوْجَبَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنَ الرَّعِيْلِ الْأَوَّلِ عَلَى الْقَارِئِ مَعْرِفَةَ الْوَقْفِ وَالْإِبْتِدَاءِ لَمَّا جَآءَ فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْآثَارِ الْوَارِدَةِ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ رِضْوَانَ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ. [حدایۃ القاری الی تجوید کلام الباری ص ۳۶۷]

''مسائل کے اہم امور میں سے علم تجوید میں وقف اور ابتداء میں سے ہر ایک کی الگ پہچان ہے بے شک ان دونوں امور (وقف و ابتداء) کا علم تجوید کی بحث سے مخارج وصفات کے مسائل کی معرفت کے بعد ایک قابل قدر درجہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ہر معنی کے لیے ایک محنت کرنے والا اس کا حق پورا کرنے کے قابل ہوتا ہے اور اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت کو قبول کیا جائے اور اس کی محنت کو اس کی طرف (یعنی تلاوت کی جانب) لوٹا دیا جائے۔ علم وقف کے بغیر اللہ کے کلام کی معرفت اور اس کے معنی کا مکمل ادراک حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات قاری معنی پورے ہونے سے قبل وقف کرتا ہے حالانکہ وہاں وصل بہتر ہوتا ہے اور ایسے ہی وہ مابعد پر وقف کرتا ہے جہاں کہ وقف کرنا مناسب نہیں ہوتا اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ ہی سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ کیا کہا گیا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ (ایسے غلط) وقف سے دوسرے معنی (مراد الٰہی کے خلاف) مراد لیے جاتے ہیں اور مراد الٰہی کے خلاف معنی مراد لینے سے بہت خرابی اور شدید خطرات ہیں۔ اس سے قرآءت درست نہیں رہتی اور نہ ہی اس (طرح کیے گئے وقوف سے) تلاوت قرآن کرنے کو صحیح اور درست بتایا گیا ہے۔ متقدمین کے اولین گروہ نے قاری قرآن پر معرفت وقف و ابتداء کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ سے
(علم وقف کی اہمیت) کے متعلق منقول ہے“

حضرت استاذ محترم استاذ القراء والمجودین قاری مقری شیخ اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ علم وقف کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں۔

”جیسے ایک قاری کو تلاوت کرتے ہوئے حروف کے مخارج اور صفات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اس کو اس بات کا بھی علم ہو کہ وقف کہاں کرنا چاہیے اور ابتداء یا اعادہ کیسے کرنا چاہیے۔ کیونکہ جیسے حروف کو مخارج سے صحیح ادا نہ کیا جائے یا ان کی صفات کو کما حقہ ادا نہ کیا جائے تو تلاوت کا حسن مجروح ہوگا ایسے ہی اگر قاری اس بات سے آگاہ نہ ہو کہ وقف کہاں کرنا ہے کہاں نہیں اور غلط وقف کرے گا تو یہ بات بھی تلاوت میں خامی متصور ہوگی۔“ پھر آگے چل کر حضرت استاذ محترم تحریر فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرات تابعین رحمہم اللہ نے علم تجوید وقراءات کی طرح علم وقف کو بھی سیکھا بعد میں آنے والے علماء رحمہم اللہ نے جہاں علم تجوید اور علم قراءات پر کتب تحریر کیں اسی طرح علم وقف کے احکامات بھی وضع کیے اور اسے ایک مستقل فن کی شکل دے دی۔ [الرشد فی مسائل التجوید والوقف ص ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶]

وقف میں آئمہ قراءات عشرہ کا موقف

علم وقف میں اب ہم ائمہ قراءات عشرہ کا موقف ومذہب بیان کرتے ہیں۔

امام نافع مدنی رحمہ اللہ: آپ وقف وابتداء کے محاسن اور معانی کے مطابق رعایت کو بہتر قرار دیتے تھے اور یہ بات امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے نص کے ساتھ وارد ہے۔

امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ: آپ فرماتے ہیں:

”میں قرآن میں تین جگہ وقف کا اہتمام کرتا ہوں۔

(۱) وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ پر۔

(ب) وَمَا يُشْعِرُكُمْ پر۔

(ج) اور إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ پر۔

ان کے علاوہ مجھے اور کسی جگہ وقف کا اہتمام نہیں ہوتا وقف کروں یا نہ کروں۔''

درج بالا قول سے معلوم ہوا کہ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ ہر اس جگہ وقف کو جائز سمجھتے تھے جہاں سانس منقطع ہو۔ مگر رؤس آیات کا اہتمام کرتے تھے۔

امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ: آپ سے روایت ہے کہ آپ رؤس آیات پر ہی وقف کا اہتمام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رؤس آیات پر وقف کرنا زیادہ محبوب ہے۔

نیز امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ سے ہی خزاعی رحمہ اللہ اور ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ وہ حسن ابتداء کی رعایت کرتے تھے۔

امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ: آپ وقف و ابتداء میں حسن معنی ہی کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔

⑤ امام عاصم کوفی رحمہ اللہ: خزاعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام عاصم رحمہ اللہ اس جگہ وقف کرنا پسند فرماتے تھے جہاں کلام پورا ہوتا تھا۔

امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ: آپ کے متعلق روایات متفق ہیں کہ جہاں سانس منقطع ہوتا تھا وہاں پر وقف فرماتے تھے۔

بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت میں تحقیق ہے اور مد طویل ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والا شاید وقف تام یا وقف کافی تک نہ پہنچ سکے اس امکان کے پیش نظر انقطاع سانس تک پڑھنے کی اجازت تھی۔

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام حمزہ رحمہ اللہ کے نزدیک تمام

قرآن مثل ایک سورت کے ہے لہٰذا ان کے نزدیک وقف کی کوئی معین جگہ نہ تھی۔ اس لیے ایک سورت کا دوسری سے بغیر بسملہ کے وصل فرماتے ہیں۔ اگر وقف مذکور کی وجہ سے تحقیق ہوتی تو وہ ہر سورت کے آخر پر وصل کے مقابلہ میں قطع کو ترجیح دیتے۔

نوٹ:

مگر اس کے ساتھ ہی علامہ محمد بن القاسم بشار الانباری رحمہ اللہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

كَانَ إِمَامُ حَمْزَةُ رحمه الله وَغَيْرُهُ يَسْتَسْمِجُوْنَ الْوَقْفَ عَلَى هٰذَا" يَعْنِيْ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ مِنَ الْقَبِيْحِ لِأَنَّ الْقَارِئَ يَقْدِرُ عَلَى تَفْقِيْهِ وَتَجْنِيْبِهِ.[1]

معلوم ہوا کہ امام حمزہ رحمہ اللہ بھی بے موقع وقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

امام علی الکسائی الکوفی رحمہ اللہ: خزاعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ اس جگہ وقف کرنا پسند فرماتے تھے جہاں کلام پورا ہوتا تھا۔

آئمہ ثلاث کا موقف: ابوالفضل رازی رحمہ اللہ اور خزاعی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ۔ امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ اور امام خلف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ حضرات وقف وابتداء میں حسن معنی کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔ [النشر القراءات العشر ج۱ ص ۲۳۸]

درج بالا سطور سے ائمہ عشرہ قراءات کا موقف وقف میں سامنے آ رہا ہے اور یہ تمام ائمہ عشرہ رحمہم اللہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وقف وابتداء کا اہتمام فرماتے تھے اور وقف قبیح کو مستحسن نہیں جانتے تھے۔

دراصل جب ہم ائمہ عشرہ کی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں

---

[1] الایضاح فی الوقف والابتداء ج۱ ص ۱۵۰ / المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۱۵۳

سے بیشتر ائمہ عظام رحمہم اللہ نے علم وقف و ابتداء پر تالیفات بھی کی ہیں۔ پس ان میں امام نافع مدنی رحمہ اللہ۔ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ امام کسائی الکوفی رحمہ اللہ۔ امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ۔ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے راوی قالون رحمہ اللہ۔ امام خلف العاشر رحمہ اللہ۔ امام یعقوب رحمہ اللہ کے راوی روح رحمہ اللہ۔ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے تلمیذ اور سوسی رحمہ اللہ و دوری رحمہ اللہ کے شیخ یحییٰ الیزیدی رحمہ اللہ۔ نیز امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ اور امام کسائی کوفی رحمہ اللہ دونوں ائمہ کرام کے راوی دوری رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کے راوی عمار بن ہشام رحمہ اللہ نے جو کتب تحریر فرمائی وہ ہم ابھی اوپر تالیفات وقف کے ضمن میں درج کر آئے ہیں۔

لہٰذا علامہ جزری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کا مشائخ اہل فن تجوید و قراءات کے ساتھ علم وقف و ابتداء کا بھی اہتمام فرمایا کرتے تھے بالکل درست اور انصب ہے اور اوپر درج ائمہ فن کے اسماء مبارکہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ یہ ائمہ علم قراءات کے ساتھ ساتھ ائمہ علم وقف و ابتداء بھی ہیں۔

مبادیات علم وقف

قاری سید شفیق الرحمان شاہ
رکن العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

وقف کے لغوی معنی

وَقَفَ يَقِفُ وَقْفًا و وَقُوْفًا کے معنی ہیں ٹھہرنا۔ چپ چاپ کھڑا ہونا' فِي الْمَسْأَلَةِ: شک کرنا' اَلْقَارِئُ عَلَى الْكَلِمَةِ: کلمہ کے آخری حرف کو ساکن پڑھنا۔ اَلدَّارَ فِي سَبِيْلِ اللهِ: وقف کرنا' کہا جاتا ہے وَقَفَهَا لَهُ وَعَلَيْهِ اس سے اس کو اس کے لیے وقف کیا۔

آگے چل کر لغت میں آ رہا ہے۔

اَلْوَقْفُ: کلمہ کو مابعد سے قطع کرنا جسے "مَفْعُوْلَاتُ" کی تاء کو ساکن کیا گیا۔

[مصباح اللغات ص۹٦۱]

علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ لُغَةً' اَلْكَفُّ عَنِ الْفِعْلِ وَالْقَوْلِ

یعنی لغوی معنی وقف کے یہ ہیں کہ "فعل وقول سے رکنا"۔[منار الھدی فی الوقف والابتداء]

علامہ جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الوقف فی اللغۃ: اَلْحَبَسَ لغت میں اس کا مطلب بھی ''روکنا'' ہے تَحَبَّسَ وَاحْتَبَسَ: کلام میں رک جانا۔[التعریفات ص ۲۷۴/ مصباح اللغات ۱۳۳]

امام اسماعیل بن حماد الجوھری رحمہ اللہ صاحب ''الصحاح'' فرماتے ہیں:

اَوْ قَفْتُ عن الامر الذی کنت فیہ ای اقلعت[معجم الادباء ۲/۲٦۹ للیاقوت الحموی]

قال الطرماح بن حکیم الشاعر (۱۲۵ھ/ ۷۴۲ء) ؎

قَلَّ فِيْ شَطِّ نَهَرَ وَانَ اغْتِمَاضِيْ
وَدَعَانِيْ هَوَى الْعُيُوْنِ الْمِرَاضِ
جَامِحًا فِيْ غَوَايَتِيْ ثُمَّ أَوْ قَفْـ
ـتُ رِضًا بِالتُّقٰى وَذُو الْبِرِّ رَاضِيْ [1]

اور امام ابوعمرو بن العلاء البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم أَوْ قَفْتُ' اى سَكَتُّ. وَالْوَقْفُ فِي الْقِرَآءَ تِ قَطْعُ الْكَلِمَةِ عَمَّا بَعْدَهَا. وَالْمَوْقِفُ: اَلْمَوْضِعُ الَّذِيْ تَقِفُ فِيْهِ. [2]

قرآن حکیم میں مادہ ''وقف'' چار مقام پر آ رہا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ (الانعام:۲۷)

کاش آپ ﷺ دیکھیں جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ (الانعام:۳۰)

کاش آپ ﷺ دیکھیں جب انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (السباء:۳۱)

اور اے کاش آپ ان ظالموں کو دیکھتے جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ (الصّٰفّٰت:۲۴)

اور انہیں ذرا ٹھہراؤ ان سے پوچھا جائے گا۔

لغت میں لفظ ''وقف'' کی جو توضیح کی جارہی ہے اس کے بعد مختلف علوم میں ''وقف'' سے کیا مراد ہے ہم اب اس کا بیان کرتے ہیں۔

---

[1] الشعر والشعراء ص ۲۲۸ لابن قتیبہ

[2] ماخوذ من مقدمۃ محققہ علی المکتفی فی الوقف والابتداء۔ تحقیق الدکتور یوسف عبد الرحمن المرعشلی

انواع وقف:

کلمہ ’’وقف‘‘ کے مختلف علوم میں مختلف معانی مستعمل ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

وقف عند الفقہاء: حضرات فقہاء کے نزدیک ’’وقف‘‘ اسلامی قانون کا ایک اہم جز اور مسلمانوں کی ملی زندگی کا ایک روشن پہلو ہے۔ جس میں مسلمان ہر دور میں بھر پور حصہ لیتے رہے ہیں۔ عند الفقہاء وقف کا مطلب یہ ہے کہ ’’کوئی شخص وقف کردہ شے یا جائیداد کو اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے دیگر لوگوں کو اس سے استفادہ کا حق دے دے۔‘‘

یہاں ملکیت سے مراد صرف اپنی نگرانی میں اس شے یا جائیداد کو رکھنا ہے البتہ اس کے بیچنے کی اس نگران کو اجازت نہ ہوگی۔

وقف عند النحویین: کسی جملہ کا تلفظ کرتے ہوئے اس کے آخر کلمہ پر ایک معین صورت کے مطابق ٹھہرنا چاہیے جیسے ’’رَاَیْتُ زَیْدًا‘‘ پس جب اس پر کلام قطع کریں گے تو کہیں گے ’’رَاَیْتُ زَیْدْ‘‘ یا ’’رَاَیْتُ زَیْدٰ‘‘ پس یہ علماء نحو کے نزدیک وقف کے معنی ہیں۔

وقف عند اہل العروض: اہل عروض ضرورت شعری کے لیے ساتویں متحرک حرف کو ساکن کرتے ہیں جیسے مَفْعُوْلَاتُ کی تاء کا ساکن کیا جانا۔ [مصباح اللغات ص ۹۶۱]

وقف عند القراء: حضرات قراء کے نزدیک وقف کے معنی مراد کیا ہیں۔ یہی ہماری اس کتاب کا موضوع ہے اور درج بالا انواع سے بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔ لہٰذا اب ہم قراء کے نزدیک وقف کے اصطلاحی معنی کیا ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔

وقف کے اصطلاحی معنی:

وقف کے اصطلاحی معنی یا تعریف مختلف علماء فن نے اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

① علامہ جزری رحمہ اللہ وقف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

قَطْعُ الصَّوْتِ عَلَى الْكَلِمَةِ زَمَنًا يَتَنَفَّسُ فِيْهِ عَادَةً بِنِيَّةِ اِسْتِئْنَافِ الْقِرَاءَةِ لَا بِنِيَّةِ الْاَعْرَاضِ. [النشر فی القراءات العشر ج ۱ ص ۲۴۰]

یعنی کلمہ (موقوف علیہ) پر آواز کو اس قدر وقت کے لیے قطع کرنا جس میں آدمی فطری طور پر سانس لیتا ہے نیز یہ کہ قطع قراءت کا ارادہ نہ ہو بلکہ آگے پڑھنے کا ارادہ ہو۔

نوٹ: علامہ محمد بن اسحق الندیم المعروف اسحق بابی یعقوب الوراق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں بہت سے علماء کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے وقف پر کتاب لکھی ہے راقم نے اول اس کتاب کے مقدمہ میں ان کے نام بھی تحریر کیے مگر پھر شرح صدر نہیں ہوا کہ معلوم نہیں یہ کتاب وقف کی کون سی قسم میں لکھی گئی ہو کہیں وقف سے مراد وہ وقف تو نہیں جو عند الفقہاء والمحدثین ہے۔اس لیے پھر ان کتابوں کے نام تحریر نہیں کیے گئے۔محمد ادریس العاصم عفی عنہ

۲ علامہ جزری رحمہ اللہ کے صاحبزادے علامہ احمد الجزری رحمہ اللہ وقف کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

''فِیْ الْاِصْطِلَاحِ وَقْفًا لِاَنَّہٗ وَقْفٌ عَنِ الْحَرْکَۃِ اَیْ تَرْکُھَا''

یعنی اصطلاح میں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ قاری وقف میں حرکت پڑھنے سے رک جاتا ہے۔[الحواشی المفہمہ شرح المقدمۃ الجزریہ ص ۳۸]

اور یہی تعریف ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ اپنی تالیف المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریہ ص ۸۰ میں دے رہے ہیں۔

۳ علامہ اشمونی رحمہ اللہ وقف کی تعریف اس طرح بیان فرما رہے ہیں۔

''اِصْطِلَاحًا قَطْعُ الصَّوْتِ اٰخِرِ الْکَلِمَۃِ زَمَنًامَا' اَوْ ھُوَ قَطْعُ الْکَلِمَۃِ عَمَّا بَعْدُھَا''

یعنی وقف سے مراد اصطلاحاً یہ ہے کہ کلمہ کے آخر پر کچھ دیر کے لیے آواز کو قطع کرنا یا وقف سے مراد یہ ہے کہ کلمہ (موقوف علیہ کو) اپنے مابعد سے قطع کر دینا۔

۴ شیخ العرب والعجم القاری المقری محمد عبد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ زعیم مدرسہ صولتیہ

وقف کی تعریف اس طرح بیان فرمارہے ہیں:

"قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفَسِ وَاسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ إِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا

." [تعلیم الوقف ص ۵۴ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور]

یعنی قراء کے نزدیک وقف سے مراد آواز اور نفس کا قطع کرنا اور اگر حرف متحرک ہے تو اسے ساکن کرنا ہے۔

◈ خاتمۃ القراء فی الھند القاری المقری محمد عبد الرحمن المکی الہ آبادی رحمہ اللہ وقف کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

"وقف کے (اصطلاحی) معنی اخیر کلمہ غیر موصول پر سانس کا توڑنا ہے۔" [فوائد مکیہ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور ص ۴۷]

اس تعریف بالا پر امام القراء حضرت قاری مقری محمد عبد المالک رحمہ اللہ نے یہ حواشی تحریر فرماتے ہیں:

"وقف کی مشہور تعریف عند القراء یہ ہے کہ "قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفَسِ وَاسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ إِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا". یعنی آواز اور سانس دونوں کا انقطاع اور متحرک حرف کا ساکن کر دینا۔ لیکن چونکہ سانس کا انقطاع آواز کے انقطاع کو مستلزم ہے اس وجہ سے مؤلف رحمہ اللہ (یعنی حضرت قاری عبد الرحمن مکی رحمہ اللہ) نے صرف سانس کے انقطاع پر اکتفا کیا۔ [تعلیقات مالکیہ حواشی بر فوائد مکیہ ص ۴۷]

استاذ مکرم حضرت قاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ حضرت قاری عبد الرحمن مکی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تعریف وقف کو بیان کرنے سے قبل فرماتے ہیں۔ "فوائد مکیہ میں وقف کی جو تعریف بیان فرمائی ہے وہ بڑی جامع ہے۔" [المرشد فی مسائل التجوید والوقف ص ۳۹۵]

موضوع کی تعریف:

پہلے جان لو کہ موضوع اور غایت کا کیا مطلب ہے تو موضوع کا مطلب تو یہ ہے

جس چیز کے ذاتی حالات سے کسی فن میں جو بحث کی جائے اس چیز کو اس فن کا موضوع یا عنوان کہتے ہیں اور موضوع اور عنوان فن جان لینا اس لیے ضروری ہے کہ اس کو اوائل میں جان لینے سے علم ممتاز ہو جاتا ہے اور موضوع کے ممتاز ہو جانے سے کسی علم کے اعلیٰ و اشرف یا ادنیٰ و اسفل ہونے کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔

علم وقف کا موضوع:

وقف کا موضوع ''کلمہ اور کلام'' ہیں۔

علم نحو کا موضوع بھی ''کلمہ اور کلام'' ہیں مگر علم وقف اور علم نحو دونوں میں اس کا مفہوم الگ الگ ہے۔

علم نحو میں کلمہ سے مراد یہ ہوتا ہے جو ایک معنیٰ بتائے جیسے زید۔ خالد۔ شاہد وغیرہ یہ الگ الگ نام ہیں جو ایک ایک آدمی پر دلالت کرتے ہیں جبکہ کلام سے مراد یہ ہے کہ جو دو یا دو سے زیادہ کلمات کو جوڑ کر بنایا جائے جیسے ''خَرَجَ زَيْدٌ مِنَ الدَّارِ' دَخَلَ خَالِدٌ فِي الْمَسْجِدِ'' وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کلمہ اور کلام'' سے یہاں کیا مراد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علم وقف میں ''کلمہ'' سے مراد کلمہ غیر موصول کی ہیئت یا رسم ہے یعنی کلمہ کا مقطوع یا موصول ہونا یا کلمہ کے آخر حرف کا تاء مربوطہ ہونا' اسی طرح کلمہ کے آخری حرف پر حرکت کا عارض ہونا کہ اس کی وجہ سے بھی وقف کا اہتمام ہوتا ہے کہ ساکن حرف یا حرف مفتوح پر وقف بالاسکان اور مکسور و مضموم ہونے پر وقف بالروم اور وقف بالاشام وغیرہم کیا جاتا ہے۔

جبکہ ''کلام'' سے مراد وہ مواقع ہیں کہ جہاں وقف کیا جا رہا ہے وہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے کلام پورا ہو رہا ہو کہ ان مواقع پر کیا جانے والا وقف اختیاری و درست ہوگا اور کلام پورا نہ ہونے کی صورت میں کیا جانے والا وقف اضطراری کہلائے گا پھر کلام کے

پورا ہونے کی بھی متعدد انواع واقسام ہیں تفصیل آگے آتی ہے۔

علم وقف کی غرض وغایت:

غایت سے مراد یہ ہے کہ ''کسی کام کے کرنے کے بعد جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسے اس کام کی غایت کہتے ہیں''۔

اب اس موقع پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ غرض وغایت کا جاننا کیوں ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غرض وغایت کا جاننا اس لیے ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہم جو علم یا کام سیکھ رہے ہیں وہ بے کار یا بے فائدہ تو نہیں کہ اس کو سیکھ کر ہم ناحق بلا وجہ اپنے وقت اور ذہن کو استعمال میں لائیں۔

علم وقف کی غرض و غایت ''کلام اللہ میں صحیح مقام پر وقف اور معنی کی وضاحت ہے''۔

علم وقف کا فائدہ:

علم وقف تلاوت کا زیور ہے' علم وقف کا ثمرہ یا فائدہ یہ ہے کہ ''کلام الٰہی کی معرفت حاصل ہو اور اس کا مفہوم واضح ہو نیز مراد الٰہی کے خلاف مفہوم کے پیدا ہونے سے محفوظ رہا جا سکے''۔ عام مفہوم یہ ہوا کہ ''قرآن پڑھنے والا اس کی تلاوت میں ہر قسم کی غلطی سے کہ جس سے معنی کے بدلنے کا وہم ہو محفوظ رہتا ہے۔''

علم وقف کی دیگر علوم سے نسبت:

علم وقف دیگر علوم سے ایک جدا اور ممتاز علم ہے کیونکہ اس علم کا براہ راست تعلق قرآن حکیم کے حروف' کلمات اور معانی سے ہے۔

علم وقف کا استمداد:

علم وقف کا استمداد ان آثار صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہے جن کو احادیث مرفوعہ کے حکم میں سمجھا جا سکتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا ''لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا'' کہ ہم صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم نے ایک وقت اپنی زندگی کا اس طرح بھی گزارہ ''الی آخرہ'' دلالت کرتا ہے کہ وقف کی تعلیم کا اہتمام آنحضرت ﷺ کی جانب سے جمیع صحابہ کرام کے لیے تھا اور اس سے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ثابت ہوتا ہے۔

علم وقف کا حکم:

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارکہ ''اَلتَّرْتِيْلُ هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ'' اس بات کی دلیل ہے کہ علم وقف کا سیکھنا واجب ہے۔[النشر فی القراءات العشر ج۱ص۲۴۰]

واجب سے کیا مراد ہے؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب سے کیا مراد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب کی دو اقسام ہیں:

وجوب شرعی ! وجوب عرفی (یا اصطلاحی)

شرعی وجوب کی تعریف یہ ہے کہ اس کو بجا لانا ضروری ہو اور نہ کرنے پر مستحق عذاب ہو اور وجوب عرفی سے مراد یہ ہے کہ جس پر عمل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ کسی ''فن میں'' (شرع میں نہیں) بطور اصطلاح اس کو ضروری قرار دیا گیا ہو گو اس کا تارک گناہ گار نہ ہو۔

پس یہاں وجوب سے مراد وجوب عرفی ہے شرعی وجوب مراد نہیں ہے مزید تفصیل اور وضاحت ہم آگے چل کر بیان کریں گے انشاء اللہ۔[الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ ص ۸]

علم وقف کے مسائل:

اس علم کے مسائل قواعد کلیہ ہیں جو علماء وقف نے وضع فرمائے ہیں جیسے تاء مدورہ پر بالھاء وقف کرنا۔ مکسور و مضموم اور ایسے ہی مکسور منون اور مضموم منون پر روم و اشمام کرنا وغیرہ۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

علم وقف کے واضعین:

اس فن کو وضع کرنے والوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① مِنْ حَيْثُ الْأَدَاء ② مِنْ حَيْثُ الْقَوَاعِد

مِنْ حَيْثُ الْأَدَاء:

یعنی پڑھ کر بتانا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر بتلایا جیسا کہ صحیح احادیث میں آنحضرت ﷺ سے متعدد مواقع پر وقف کرنا معلوم ہوتا ہے۔

مِنْ حَيْثُ الْقَوَاعِد:

یعنی قواعد کو کتب میں مدون کرنا۔ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے علم وقف کو مدون کرنے والے امام شیبہ بن نصاح المدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ) ہیں ان کے علاوہ بہت سے قراء اور نحویین نے اس فن پر کتب تالیف فرمائی ہیں حضرات قراء میں جیسے امام ضرار بن صرد المقری رحمہ اللہ۔ امام نافع مدنی رحمہ اللہ۔ امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ۔ امام حمزہ الکوفی رحمہ اللہ۔ امام علی الکسائی رحمہ اللہ۔ امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ۔ امام یحییٰ الیزیدی رحمہ اللہ۔ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے راوی سیدنا قالون رحمہ اللہ۔ امام خلف العاشر رحمہ اللہ۔ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کے راوی سیدنا عمار بن ہشام رحمہ اللہ۔ امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ اور امام کسائی کوفی رحمہ اللہ کے راوی سیدنا دوری رحمہ اللہ اور امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ کے راوی سیدنا روح رحمہ اللہ شامل ہیں۔

اور نحویین میں امام فراء نحوی رحمہ اللہ۔ امام اخفش نحوی رحمہ اللہ۔ امام ابو جعفر النحاس نحوی رحمہ اللہ۔ امام الانباری النحوی رحمہ اللہ اور امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ نمایاں ہیں۔

قرآن کریم میں وقف وابتداء کے بعض اہم مسائل

قاری عمران یوسف
فاضل قراءات عشرہ
رکن العاصم لجنة المحققين للدراسات العلوم الاسلامية

قرآن کریم کے قاری کے لیے تجوید یعنی حروف کے مخارج وصفات کے علم کو جاننے کے بعد سب سے اہم امر یہ ہے کہ وہ مسائل وقف وابتداء سے بھی آگاہ ہو۔علم الوقف والابتداء ایک نہایت ہی عظیم الشان علم ہے، کیونکہ اس کا تعلق براہ راست قرآن کریم کے مفاہیم ومطالب کے ساتھ ہے۔

یہ علم قرآن مجید کے معنی اور مراد کے سمجھنے میں جتنا معاون ومددگار ہے،کوئی اور نہیں، جبکہ غیر مناسب وقف یا غیر مناسب ابتداء انسان کو غلط مفہوم میں ڈال دیتا ہے اور کبھی کبھی تو یہ غلطی موجب کفر بھی ہوسکتی ہے، اگر قصداً اور عمداً ایسا کیا گیا ہو۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 208 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کافر بادشاہ کے درمیان جو مکالمہ نقل کیا گیا ہے، اس کے آخر میں ہے:

فبهت الذى كفر والله لايهدى القوم الظالمين

یعنی کافر حیران ومبہوت رہ گیا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس میں صحیح اور مناسب تو یہ ہے کہ اس آیت کو ایک ہی سانس میں پڑھے، اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو ”الذى كفر“ پر ٹھہرے، اور ”والله لايهدى“ سے ابتداء کرے، تاکہ مفہوم میں کوئی خلل نہ آئے۔لیکن خدانخواستہ اگر کوئی شخص انجانے میں ”اللہ“ پر ٹھہرے یعنی ”فبهت الذى كفر والله“ تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مفہوم کیا سے کیا ہوجائے گا اور اگر قصداً ایسا کرے تو پھر اس کے کفر میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جہالت کی وجہ سے یا بے توجہی کی وجہ سے وقف وابتداء کی

رعایت نہ کرنے سے مامورات منہیات میں داخل ہوجاتے ہیں اور منہیات مامورات میں۔ جیسا کہ عام طور پر جمعہ کے خطبے میں سورہ نحل کی آیت ”اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝“ کی تلاوت کے دوران آپ نے سنا ہوگا کہ اس میں عام طور سے خطیب حضرات دو جگہوں پر غلطی کرتے ہیں ایک ”وَالْاِحْسَانِ“ پر وقف کرکے اور پھر ”وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى“ سے ابتداء کرکے ”وَالْبَغْيِ“ پر وقف کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ”وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى“ جو کہ مامورات سے ہے، اسے منہیات میں داخل کردیتے ہیں۔ اور پھر ”وَالْبَغْيِ“ سے ابتداء کرکے ”تَذَكَّرُوْنَ“ پر ٹھہرتے ہیں، (گویا اللہ تعالیٰ ظلم بغی کی نصیحت اور دعوت دے رہا ہے!! نعوذباللہ من ذلك) یہ ساری خرابیاں مسائل وقف ابتداء کی عدم رعایت کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا، کہ یا تو ایک ہی سانس میں پوری آیت پڑھ لیتے اور اگر ایسا نہیں کرسکتے تو پھر ”وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى“ پر ٹھہر کر ”وَيَنْهٰى“ سے ابتداء کرتے اور آخر آیت پر ٹھہرتے تا کہ مفہوم میں کسی قسم کا کوئی خلل پیدا نہ ہوتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جی ہماری نیت تو یہ نہ تھی کیوں کہ سامع متکلم کے کلام کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کی نیت کو اور پھر اس کے کلام کے مطابق ہی وہ مفہوم متعین کرتا ہے نیت تو ایک مخفی چیز ہے، اس تک رسائی تو بندے کے لیے ممکن ہی نہیں۔

اس سلسلے میں اُردو میں جو مثال دی جاتی ہے، نہایت ہی واضح ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص اٹھنے کا حکم دینا چاہتا ہے اور بیٹھنے سے منع کرنا چاہتا ہے تو یوں کہے گا ”اٹھو۔مت بیٹھو“ یعنی ”اٹھو“ پر وقف کرے گا۔ اور پھر ”مت“ سے ابتداء کرے گا لیکن اگر اس نے ”مت“ پر وقف کیا تو مفہوم بالکل بدل جائے گا اور یہ سارا کرشمہ وقف وابتداء کا ہے۔ نیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی خلاف ظاہر اس کی نیت کو تسلیم کیا جائے گا۔

بات جب امامت وخطابت کی چل نکلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اور

مقامات کی بھی نشاندہی کر دی جائے کہ جن میں ہمارے ائمہ حضرات عام طور سے مبتلا ہیں اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسا جان بوجھ کر یا جہالت کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ لاپرواہی اور بے توجہی کی وجہ سے ان سے ایسا سرزد ہوجاتا ہے۔ مقصد ان تمام باتوں کا یہی ہے کہ وقف ابتداء کی طرف توجہ دی جائے اور دوران تلاوت ان کی بھرپور رعایت کی جائے۔

مثلاً خطبے میں ایک غلطی سننے میں آتی ہے کہ خطیب صاحب جب "مَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَه فَقَدْ رَشَدَوَ اهْتَدٰى وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى" پڑھتے ہیں تو "وَمَنْ يَّعْصِهِمَا" پر وقف کرتے ہیں یعنی عاصی اور مطیع کو ایک ہی زمرے میں شامل کر دیتے ہیں، جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر رسول اللہ ﷺ سے نکیر وارد ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: "بئس الخطيب انت" مگر ان تمام چیزوں کے باوجود بعض حضرات ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے۔

اسی سے ملتی جلتی قرآن کریم میں بھی ایک آیت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد ہے: "فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝" یہاں متبع اور عاصی دونوں کے الگ الگ احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص "ومن عصانی" پر وقف کرے تو متبع اور عاصی دونوں کا ایک حکم ہوجائے گا، جو کہ خلاف مقصود ہے۔

ایک عام بیماری جو کہ تقریباً اکثر ائمہ حضرات میں پائی جاتی ہے وہ سورۃ القیامہ کے آخری حصہ "فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝" سے تلاوت کی ابتداء کرنا ہے، حالانکہ یہاں سے ابتداء کی کوئی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ ان آیات میں جہنمیوں کی بعض صفات قبیحہ کا ذکر ہے، جن کا ذکر "وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ" سے شروع ہو رہا ہے اور مسلسل جہنمی لوگوں کی باتیں کی جارہی ہیں۔ اب موصوف کا ذکر کیے بغیر صرف بعض صفات کا ذکر کرنا ایسا

ہی ہے جیسے ایک مہمل بات کی جائے، جس کا نہ کوئی سیاق ہو اور نہ کوئی سباق، لہٰذا ایسی مہمل ابتداء سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ ''وُوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ'' سے تلاوت شروع کی جائے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ''وُوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ'' سے تلاوت شروع کی جائے تا کہ مکمل بات سامنے آجائے اور دونوں فریقوں کا ذکر ہو جائے کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز صورت سامنے آجاتی ہے مثلاً ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک امام صاحب ''سورۃ النازعات'' کی تلاوت کر رہے تھے جب ''فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرٰى'' پر پہنچے تو رکوع میں چلے گئے، یعنی تلاوت ختم کر دی یہ وقف قبیح کی ایک مثال ہے، کہ شرط ذکر کی اور جزاء کے ذکر سے پہلے تلاوت ختم کر دی۔ اگرچہ ''الکبریٰ'' کے راس آیت ہونے کی وجہ سے وقف تو صحیح تھا کیونکہ رؤوس الآی پر مطلقاً وقف مسنون ہے، لیکن تلاوت ختم تو اس وقت کی جائے جب بات مکمل ہو جائے۔

کبھی ایسا بھی سننے میں آیا ہے کہ امام صاحب نے ''يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' سے تلاوت شروع کر دی جو کہ فعل مجزوم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ماقبل کے ساتھ ہے لہٰذا ''يَغْفِرْ لَكُمْ'' سے ابتداء کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔

ایسی مہمل ابتداء اور ایسے مہمل وقف سے قرآن کا مفہوم بدل تو سکتا ہے، سدھر نہیں سکتا، لہٰذا ہم سب کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسی وجہ سے امام شعبی رحمہ اللہ (جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں)، فرماتے ہیں:

"اذا قرات" كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" / ٢٦فلا تسكت حتى تقرا" وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ / ٢٧" یعنی تلاوت "فان" پر نہ ختم کریں اگر کرنی ہے تو "والاکرام" پر کریں۔ تاکہ غلط مطلب نہ لیا جائے۔ [النشر: ١/٢٢٥]

درمنثور [ج:١، ص:٣١٤] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"ان رسول الله ﷺ سئل عن قول الله": وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا، قال:

بينه تبيينا، ولا تنثره نثر الدقل، ولا تهذه هذا الشعر، قفوا عند عجائبه، وحركوا به القلوب، ولا يكن هم احدكم آخر السورة."

''یعنی رسول اللہﷺ سے جب آیت کریمہ ''وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً'' کا مطلب پوچھا گیا، تو فرمایا کہ قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور وضاحت کے ساتھ پڑھو ہر ہر جملے کو دوسرے سے جدا کر کے پڑھو (تاکہ مفہوم میں کسی قسم کا کوئی التباس نہ پیدا ہو) کھجوروں کی طرح نہ بکھیرو کہ اچھے اور ردی کی کوئی تمیز نہ ہو۔ اور نہ ہی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھو جس سے یہ سمجھا جائے، کہ صرف سورت ختم کرنا ہی مقصد ہے، سمجھنا مقصد نہیں، بلکہ سمجھ کر تلاوت کرو، عجائبات قرآن پر ٹھہرو اور اپنا ایمان تازہ کرو۔''

خلاصہ یہ کہ تلاوت کا مقصد تدبر وفہم ہونا چاہیے اور یہ اسی وقت ہوگا جب مناسب جگہ وقف کیا جائے اور مناسب جگہ سے ابتداء کی جائے۔

امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اپنی عظیم الشان کتاب ''القطع والائتناف:۹۸'' میں فرماتے ہیں:

فقد صار في معرفة الوقف والائتناف التفريق بين المعاني فينبغي لقارى القرآن اذا قرا ان يتفهم مايقراه، ويشغل قلبه به، وتتفقد القطع والائتناف، ويحرص على ان يفهم المستمعين في الصلاة وغيرها، وان يكون وقفه عند كلام مستغن، اوشبيه، وان يكون ابتداءه حسنا.

''صحیح وقف وابتداء ہی ایک (کلمہ کے) معنی کو دوسرے (کلمہ کے) معنی سے جدا کرتی ہے۔ لہٰذا قاری کو چاہیے کہ دوران تلاوت وقف وابتداء کی خوب اہتمام کرے، تاکہ قرآن کو سمجھ سکے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل قرآن ہی کی طرف متوجہ رہے گا اِدھر اُدھر نہیں بھٹکے گا۔ اور وقف وابتداء کی رعایت

سے دوسرا فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ دوسرے سننے والے بھی قرآن سمجھیں گے، عام ہے کہ نماز میں ہوں یا خارج نماز اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ مکمل یا شبہ مکمل بات پر تلاوت ختم کرے اور تلاوت شروع کرتے وقت بھی اس بات کا خاص خیال رکھے کہ مناسب جگہ سے ابتداء کرے یعنی قبیح ابتداء سے بچے۔''

بلکہ حقیقت تو یہ ہے، کہ وقف وابتداء کا تعلق جہاں قرآن سے ہے، وہاں اس کا تعلق اعجاز قرآن بھی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہی نہ سمجھے تو اعجاز قرآن کو کیا خاک سمجھے گا، اسی کو علامہ جزری رحمہ اللہ النشر: ۲۲۴ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

لما لم یکن للقاری ان یقرا السورۃ، او القصۃ فی نفس واحد، ولم یجز التنفس بین کلمتین حالۃ الوصل بل ذلك کالتنفس فی اثناء الکلمۃ وجب حینئذ اختیار وقف للتنفس والا وتحتم ان لا یکون ذلك مما یخل بالمعنی. ولا یخل بالفھم، اذا ستراحۃ ذلك یظھر الاعجاز، ویصل القصد.

''جب قاری کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ پوری سورت یا پورا قصہ ایک سانس میں پڑھ لے، اور اس کے لیے حالت وصل میں دولفظوں کے درمیان سانس لینا جائز نہیں، جیسے ایک لفظ کے اجزاء کے درمیان۔ لہٰذا مجبوراً استراحت اور سانس لینے کے لیے کسی مناسب جگہ کا اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ بات بھی حتمی طور پر ثابت ہے کہ ایسی جگہ وقف نہ کرے کہ جس کی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہو بلکہ مناسب جگہ وقف کرے تا کہ مطلب صحیح ادا ہو اور قرآن کا اعجاز پورے طور پر ظاہر ہو سکے۔''

البتہ باقی رہی ان اماکن وقف وابتداء کی تحدید وتعیین تو اس کے لیے مختلف علوم جیسے قرأت وتفسیر، نحو ولغت، بلاغۃ ومعانی جیسے علوم کا جاننا بہت ضروری ہے۔ پھر جا کر صحیح وقف

اور صحیح ابتداء کی جا سکتی ہے۔

لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی چیز ہوگی، اس لیے اس میں علماء کا اختلاف بھی ممکن ہے اور فعلاً یہ اختلافات پائے بھی گئے ہیں اور کتب وقف وابتداء پر جن کی نظر ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ البتہ احادیث کی روشنی میں علماء قراءت کی یہ تصریح موجود ہے کہ فواصل یعنی رؤس الآیات پر ٹھہرا جائے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ درمیان آیت میں بھی ٹھہرنا جائز ہے، بشرطیکہ ٹھہرتے وقت اور ابتداء کرتے وقت معنی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

یہی پسندیدہ ہونے کی وجہ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مشہور حدیث ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت بیان فرما رہی ہیں، فرماتی ہیں:

"کان اذا قرأقطع قراءته آية آية" [ترمذی ، ابواب القراءات:۳۰۹۵، ابوداؤد کتاب الحروف والقراءات، رقم ۴۰۰۱]

اس میں "کان اذا" کا صیغہ استمرار اور دوام کے متعلق بتلا رہا ہے، کہ اگر یہ عمل صرف تعلیم کے لیے ہوتا تو ایک مرتبہ بتلا دینا کافی تھا، لیکن بار بار اس عمل کو دھرانا اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے، کہ یہ عمل تعلیماً نہیں بلکہ تعبداً تھا۔

لہٰذا راجح قول یہ ہے کہ ہر آیت پر ٹھہرنا مسنون ہے، لیکن اعراض عن التلاوۃ یعنی تلاوت اس وقت ختم کی جائے جب بات مکمل ہوچکی ہو، چاہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ یہی پسندیدہ قول ہے۔

اور آیتوں کے علاوہ درمیان آیت میں جو وقف کرنا جائز ہے، اس میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جائے کہ معنی مکمل ہوچکا ہو یا شبہ مکمل ہو، تا کہ مفہوم میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ آئے۔

اسی بات کو بتلانے کے لیے علماء وقف یہ کہتے ہیں، کہ وقف کی چار قسمیں ہیں:

① تام، ② کافی، ③ حسن، ④ قبیح۔

۱ وقف تام:

تام اس وقف کو کہتے ہیں، جہاں بات مکمل ہو چکی ہو اور مابعد کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہ ہو، نہ لفظی اور نہ ہی معنوی، جیسے: "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" پر وقف کرنا۔

۲ وقف کافی:

اگر مابعد کے ساتھ معنوی تعلق باقی ہو تو پھر وقف کافی کہلائے گا جیسے "فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" پر وقف کرنا۔

۳ وقف حسن:

اگر یہ تعلق لفظی ہو تو "وقف حسن" کہلائے گا، جیسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" پر وقف کرنا، جبکہ "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ" کو "لِلْمُتَّقِيْنَ" کی صفت کہا جائے۔

۴ وقف قبیح:

وقف قبیح اس وقف کو کہتے ہیں جس میں مابعد کے ساتھ تعلق باقی ہو لفظی بھی اور معنوی بھی۔ اور چونکہ ایسی جگہ پر وقف کرنے سے معنی پورے طور پر سمجھ میں نہیں آسکے گا اس لیے مفہوم میں خلل پیدا ہو جانے کا قوی احتمال ہے۔ اس لیے وقف قبیح سے بچنا بہت ضروری ہے۔ البتہ سابقہ تینوں وقفوں پر ٹھہرنے کی اجازت ہے۔

علماء کرام نے وقف کی تمام اقسام کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ اور وقف کے اعتبار سے اماکن قرآن کی تحدید فرمائی ہے، یعنی اس پہلو سے بھی انہوں نے قرآن کریم کی بڑی خدمت کی ہے، البتہ ان کی ان خدمات مبارکہ کو ہم دو قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ان اماکن وقف وابتداء کو علماء نے علمی شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ جیسے امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "القطع والائتناف" میں، امام ابو

عمرو عثمان دانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المکتفی فی الوقف والابتداء" میں علامہ جزری رحمہ اللہ نے "الاهتداء فی الوقف والابتداء" میں علامہ ذکریا الانصاری رحمہ اللہ نے ''المرشد فی الوقف والابتداء'' میں علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے ''منار الھدی فی الوقف والابتداء'' میں اور زمانہ حال میں قاری محمد اسماعیل پشاوری رحمہ اللہ نے ''تفہیم الوقوف'' میں اور حضرت قاری المقری محمد ادریس العاصم رحمہ اللہ نے ''الاهتداء فی الوقف والابتداء'' میں وغیرهم۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ان اماکن وقف وابتداء کو علماء نے بجائے شرح وبسط کے حرفی رموز کے ذریعے مقید فرمایا ہے۔ جیسا کہ آج کل اپنے مصاحف میں دیکھتے ہیں۔

پہلا عمل مقدم اور پرانا ہے، جبکہ دوسرا عمل یعنی استخدام الرموز والا عمل متاخر اور نیا ہے۔

تتبع اور تلاش کے بعد جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کام یعنی استخدام الرموز سب سے پہلے شیخ محمد حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۹۲۰ھ) نے شروع کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے صاد کے سر یعنی (ص) کو بطور علامت وقف کے استعمال کیا تھا، جو کہ بظاہر عربی کے ''صہ'' بمعنی ''اسکت'' کا مخفف ہے۔

اس سے یہ تو پتا چل جاتا تھا کہ یہاں وقف کرنا ہے، لیکن یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی آیا اس مقام پر وقف لازم ہوگا یا وقف جائز؟

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے علماء نے ان علامتوں کو چھوڑ کر دوسری علامات کو اختیار کیا، جیسا کہ ۱۳۰۹ھ میں ترکی میں جو مصاحف سید مصطفیٰ بقدور کی زیر نگرانی شائع ہوئے، ان میں ان علامات کو بطور رموز استعمال کیا گیا یعنی لا، ط، ج، م، ز، ع، ص، پھر ۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۹ء میلادی محمد بن خلف الحسینی رحمہ اللہ شیخ المقاری المصریہ کی سربراہی میں جو مصاحف شائع ہوئے ان میں یہ علامتیں ملتی ہیں۔

م، لا، ج، صلی اور قلی۔

یعنی انہوں نے سابقہ علامات میں رد وبدل کر کے بعض علامتیں برقرار رکھیں اور بعض حذف کر کے دوسری نئی علامات کا اضافہ کیا، یعنی سابقہ علامتوں میں سے ''ط، ز اور ع'' کو حذف کر کے ''صلی، قلی'' کا اضافہ کیا۔

اس کے بعد ۱۳۶۵ھ میں شیخ عبدالجواد بن غازی کی سربراہی میں ''مصحف ورش'' کے نام سے جو قرآن کریم تونس سے شائع ہوئے، ان میں صرف تین علامتیں ملتی ہیں، یعنی ''م، ح اور ک'' اور غالباً ''م سے وقف تام'' اور ح سے وقف حسن'' اور ''ک سے وقف کافی'' کی طرف اشارہ ہے۔

ان کے بعد مصاحف کی طباعت میں ایک اور رنگ نظر آتا ہے، جن میں علامات ورموز کی بھرمار نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں بغداد سے سن ۱۳۷۰ھ میں شائع ہونے والے مصاحف کو دیکھا جا سکتا ہے، جن میں ''علامہ سجاوندی رحمہ اللہ'' کی وقوف پر اعتماد کرتے ہوئے پندرہ رموز قرآن کریم میں داخل کیے گئے اور وہ یہ ہیں:

''م، ط، ج، ز، ص، ق، قف، لا، ک، س، ع، ہ، ی، ص لا۔''

پاکستان اور ترکی میں اس وقت جو مصاحف نظر آتے ہیں وہ بھی اسی طرز کے ہیں، گویا کہ انہوں نے بھی بغدادی مصاحف پر اعتماد کیا ہے۔

پھر شیخ عبدالفتاح قاضی رحمہ اللہ کی سربراہی میں مکہ مکرمہ سے ۱۳۹۵ھ میں جو مصاحف شائع ہوئے، انہوں نے بھی علامات ورموز کے سلسلے میں ''مصحف مصری'' پر ہی اعتماد کیا (جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے) سوائے ایک علامت ''س'' کے جس کا انہوں نے مصحف مصری پر اضافہ کیا ''سکتات حفص'' کو بتلانے کے لیے۔

اس کے بعد ۱۴۰۵ھ سے تا حال ''مصحف المدینۃ النبویۃ'' کے نام سے جو مصاحف مدینہ منورہ سے شائع ہو رہے ہیں، ان میں نگراں کمیٹی (جس کے سربراہ ڈاکٹر

عبدالعزیز بن عبدالفتاح قاری تھے) نے علامات ورموز کے سلسلے میں مصحف مصری ہی پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں باقی رکھا۔ البتہ مصحف مکرمہ میں جو علامت ''س'' سکتات حفص کے لیے بڑھائی گئی تھی، اسے بھی برقرار رکھا، لیکن اماکن وقف کی تعیین میں ان سے زبردست اختلاف کیا اور بہت اخلاف کیا اور بہت ساری جگہوں سے علامات کو حذف کردیا جن کی تعداد پانچ سوپچپن (۵۵۵) بنتی ہیں۔

یہ ہے وہ اجمالی خاکہ جس میں مختلف ادوار میں مختلف رموز وعلامات اختیار کیے گئے اور اماکن وقف کی تعیین میں بھی ہر شخص نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا، کیونکہ وقف کا تعلق معنی کے ساتھ ہے اور معنی کے سمجھنے میں ہر شخص کا فہم مختلف ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان اختلافات کا پایا جانا ایک طبعی اور فطری امر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو اقسام پہلے ذکر کیے گئے: یعنی تام، کافی، حسن وغیرہ ان میں بھی درجے کے لحاظ سے بہت تفاوت پایا جاتا ہے۔ بعض وقف تام ہوتا ہے جیسے ''وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ'' پر وقف، اور بعض اتم ہوتا ہے۔ جیسے ''وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' پر وقف۔

وعلی هذا القياس وقف کافی، اور وقف حسن میں بھی تفاوت ملحوظ ہے۔ لہٰذا اماکن وقف کی تحدید میں اختلاف پایا جانا کوئی مستبعد نہیں۔

پاکستانی مصاحف پر ایک نظر

گزشتہ تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ یہ علامات ورموز اجتہادی چیزیں ہیں کوئی توقیفی نہیں، اس لیے اس میں ردوبدل کی بڑی گنجائش باقی ہے۔ لہٰذا جو بہتر اور مناسب ہو، اسے اختیار کرنا چاہیے اور جو غلط میں انہیں ترک کردینا چاہیے۔

اس تمہید کے بعد اس میدان کا ایک ادنی طالب علم ہونے کی حیثیت سے پاکستانی پریس اور پاکستان کے مذہبی امور کے ذمہ داران کی خدمت میں چند تجاویز پیش کرنا چاہتا

ہوں۔

[۱]......حدیث اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روشنی میں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ ہر آیت پر وقف کرنا مسنون ہے۔ ان تمام آیتوں والے گول نشان پر جن کے اوپر رمز ''لا'' ۲ لگایا گیا ہے، حذف کر دیا جائے۔

[۲]......دوسری اہم بات یہ کہ ہمزہ وصلی پر (جبکہ وہ علامت وقف جائز ہے بعد یا آیت کی ابتداء میں آئے) زبر ڈال دیا گیا ہے یہ اصول رسم کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ رسم میں وصل کا اعتبار کیا جاتا ہے، نہ کہ وقف کا۔ لہٰذا ان حرکات کو فوراً ختم کر دیا جائے اور ان پر ''ص'' (یعنی صاد کا سر) بطور علامت وصل لگایا جائے۔ جبکہ اس سے اتنا نقصان ہو رہا ہے کہ اچھے اچھے قاری اور بڑے بڑے عالم بھی قرآن کریم غلط پڑھتے ہیں، لہٰذا اسے فوراً ختم کیا جائے، تا کہ لوگوں کو غلط قرآن پڑھنے سے بچایا جاسکے۔

[۳]...... پورے قرآن کریم میں حفص سے چار جگہوں پر سکتہ بطور وجوب مروی ہے، جیسے ''سورۃ الکہف، سورۃ یٰسین، سورۃ القیامہ اور سورۃ المطففین'' میں لیکن ان کے علاوہ چار مزید مواقع پر بھی لفظ ''سکتہ'' کی علامت موجود ہے، جو کہ غلط ہے۔ لہٰذا انہیں بھی حذف کیا جائے، جس سے کہ ایک غلط تاثر پیدا ہو رہا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

قرآن کریم میں وقف لازم کے مواقع اوران کی موقع محل کے لحاظ سے تشریحات

قاری ابوبکر عثمانی
فاضل قراءات عشرہ
مرکز العاصم لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

نمبر شمار	سورۃ	آیت نمبر	آیت
1	البقرہ	8	وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ

{ت} یہ وقف لازم کی علامت تاج کمپنی کے مطبوعہ قرآن کریم میں ہے۔ سعودیہ عرب اور مصر کے مطبوعہ قرآن میں نہیں ہے۔ امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے۔ امام زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف صالح ہے اور علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف تام ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق وقف کافی ہے۔ رأس آیت ہے اس لحاظ سے وقف کرنا درست اور سنت ہے اور وصل بھی کیا جاسکتا ہے ازروئے حدیث ''وقف تام'' کہ کفار کے اقوال کا بیان ماقبل میں ہے اور یہاں سے منافقین کا بیان شروع ہورہا ہے۔ چونکہ رأس آیت ہے اگر وقف کیا گیا تو مابعد سے ابتداء ہوگی ماقبل سے اعادہ نہیں ہوگا۔

2	البقرہ	26	بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا

{ت} یہ وقف لازم تاج کمپنی۔ سعودیہ عرب اور مصر تمام مطبوعہ مصاحف میں درج ہے۔ صاحب منار الھدی کے قول پر وقف کافی ہے اور یہی شیخ زکریا رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صاحب القطع والائتناف امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے قول پر ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

نوٹ	وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ط	116	البقرہ

{ت} آیت نمبر ۱۱۶ سورۃ البقرہ پر بھی وقف لازم کی علامت بتائی گئی ہے موجودہ

مصری۔ پاکستانی اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت شمار نہیں کی گئی ہے۔سعودی مصاحف میں یہاں وَلَدًا پر (قلے) کی علامت ہے یعنی یہ وقف جائز ہے اور وقف بہتر ہے جبکہ سُبْحٰنَهٗ پر (صلی) کی علامت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ جبکہ پاکستانی مصاحف میں وَلَدًا پر (لا) کی علامت ہے جس کے معنی وقف حسن کے ہیں مگر ماقبل سے اعادہ ہوگا اور سُبْحٰنَهٗ پر وقف مطلق کی علامت (ط) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کر رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ وَلَدًا پر وقف نہیں ہاں سُبْحٰنَهٗ پر امام نافع مدنی رحمہ اللہ نے وقف تام بتلایا ہے۔

نوٹ	مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	120	البقرہ

{ت} پاکستان سعودی عرب اور مصر تمام ممالک کے مصاحف میں یہاں کوئی علامت وقف نہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں وقف تام ہے۔ صاحب منار الھدی یعنی علامہ اشمونی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ چونکہ رأس آیت ہے وقف کی صورت میں مابعد سے ابتداء ہوگی ماقبل سے اعادہ نہیں ہوگا۔

3	البقرہ	145	اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

{ت} یہ علامت وقف صرف تاج کمپنی کے مطبوعہ مصاحف میں ہے۔ سعودی عرب اور مصر کے مصاحف میں نہیں ہے رأس آیت ہے۔ صاحب منار الھدی اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے قول پر وقف تام ہے اور علامہ مکی صاحب نھایۃ القول المفید بھی اسے وقف تام قرار دیتے ہیں۔

4	البقرہ	212	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا م وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

{ت} یہ علامت پاکستانی سعودی عرب اور مصری تینوں ممالک کے مصاحف میں موجود ہے۔ اٰمَنُوْا پر علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق وقف حسن ہے اور یہی علامہ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ جبکہ علامہ دانی رحمہ اللہ کے مطابق وقف کافی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس بھی فرماتے ہیں کہ وقف حسن ہے اور ابتدا مابعد سے کی جائے۔ یعنی وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے۔ امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں وقف کرنا افضل ہے اور ابتداء مابعد سے کی جائے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے۔

5	البقرہ	246	مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ؕ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ

{ت} یہ علامت پاکستانی مصاحف میں ہے جبکہ سعودی عرب اور مصر کے مصاحف میں نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق وقف جائز ہے۔ شیخ زکریا الانصاری۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اور امام ابوجعفر النحاس سے اس موقع پر کوئی تصریح وارد نہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق وقف حسن ہے اور اس لحاظ سے وقف کے بعد ماقبل سے اعادہ ہوگا۔

6	البقرہ	253	بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق وقف تام ہے اور یہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق وقف کافی ہے۔

7	البقرہ	258	اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں تحریر ہے جبکہ سعودی اور مصری مصاحف میں نہیں لکھا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق الْمُلْكَ پر وقف جائز ہے۔ علامہ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق وقف جائز ہے اور بعض نے حسن کہا ہے اور علامہ دانی رحمہ اللہ کے مطابق وقف کافی ہے۔ صاحب نہایہ کے مطابق یہ وقف حسن ہے۔

نوٹ	وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ	274	البقرہ

{ت} رأس آیت ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف منزل قرار دیا گیا ہے جبکہ سعودی اور مصری مصاحف میں کوئی علامت نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ وقف تام بتلاتے ہیں اور یہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف تام ہے اور رأس آیت ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق بھی وقف تام ہے۔

8	البقرہ	275	اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں پایا جاتا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہ علامت موجود نہیں۔ سعودی مصحف میں اس جگہ (قلے) کی علامت ہے یعنی علامت وقف جائز اور وقف کرنا بہتر ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ وقف حسن کہتے ہیں اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے جبکہ علامہ دانی رحمہ اللہ وقف کافی کہتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف حسن بتلاتے ہیں۔ گویا وقف حسن بتلانے والے حضرات کے مطابق ماقبل سے اعادہ ہوگا۔

9	آل عمران	7	تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی اور مصری مصاحف میں بیان ہوا ہے۔ سعودی عرب کے مصاحف میں یہ علامت موجود نہیں۔ سعودی مصحف میں اس جگہ (قلے) کی علامت ہے یعنی علامت وقف جائز جہاں وقف کرنا بہتر ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ سلف یہاں وقف کرتے تھے نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف فرمایا کرتے تھے۔ گویا یہ وقف النبی بھی ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اوقاف کے مطابق یہ وقف تام ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے:

"تَامٌّ عَلٰى قَوْلِ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الرّٰسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ لَمْ يَعْلَمُوْا تَاْوِيْلَهٗ

وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ وَالْقُرَّاءِ وَالنَّحْوِيِّيْنَ"
اور اس کی وضاحت میں المکتفی فی الوقف والابتداء پر تحقیق کرنے والے الدکتور یوسف عبدالرحمن المرعشلی لکھتے ہیں کہ درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین کرام' ائمہ فقہا اور اہل لغت اس میں شامل ہیں۔

(1) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ (2) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ (3) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (4) امام حسن بصری رحمہ اللہ (5) ابن نہیک رحمہ اللہ (6) حضرت ضحاک رحمہ اللہ (7) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (8) امام نافع مدنی رحمہ اللہ (9) امام کسائی کوفی رحمہ اللہ (10) امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ (11) اخفش رحمہ اللہ (12) سہل بن محمد رحمہ اللہ وغیرھم۔

اور اسے روایت کرنے والوں میں (1) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (2) حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (3) امام ابوعبید رحمہ اللہ (4) ابن جریر رحمہ اللہ (5) ابو اسحاق رحمہ اللہ (6) ابن کیسان رحمہ اللہ (7) احمد بن جعفر رحمہ اللہ (8) السدی رحمہ اللہ ،حضرات شامل ہیں۔(1)

علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہاں وقف تام ہے۔

نوٹ	وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ	153	آل عمران

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ (دیکھو رموز القرآن) مگر موجودہ پاکستانی۔ مصری اور سعودی مصاحف میں اس کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ یہاں وقف بتانے والوں کا موقف ہے کہ وصل کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جملہ وَالرَّسُوْلُ جو اس کے بعد آرہا ہے وہ وَلَا تَلْوٗنَ کی ضمیر مرفوع پر معطوف ہے اور معنی مقصودی مفہوم کے بالکل برعکس ہوجاتے ہیں۔ مگر میرے شیخ محترم استاذ القراء والمجودین قاری مقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: وَالرَّسُوْلُ کی خبر يَدْعُوْكُمْ موجود

(1) تفسیر ابن جریر ۳/ ۱۲۲' معانی القرآن ۱/ ۱۹۱۔ القطع والائتناف ۲۱۲' ۲۱۳' المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۱۹۵

ہے لہٰذا وصل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور معنی مقصود یعنی مفہوم میں کسی قسم کا کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا ہے۔ (ماخوذ بیاض ذاتی للشیخ المرحومؒ)

علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتاتے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف اختیاری کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ یہاں کسی قسم کا کوئی وقف نہیں بتا رہے ہیں اور ایسے ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

10	آل عمران	170	وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بتلایا گیا ہے جبکہ مصری اور سعودیہ کے مصاحف میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ رأس آیت ہے۔ شیخ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف حسن ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے کوئی صراحت نہیں کی ہے اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق وقف صالح ہے۔ صاحب نہایۃ القول المفید کے مطابق یہ وقف کافی ہے۔ رأس آیت ہے لہٰذا وقف کرنا درست ہے اور مابعد سے ابتدا ہوگی۔

11	آل عمران	181	وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں موجود ہے علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق یہ وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق وقف حسن ہے۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق ماقبل سے اعادہ ہوگا۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک وقف تام ہے۔ صاحب نہایۃ القول المفید کے مطابق بھی یہ وقف تام ہے۔

12	النساء	118	لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وقف حسن ہے لہٰذا ان کے قول کے مطابق ماقبل سے

اعادہ ہوگا اور شیخ زکریا الانصاری ﷫ فرماتے ہیں کہ امام ابوعمرو دانی ﷫ نے فرمایا کہ یہ وقف کافی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس ﷫ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی ﷫ کے مطابق یہ وقف تام ہے۔

13	النساء	171	یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی۔ مصری اور سعودیہ تینوں کے مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ اشمونی ﷫ فرماتے ہیں کہ یہ وقف تام ہے اور یہی شیخ زکریا الانصاری ﷫ کی رائے ہے۔ علامہ دانی ﷫ کے مطابق وقف اکفٰی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس ﷫ کے مطابق بھی یہ وقف تام ہے۔ صاحب نہایۃ القول المفید کے مطابق یہ وقف تام ہے۔

14	المائدہ	2	اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ اشمونی ﷫ اسے وقف حسن کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ دانی ﷫ کے مطابق یہ وقف کافی ہے۔ شیخ زکریا الانصاری ﷫ بھی اسے وقف حسن کہتے ہیں اور بعد ازاں علامہ دانی ﷫ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس ﷫ اسے وقف کافی کہتے ہیں جبکہ المکتفی فی الوقف والابتداء پر تحقیق کرنے والے الدکتور یوسف عبدالرحمن المرعشلی اسے ابن النحاس ﷫ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ امام نافع مدنی ﷫ اور امام احمد بن موسیٰ ﷫ کے مطابق یہ وقف تام ہے۔ [المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۲۳۴۔ القطع والائتناف ص: ۲۸۱]

راقم کے خیال میں امام ابوجعفر النحاس ﷫ دراصل مِنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ”عَنْ نَافِع: تَمَّ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمد بِن مُوسى“ جبکہ اَنْ تَعْتَدُوْا کے متعلق امام ابوجعفر النحاس ﷫ فرما رہے ہیں ” قال یعقوب: ومن الوقف: ”أَنْ تَعْتَدُوْا“ فَهٰذَا الْكَافِي مِنَ الْوَقْفِ. [دیکھو القطع والائتناف ص ۲۸۱]

لہٰذا یہ امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کے مطابق وقف کافی ہے واللہ اعلم۔ نیز صاحب نھایۃ القول المفید اسے وقف حسن بتلا رہے ہیں۔

نوٹ	وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ م	5	المائدہ

{ت} امام ابومنصور ماتریدی ۳۳۳ھ/ ۹۴۴ء) کے مطابق وقف لازم ہے۔
پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مرخص کی علامت (ص) ہے جبکہ سعوی مصحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز کی علامت مگر یہاں وصل اولی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں ''حسن: فصلا بین السؤال والجواب' وقیل لا یوقف علیہ حتی یؤتی بالجواب'' (منار الھدی ص ۹۶) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق وقف صالح ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ سے اس موقع پر وقف کی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس سے بھی اس جگہ وقف کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔

15	المائدہ	27	اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں پایا جاتا ہے جبکہ مصری اور سعوی مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف حسن ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اس وقف کی تصریح نہیں فرما رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس وقف کی تصریح نہیں کی ہے اور نہ ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ اور وقف حسن قرار دینے کی رو سے یہاں وقف کر کے ماقبل سے اعادہ ہوگا۔

16	المائدہ	51	وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں موجود ہے۔
پاکستانی مصحف میں وقف لازم کے ساتھ ساتھ وقف غفران اور وقف منزل کی بھی علامات ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ

سجاوندی رحمہ اللہ نے یہاں وقف حسن بتایا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی وقف تام کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اور علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ وقف کافی بتلاتے ہیں جبکہ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام نافع رحمہ اللہ۔ اخفش رحمہ اللہ۔ القتیبی رحمہ اللہ۔ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ اور ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ اسے وقف تام قرار دیتے ہیں (القطع والائتناف ص ۲۹۰)

صاحب نھایۃ القول المفید کے مطابق بھی یہ وقف تام ہے۔

17	المائدہ	64	وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں مصاحف میں پایا جاتا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلاتے ہیں۔ جبکہ علامہ دانی رحمہ اللہ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ قطع صالح قرار دیتے ہیں۔ جبکہ صاحب نھایۃ القول المفید وقف حسن بتلاتے ہیں۔

18	المائدہ	73	ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں مصاحف میں پایا جاتا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دیتے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف صالح کہتے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ وقف کافی قرار دیتے ہیں اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ وقف تام ہے۔

19	المائدہ	110	وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ

{ت} یہ وقف لازم کی علامت پاکستانی مصاحف میں موجود ہے جبکہ مصری اور سعوی مصاحف میں نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف کافی کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کے ذکر سے خاموش ہیں۔

20	الانعام	19	مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

{ت} وقف لازم کی علامت پاکستانی مصحف میں پائی جاتی ہے اور حاشیہ پر ''باختلاف'' بھی تحریر ہے گویا یہ اختلافی وقف لازم ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتاتے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی وقف تام بتلاتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی وقف تام کہتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی وقف تام بتلاتے ہیں۔

21	الانعام	20	اَبۡنَآءَهُمۡ ۘ اَلَّذِيۡنَ خَسِرُوۡٓا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں مصاحف میں موجود ہے علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف کافی ہے اور بعض علماء اوقاف نے وقف تام بھی کہا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقف حسن ہے اور علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی فرماتے ہیں۔ صاحب نھایۃ القول المفید علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف تام فرماتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ نے اسے وقف کافی قرار دیا ہے۔

22	الانعام	81	اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۘ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

{ت} وقف لازم کی علامت پاکستانی مصاحف میں موجود ہے جبکہ مصری اور سعودی مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ صاحب نھایۃ القول المفید علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ کے مطابق یہ وقف تام ہے علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق وقف تام ہے اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی وقف تام کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ رأس آیت ہے اور وقف تام ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی وقف تام فرماتے ہیں۔

23	الانعام	124	رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں پایا جاتا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلاتے ہیں اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی وقف تام بتلاتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی بتلاتے ہیں جبکہ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ۔ محمد بن عیسیٰ رحمہ اللہ اور احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ سے نصا وارد ہے کہ یہ وقف تام ہے۔ یاد رہے کہ یہ قرآن کریم کا وہ مقام ہے جہاں ''کلمہ''اللہ'' بالکل متصل ہیں۔''

نوٹ	لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً م	34	الاعراف

{ت} یہاں وقف لازم کی علامت بیان کی گئی ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت بیان نہیں کی گئی ہے۔ سعودی مصحف میں (صلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کو منع فرما رہے ہیں جبکہ آگے رأس آیت پر وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ پر وقف تام فرما رہے ہیں۔ جبکہ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ أَجَلٌ پر وقف صالح اور وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ پر وقف تام فرما رہے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ النشر فی القراءات العشر میں اسے وقف کافی فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ سے ابتدا کرنا چاہیے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر وقف کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ ایسے ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

24	الاعراف	45	وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ج

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت بنائی گئی ہے مگر حاشیہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ یہ وقف لازم اختلافی ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہ وقف لازم تحریر نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ رأس آیت ہے لہٰذا وقف جائز ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ پر وقف تام بیان کرتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ پر وقف کافی فرما رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ كَافِرُونَ پر قطع صالح فرماتے ہیں اور وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ پر احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ کے مطابق وقف تام بیان فرماتے ہیں۔

25	الاعراف	73	وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں شمار کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں موجود نہیں ہے سعودی مصحف میں یہاں (قلے) کی علامت ہے جو وقف جائز کی علامت ہے اور جہاں وقف بہتر ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں وقف جائز ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ ''مفہوم'' کہتے ہیں علامہ دانی رحمہ اللہ نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی کوئی تصریح وقف کی نہیں کی ہے۔

26	الاعراف	148	وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وقف حسن ہے اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ان کے مطابق یہ وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اسے وقف حسن بتلاتے ہیں۔

27	الاعراف	163	حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ۔ یہاں وقف بیان نہیں کر رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف بیان نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہ وقف بیان نہیں کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف بیان نہیں کیا ہے۔

28	الاعراف	187	اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے نیز اس پر وقف منزل بھی ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں بلکہ وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں علامہ

دانی رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کافی ہے اور امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک وقف تام ہے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف حسن فرماتے ہیں اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ اور احمد بن جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف تام ہے۔

نوٹ	وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ	50	الانفال

{ت} امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ آیت نمبر ۵۰ سورۃ الانفال پر وقف لازم بتلایا ہے۔ پاکستانی اور سعودی مصاحف میں اس موقع پر (لا) کی رمز بنی ہوئی ہے جس کے مطابق پاکستانی رمز (لا) کے مطابق یہ وقف حسن ہے اور ماقبل سے اعادہ کرکے پڑھا جائے گا۔ جبکہ سعودی مصحف میں تحریر رمز (لا) کے مطابق یہ علامت وقف ممنوع کی ہے یعنی یہاں وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں "ولیس بوقف لمن قرأ" (منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۱۳۴) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض حضرات کے نزدیک اگلے کلمہ اَلْمَلٰٓئِكَةُ پر وقف ہے اور ابتدا پھر مابعد کے کلمہ يَضْرِبُوْنَ سے ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں كَفَرُوا اور اَلْمَلٰٓئِكَةُ دونوں پر وقف نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے مابعد کلمہ وَاَدْبَارَهُمْ پر ہونا چاہیے (المرشد للھامش منار الھدی ص ۱۳۴) اور علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں وقف تام ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے وقف تام روایت کرتے ہیں اور ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وقف حسن ہے نصیر النحوی رحمہ اللہ کی تشریح کے مطابق۔ واللہ اعلم۔

29	التوبہ	19	لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

{ت} یہ وقف لازم کی علامت پاکستانی مصاحف میں ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ صاحب نھایۃ القول المفید علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ کے مطابق

یہ وقف تام ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وقف تام ہے اس لیے کہ یہ اپنے مابعد سے لفظاً اور معنیً جدا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق بھی وقف تام ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اسے وقف تام کہتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس کے مطابق وقف کافی اور وقف تام دونوں کا موقع ہے۔

نوٹ	فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ	40	التوبہ

{ت} بعض علماء اوقاف نے آیت نمبر ۴۰ سورۃ البراءۃ پر وقف لازم بیان کیا ہے۔ موجودہ پاکستانی۔ مصری اور سعودی مصاحف میں کسی قسم کی کوئی وقف کی علامت اس موقع پر موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کافی بیان کر رہے ہیں اور یہی بیان شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کا ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق یہ موقع وقف حسن کا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کے مطابق یہ وقف کافی ہے۔

30	التوبہ	67	بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہوا ہے۔ سعودی مصحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے اسے وقف حسن کہا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ بھی اسے وقف حسن بتلاتے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس نے بھی یہاں وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔

31	التوبہ	71	أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف لازم بیان کیا گیا ہے جبکہ سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بیان کی گئی ہے۔ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف حسن ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے مطابق وقف جائز ہے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق وقف صالح ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے کسی قسم کے وقف کی

یہاں تصریح نہیں کی ہے اور اسی طرح امام ابوجعفر النحاس نے بھی کسی قسم کے وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

نوٹ	قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا م	81	التوبہ

{ت} اس موقع پر بھی وقف لازم بعض علماء اوقاف نے بتلایا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنائی گئی ہے۔ جبکہ سعودی مصاحف میں وقف جائز کی علامت (ج) بنائی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی کسی وقف کی تصریح اس موقع پر نہیں فرمائی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کسی وقف کی تصریح نہیں کر رہے ہیں۔

نوٹ	فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً م	49	یونس

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں کسی قسم کی وقف کی علامت نہیں ہے جبکہ سعودی مصحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے جو وقف جائز کی علامت ہے اور جہاں وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی نے یہاں وقف نہیں بتلایا ہے بلکہ وہ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ پر وقف حسن اور پھر رأس آیت وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ پر وقف تام بتلا رہے ہیں ایسے ہی شیخ زکریا الانصاری لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ پر وقف کافی اور رأس آیت پر وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی قسم کے وقف کی تصریح نہیں کی ہے اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی قسم کے وقف کی نشاندہی نہیں فرمائی ہے۔

32	یونس	65	وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ م اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں ممالک کے مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے

مطابق وقف اتم ہے علامہ جزری رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہ وقف تام ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کے مطابق یہ وقف کافی ہے اور علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہ علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کہا ہے (الایضاح فی الوقف والابتداء ۲/۷۰۷) فراء رحمہ اللہ کے نزدیک وقف تام ہے (معانی القرآن ۱/۴۷۱) امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ نے اسے وقف تام قرار دیا ہے۔ (القطع والائتناف ص۳۷۷)

نوٹ	قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا م	68	یونس

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں اس موقع پر کوئی علامت نہیں۔ علامہ سجاوندی رحمہ اللہ کے مطابق سُبْحٰنَهٗ سے پہلے وقف کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ سُبْحٰنَهٗ پر وقف مطلق کی نشانی (ط) ہے جبکہ سعودی مصاحب میں یہاں (قلے) کی نشانی ہے جس کا مطلب وقف جائز ہے اور یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کی صراحت نہیں فرما رہے ہیں البتہ سُبْحٰنَهٗ پر وقف حسن کہتے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی سُبْحٰنَهٗ پر وقف حسن کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ هُوَ الْغَنِيُّ پر وقف احسن ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ وَلَدًا پر وقف کافی کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی وقف کی تصریح نہیں فرمائی ہے۔

33	یونس	10	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ

{ت} یہ وقف پاکستانی مصاحف میں موجود ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہ وقف موجود نہیں بلکہ اس موقع پر کسی قسم کی کوئی علامت وقف نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف جائز بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بعض علماء اوقاف کے نزدک یہ وقف حسن ہے اور میرے نزدیک ''مفہوم'' ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ بھی اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر

کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے اور ایسے ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ سے بھی کسی وقف کی تصریح نہیں ملتی ہے۔

34	ھود	20	اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی' مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں موجود ہے۔ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ صاحب نہایہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے وقف صالح قرار دیتے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے کسی قسم کی تصریح وقف کی نہیں کی ہے۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف تام ہے۔

35	ھود	61	وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

{ت} یہاں پاکستانی مصاحف میں وقف لازم کی علامت ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں وقف لازم کی بجائے وقف جائز کی علامت (ج) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ ''مفہوم'' بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کسی وقف کی تصریح نہیں کر رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے۔

نوٹ	وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۘ	24	یوسف

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں اس موقع پر وقف جائز کی علامت (ج) ہے سعودی مصاحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے جس کے معنی ہیں وقف جائز مگر وصل اولیٰ ہے علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ صاحب نھایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہاں وقف کافی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

یہاں وقف کافی ہے اور فرماتے ہیں کہ معمر بن المثنی ابو عبیدہ النحوی البصری (۲۰۹ھ/ ۸۲۴ء) کے مطابق اس موقع پر وقف تام ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وقف تام ہے اور ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ اور ابوعبیدہ النحوی رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔

نوٹ	وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ م	27	یوسف

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی اور سعودی مصاحف میں اس موقع پر کسی قسم کی کوئی علامت وقف نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلا رہے ہیں۔ علامہ جزری رحمہ اللہ نے یہاں وقف حسن قرار دیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ اور اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

نوٹ	قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ م	92	یوسف

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی اور سعودی مصاحف میں اس موقع پر کسی قسم کے وقف کی علامت نہیں ہے۔ پاکستانی مصحف میں اَلْيَوْمَ پر وقف مطلق کی علامت (ط) ہے جبکہ سعودی مصحف میں بھی اَلْيَوْمَ پر (صلے) کی علامت ہے یعنی یہ وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ کے متعلق فرماتے ہیں۔ اَلْيَوْمَ پر وقف تام امام نافع مدنی رحمہ اللہ اور امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ کا قول ہے (منار الھدی ص ۱۶۶) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ اَلْيَوْمَ پر وقف بیان ہے اور امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقف کافی ہے۔ المکتفی فی الوقف والابتداء کے محقق الدکتور یوسف عبدالرحمن المرعشلی کہتے ہیں کہ اَلْيَوْمَ پر وقف تام کہنے والوں میں امام نافع مدنی رحمہ اللہ امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ۔ محمد بن

عیسیٰ رحمہ اللہ۔ احمد بن جعفر رحمہ اللہ شامل ہیں اور اسی کو امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا مذہب ہے پھر لکھتے ہیں کہ اخفش سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ پر وقف تام ہے اور اَلْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ پر دعا ہے یاد رہے کہ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اَلْيَوْمَ پر وقف تام بتلا رہے ہیں صاحب محقق الدکتور المرعشلی فرما رہے ہیں کہ یہ قول مرجوح ہے اور القطع والائتناف کا حوالہ نقل کر رہے ہیں مگر امام جعفر النحاس رحمہ اللہ نے الاخفش السعید رحمہ اللہ کے قول کو مرجوح قرار نہیں دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ (۹۲) فان الاخفش زعم ان ھاھنا القطع' قال: تم قال: "اَلْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ " (۹۲) علی الدعا وفیما روینا عن نافع: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ اَلْيَوْمَ (۹۲) تم' وتابعه علی ھذا محمد ابن عیسی واحمد بن جعفر "قال لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ' تم' ثم دعا لھم فقال: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ.

مزید تفصیل کے لیے دیکھو (القطع والائتناف ص ۴۰۴ اور المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۳۲۹)

نوٹ	رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ	38	ابراہیم

{ت} یہاں وقف لازم بتایا گیا ہے پاکستانی مصاحف پر یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے جبکہ سعودی مصاحف میں (قلے) کی علامت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وقف جائز کا موقع ہے جہاں وقف اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہ موقع وقف تام ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ بھی اسے وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف تام ہے۔

36	الحجر	51	عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ دَخَلُوْا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہوا ہے۔سعودی اور مصری مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ رأس آیت ہے صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اسے ذکر نہیں فرمایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں اس لیے کہ رأس آیت ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اسے وقف حسن بتلا رہے ہیں۔

37	الحجر	79	فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف جائز بتلایا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی یہاں کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔

38	النحل	41	وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی اور مصری مصاحف میں بیان ہوا ہے جبکہ سعودی مصحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلاتے ہیں اور یہی رائے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی ہے علامہ دانی رحمہ اللہ اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے یہاں وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

نوٹ	لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً ۘ	61	النحل

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں کسی قسم کی کوئی علامت نہیں ہے جبکہ سعودی مصحف میں یہاں (صلے) کی رمز ہے یعنی وقف جائز

ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ اسی طرح شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بیان کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف ذکر نہیں کیا ہے اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

39	الاسراء	8	وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ سعودی اور مصری تینوں ممالک کے مصاحف میں موجود ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے اسے وقف کافی قرار دیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن فرمار ہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہ وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

40	الاسراء	105	إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں موجود ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں۔ رأس آیت ہے۔ صاحب نہایہ علامہ مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دیتے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ اور یہی رائے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی قرار دیتے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجاہد رحمہ اللہ اور امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ کے قول پر یہ وقف تام ہے۔

41	مریم	16	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ صاحب نہایہ علامہ مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے ذکر نہیں کر رہے ہیں۔ اور

اسی طرح علامہ دانی رحمہ اللہ اور امام النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

42	مریم	39	إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۘ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں یہ وقف موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کوئی وقف بیان نہیں کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف ذکر نہیں کر رہے ہیں امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔

43	مریم	86	إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ مفہوم فرما رہے ہیں علامہ جزری رحمہ اللہ اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اس موقع پر کسی بھی وقف کے ذکر سے خاموش ہیں امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ یہ موقع وقف تام کا نہیں ہے بلکہ ابوعبداللہ رحمہ اللہ کے نزدیک وقف تام آیت نمبر ۸۷ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا پر ہے۔[القطع والائتناف ص ۴۶۳]

44	مریم	87	عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف جائز بتلا رہے ہیں اور ایک قول وقف تام ہونے کا بھی بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے وقف صالح بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں کیا

ہے۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق یہ وقف تام ہے جیسا کہ ہم سابقہ وقف میں یہ ذکر کر آئے ہیں۔

45	طٰہٰ	9	حَدِيْثُ مُوْسٰى ۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ صاحب نہایہ علامہ مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف حسن بتا رہے ہیں علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ اس موقع پر وقف نہیں ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ کے مطابق وقف تام ہے۔

46	طٰہٰ	39	وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۳۹ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کے ذکر سے خاموش ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف کے ذکر سے خاموش ہیں۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف کے ذکر سے خاموش ہیں۔

نوٹ	قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ	63	الانبیاء

{ت} امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الوقوف المفروضۃ'' میں قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ آیت نمبر ۶۳ سورۃ الانبیاء پر وقف لازم ذکر کیا ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت ذکر نہیں کی ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں دو علامتیں (صلے اور ق) ذکر کی ہیں (صلے) کی علامت اوپر اور (ق) کی علامت نیچے ہے یعنی یہاں بعض علماء اوقاف کے مطابق اَلْوَصْلُ اَوْلٰى (صلے) ہے اور اگر یہاں وقف کیا جائے تو ماقبل سے اعادہ ہوگا اور دوسری علامت (ق) قِيْلَ عَلَيْهِ

اَلْوَقْفِ کی علامت ہے یعنی یہاں بعض علماء اوقاف کے قول پر وقف کیا جا سکتا ہے یہ اضعف علامت وقف ہے۔ چونکہ اوپر علامت (صلے) کی اور پھر اس کے نیچے (ق) کی ہے لہٰذا صاحب رموز القرآن کے مطابق (صلے) والی رمز پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف ذکر کرنے سے خاموش ہیں۔

نوٹ	فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ	77	الانبياء

{ت} صاحب رموز القرآن قاری محمد حسن شاہ جہان پوری رحمہ اللہ نے آیت نمبر ۷۷ سورۃ الانبیاء پر وقف لازم تحریر فرمایا ہے۔ یہ موقع راس آیت ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں کسی قسم کی کوئی علامت وقف قائم نہیں کی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف تام ذکر کر رہے ہیں اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہاں وقف تام ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہاں وقف تام ہے اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

47	المومنون	9	صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿١٠﴾

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہوا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ دونوں یہاں وقف جائز قرار دے رہے ہیں جبکہ علامہ دانی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اس موقع پر وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔

48	المومنون	19	مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف جائز قرار دے رہے

ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں کر رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اَعۡنَابٌ پر وقف کے متعلق فرمارہے ہیں "فلیس بکاف" (القطع والائتناف ص ۹۹)

نوٹ	وَاَحۡسَنَ تَفۡسِيۡرًا ۝ اَلَّذِيۡنَ يُحۡشَرُوۡنَ	33	الفرقان

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے پاکستانی اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے رأس آیت ہے پاکستانی مصاحف میں وقف مطلق کی علامت (ط) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف تام بتلا رہے ہیں اور یہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اسے وقف تام بتلا رہے ہیں اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی وقف تام کہہ رہے ہیں۔

نوٹ	رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ	24	الشعراء

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے مگر پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں وقف لازم کی علامت موجود نہیں ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے۔ جبکہ سعودی مصاحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے اس موقع پر وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف ذکر کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی کوئی وقف بیان نہیں فرمارہے ہیں۔ اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف کے ذکر سے خاموش ہیں۔

نوٹ	رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ	28	الشعراء

{ت} یہاں بھی وقف لازم کہا گیا ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں

یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے جبکہ سعودی مصاحف میں (صلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں فرما رہے ہیں اور نہ ہی شیخ زکریا الانصاری کسی وقف کا ذکر فرما رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں فرما رہے ہیں۔ اور نہ ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف ذکر کیا ہے۔

49	الشعراء	69	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں وقف کافی نہیں ہے اس لیے کہ آیت نمبر ۷۰ کے شروع کے اِذْ کا اپنے ماقبل سے تعلق ہے۔ (القطع والائتناف ص ۵۳۰)

50	القصص	88	وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ م لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی۔ مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے اسے وقف حسن قرار دیا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف کافی قرار دے رہے ہیں علامہ جزری رحمہ اللہ نے بھی اسے وقف کافی قرار دیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس جگہ وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اس طرح امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کے متعلق کچھ تحریر نہیں کیا ہے۔

51	العنکبوت	26	فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ م وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ط

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں

بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف صالح قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ یہاں وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔

52	العنکبوت	41	لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی مصحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے جس کے معنی میں وقف جائز مگر وصل اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف بیان نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع کی بجائے اس سے پہلے موقع اتَّخَذَتْ بَيْتًا پر وقف کافی بتلایا ہے۔ سعودی مصاحف میں بَيْتًا کے موقع پر بھی (صلے) کی علامت ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں الاخفش رحمہ اللہ نے کہا کہ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ پر وقف تام ہے جبکہ ابو حاتم سجستانی نے اتَّخَذَتْ بَيْتًا پر وقف تام کہا ہے۔ اور اکثر کوفیین کے نزدیک كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ پر وقف نہیں ہے۔ (القطع والائتناف ص ۵۵۵)

53	العنکبوت	64	لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہ وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے اسے وقف حسن قرار دیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے بھی اسے وقف حسن قرار دیا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں کیا مگر وہ اس سے قبل لَهْوٌ وَّلَعِبٌ پر وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ سعودی مصاحف میں وَّلَعِبٌ کے موقع پر بھی وقف جائز کی علامت (ج) موجود ہے جبکہ پاکستانی مصاحف میں اس موقع پر وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی لَهِيَ الْحَيَوَانُ کے

موقع پر وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔

نوٹ	كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۘ لَا يَسْتَوُنَ	18	السجدہ

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) ہے اور وقف غفران بھی بیان کیا گیا ہے۔ سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بیان کی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں وقف جائز ہے اور روایت بیان کرتے ہیں کہ فَاسِقًا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وقف فرمایا ہے اور ابتداء لَا يَسْتَوُنَ سے کی ہے گویا علامہ اشمونی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ نے النشر فی القراءات العشر میں تحریر کیا ہے کہ امام شاطبی رحمہ اللہ فَاسِقًا پر وقف فرماتے تھے علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں کیا ہے۔

54	یس	13	بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۘ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں پر وقف غفران اور وقف منزل کی علامات بھی موجود ہیں سب سے قوی علامت روایت حفص کے مطابق بطریق امام شاطبی رحمہ اللہ یہاں سکتہ ہے (سکتہ کے متعلق تفصیلی بیان انشاء اللہ ہم آگے چل کر تحریر کریں گے) سعودی مصاحف میں یہاں سکتہ کی علامت اور وقف کی علامت (قلے) بنائی گئی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وقف جائز ہے اور وقف اولیٰ ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام ذکر کر رہے ہیں۔ ایسے ہی شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام ذکر کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی یہاں وقف

تام ذکر رہے ہیں اور پھر فرماتے ہیں "وھو قول جمیع اصحاب التمام من القراء والنحویین. وروی عطاء بن السائب رحمہ اللہ عن ابی عبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ وحفص بن سلیمان رحمہ اللہ عن امام عاصم رحمہ اللہ انھما کانا یستحبان الوقف علی ذلك" (المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۴۷۴) امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے تمام قراء اور نحویین کے ضمن میں ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ۔ القتیبی رحمہ اللہ۔ الفراء رحمہ اللہ۔ الاخفش سعید رحمہ اللہ۔ امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ۔ احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ۔ احمد بن جعفر رحمہ اللہ۔ عیسیٰ بن عمر رحمہ اللہ۔ مجاہد رحمہ اللہ۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ اور قتادہ کے نام تحریر کیے ہیں۔ (القطع والائتناف ص ٦٠٠)

اور اسی طرح امام سلمی رحمہ اللہ اور امام عاصم رحمہ اللہ سے جو روایت وقف کے استحباب کی امام دانی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس کے متعلق الدکتور المرعشلی لکھ رہے ہیں کہ یہ روایت امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب القطع والائتناف ص ۵۹۹ پر ذکر کی ہے۔

55	یٰس	76	فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف تام ذکر کر رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ الفراء رحمہ اللہ اور ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں چونکہ کلام کفار کی انتہا ہے لہٰذا وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف تام ہی قرار دیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ تحریر فرما رہے ہیں کہ احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں وقف تام ہے۔

56	الصفت	83	وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۞ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کرنے کو منع فرما رہے ہیں "لَيْسَ بِوَقْفٍ" (منار الھدی فی الوقف والابتداء

ص ۲۷۷) لیکن چونکہ راس آیت ہے لہٰذا راقم کے خیال میں تو یہ وقف مسنون اور احب ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی اس وقف کو ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی تحریر کر رہے ہیں کہ چونکہ یہاں کلام پورا نہیں ہوتا لہٰذا یہاں کی بجائے وقف آیت ۸۷ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ پر کرنا چاہیے۔

وَهَلْ أَتَىٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾	21	ص	57

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں اس موقع پر کسی بھی وقف کا بیان نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کو درست قرار نہیں دے رہے ہیں "نَبَؤُا الْخَصْمِ لیس بوقف' ومثلہ فی عدم الوقف الْمِحْرَابَ (منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۲۸۰) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ	41	ص	58

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے مصری اور سعودی مصاحف میں اس موقع پر کسی بھی وقف کا بیان نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف جائز قرار دیا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف صالح ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے۔

مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا	3	الزمر	59

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری

مصاحف میں یہاں وقف کی کوئی علامت بیان نہیں کی گئی ہے۔ میرے شیخ محترم حضرت قاری مقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مبتداء ہے اور مَا نَعْبُدُهُمْ الخ بتقدیر يَقُوْلُوْنَ خبر ہے۔ مبتداء پر وقف لازم بیان کرنا درست نہیں ہے صاحب منار الھدی اور دیگر مؤلفین نے یہاں وقف کو غلط کہا ہے۔ ہمارے مصری معاصر قراء (الشیخ عبدالحئی زھران المصری الازہری اور الشیخ عبدالغفور مصطفی المصری الازہری وغیرہ) پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف لازم کا نشان دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی تغلیط کرتے ہیں۔ (منقول از بیاض للشیخ المرحوم رحمہ اللہ)

علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں "ان جعل خبر والذین محذوفا: ای یقولون ما نعبدھم، وکذا ان جعل الخبر ان اللہ یحکم، ولیس بوقف ان جعل: ما نعبدھم قال مقام الخبر" (منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۲۸۳) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر وقف بیان نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس جگہ وقف کی تصریح نہیں کر رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" تمام علی قول الاخفش رحمہ اللہ وابی حاتم رحمہ اللہ "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ" لیس بتام لان "اَلَّذِيْنَ" مرفوع بالابتداء، ولم یات الخبر او مرفوع علی اضمار فعل بمعنی: وَقَالَ الَّذِيْنَ فیحکی ما قالوا، والتمام عند احمد بن جعفر رحمہ اللہ "اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" وعند غیرہ: "اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" و کذا "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ" [القطع والائتناف ص ۶۱۸]

ان تمام درج بالا حوالہ جات سے میرے شیخ محترم کی باتوں کی تائید ہو رہی ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ

60	الزمر	62	وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں وقف لازم نہیں ہے بلکہ وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف بیان نہیں کیا ہے۔ اسی طرح شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کوئی وقف بیان نہیں کر رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کسی وقف کی نشاندہی نہیں کر رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف کی تصریح نہیں کر رہے ہیں۔

نوٹ	أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَٰفِرِينَ	32	الزمر

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں وقف لازم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ راس آیت ہے۔ علامہ اشمونی۔ یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تلام بتلا رہے ہیں۔

61	المومن	6	أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۝٦ ٱلَّذِينَ يَحْمِلُونَ ٱلْعَرْشَ

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف لازم شمار کیا گیا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں وقف لازم نہیں ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف النبی ﷺ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف تام بتلایا ہے اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف تام ہی بتلایا ہے علامہ جزری رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ۔ امام ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ اور احمد بن جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ موقع وقف تام ہے۔

62	المومن	62	خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں اس کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ صاحف نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے بھی اسے وقف حسن قرار دیا ہے پھر تحریر فرماتے ہیں، ''وقیل تام لانہ لو وصلہ لصارت جملۃ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ صفۃ لشیء' وھذا خطا ظاھر'' (منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۲۹۰)

شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں کیا ہے۔

63	الزخرف	88	قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ط

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں ذکر کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف کافی بتلایا ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے یہاں وقف حسن بتلایا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں وقف حسن بتلایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں کی ہے اور امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں کسی وقف کا ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

نوٹ	وَقُلْ سَلٰمٌ م فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ	98	الزخرف

{ت} یہاں وقف لازم کی تصریح صاحب رموز القرآن نے کی ہے پاکستانی۔ مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم بیان نہیں کیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں وقف حسن ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ کے

مطابق يَعْلَمُوْنَ بالیاء پڑھنے والوں کے لیے یہاں وقف کافی ہے اور تَعْلَمُوْنَ بالتاء پڑھنے والوں کے لیے وَقُلْ سَلٰمٌ پر وقف کا موقع نہیں ہے۔

يَعْلَمُوْنَ: بالیاء: مکی۔ بصری۔ عاصم۔حمزہ۔کسائی۔یعقوب اور خلف العاشر

تَعْلَمُوْنَ: بالتاء: نافع۔ابوجعفر اور شامی

64	الدخان	7	وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے مصری اور سعودی مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔سعودی مصاحف میں یہاں (صلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔صاحب نہایہ علامہ مکی نصر رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں کیا ہے اسی طرح شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں کر رہے ہیں۔علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی وقف کا ذکر نہیں کیا ہے۔امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں کیا ہے۔

65	الدخان	14	مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بتلایا گیا ہے۔سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔رأس آیت ہے صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے اسے وقف کافی بتلایا ہے۔علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔

66	الدخان	15	اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں ذکر کیا گیا ہے۔سعودی اور مصری مصاحف میں یہ وقف لازم نہیں ہے۔رأس آیت ہے۔صاحف نہایہ علامہ مکی نصر رحمہ اللہ

اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف احسن بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی رائے میں بھی یہ وقف حسن ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اسے وقف تام کہہ رہے ہیں۔

نوٹ	بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا	54	الدخان

{ت} یہاں صاحب رموز القرآن نے وقف لازم بیان فرمایا ہے۔ پاکستانی۔ مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے۔ راس آیت ہے پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) موجود ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف صالح ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ یہاں کسی وقف کی تصریح نہیں فرما رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔

نوٹ	وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ	21	الاحقاف

{ت} یہاں بھی وقف لازم ذکر کیا گیا ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت موجود نہیں ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کو منع فرما رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔

نوٹ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①	1	محمد صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الوقوف المفروضہ'' میں ذکر کیا ہے کہ

سورۃ محمد ﷺ شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پر وقف لازم ہے۔ لیکن اس کی تصریح ائمہ اوقاف میں سے شیخ اشمونی رحمہ اللہ۔ شیخ زکریا الانصاری۔ علامہ وانی رحمہ اللہ اور امام ابوجعفر النحاس میں سے کسی نے بھی نہیں کی ہے۔

حضرت قاری شیخ محی الاسلام صاحب عثمانی رحمہ اللہ ''شرح سبع قرآءت'' میں ''باب بسملہ'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مبسملین کے لیے بین السورتین وصل اول قطع ثانی ناجائز ہے کیونکہ بسم اللہ ابتداء کے واسطے ہے انتہا کے لیے نہیں۔ اور باقی تینوں صورتیں درست ہیں۔'' (شرح سبع قرآءت جلد اول ص ۱۷۰) اس پر شیخ موصوف رحمہ اللہ نے پھر حواشی میں تحریر کیا ہے۔ ''جعبری رحمہ اللہ اور سید رحمہ اللہ قطع کل کو' ابومحمد مکی رحمہ اللہ قطع اول وصل ثانی کو اولیٰ کہتے ہیں بعض متاخرین گیارہ سورتوں (۱) الفاتحہ (۲) الانعام (۳) الکہف (۴) الانبیاء (۵) سباء (۶) الفاطر (۷) القمر (۸) الرحمن (۹) الحاقہ (۱۰) العلق اور (۱۱) القارعہ پر بوجہ ہمزہ وصل قطع اول وصل ثانی کو اور باقی سب جگہ قطع کل کو اولیٰ کہتے ہیں اور اس جماعت نے سورۃ محمد ﷺ کو ہمزہ وصل کے باوجود معنوی بشاعت کی وجہ سے دوسری شق میں رکھا ہے اور بعض نے اس کو بھی پہلی قسم میں داخل کیا ہے۔

اور بعض اہل ادا نو سورتوں (۱) محمد ﷺ (۲) القیامہ (۳) عبس (۴) تطفیف (۵) البلد (۶) البینہ (۷) التکاثر (۸) الھمزہ اور (۹) النصر سے بسم اللہ کے وصل کو منع کرتے ہیں ہمارے شیوخ پڑھاتے ہوئے ہر جگہ پہلے (۱) قطع کل پھر (۲) قطع اول وصل ثانی اور پھر (۳) وصل کل پڑھاتے تھے یہی میرا معمول ہے اور بحالت تلاوت قاری مختار ہے جو وجہ چاہے پڑھے۔ [حاشیہ صفحہ ۱۷۰ جلد اول شرح سبعۃ قرآءت]

معلوم ہوا کہ علامہ وانی رحمہ اللہ۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ۔ علامہ جزری رحمہ اللہ۔ اور علامہ متولی رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ اور شیخ عثمانی رحمہ اللہ بھی

یہ بین السورتین کے مذاہب ذکر فرما رہے ہیں۔ نیز نو سورتوں سے وصل کو منع کرنے والے بعض اہل اداء کے نام نہ تو شیخ محی الاسلام صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے درج کیے ہیں۔ بلکہ شیخ عثمانی رحمہ اللہ تو خود وہاں تینوں جائز وجوہ کے اہتمام کرنے کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

انہی کی اتباع میں حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے بھی یہ بات لکھی ہے

''علماء قرآءت کی ایک جماعت ذیل کی نو سورتوں (محمد ﷺ۔ القیامہ۔ عبس۔ تطفیف۔ البلد۔ البینہ۔ التکاثر۔ الھمزہ اور تبت) کے ساتھ بسم اللہ کا وصل (یعنی فصل اول وصل ثانی اور وصل کل) ناجائز بتاتی ہے۔ پس وہ ان میں صرف فصل کل پڑھتے ہیں۔ [عنایات رحمانی ج اول صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور]

یہاں بین القوسین عبارت نے یہ بات مزید واضح کر دی کہ یہ مسئلہ بین السورتین ہے آغاز تلاوت وغیرہ کا نہیں۔ نیز نام ان علماء قرآت کے حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے بھی درج نہیں کیے ہیں۔

اور بعینہ حضرت قاری محی الاسلام صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا حاشیہ جناب قاری محمد طاہر رحیمی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''کشف النظر فی القراءات العشر'' شرح النشر کے جلد اول صفحہ ۱۹۴ اور ۴۲۰ پر نقل فرمایا ہے۔ مگر انہوں نے بھی اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ یہ اہل ادا کون ہیں۔

لہٰذا ائمہ اوقاف اور ائمہ قراءات کے اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی وضاحت نہ ہونے کے سبب ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ بسملہ اور سورۂ محمد ﷺ کی ابتدائی آیت کا وصل کرنے کی امتناعی صورت کوئی نہیں ہے اور وصل کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ	وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	35	محمد ﷺ

{ت} صاحب رموز القرآن حضرت قاری محمد حسن علی ہاشمی رحمہ اللہ صاحب نے یہ

وقف لازم بیان فرمایا ہے۔ راس آیت ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں اسی موقع پر کوئی علامت وقف لازم و دیگر نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق بھی وقف تام ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر وقف تام بتلا رہے ہیں امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے مطابق یہ موقع وقف تام کا ہے۔

نوٹ	وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۘ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا	9	الفتح

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے جبکہ سعودی اور مصری مصاحف میں کسی قسم کی کوئی علامت نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے واسطہ سے تحریر کرتے ہیں کہ یہ وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے۔ علامہ جزری یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں جبکہ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اسے امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ اور احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ کے حوالے سے وقف تام بتلا رہے ہیں۔

نوٹ	مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۘ	29	الفتح

{ت} امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الوقوف المفروضہ'' میں سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۹ کے موقع مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۘ پر وقف لازم تحریر فرما رہے ہیں۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) بنی ہوئی ہے اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف حسن بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ یہاں وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔

67	الذاريات	24	اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۝۲۴ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہ وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔سعودی اور مصری مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بیان کر رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔

68	الطور	12	خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى

{ت} پاکستانی مصاحف میں اس موقع پر وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں وقف لازم کی علامت موجود نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف کافی فرما رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں "وَقِيْلَ لَا يُوْقَفُ عَلَيْهِ لَا يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمَئِذٍ فَلَا يَفْصِلُ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبِيْلُ مِنْهُ بِالْوَقْفِ" (منار الھدی فی الوقف والابتداء ص ۳۱۹) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بیان فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگلی آیت اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا۔ پر وقف اکفی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے یہاں وقف کی کوئی صراحت نہیں فرمائی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ اس موقع پر وقف فرمانے کو بہتر نہیں فرما رہے ہیں۔ ''وھذا ایضا لیس بتمام لان "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ" نعت اَلْمُكَذِّبِيْنَ" [القطع والائتناف ص ۶۸۴]

نوٹ	مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝	46	النجم

{ت} یہاں بھی وقف لازم بیان کیا گیا ہے۔ رأس آیت ہے پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے البتہ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مرخص کی علامت (صؔ) بنی ہوئی ہے یعنی رخصت کے تحت یہاں وقف کی

اجازت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں ”وَلَا یُوْقَفُ عَلٰی شَیْئٍ مِّنْ اَوَاخِرِ الْاٰیَاتِ اِخْتِیَارًا مِّنْ وَّقٰی اِلٰی مَا غَشّٰی“(منار الھدی فی الوقف والابتداء ص۳۲۱) مگر چونکہ راس آیت ہے اس لیے وقف کیا جا سکتا ہے اور استراحت کی حاجت نہ ہوتو ملا کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری نے اس موقع پر کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ ان آیات پر ضرورت و حاجت کے تحت ہی وقف کرے وگرنہ ملا کر پڑھے۔

69	القمر	6	فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصری اور سعودی تینوں ممالک کے مصاحف میں بیان ہو رہا ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھ رہے ہیں کہ یہ وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی اسے وقف تام قرار دیا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام محمد بن القاسم بن بشار الانباری رحمہ اللہ اسے غیر تام قرار دے رہے ہیں ”المکتفی فی الوقف والابتداء“ کے محقق الدکتور المرعشلی لکھتے ہیں کہ امام دانی رحمہ اللہ کا قول راجح ہے (المکتفی فی الوقف والابتداء ص ۵۴۵) امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے حوالے سے اسے وقف تام قرار دے رہے ہیں۔

70	القمر	47	فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۘ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے سعودی اور مصری مصاحب میں موجود نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بیان کر رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف کافی ہی بیان کیا ہے۔ علامہ

دانی ؒ کے مطابق بھی وقف کافی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس ؒ نے یہاں کسی وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔

71	الرحمن	43	بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی ؒ نے اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اسی طرح شیخ زکریا الانصاری ؒ نے بھی کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی ؒ بھی اس موقع پر کسی وقف کو بیان نہیں فرما رہے ہیں۔ اور نہ ہی امام ابوجعفر النحاس ؒ اس موقع پر کوئی وقف بیان کر رہے ہیں۔

72	الواقعہ	2	لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی ؒ اسے وقف تام فرما رہے ہیں۔ اور شیخ زکریا الانصاری ؒ بھی اسے وقف تام فرما رہے ہیں۔ علامہ دانی ؒ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس ؒ فرماتے ہیں کہ ابو حاتم السجستانی ؒ اور یعقوب الحضرمی ؒ کے مطابق یہاں وقف کافی ہے المکتفی فی الوقف والابتداء پر تحقیق کرنے والے الدکتور المرعشلی' ابوجعفر النحاس ؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ عمومی قرآءت کے مطابق كَاذِبَةٌ پر وقف کر کے ابتداء خَافِضَةٌ سے کرنا چاہیے اور ایک قرآءت یحییٰ یزیدی ؒ۔ حسن بصری ؒ۔ ثقفی ؒ اور ابوحیوۃ ؒ کی بالنصب ہے۔ یعنی خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ دونوں تاءات کا نصب اور یہ نصب یا تو مدح کی بناء پر ہے یا حال ہونے کی بناء پر ہے اور بظاہر یہ تَكُونُ مقدر کی خبر ہے۔ اور یہ قرآءت شاذہ میں سے ہے۔ پس ان حضرات کی قرآءت کے مطابق كَاذِبَةٌ پر وقف نہیں ہے۔ [المکتفی فی الوقف والابتداء ص۵۵۱۔ القطع والائتناف ص۷۰۱۔ عنایات رحمانی ۳/۳۶۷]

نوٹ	مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ مَا ظَنَنۡتُمۡ	2	الحشر

{ت} یہاں صاحب رموز القرآن نے وقف لازم بتلایا ہے۔ پاکستانی اور سعودی مصاحف میں وقف لازم کی علامت نہیں ہے۔ پاکستانی مصاحف میں وقف مطلق کی علامت (ط) اور وقف النبی ﷺ بنے ہوئے ہیں جبکہ سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ وقف کافی ہے۔

73	الحشر	7	شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۞ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ رأس آیت ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ اور یہی رائے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اس موقع کو وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اسے وقف تام قرار دے رہے ہیں۔

74	المنافقون	1	لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے سعودی مصاحف میں یہاں (قلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز ہے کہ جس پر وقف اولیٰ ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف کافی قرار دے رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی فرما رہے ہیں۔ اور شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ یہاں کسی وقف کی وضاحت نہیں فرما رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک وقف تام وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ پر ہے اور ابوعبید رحمہ اللہ

کا مذہب یہ ہے کہ لَكٰذِبُوْنَ راس آیت پر انقطاع کلام ہونا چاہیے۔ اور مابعد سے ابتداء ہونی چاہیے۔

75	التحریم	11	اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ م اِذْ قَالَتْ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم یا کسی دیگر وقف کی علامت موجود نہیں ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کو منع فرما رہے ہیں اس لیے کہ اس کا اپنے ماقبل سے تعلق ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں فرمایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں فرمایا ہے۔ اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر وقف ذکر نہیں فرمایا ہے۔

76	الملک	19	وَّيَقْبِضْنَ م مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ حاشیہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ یہ وقف لازم اختلافی ہے۔ وقف لازم کی علامت (م) کے ساتھ وقف مطلق کی علامت (ط) بھی بنائی گئی ہے اس کے علاوہ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف غفران اور وقف منزل بھی بتلائے گئے ہیں۔ مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم نہیں بتلایا گیا ہے بلکہ وقف جائز کی علامت (ج) بنائی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ اور امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں وقف تام ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ۔ محمد بن عیسیٰ رحمہ اللہ۔ القتیبی رحمہ اللہ۔ ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ اس کو وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ امام ابن الانباری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقف حسن ہے۔

77	القلم	33	وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہ وقف لازم نہیں ہے وہاں وقف جائز کی علامت (ج) بنی ہوئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ یہاں کسی وقف کا ذکر نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے كَذٰلِكَ الْعَذَابُ پر وقف تام بتلا رہے ہیں۔ ایسے ہی علامہ دانی كَذٰلِكَ الْعَذَابُ پر وقف تام اور يَعْلَمُوْنَ پر وقف اتم بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک كَذٰلِكَ الْعَذَابُ پر وقف تام ہے اور امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کے مطابق يَعْلَمُوْنَ پر وقف تام ہے۔

78	القلم	48	كَصَاحِبِ الْحُوْتِ م اِذْ نَادٰى وَهُوَ

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں کسی وقف کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف جائز قرار دیا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کسی وقف کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ اور نہ ہی امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کا ذکر فرمایا ہے۔

79	القلم	51	اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٢﴾

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں ذکر کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں ذکر نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے وقف حسن قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔

80	نوح	4	اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ م لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾

{ت} یہ وقف لازم پاکستانی مصاحف میں ذکر کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ سعودی مصاحف میں (صلے) کی علامت ہے یعنی وقف جائز ہے مگر وصل اولیٰ ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف جائز بتلا رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں کسی وقف کو ذکر نہیں فرمایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے ماقبل میں مُسَمًّى پر وقف کافی قرار دیا ہے یہاں يُؤَخِّرُ پر کوئی وقف نہیں بتلایا ہے۔ اسی طرح امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی مُسَمًّى پر وقف تام قرار دیا ہے مگر يُؤَخِّرُ پر کوئی وقف نہیں بتلایا ہے۔

نوٹ	يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ	31	الدھر

{ت} یہاں امام ابومنصور الماتریدی رحمہ اللہ نے وقف لازم بتلایا ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف تینوں میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں پائی جاتی ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) ہے اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف جائز کی علامت (ج) ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ نے یہاں وقف کافی بتلایا ہے۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں وقف تام بتلایا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف کافی بتلایا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔

نوٹ	وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۞ وَّبَنَيْنَا	11	النباء

{ت} یہاں وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی۔ مصری اور سعودی مصاحف میں وقف لازم نہیں بتلایا گیا۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مرخص کی علامت (صؔ) بتائی گئی ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں کوئی علامت نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف حسن فرما رہے ہیں شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ مَعَاشًا پر وقف جائز قرار دے رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر

النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔

81	النزعت	5	فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶

{ت} پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت بنائی گئی ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہاں وقف لازم کی علامت نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں وقف کی صراحت نہیں کی ہے علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی یہاں وقف کی صراحت نہیں کی ہے۔ امام ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فراء رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق اَمْرًا پر وقف ہے۔

82	النزعت	9	اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بتلایا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں موجود نہیں ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف حسن بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ وقف صالح بتلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ نے یہاں وقف تام بتلایا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف تام بتلا رہے ہیں۔

83	النزعت	12	اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں شمار کیا گیا ہے۔ سعودی اور مصری مصاحف میں یہ بیان نہیں ہوا ہے۔ راس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خَاسِرَةٌ پر وقف نہیں ہے اس پر شیخ علی محمد الضباع رحمہ اللہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ اشمونی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا محل نظر ہے اس لیے کہ شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں (منار الھدی فی وقف والابتداء ص۳۵۶) شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ جیسا کہ بیان بھی ہو چکا اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں اور امام ابوجعفر النحاس اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔

84	النّزعت	15	هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے سعودی اور مصری مصاحف میں یہ موجود نہیں ہے۔ راس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف تام بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ اسے بیان نہیں فرما رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں فرما رہے ہیں۔ اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع پر کوئی وقف بیان نہیں فرما رہے ہیں۔

85	عبس	12	فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان ہو رہا ہے مصری اور سعودی مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے۔ رأس آیت ہے۔ صاحب نہایہ علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ اسے وقف کافی فرما رہے ہیں۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ بھی اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اسے وقف کافی قرار دیا ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے اس موقع پر کوئی وقف ذکر نہیں فرمایا ہے۔

86	الغاشیہ	12	فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ مصری اور سعودی مصاحف میں بیان نہیں ہوا ہے رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اس موقع پر وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اسے وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی اس موقع کو وقف کافی میں شمار کر رہے ہیں۔

87	البلد	5	يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا

{ت} یہ وقف لازم بھی پاکستانی مصاحف میں بنایا گیا ہے۔ مصری اور سعودی

مصاحف میں نہیں بتایا گیا ہے۔ رأس آیت ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ اسے وقف تام قرار دے رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر کسی وقف کی وضاحت نہیں کی ہے۔

نوٹ	مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ	3	القدر

{ت} یہاں بھی وقف لازم بتلایا گیا ہے۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں یہاں وقف لازم کی کوئی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ رأس آیت ہے۔ پاکستانی مصاحف میں یہاں وقف مطلق کی علامت (ط) ہے اور وقف النبی بھی بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اشمونی رحمہ اللہ یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے یہاں وقف حسن بتلایا ہے اور فرماتے ہیں کہ علامہ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ نے یہاں وقف کافی بتلایا ہے علامہ جزری رحمہ اللہ بھی یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ بھی یہاں وقف کافی بتلا رہے ہیں۔

نوٹ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝	1	التکاثر

{ت} امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الوقوف المفروضۃ" میں اور صاحب رموز القرآن قاری محمد حسن شاہ جہان پوری رحمہ اللہ سورۃ التکاثر کا بسم اللہ سے وصل کو منع کرتے ہیں اور الرَّحِیْمِ پر وقف لازم بتلاتے ہیں۔ پاکستانی مصری اور سعودی مصاحف میں اس قسم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح علماء اوقاف میں سے جید اور نامور اسماء جیسے شیخ اشمونی رحمہ اللہ شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ۔ علامہ ابوعمرو عثمان الدانی رحمہ اللہ اور امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے بھی اس وقف لازم کی کوئی صراحت نہیں کی ہے۔ یاد رہے کہ اس سلسلہ میں ایک مفصل بحث سورۃ محمد ﷺ کی شروع آیت اور بسملہ کے وصل کے متعلق اس سے قبل کی جا چکی ہے (دیکھو وقف لازم نمبر ٦٧ کے ذیل میں ہونے

والی مفصل بحث) یہاں وقف لازم بیان کرنے والے یہ موقف بیان کرتے ہیں کہ یہاں **الرَّحِيمِ** کا وصل کرنے سے یہ وہم اور شبہ ہوتا ہے کہ **اَلْهٰكُمُ** کا فاعل **التَّكَاثُرُ** کے بجائے فاعل کی ضمیر **هُوَ** ہے مگر میرے شیخ محترم حضرت قاری مقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ اس بات کو رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "صریح فاعل **اَلتَّكَاثُرُ** کے موجود ہوتے ہوئے کسی بھی طرح **هُوَ** کو فاعل نہیں مانا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بسملہ کا سورۃ سے وصل کو نا جائز بتلانا صحیح و درست قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ (از بیاض للشیخ المرحومؒ)

یہاں پہنچ کر الحمد للہ وقوف لازمہ کا بیان مکمل ہوا ہم نے ان وقوف لازمہ کو شمار کیا ہے جو پاکستانی مصاحف میں بیان کیے گئے ہیں اور ان وقوف لازمہ پر بھی بحث کی ہے جو پاکستانی مصاحف میں شمار تو نہیں کیے گئے مگر دیگر علم اوقاف کی کتب میں بیان کیے گئے ہیں۔ پاکستانی مصاحف کے ہمراہ مصری اور سعودی مصاحف کا تقابل بھی اس غرض سے کیا گیا ہے تاکہ قارئین کے ذہن میں وقوف لازمہ کی ضرورت واہمیت کو مزید اجاگر کیا جا سکے۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وقف لازم کے مواقع میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ مختلف تفسیری۔ صرفی۔ نحوی اور قرآءت کے لحاظ سے اختلاف علماء اوقاف کی نظر میں ہوتے ہیں جن کو مدنظر رکھ کر بعض علماء نے ایک موقع پر وقف لازم شمار کیا ہے اور دیگر علماء نے نہیں کیا اور کسی دوسرے موقع پر وقف شمار کیا ہے۔

وقوف لازمہ کے اس تقابلی مضمون میں آپ حضرات یہ بھی محسوس فرمائیں گے کہ رأس آیت پر مصری اور سعودی مصاحف میں وقف لازم شمار نہیں کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ بڑا صائب فیصلہ ہے اور اس کی تائید خاتمۃ القراء فی الھند الشیخ القاری المقری محمد عبدالرحمن المکی الا لہ بادی رحمہ اللہ کے اس فرمان سے بھی ہو رہی ہے۔ جو انہوں نے اپنی مشہور عالم کتاب "فوائد مکیہ" میں تحریر فرمایا ہے۔

’’آیات پر وقف کرنا زیادہ احب اور مستحسن ہے اور اس کے بعد جہاں (مٓ) لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں (طٓ) لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں (جٓ) لکھی ہو اس کے بعد جہاں (زٓ) لکھی ہو۔ غیر اولیٰ کو اولیٰ پر ترجیح نہ دینا چاہیے یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا یا (مٓ) کی جگہ وصل کر کے (طٓ) وغیرہ پر وقف کرنا۔‘‘ (فوائد مکیہ ص ۴۸ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی)

حضرت رحمہ اللہ کے اس مذکورہ بالا بیان سے ان وقوف کی ترجیحات ظاہر ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علامات وقوف کی ایک لمبی طول طویل فہرست کو مختصر کر کے عام قاری قرآن کے لیے تلاوت میں آسانی کے اسباب پیدا کیے جائیں یہ موقع ناشرین قرآن اور فن سے متعلقہ علماء حضرات کے لیے دعوت فکر ہے۔ وما علینا الا البلاغ

علم ضبط کی لغوی تعریف:

ضَبَطَ کا لغوی مطلب ہے: ضَبَطَهُ (ن ض) ضَبْطًا وَضَبَاطَةً چمٹنا، غلبہ پانا، قوی ہونا۔ پوری طرح حفاظت کرنا۔ اَلْعَمَلَ مضبوط کرنا۔ اَلْكِتَابَ صحیح کرنا کتاب پر حرکات لگانا۔ [مصباح اللغات، ص:۴۹۰]

اصطلاحی تعریف:

علم يعرف به ما يدل على عوارض الحرف التي هي الفتح والضم والكسر والسكون والشد والمد ونحو ذلك. [دلیل الحیران، ص:۲۰۱]

"علم ضبط سے مراد وہ علم ہے جس میں حرف سے ملحق علامات جیسے فتح، ضم، کسرہ، سکون، تشدید اور مد وغیرہ جیسی علامات کا بیان کیا جاتا ہے۔"

کلمہ ضبط قرآن مجید کو پکا یاد کرنے میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور قرآن کریم پر حرکات وسکنات مدات شدات لگانے کو بھی ضبط کہا گیا ہے۔ علم الرسم توقیفی ہے۔ جبکہ علم الضبط توقیفی نہیں ہے۔ اسی لیے سعودی عرب، برصغیر پاک وہند اور بلاد مغرب یعنی افریقہ وغیرہ کے ممالک کے اعراب حرکات وسکنات اور نقاط وغیرہ میں فرق ہے۔

علم الرسم کے قواعد تو ان مصاحف سے حاصل کیے گئے ہیں جو مصاحف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں لکھوا کر یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ، شام، مکہ مدینہ بھجوائے اور ایک مصحف جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا ذاتی پڑھنے کے لیے رکھا تھا۔ مگر علم الضبط کے قواعد علماء نے "الطراز علی ضبط الخراز" امام التنسی رحمہ اللہ کی کتاب سے حاصل کیے ہیں۔ مشارقہ اور مغاربہ والے اسی کتاب کے مطابق اپنے مصاحف کو ضبط کرتے ہیں۔ سعودی عرب اور دیگر مغاربہ میں پڑھے جانے والے مصاحف میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سعودی عرب کے مختلف مصاحف میں استعمال والی اصطلاحات ضبط

الصفر المستدیر: (ہ)

یہ حرف علت پر لکھا جاتا ہے جو نہ وقفاً پڑھے جاتے ہیں اور نہ وصلاً جیسے يَتْلُوْا صُحُفًا. مِنْ نَّبَإِى الْمُرْسَلِيْنَ. بِاَيْيدٍ وغیرہ۔

ہمارے پاکستان میں بعض مصاحف میں اس طرح کے کلمات پر کوئی نشان نہیں اور بعض پر اس سے مختلف (○) گول نشان ہے۔

الصفر المستطیل القائم: (◯)

یہ علامت ایسے الف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔

جس کے بعد حرف متحرک ہوگا اور اس الف کے زیادہ ہونے پر دلالت کرے گا۔ وصل کی حالت میں یہ الف نہیں پڑھا جائے گا لیکن وقف کی حالت میں تو پڑھا جائے گا جیسے اَنَاْ خَيْرٌ. لٰكِنَّاْ اگر اس کے بعد حرف ساکن ہوگا تو اس الف پر کوئی علامت نہیں لگائی جائے گی جیسے اَنَا النَّذِيْرُ اس کا حکم یہ ہے کہ وصلاً نہیں پڑھا جائے گا۔ وقفاً پڑھا جائے گا۔

بعض پاکستانی مصاحف میں اس طرح کے کلمات پر بھی کوئی نشان نہیں ہوتا اور بعض مصاحف میں اس طرح کا گول نشان (○) ہوتا ہے۔

راس خآء صغیرہ: (ح)

خا کا چھوٹا سر بغیر نقطہ کے، حرف کے اوپر ہوگا اور یہ دلالت کرتا ہے۔ حرف کے ساکن ہونے پر، یہ بڑی وضاحت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جیسے مِنْ خَيْرٍ، وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ، قَدْ سَمِعَ، اَوَعَظْتَ، وَخُضْتُمْ.

اور جب اس حرف کا دوسرے حرف میں ادغام کیا جائے گا۔ تو سکون نہیں لکھا جائے گا۔ بلکہ مدغم فیہ مشدد لکھا جائے گا۔ جیسے اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا، يَلْهَثْ ذّٰلِكَ، وَقَالَت

طَآئِفَةٌ، وَمَنْ يُّكْرِهْهُنَّ اور اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ میں جزم لکھنا اور نہ لکھنا دو وجہیں ہیں۔ لیکن جزم نہ لکھنا زیادہ راجح ہے۔ جن حروف کا ادغام ناقص کیا جاتا ہے۔ وہاں مدغم پر جزم نہیں لکھی جاتی اور مدغم فیہ پر شد نہیں لکھی جاتی ہے۔ جیسے مَن يَقُوْلُ، مِن وَال، فَرَّطْتُمْ، بَسَطتَ.

اور اسی طرح نون اور میم کے اخفاء میں بھی وہ حرف سکون سے خالی رہے گا جیسے مِنْ تَحْتِهَا، مِن ثَمَرَةٍ، اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ.

ہمارے پاکستانی مصاحف میں جزم ذرا مختلف ہوتا ہے ( ) اور ادغام تام یا ناقص کیا جائے تو مدغم پر جزم اور مدغم فیہ پر شد ڈالی جاتی ہے۔ اور اسی طرح نون میم مخفات میں بھی نون میم پر جزم ڈالی جاتی ہے۔

میم صغیرہ:

چھوٹی سی میم لکھی جائے گی۔ جہاں نون ساکن تنوین کے بعد باء آئے وَهُوَعَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ، جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا ، مُنۢبَثًّا اور تنوین کی بجائے صرف ایک حرکت لکھی جائے گی۔

پاکستانی مصاحف کا ضبط اس طرح ہے کہ نون ساکن وتنوین کے بعد اگر باء آ جائے تو وہاں چھوٹی سی میم لکھی جاتی ہے۔ اور تنوین کی دونوں حرکات لکھی جاتی ہیں۔

ترکیب الحرکتین:

جب نون تنوین کے بعد حرف حلقی میں اظہار ہو تو اس وقت تنوین کی دو زبر دو زیر، دو پیش بالکل مساوی لکھے جاتے ہیں جیسے سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، وَلَا شَرَابًا اِلَّا، وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ.

ہمارے ہاں بھی ضبط اسی طرح ہے۔

اور تنوین کی حرکات کو فرق کے ساتھ لکھا جائے گا۔ جبکہ نون تنوین کا ادغام تام کیا جائے گا۔ اور وہاں مدغم فیہ پر شد بھی ڈالی جائے گی۔ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ، غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ اور اسی طرح تنوین کو فرق کے ساتھ لکھا جائے گا۔ جب تنوین کا ادغام ناقص ہوگا یا اخفا کیا جائے گا۔ مدغم فیہ پر شد نہیں ڈالی جائے گی جیسے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ، رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ، شِهَابٌ ثَاقِبٌ، سِرَاعًا ذٰلِكَ، بِأَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ۔

ہمارے پاکستانی مصاحف میں ضبط اس طرح ہے کہ تنوین میں حرکات ثلاثہ کو پورے قرآن میں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔ مدغم نون تنوین کا اگر ادغام تام یا ناقص کیا جائے تو مدغم فیہ پر شد ضرور ڈالی جاتی ہے۔

الحروف الصغيرة:

بعض حروف بالکل چھوٹے لکھے جاتے ہیں۔ یہ رسم سے علیحدہ ہوتے ہیں جو کہ مصاحف عثمانیہ میں رسم میں نہیں لکھے جاتے۔ اور پڑھنے کے لیے انہیں لکھا جاتا ہے۔ جیسے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ، يَلْوٗنَ أَلْسِنَتَهُمْ، إِنَّ وَلِۦيَّ اللّٰهُ، لِفِهِمْ، وَكَذٰلِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

پاکستانی ضبط اس طرح ہے کہ ذٰلِكَ، يَلْوٗنَ، إِلٰفِهِمْ میں حروف پر صرف کھڑا زبر۔ کھڑی زیر اور الٹا پیش لکھا جاتا ہے۔ باقی کلمات کا ضبط اسی طرح ہے کہ ان پر چھوٹا سا حرف لکھا جاتا ہے۔

اگر حروف اصلیہ کتابت کے اندر نہ پڑھے جارہے ہوں تو ان کے نائب لگائے جاتے ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ میں کھڑا زبر ڈالا ہے واؤ نہیں پڑھا جارہا۔ الرِّبٰوا، وَاللّٰهُ يَقْبِضُ میں صاد لکھا ہے اور اس کے اوپر چھوٹا سا سین لکھا ہے۔ اور سین پڑھا جاتا ہے اور اگر صاد کے نیچے سین لکھا جائے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ صاد مشہور ہے۔ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۔

پاکستانی اَلصَّلٰوةَ اور اَلرِّبٰوا کا ضبط اسی طرح ہے۔ جن حروف کو صاد سے لکھا ہے

وہاں اگر سین پڑھا جا رہا ہو۔ یا صاد یا دونوں پڑھ سکتے ہوں تو ان کے اوپر چھوٹا سا سین لکھا جاتا ہے نیچے نہیں۔

(ٓ) یہ مد کا شوشہ دلالت کرتا ہے۔ اس پر جو اصلی مد سے زیادہ پڑھی جاتی ہو۔

الٓمّٓ

جہاں مد بدل ہو وہاں اس قسم کا شوشہ نہیں ڈالا جاتا بلکہ ہمزہ اور اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے۔ جیسے ءَامَنُوا

پاکستانی ضبط میں بھی مد کا شوشہ مد اصلی سے زیادہ مد کرنے کے لیے ڈالا جاتا ہے اور بدل میں صرف کھڑا زبر ڈالا جاتا ہے۔

علامت امالہ:

( ) ایسا نقطہ جو درمیان سے خالی ہو۔ جہاں لکھا ہو وہاں امالہ کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ یہ علامت پہلے سرخ لکھی جاتی تھی لیکن اب ایک رنگ میں لکھی جاتی ہے۔ اور یہی علامت لَا تَأْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ ادغام مع الاشمام کے لیے بھی لکھی جاتی ہے۔

پاکستانی ضبط میں ایسا کوئی نشان نہیں بنایا جاتا۔

( ) ایسا نقطہ جو درمیان سے بند ہو۔ اس ہمزہ پر دلالت کرتا ہے جس میں ہمزہ میں تسہیل ہے۔ ءَ وَعَرَبِيٌّ پاکستانی ضبط میں ایسا کوئی نشان نہیں ہوتا۔

علامت سکتہ:

حرف سین اس کلمہ پر لکھا جاتا ہے جن کلمات میں سکتہ کیا جاتا ہے۔ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا سورۃ الکہف مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ سورۃ یس، مَنْ ۜ رَاقٍ سورۃ القیامہ، بَلْ ۜ رَانَ سورۃ المطففین

پاکستانی ضبط میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

مَالِيَهْ۞ هَلَكَ سورۃ الحاقہ میں دو وجہیں ہیں۔ اظہار مع السکت اور ادغام۔
پاکستانی ضبط میں ایسی کوئی علامت نہیں ہوتی۔

علامت ھاء ضمیر:

جہاں ہائے ضمیر پر قاعدہ کے موافق ضمہ پر صلہ کیا جا رہا ہو۔ وہاں چھوٹی سی واؤ لکھی جاتی ہے۔

علامت صلہ:

جس ہاء پر قاعدہ کے موافق کسرہ پر صلہ کیا جا رہا ہو۔ وہاں چھوٹی سی یاء لکھی جاتی ہے۔ اگر صلہ کے بعد ہمزہ ہو تو اس ''وْ''، ''یْ'' پر چھوٹی سی مد بھی لکھی جاتی ہے۔ جیسے: اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا. وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ. وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ.

پاکستانی ضبط میں کھڑی زیر اور الٹا پیش لکھا جاتا ہے۔

ہائے ضمیر کے ماقبل یا مابعد اگر کوئی حرف ساکن ہو تو وہاں ہائے ضمیر میں صلہ نہیں ہوتا مگر ہمارے قرآنوں میں دو جگہ صلہ لکھا ہوا ہے۔ بِهِ انْظُرْ سورۃ الانعام۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اجْتَبٰهُ سورۃ النحل۔ ان دونوں جگہ ہائے ضمیر میں عدم صلہ ہے۔

ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد حرف متحرک ہو تو ہائے ضمیر میں صلہ ہوتا ہے مگر يَرْضَهُ لَكُمْ سورۃ الزمر میں صلہ نہیں ہوتا۔

پاکستانی مصاحف میں بھی ضبط اسی طرح ہے۔

ہائے ضمیر کے ماقبل اگر کسرہ ہو تو ہائے ضمیر مکسور ہوتی ہے مگر اَرْجِهْ سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء اور فَاَلْقِهْ سورۃ النمل میں ہائے ضمیر ساکن ہے۔

پاکستانی مصاحف میں بھی ضبط اسی طرح ہے۔

ہائے ضمیر کے ماقبل یا مابعد کوئی حرف ساکن ہو تو ہائے ضمیر میں صلہ نہیں ہوتا مگر

وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا سورۃ الفرقان میں صلہ ہوتا ہے۔

پاکستانی مصاحف میں بھی ضبط اسی طرح ہے۔

سورۃ الروم لفظ ضَعْفٍ مجرور دو جگہ اور ایک جگہ ضَعْفًا منصوب ضاد کے فتحہ سے اور ضاد کے ضمہ سے دو وجہیں ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً۔

جبکہ ہمارے قرآنوں میں درمیان میں ضُعْفٍ دو جگہ مجرور اور ضُعْفًا ایک منصوب، تینوں ضاد کے ضمہ سے لکھے ہیں اور حاشیہ میں ضاد کا فتحہ بھی لکھا ہوا ہے۔

سورۃ النمل میں ءَاتٰىنِ ـے۔ میں وقفاً حفص کے لیے دو وجہیں ہیں۔ ایک اثبات یاء اور سکون سے ءَاتٰىنِ ی۔ دوسرے وجہ نون کے سکون سے ءَاتٰنْ.

سورۃ الفجر میں سَلٰسِلَا۟ لفظ میں بھی وقفاً دو وجہیں ہیں۔

ایک آخر الف کے اثبات سے اور ایک وجہ آخری الف کے حذف سے۔

مصحف کی کتابت میں علم ضبط کی ضرورت اور اہمیت

قرآن کریم کی درست تلاوت کے لیے اس کی درست کتابت ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اسی بناء پر اور صحت قراءت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کتابت مصاحف میں بعض اُمور کا التزام کیا جاتا ہے، مثلاً قواعدِ رسم وضبط کی پابندی، علاماتِ وقف ووصل کی درجہ بندی کی توضیح، آیات وفواصل (شمارِ آیات) کی تعیین اور سجداتِ تلاوت کی نشان دہی وغیرہ اس کے علاوہ پڑھنے والے کی سہولت کے لیے سورتوں کے نام اور ہر سورت کے نام کے ساتھ کچھ تعارفی معلومات (مثلاً مکی ومدنی کا بیان) مختلف تقسیمات (مثلاً اجزاء، احزاب اور رکوعات) کی تصریحات اور ہر صفحے پر حوالہ کی آسانی کے لیے بعض علامتی اِشارات بھی درج کئے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا اُمور میں سے بیشتر کی حیثیت محض اِضافی معلومات کی ہے۔ دراصل صحت کتابت کا معیار اور اس کی بنیاد تو علم الرسم ہے اور صحت قراءت کا دارومدار بڑی حد تک علم ضبط پر ہے۔

علم رسم اور علم ضبط کا فرق:

اگر علم الرسم کا موضوع قرآن کا ہجاء اور املاء ہے تو علم ضبط کا موضوع وہ علامات و نشانات مثلاً حرکات، سکون، مدوشد وغیرہ ہیں [الطراز درس ۴] جو کلماتِ قرآن کے درست تلفظ اور ان کی نطقی کیفیات کے تحفظ میں مدد دیتے ہیں۔

نوٹ: یہ 'مدد' والی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ قرآن کریم کی صحیح قراءت اور اس کے کلمات و اَصوات کے درست تلفظ کی تعلیم کا اَصل طریقہ تو تلقی استاذ اور سماع کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے آج تک معمول بہ چلا آتا ہے۔ تنہا علاماتِ ضبط استاد یا 'شیخ' کا بدل کبھی نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ضبط کی بعض خاص صورتوں میں علامات کی وضاحت کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ صحیح تلفظ استاذ سے پڑھ کر اور سن کر سیکھا جائے۔ تاہم قراءتِ قرآن کی تعلیم کے دوران اور تعلیم کے بعد روزانہ تلاوت قرآن کے لیے کسی صحیح کتابت والے مصحف (نسخہ قرآن) کی ضرورت ہر مسلمان کو پڑتی ہے اور اس مقصد کے لیے کتابت کی صحت علم الضبط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علم ضبط کی تین بنیادی اصطلاحات:

علم الضبط کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کی بات کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تین اِصطلاحات کی وضاحت کرلی جائے جو کتابت مصاحف کے ضمن میں اکثر استعمال ہوتی ہیں اور جو عموماً 'ضبط' کے ہم معنی ہیں اور وہ یہ ہیں:

① نقط ② شکل اور ③ اعجام

'نقط' کے لغوی معنی تو کسی حرف پر نقطہ لگانا ہے، لیکن اصطلاح میں اس سے مراد وہ

'نظام نقاط' ہے جو ہمارے موجودہ نظام حرکات کا پیشرو تھا اور جسے مشہور تابعی ابوالاسود دؤلی ؒ نے کلماتِ قرآن کے جزوی ضبط کے طور پر ایجاد کیا تھا اور جس میں حرکات اور دیگر علاماتِ ضبط کا کام نقطوں سے لیا جاتا تھا، (اور جس کا تذکرہ ابھی آگے بیان ہوگا۔)

'شکل' کے لغوی معنی جانور کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے ہیں، مگر اصطلاح میں کلمات کو علامات اور حرکات سے مقید کرنا مراد ہوتا ہے اور اگرچہ 'شکل' کا لفظ 'ضبط' کی کسی بھی صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے، تاہم زیادہ تر شکل سے مراد ضبطِ کلمات کا وہ طریقہ لیا جاتا ہے جو امام خلیل بن احمد الفراھیدی ؒ نے ایجاد کیا تھا۔ (جس کا بیان بھی آگے آرہا ہے۔ جس عبارت کے ہر ہر حرف پر حرکات اور علاماتِ ضبط ڈالی گئی ہوں اسے 'مشکول عبارت' کہتے ہیں۔

'اعجام' کا اصل مطلب بھی کسی حرف پر نقطہ یا نقطے ڈال کر اسے دوسرے مشابہ حروف سے ممتاز کرنا ہے، مثلاً د/ذ ب ت/ث وغیرہ، چونکہ یہ بھی 'تلفظ' ہی کی ایک صورت بنتی ہے لہٰذا دونوں میں فرق کرنے کے لیے ابوالاسود ؒ والے طریق نقط کو 'نقط الشکل' یا 'نقط الإعراب' کہتے ہیں اور دوسرے کو 'نقط الاعجام' کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض قدیم مؤلفین نے اعجام کے لیے مطلقاً نقط کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔[ابن درستویہ: ص ۵۳ وبعد]

موجودہ دور میں ''ضبط'' کی اصطلاح:

ضبط کی اصطلاح ان تینوں اِصطلاحات کے بعد وجود میں آئی۔ علم الضبط میں عموماً نقطہ اور شکل کے قواعد سے بحث کی جاتی ہے اور اعجام کا ذکر اس میں کم ہی کیا جاتا ہے۔ تاہم تاریخی عمل کے لحاظ سے اعجام بھی 'تحریک ضبط قرآن' کا ہی ایک حصہ تھا۔ [دیکھئے :غانم: ص ۹۰-۴۸۸ اور المحکم 'مقدمہ محقق' ص ۲۷-۲۶] اور اسی تحریک کے أسباب و دواعی یعنی علم الضبط کی ضرورت اور اس کے ارتقاء کا جائزہ ہی اس وقت ہمارا موضوع

بحث ہے۔

علم ضبط کی تاریخ:

قرآن کریم کی عہد نبوی ﷺ میں کتابت عربی خط میں تھی۔ اس وقت تک عربی زبان کی ابجد بنیادی طور پر اور تعلیم کتابت کی حد تک صرف اٹھارہ حروف پر مشتمل تھی، بلکہ متصل لکھنے کی صورت میں حروف کی یہ بنیادی شکلیں صرف پندرہ ہی رہ جاتی تھیں۔ حروف کی یہ اٹھارہ یا پندرہ صورتیں اٹھائیس آوازوں کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔[ابن درستویہ: ص٦٦،، الخلیفہ ص ٢ اور المورد، ص ٢٢٣] کیونکہ ان حرفوں میں سے اکثر کی ایک سے زائد آوازیں تھیں، انگریزی H,G,C یا S کی طرح، مثلاً 'ب' ت اور ث کے لیے اور ج ح اور خ کے لیے، بلکہ بعض حرفی رموز پانچ آوازوں تک کے لیے استعمال ہوتے تھے، مثلاً ایک دندانہ 'ا' ی ب ت ث ن اور ی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ صرف چھ حروف 'ا ک ل م و اور ہ' ایسے تھے جو اپنی صرف ایک آواز رکھتے تھے۔ عرب کے لکھے پڑھے لوگ اپنے علم زبان کی بناء پر مختلف حروف کی مطلوبہ آواز پہچان کر پڑھ لیتے تھے، مثلاً لفظ 'حرب' کو حسب موقع حرب (جنگ)، حرث (کھیتی)، جرب (خارش)، حزب (گروہ) یا خرب (ویرانہ) اہل عرب اسی طرح بہ آسانی پڑھ لیتے تھے، جیسے ایک انگریزی دان حسب موقع G یا S یا H کی درست آواز جان لیتا ہے یا عبارت میں Lead اور Read کی قسم کے الفاظ کا مطلوبہ درست تلفظ سمجھ جاتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سرکاری اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کیا گیا جسے 'مصحف' کا نام دیا گیا اور اس کے بعد سے لفظ مصحف نسخہ قرآن کے لیے استعمال ہونے لگا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسی مصحف صدیقی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بورڈ کی زیر نگرانی آٹھ مصاحف پر مشتمل ایک نیا قرآنی ایڈیشن تیار کیا گیا۔ ان

میں سے ایک مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا اور ایک ایک مصحف مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کی مرکزی مساجد میں پبلک کے استفادہ کے لیے بھیجے گئے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ کے مطابق بحرین اور یمن بھی مصاحف روانہ کیے گئے تھے۔ تاکہ لوگ ان نسخوں سے اپنے لیے ذاتی مصاحف تیار کرا سکیں، کیونکہ اب یہی مصاحف باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اُمت کے لیے صحت کتابت کا معیار قرار دیئے گئے تھے۔ ان مصاحف کی تیاری ایک مشہور و معروف واقعہ ہے اور اس کی تفصیلات اس وقت موضوع بحث بھی نہیں، البتہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے ان مصاحف کے ضمن میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

اوّل: یہ کہ ان مصاحف کی کتابت بھی عربی حروف کی ان اٹھارہ صورتوں کے ساتھ ہوئی تھی یعنی ان میں حرکات مشابہ حروف کو ممتاز کرنے کے لیے نقطے بھی نہیں لگائے گئے تھے۔[صفدی:ص ۱۳، الجبوری: ص۱۵۵، المنجد:ص۱۲۶ اور غانم: ص۴۶۸] تاہم کاتبین مصاحف عثمانی نے ان مصاحف میں حرفوں کو نقطوں سے بھی مطلقاً عاری رکھا۔ اہل علم کے نزدیک اعراب اور نقاط کا نہ ہونا عمداً اور دانستہ تھا اور اس سے بہت سی حکمتیں اور مصالح جیسے اختلاف قراءات کا انطباق وابستہ تھی، جبکہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ اس زمانے میں شائع عام طریق کتابت کا ایک مظہر تھا۔ بہرحال وجہ جو بھی تھی یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ یہ مصاحف نقط اور اعجام سے خالی تھے اور اسی لیے ہر ایک نسخہ کے ساتھ پڑھانے والا ایک مستند قاری معلّم بھی بھیجا گیا تھا۔[حق التلاوۃ:ص ۱۴۴]

دوم: یہ کہ یہی مصاحف عثمانی اس وقت سے لے کر آج تک دنیا بھر میں موجود قرآنی نسخوں کی اصل ہیں۔ دنیا میں اس وقت موجود ہر قرآن کریم کے نسخے کا بنیادی رسم الخط ان مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک کے عین مطابق ہے۔ اسی کو رسم عثمانی کا التزام کہا جاتا ہے اور جو درحقیقت 'رسم عہد نبوی' کا التزام ہے۔[غانم:ص۴۶۷]

ان میں سے بہت سے مصحف اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ مگر ہمارا موضوع یہ ہے

کہ ان آٹھ نسخوں کی صوری کیفیات، ان کی املائی خصوصیات اور بعض جزوی اِختلافات کے بارے میں بہت کافی تفصیل ہم تک علماء رسم کے ذریعے پہنچی ہیں کہ اگر آج یہ نسخے موجود نہ بھی ہوتے تو اس کی صحت یا عدم صحت کو ان تفصیلات کی روشنی میں پرکھا جاسکتا ہے۔ کتابت مصاحف میں ان نسخوں کے رسم الخط اور طریق ہجاء سے کوئی ادنیٰ سا اختلاف بھی اہل علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ [لٹنز(۱):ص۱۱] آپ کی معلومات کے لیے یہ بھی عرض کردیں کہ مصحف امام یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نسخہ، مصحف مدنی، مصحف کوفی، مصحف شامی، مصحف بصری، مصحف یمنی اور مصحف بحرینی موجود ہیں جبکہ مصحف مکی جامع مسجد دمشق میں اوائل بیسویں صدی میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جل گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی تیاری کے قریباً چالیس سال بعد تک دنیائے اسلام میں قرآن کریم کی کتابت اسی طرح بغیر نقاط اور بغیر حرکات کے جاری رہی۔ [الزنجانی:ص۸۹، الجبوری ص۱۵۸۔ الکردی۔ص ۹۳ ،غانم ص۵۳۹] تاہم قرآن کریم کی تعلیم عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی محض تحریر کی بجائے تلقّی اور سماع پر مبنی ہونے کے باعث اس کی قراءت اور تلاوت عموماً درست ہی رہی۔ بالکل ایسے ہی جیسے اُردو میں بیر بمعنی پھل اور بیر بمعنی دشمنی کے الفاظ ہیں اس قسم کے لفظوں میں تلفظ کا فرق معلّم کی دی گئی سماعی اور تلقی تعلیم پر منحصر ہے، نہ کہ طریق اِملاء اور ہجاء پر۔

علم ضبط کی ضرورت کا ادراک:

پہلی صدی ہجری کے نصف آخر تک لاکھوں غیر عرب بھی اسلام میں داخل ہوکر قرآن بلکہ عربی زبان بھی سیکھ رہے تھے۔ کسی زبان کی صرف قراءت کی تعلیم بلکہ اس کا عام بول چال میں استعمال تک بھی کسی آدمی کو اہل زبان کی سی مہارت عطا نہیں کرسکتا۔ عراق، شام اور مصر اس وقت تک اگرچہ بڑی حد تک عربی بولنے والے علاقے بن چکے تھے، مگر عوام میں جہاں لحن کے ساتھ عام عربی بولنے کا رواج بڑھا وہاں ساتھ ہی قرآنِ

کریم کی تلاوت میں بھی اس 'غلط سلط عربی دانی' کا مظاہرہ ہونے لگا۔ آج بھی عوامی زبان بولنے والے ناخواندہ عرب قرآن خوانی میں ایسی غلطیاں عام کرجاتے ہیں۔

علم ضبط کا آغاز:

باتفاق روایات ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ تابعین میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم نحو کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی قرآن مجید میں نقطوں کے ذریعے شکل (حرفوں کی آواز کو علامات کے ذریعے متعین) کے ایک نظام کی ابتداء کی۔ [غانم ص۴۹۱ اور ابوالاسود رحمہ اللہ کی شخصیت کے لیے ص۹۸-۴۹۷ (حواشی نمبر ۳۳ تا ۴۱)، نیز الاعلام للزرکلی جلد سوم ص ۳۴۰]

ظالم بن عمرو ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ م ۶۹ھ قاضی بصرہ، علم نحو کی بنیاد رکھنے والے، حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ طویل عمر پائی۔ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوئے لیکن شرف صحابیت حاصل نہ کرپائے۔ بصرہ میں طاعون جارف سے انتقال ہوا۔ [غایۃ النھایہ ج:۱،ص:۳۴۵] مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا باعث ان کا عبیداللہ بن زیاد کا اَتالیق ہونا بنا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے خود اپنی بیٹی کو غلط عربی بولتے سنا۔ تیسری وجہ یہ ہوئی کہ کسی عدالت میں مدعی نے اپنا کیس بالکل غلط عربی میں پیش کیا۔ چوتھی اور مشہور روایت، جس کا تعلق بھی براہ راست قرآن سے ہے یہ ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو سورۃ التوبہ کی تیسری آیت میں لفظ 'وَرَسُوْلُه' جر کے ساتھ پڑھتے سنا۔ [الجبوری ص۱۵۱،غانم ص ۴۵۱، الفہرست ص۶۰، الکردی ص۸۶،۸۵] رسم اور ضبط کی کتب میں درج ہے کہ ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے تیس آدمیوں کا انٹرویو لینے کے بعد ایک نہایت درست لہجے اور صاف تلفظ والے سمجھدار پڑھے لکھے آدمی کا انتخاب کیا۔ [الزنجانی: ص۸۸] پھر اسے ایک مصحف دے کر اپنے سامنے بٹھایا اور خود آہستہ آہستہ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ شخص مذکورہ کو الفاظ کے تلفظ کے وقت قاری کے منہ، ہونٹوں اور زبان کی حرکات کے لیے حروف پر مختلف جگہ پر سرخ سیاہی سے ایک

خاص انداز میں نقطے لگانے کی ہدایت کی۔ ایک دن یا ایک مجلس میں کئے ہوئے کام پر وہ خود نظر ثانی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پورے قرآن مجید پر 'نقاط شکل' لگانے کا کام مکمل ہوگیا۔

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے کام کی نوعیت:

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے کام کی تفصیل اس طرح ہے کہ

① ...... انہوں نے حرفوں کی آواز کو یعنی حرکات کو نقطوں کی شکل سے ظاہر کیا۔

② ...... یہ نقطے قرآن کی کتابت میں استعمال شدہ سیاہی سے مختلف رنگ میں لگائے گئے۔ بالعموم یا کم از کم ابتداء میں، ان علامتی نقطوں کے لیے سرخ رنگ ہی استعمال کیا گیا۔

③ ...... زبر کے لیے متعلقہ حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کے لیے حرف کے سامنے یعنی آگے بائیں طرف ایک نقطہ اور تنوین کے تینوں اعرابی علامات کے لیے دو دو نقطے مقرر کئے گئے۔

❁ ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے ابتداء میں صرف حرکاتِ ثلاثہ اور تنوین کو ہی نقطوں سے ظاہر کیا۔ [المقنع: ص ۱۲۵] باقی علامات بعد کی ایجاد ہیں کتابت مصاحف میں اِصلاح یا تکمیل رسم عثمانی کے لیے علاماتِ ضبط مقرر کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی اور یہ علامات بھی تمام الفاظ کی بنائی حرکات کے لیے نہیں، بلکہ زیادہ تر صرف اِعرابی حرکات کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی گئی تھیں اور اس لیے ہی اسے نقطۃ الاعراب کہتے تھے۔

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کا یہ طریقہ بہت جلد کوفہ بصرہ پھر مدینہ مکہ، دمشق اور بلاد اسلامیہ کے دیگر شہروں کے مصاحف میں استعمال ہونے لگا۔ اگرچہ نقطوں کے لیے مختلف شکل اور مختلف جگہ بھی استعمال ہونے لگی، مثلاً کوئی نقطے کو گول رکھتا اور اسے 'النقط المدور' بھی کہتے تھے۔ بعض نقطے کو مربع شکل میں لکھتے اور بعض اسے اندر سے خالی گول دائرہ (O) ہی بنا دیتے۔ [الکردی: ص ۸۷، الجبوری ص ۱۵۳] مکہ مکرمہ میں پیش کا نقطہ حرف

کے بائیں طرف سامنے کی بجائے اوپر اور زبر کا نقطہ حرف کے اوپر کی بجائے اس سے پہلے دائیں طرف لگانے کا رواج ہو گیا۔[المنجد،ص ۱۲۷]

کتابت مصاحف میں علاماتِ ضبط کا یہ نقطہ آغاز تھا، جس کی بنا پر عموماً یہ پتہ چل جاتا تھا کہ کس مصحف کی کتابت کس شہر یا کس علاقے میں ہوئی ہے۔

ہم شکل حروف پر نقاط لگانا:

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی اس 'اصلاح' کے باوجود ابھی تک ایک ہی شکل کے حروف کو باہم ممتاز کرنے کے لیے کوئی تحریری علامت نہیں تھی اور ان کی درست قراء ت کا انحصار تلقّی و سماع پر ہی تھا۔ [صفدی:ص ۱۳] خلیفہ عبدالملک اُموی رحمہ اللہ کے زمانے میں جب عربی کو دفتری زبان بنا دیا گیا تو نہ صرف قرآن کریم، بلکہ عام عربی تحریر کو بھی اس التباس سے بچانا ضروری معلوم ہوا۔ خلیفہ کی اس خواہش کو عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے یوں پورا کیا کہ اس کے حکم پر بصرہ کے علماء میں سے ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ ہی کے دو شاگردوں نصر بن عاصم رحمہ اللہ (م ۸۹ھ) اور یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ (م ۹۰ھ) نے عربی زبان کے اب تک رائج اٹھارہ حرفوں کو ان کی آوازوں کے مطابق اٹھائیس حرفوں میں بدلا اور ملتے جلتے حروف پر نقطے لگا کر ان کو باہم جدا کر دیا۔ خیال رہے کہ ان اٹھائیس حروف کی ان کی آوازوں کے لحاظ سے نام پہلے سے الگ الگ موجود تھے۔ صرف ان کی کتابت کی شکلیں اٹھارہ تھیں، مثلاً 'ح' کو ہی ج ح خ کہتے تھے۔ حرفوں پر اس قسم کے نقطے لگانے کے عمل کو 'اعجام' کہتے ہیں۔ حرکات اور اُصوات کے لیے ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے رائج کردہ نقطوں کے برعکس، اعجام کے نقطے اسی سیاہی سے لگانے تجویز ہوئے، جس سے اصل متن لکھا گیا ہو۔ [قصہ ص ۵۲، الزنجانی ص ۹۰] کتابت مصاحف میں ایک جیسے حروف کی انفرادی پہچان اور انہیں ممتاز کرنے کے لیے یہ دوسری اِصلاحی کوشش تھی۔

ان دونوں قسم کے نقطوں میں فرق کرنے کے لیے الگ الگ اِصطلاحات تھیں۔

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ والے کو نقط الحرکات، نقط الاعراب یا نقط الشکل کہتے تھے، جبکہ دوسری قسم کے نقاط جو نصر رحمہ اللہ اور یحییٰ رحمہ اللہ نے حرفوں کو ممتاز کرنے کے لیے لگائے انہیں نقط الاعجام کہتے تھے۔

حروف کی ترتیب بیانی:

ابوالاسود رحمہ اللہ کے نقطوں کی طرح یحییٰ رحمہ اللہ اور نصر رحمہ اللہ کے نقاطِ حروف بھی حجاز کے راستے مغرب میں بھی قدرے اختلاف یا تنوع کے ساتھ اختیار کر لیے گئے، مثلاً مغرب میں 'ف' کے سرے کے نیچے ایک نقطہ اور 'ق' کے اوپر ایک نقطہ مثل 'ف' اختیار کیا گیا۔ وہاں کسی لفظ کے آخر پر واقع ہونے کی صورت میں ف ق ن اور ی کو کسی قسم کے علامتی نقطوں کے بغیر لکھا جانے لگا۔ اسی طرح اہل مغرب (خیال رہے اسلامی تاریخ میں مغرب سے مراد مصر کے علاوہ تمام افریقی ممالک اور اندلس ہوتے ہیں، آج کل صرف مراکش کو بھی مغرب کہہ لیتے ہیں) کے ہاں عربی کے حروف تہجی کی ترتیب بھی مختلف رائج ہوگئی۔ اہل مشرق (مصر اور تمام ایشیائی ممالک) میں تو یہ ترتیب یوں ہے: ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ی۔ اس کے برعکس مغرب میں 'ز' 'ر' کے بعد سے یہ ترتیب اختیار کی گئی: ط ظ ک ل م ن ص ض ع غ ب ق س ش ہ و ی [المحکم ص ۳۶، المصور ص ۳۳۵ و ۳۳۸]

نقاط الاعراب اور نقاط الاعجام کا ارتقائی دور:

عباسی دور کے ابتدائی کئی برسوں بلکہ تقریباً ایک صدی تک کتابت مصاحف کا یہی طریقہ رائج رہا، یعنی حرکات بذریعہ رنگدار نقاط اور حرفوں کے نقطے مقابلۃً ان سے ذرا چھوٹے مگر کتابت متن والی سیاہی سے لکھنا، تاہم یہ دو دو قسم کے نقطے لکھنے اور پڑھنے والے، ہر دو، کے لیے مشکل اور التباس کا سبب بنتے تھے، اس لیے آہستہ آہستہ اعجام کی نقطے محض قلم کے قط کے برابر ہلکی ترچھی لکیروں کی صورت میں ظاہر کئے جانے لگے۔

[غانم ص ۶۲-۵۶۱]البتہ جب عربی خط میں تحسین و جمال کے پہلو ظاہر ہوئے اور مختلف حسین وجمیل اَقسام خط ایجاد ہوئے تو'نقط اعجام' کے لیے بھی، تحریر کے حسن و جمال اور حروف کے ہندسی تناسب کوملحوظ رکھتے ہوئے، مناسب قط اور نقاط کی وضع اور شکل کے لیے بھی خوشخطی کے قواعد مقرر کر لیے گئے۔

ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی اصطلاحات میں مزید ارتقائی کام:

دریں اثناء، ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ اور یحییٰ رحمہ اللہ و نصر رحمہ اللہ کے تلامذہ اور متبعین نے اس طریقے (نقط الاعراب) کو وسعت دیتے ہوئے کچھ مزید علامات وضع کیں، مثلاً 'سکون' کے لیے چھوٹی سی افقی (سرخ) لکیر باریک قلم سے حرف کے اوپر یا نیچے مگر اس سے الگ لگانے لگے۔[المحکم (مقدمہ محقق) ص۳۹]اسی طرح 'تشدید' کے لیے حرف کے اوپر قوس کی اُفقی شکل کا نشان اختیار کیا گیا، جس کے دونوں سرے اوپر اٹھے ہوتے تھے۔ حرف منون پر فتحہ (زبر) کی صورت میں سرخ نقطہ اس قوس کے اندر کسرہ (زیر) کے لیے نیچے اور ضمہ (پیش) کے لیے یہ نقطہ قوس کے دائیں سرے کے اوپر لگاتے۔ پھر کچھ عرصہ بعد علامات تشدید والی قوس پر حرف منون کی حرکت کے لیے نقطہ لگانا ترک کردیا گیا اور اس کی بجائے مشدد مفتوح حرف کی صورت میں 'قوس تشدید'حرف کے اوپر اور مکسور مشدد کے لیے حرف کے نیچے الٹی قوس اور مشدد مضموم کے اوپر اُلٹی شکل کی قوس بنانے لگے۔ [الجبوری ص ۱۵۳، الکردی ص ۸۷-۸۶، الزنجانی ص ۸۸ اورعبود ص ۴۰، المقنع ص ۱۳۰] اس کے بعد علامت تشدید کے طور پر صرف دال مقلوبہ ( ) بھی استعمال ہونے لگی۔ [دیکھئے حوالہ نمبر ۳۷ مذکورہ بالا۔ نیز دیکھئے یہی کتاب المحکم ص ۵۰ ومابعد اور الطراز ورق ۲۸ الف وب جہاں اس کو تشدید اہل مدینہ کہا گیا ہے۔]

امام خلیل رحمہ اللہ کی علامت ضبط:

نقاط کی مشابہت سے پیدا ہونے والے التباس کے اِمکان کو کم کرنے کے لیے اور کتابت میں بیک وقت متعدد سیاہیوں کے استعمال کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے ایک اور اصلاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ [قصہ ص ۵۲، صفدی ص ۱۳، فضائلی ص ۱۳۸، الکردی ص ۹۱، غانم ص ۵۰۵ بعد] مشہور نحوی اور واضع علم العروض امام الخلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ [م ۱۷۰ھ] نے وقت کی اس ضرورت کو نئی علامات ضبط ایجاد کر کے پورا کیا اور یہی وہ علامات ضبط ہیں جو کم وپیش آج بھی ہر جگہ نہ صرف کتابت مصاحف میں بلکہ کسی بھی عربی عبارت کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

امام الخلیل رحمہ اللہ نے نقط اعجام کو متن کی سیاہی سے لکھنا، اسی طرح برقرار رکھا بلکہ اس نے حرفوں کے نقطوں کی تعداد اور ان کی جگہ کے تعین کے اَسباب وعلل بھی بیان کئے۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے: المحکم ۳۶-۳۵ اور غانم ص ۵۵۵] البتہ اس نے الشکل بالنقاط کی بجائے الشکل بالحرکات کا طریقہ ایجاد کیا، یعنی زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک ترچھی لکیر زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک ترچھی لکیر اور پیش کے لیے حرف کے اوپر واؤ کی شکل لگانا تجویز کیا اور تنوین کے لیے ایک کی بجائے دو دو حرکات مقرر کیں۔

ان حرکات کے علاوہ امام الخلیل رحمہ اللہ نے پانچ نئی علامات ضبط اِیجاد کیں یا ان کے لیے حرکاتِ ثلاثہ کی طرح ایک نئی صورت وضع کی۔ امام الخلیل رحمہ اللہ کی علامات دراصل حرکت کی صوتی مناسبت سے کسی باریک سے حرف یا علامت کے نام یا اس کے کسی حصے کی مخفف شکل تھیں۔ گویا ہر علامتِ ضبط اپنے مدلول پر دلالت کرتی تھی، مثلاً الخلیل رحمہ اللہ نے فتحہ کے لیے 'الف صغیرہ مبطوحہ' (چھوٹا سا ترچھا الف)، کسرہ کے لیے یاء کا مخفف سرا اور ضمہ کے لیے واؤ کی مخفف صورت اختیار کی۔ [الطراز ورق ۵/ب، الکردی ص ۹۱] اسی طرح انہوں نے سکون کے لیے حرف ساکن کے اوپر 'ہ' یا 'ح' کی علامت وضع کی، جو لفظ 'جزم' کے ج یا م کے سرے کا مخفف نشان ہے۔ یا تشدید کے لیے انہوں نے حرف

مشدد کے اوپر تین دندانے لگانا تجویز کیا، جو 'ش' کے سرے سے ماخوذ ہے۔ مدہ کے لیے حرف ممدود کے اوپر 'آ' کی علامت اختیار کی جو دراصل لفظ 'مدّ' ہی کی دوسری مخفف شکل ہے۔ اسی طرح 'ہمزہ الوصل' کے لیے الف کے اوپر 'ص' یعنی 'صلۃ' کے 'ص' کی ایک صورت اور ہمزہ القطع کے لیے 'ءَ' کی علامت وضع کی، جو حرف عین (ع) کے سرے سے ماخوذ ہے۔ کہتے ہیں کہ امام الخلیل رحمہ اللہ نے 'روم اور اشمام' کے لیے بھی علامات وضع کی تھیں۔

امام الخلیل رحمہ اللہ کی ایجاد کردہ علامات کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں کتابت کے لیے دو سیاہیاں استعمال کرنا لازمی نہ تھا بلکہ متن قرآن اور علاماتِ ضبط سب ایک ہی سیاہی سے لکھے جانے لگے۔ اس سے کتابت میں مشکلات اور قراءت میں التباس کے اِمکانات کم تر ہوگئے۔ اس لیے یہ طریقہ بہت جلد مقبول ہوگیا۔ آج کل دنیا بھر میں کتابت مصاحف کے لیے علاماتِ ضبط کا یہی طریقہ رائج ہے۔ اور ہمارے پاکستان اور برصغیر پاک وہند، افغانستان وغیرہ کے مصاحف میں عمومی طور پر امام خلیل رحمہ اللہ کا وضع کردہ ضبط ہی استعمال ہورہا ہے۔ البتہ ضرورت کے مطابق اور بعض جگہ رواجاً اس میں مزید اِصلاحات اور ترمیمات کا عمل جاری رہا۔ امام الخلیل رحمہ اللہ کی وضع کردہ علاماتِ ضبط، کتابت مصاحف میں علامات ضبط کی اِصلاح یا تکمیل کی تیسری کوشش تھی جو ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ [دیکھئے حوالہ نمبر ۴۹ مذکورہ بالا]

جب امام الخلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں علاماتِ ضبط کا یہ نیا طریقہ وضع کیا، تو اس وقت تک ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کا ایجاد کردہ طریقہ نقاط کتابت مصاحف کے لیے پوری دنیائے اسلام کے مغربی اور مشرقی حصوں میں استعمال ہورہا تھا، بلکہ اس میں مزید اِصلاحات اور نئی نئی علامات کی ایجاد سے یہ طریقہ زیادہ مکمل اور قرآن کریم کی قراءت اور تجوید کی بہت سی ضرورتوں اور نطقی وصوتی

تقاضوں کے لیے ایک اہم ضرورت بن چکا تھا۔ اس لیے شروع میں کافی عرصہ تک لوگ کتابتِ مصاحف کے لیے امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کی بجائے ابوالاسودالدؤلی رحمہ اللہ والے طریق نقط کا استعمال ہی جائز سمجھتے تھے۔ امام الخلیل رحمہ اللہ کا طریقہ کافی عرصہ تک صرف کتبِ شعر اور دیگر غیر قرآنی عربی عبارات میں استعمال ہوتا تھا، بلکہ اسی وجہ سے اور شکل المصحف کے طریقہ نقط سے ممتاز کرنے کے لیے اسے شکل الشعر (یعنی شعروں میں حرکات لگانے کا طریقہ) بھی کہتے تھے۔ دونوں قسم کے 'شکل' کی صوری خصوصیات کی بنا پر ابو الاسودالدؤلی رحمہ اللہ والے طریقے کوالشکل المدور اور مؤخر الذکر کو الشکل المستطیل بھی کہتے تھے۔

امام دانی رحمہ اللہ کی رائے:

مغرب یعنی سپین اور افریقی ممالک میں تو کتابتِ مصاحف کے لیے علاماتِ ضبط کے طور پر ابوالاسودالدؤلی رحمہ اللہ کے طریق نقط کو ایک قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ [م ۴۴۴ھ]، جو رسم عثمانی اور علامات ضبط بذریعہ 'النقط المدور' کے بہت بڑے عالم تھے اور ان فنون میں انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، وہ اپنی کتاب 'المحکم فی نقط المصاحف' میں امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کے کتابت مصاحف میں استعمال کو 'بدعت' اور امام ابوالاسودالدؤلی رحمہ اللہ والے طریقے کو 'طریق سلف' قرار دیتے ہیں اور بڑی دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ طریقہ ایک تابعی بزرگ یعنی ابو الاسودالدؤلی رحمہ اللہ نے شروع کیا تھا اور انہوں نے کتابتِ علامات کے لیے اپنے منتخب کاتب سے 'فانقط' اور 'اجعل نقطة' یعنی میری ہدایت کے مطابق نقطے لگاؤ، کے الفاظ کہے تھے۔ [المحکم ص ۴۳، نیز غانم ص ۵۰۱ بعد]

امام خلیل رحمہ اللہ کی علامت کی مقبولیت:

تعلیمی اور تدریسی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے امام الخلیل رحمہ اللہ کا طریقہ یقیناً بہتر تھا اور ایک سیاہی کے استعمال کے باعث اس میں ایک سہولت بھی تھی، اس لیے بہت جلد یہ کتابت مصاحف میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ عالم اسلام کے مشرقی حصے میں تو اس نے مکمل طور پر ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کے طریق نقط کی جگہ لے لی۔ خصوصاً خط نسخ کی ایجاد اور کتابت مصاحف میں اس کے استعمال کے بعد سے تو امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کو ہی قبول عام حاصل ہوا۔ علاماتِ ضبط بذریعہ نقاط کا طریقہ خط کوفی کے لیے تو زیادہ موزوں تھا، اس لیے کہ خط کوفی اکثر و بیشتر جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ خط نسخ میں بالعموم نسبتاً باریک قلم استعمال ہوتا تھا اور اس کے لیے نقط بذریعہ حرکات کا طریقہ ہی زیادہ موزوں تھا اور شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ آہستہ آہستہ اس کا رواج بلادِ مغرب میں بھی ہوگیا۔ مشرق اور مغرب میں ساتویں صدی ہجری تک کے لکھے ہوئے بعض ایسے مصاحف نظر آتے ہیں، جن میں علامات ضبط بعض دفعہ دونوں طریقوں سے ملی جلی بھی استعمال کی گئی ہیں اور بعض علماء ضبط سے اس کی اجازت بھی ثابت ہے۔ [غانم ص ۵۲۲]

ابھی یہ بتایا جاچکا ہے کہ نقاط کے ذریعے شکل المصاحف کا طریقہ طویل استعمال اور قریباً تین صدیوں کی اِصلاحات کی وجہ سے قراءت اور تجوید کی اکثر و بیشتر ضروریات کے لیے زیادہ موزوں اور مکمل و مکتفی 'نظام ضبط' بن چکا تھا، بلکہ اس دوران قراءتِ سبعہ کی تدوین بھی عمل میں آگئی اور نقط و شکل کا یہ طریقہ مختلف روایات، مثلاً حفص، قالون، ورش اور دوری بصری وغیرہ کی مختص نطقی اور صوتی کیفیات کی رعایت کے لیے بھی موزوں کرلیا گیا۔ ماہرین فن تو فن کی مخصوص کتابوں کے ذریعے تمام ہی قراءات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ہم نے صرف چار روایات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ زیادہ تر یہی اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں رائج ہوگئی تھیں اور ان علاقوں میں عوام کے لیے تیار کردہ مصاحف میں حسب روایت ہی ضبط کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور قراءات کی یہ نشر و اشاعت

اور رواج اب تک جاری ہے، مثلاً اس وقت حفص کی روایت تمام ایشیائی ممالک اور مصر میں، قالون کی روایت لیبیا اور تیونس میں، ورش کی روایت مراکش، نائیجیریا اور گھانا میں اور دوری بصری کی روایت یمن اور سوڈان میں رائج ہے اور ان روایات وقراءات کے مطابق مصاحف مطبوعہ دستیاب ہیں۔ اس لیے امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کے متبعین نے بھی اس قسم کی تمام ضروریات کے لیے نقط المصاحف کے اس طریقہ کے اُصول اور قواعد کو ہی اپنا رہنما بنایا، مثلاً پرانے طریقے کے مطابق 'اظہار' کے لیے تنوین رفع ونصب کی صورت میں حرف منون کے اوپر اور تنوین جر کے لیے حرف کے نیچے۔ دو متراکب (اوپر نیچے) نقطے (:) لگائے جاتے تھے اور 'اخفاء' کے لیے اسی طرح حرف کے اوپر یا نیچے دو متتابع (آگے پیچھے) نقطے (••) لگائے جاتے تھے۔ [المقنع: ص۱۲۷] نقط بالحرکات کی صورت میں اظہار کے لیے کتابت تنوین مکرر حرکات کی یہ شکل اختیار کی گئی: (ٌ ً ٍ) اسے اصطلاح میں 'ترکیب' کہتے ہیں اور اخفاء کے لیے اس سے مختلف صورت لے لی گئی: (ٌ ً ٍ) اور اسے اصطلاح میں 'اتباع' کہتے ہیں۔ [الطراز ورق ۱۲/ب۔ نیز دیکھئے: المحکم ص۷۲ جہاں اسے نقط علی الطول اور 'نقط علی العرض' کہا گیا ہے۔] اسی طرح ادغام، اقلاب، امالہ وغیرہ کے لیے نقط کے پرانے طریقے کو ضرورت کے مطابق ڈھال لیا گیا، مثلاً پہلے نون ساکنہ یا قبل با (ب) کے اقلاب بمیم کے لیے 'ن' کو علامت سکون سے اور 'ب' کو علامت تشدید سے معری رکھتے تھے یا 'ن' پر سرخ سیاہی سے چھوٹی سی میم (م) بنادیتے تھے۔ نقط بالحرکات میں اسی دوسرے طریقے کو اپنا لیا گیا۔ [المحکم ص۷۶-۷۵ اور الطراز ورق ۱۷]

علم الضبط کی تدوین:

قرون اولیٰ میں علم الضبط ایک عملی فن تھا اور علوم قراءات پڑھنے پڑھانے والے اس علم کی (اپنے علاقہ اور زمانہ کے لحاظ سے) اصطلاحات ضبط سے عموماً واقف ہوتے

تھے۔تطبیقات سے واقف ہوتے تھے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ کاتب (خوشنویس) حضرات اور نساخ (یعنی کتب نقل کرنے والے) میں سے کم ہی اہل علم ہوتے تھے۔ اس لیے اس فن کے علماء نے ابتدائی دور سے ہی کاتب اور نساخ حضرات کی رہنمائی کے لیے رسم، ضبط اور وقف ووصل وغیرہ کے اُصول وقواعد پر مستقل تالیفات تیار کرنا شروع کر دی تھیں۔ بہت سے دوسرے اسلامی علوم کی طرح علم الضبط میں بھی تالیف کی ابتداء نقط و شکل پر چھوٹے رسالوں یا کتابچوں سے ہوئی۔ آہستہ آہستہ محض علامات اور رموز کے بیان کے علاوہ فن کی مختصر تاریخ اور اس کے اُصول وقواعد کے ساتھ ان کے علل واَسباب اور بعض دیگر مباحث کا بیان بھی ساتھ شامل کیا جانے لگا۔ اس طرح اس فن کی جامع تالیفات وجود میں آئیں۔

علم ضبط پر مشہور تالیفات:

قواعد نقط وشکل (علم الضبط) پر سب سے پہلی تالیف کے طور پر امام ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ (م۶۹ھ) کی طرف منسوب ایک 'مختصر' رسالہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ [المحکم :ص ۴] لیکن غالباً یہ رسالہ قواعد نقط کی بجائے قواعد نحو کے بارے میں تھا، جوکل چار اَوراق پر مشتمل تھا۔ [الفہرست :ص ۶۱] ابن الندیم رحمہ اللہ نے 'الکتب المؤلفة فی النقط والشکل للقرآن' کے تحت صرف چھ اشخاص کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، یعنی امام الخلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ [م ۱۷۰ھ]، امام محمد بن عیسیٰ الاصفہانی [م ۲۵۳ھ]، امام یحییٰ یزیدی رحمہ اللہ ۲۰۲علیہ السلامھ]، امام ابن الانباری رحمہ اللہ [م ۳۲۷ھ]، امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ [۲۵۴ھ] اور امام دینوری رحمہ اللہ [م ۲۸۲ھ] [الفہرست ص ۵۳، ابن الندیم رحمہ اللہ نے یزیدی رحمہ اللہ کی وضاحت نہیں کی۔ ڈاکٹر عزۃ حسن نے اپنے مقدمہ میں یحییٰ بن مبارک یزیدی رحمہ اللہ [م ۲۰۲ھ] اور ان کے تین بیٹوں یزیدیون کا ذکر کیا ہے، مگر زرکلی نے صرف ابراہیم بن یحییٰ رحمہ اللہ [م ۲۲۵ھ] مولف 'کتاب النقط

والشکل' کا نام ہی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے: الاعلام: ۱/ ۲۴۸ و ۹/ ۴۷] امام دانی رحمہ اللہ کی "المحکم فی نقط المصاحف" کے محقق ڈاکٹر عزۃ حسن نے ان چھ کے علاوہ دس مزید علماء ضبط کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بلحاظ ترتیب زمانی آخری نام امام علی بن عیسیٰ الرمانی رحمہ اللہ [۳۸۱ھ] کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے کسی کی تالیف ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ [المحکم (مقدمہ محقق) ص ۳۳-۳۲] البتہ بعد میں آنے والی کتابوں میں ان تالیفات کے اقتباسات ملتے ہیں۔ المحکم میں امام دانی رحمہ اللہ [م ۴۴۴ھ] نے بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے اس فن میں شائد کوئی تالیف تو نہیں چھوڑی مگر وہ اپنے زمانے کے یا اپنے علاقے کے مشاہیر علماء ضبطمیں سے تھے۔ [نفس المصدر (المحکم): ص ۹]

دستیاب کتب:

اس فن کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے اہم اور جامع تصنیف امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ کی المحکم فی نقط المصاحف، جو دمشق سے ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر عزۃ حسن کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ اسی موضوع پر امام دانی رحمہ اللہ کی ایک مختصر 'کتاب النقط والشکل' بھی ہے، جو 'المحکم' سے پہلے کی تصنیف ہے اور جو ان کی علم الرسم پر مشہور کتاب 'المقنع' کے ساتھ دمشق سے ہی ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس موضوع پر امام دانی رحمہ اللہ کی ایک تیسری تالیف 'التنبیہ علی النقط والشکل' بھی ہے۔ [حوالہ نمبر ۶۲ ص ۲۵]

امام دانی رحمہ اللہ کے بعد اس موضوع پر اہم تالیف امام الخراز رحمہ اللہ [م ۷۱۸ھ] کا ۱۴۵/ ابیات پر مشتمل ایک ارجوزہ ہے، جس کا عنوان 'ضبط الخراز' ہے اور یہ امام خراز رحمہ اللہ کی علم الرسم پر مشہور کتاب 'مورد الظمآن' کا تتمہ ہے۔ امام خراز رحمہ اللہ کے اس ارجوزے کی شرحوں میں سے مشہور شرح امام التنیسی رحمہ اللہ [م ۸۹۹ھ] کی "الطراز فی شرح ضبط الخراز" ہے۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر امام الخلیل رحمہ اللہ ہی کے طریقے کا

اتباع کیا گیا ہے۔[الطراز ص:۲، خاتم،ص:۴۸۲]

علم الضبط کی کتب کا اسلوب بیان:

علم الضبط کے اُصول وقواعد پر مشتمل جن کتابوں یا بعض فصول کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو امام ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کے نظام نقط و شکل سے بحث کرتی ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے پر مبنی ہیں، لیکن بہرحال ان سب میں بیان کردہ قواعد کا اطلاق قلمی مصاحف پر ہوتا تھا، کیونکہ ان میں رسم اور ضبط کی بہت سی علامات اور رموز متن کی سیاہی کی بجائے مختلف رنگوں میں لکھی جاتی تھیں۔[ملاحظہ ہو الطراز ورق ۱۲۶/ب بعد] دور طباعت میں رنگوں کا یہ تنوع برقرار رکھنا دشوار تھا۔اس لیے طباعت کے تقاضوں کے مطابق بعض علامات رسم وضبط کو تبدیل کرنا پڑا۔ ان جدید قواعد کے لیے ضبط مصاحف پر کچھ نئی تالیفات بھی وجود میں آئیں۔ ان میں سے علامہ علی الضباع رحمہ اللہ کی 'سمیر الطالبین' الشیخ احمد أبو ذیتحار رحمہ اللہ کی 'السمہل الی ضبط کلمات التنزیل' اور ڈاکٹر محمد محمد سالم محیسن رحمہ اللہ کی 'إرشاد الطالبین إلی ضبط الکتاب المبین' قابل ذکر ہیں۔

علامات ضبط کا اجمالی بیان:

اس فن کی کتابوں کے مطالعہ سے اور مختلف ملکوں اور زمانوں کے قلمی اور مطبوعہ مصاحف کا بغور جائزہ لینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتابت مصاحف میں حروف کی نطقی کیفیت کو متعین کرنے کے لیے بنیادی مواقع ضبط پانچ ہیں،① حرکت،② سکون، ③ شد، ④ مد اور ⑤ تنوین، مگر علم تجوید وقراءات کے تقاضوں کے پیش نظر ان بنیادی پانچ مواقع میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ مزید نطقی کیفیات کو ضبط کرنے کی ضرورت درپیش آتی ہے۔

[۱]......حرکت سے حرکات ثلاثہ قصیرہ اور ان کی بعض خاص نطقی کیفیات، مثلاً اشمام، روم،

اختلاس، امالہ یا بعض خاص حروف کی ترقیق یا تفخیم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

٢...... سکون کی صورت میں بعض خاص صوتی اثرات ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً نون یا میم ساکنہ کا اخفاء و اظہار، یا حروف 'قُطْبُ جَدٍ' میں قلقلہ کی کیفیت وغیرہ۔

٣...... اسی طرح تشدید ہم مخرج یا قریب المخرج حروف میں سکون اور حرکت کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی یہ متحرک حرف کے بعد آتی ہے اور کبھی ساکن حرف کے بعد۔

٤...... تنوین کی اپنی مخصوص علامات ہیں۔ مزید برآں تنوین کا ملفوظی نون ساکنہ ہو یا عام مکتوبی نون ساکنہ، ان کے بعض دوسرے حروف کے ساتھ امتزاج اور اجتماع سے چند مخصوص صوتی اور نطقی مسائل پیدا ہوتے ہیں، مثلاً اخفاء، اظہار، اقلاب، ادغام، نون تنوین کا مابعد کے حرف ساکن سے اتصال کا طریقہ وغیرہ۔

٥...... حرکات طویلہ یعنی مد کی مختلف صورتوں میں حروف مدہ کے طریق ضبط کے علاوہ ہائے کنایہ اور لام جلالت کا طریق اشباع بھی شامل ہے۔

رسم عثمانی کی وجہ سے بعض علامات ضبط کا ظہور:

ان کے علاوہ رسم عثمانی کی بعض خصوصیات بھی مخصوص قسم کی علامات کی متقاضی ہوتی ہیں، مثلاً اصل مصاحف عثمانی میں ہمزہ متوسطہ متطرفہ کا نہ لکھا جانا یا ایسے حروف لکھے جانا جو پڑھے نہیں جاتے، (زیادۃ فی الھجاء) یا ایسے حروف نہ لکھے جانا جو پڑھنے میں آتے ہیں (یعنی نقص فی الھجاء) وغیرہ۔ اس قسم کے امور بھی مخصوص رموز ضبط کی ایجاد کے متقاضی ہوئے۔ کتابت ہمزہ عربی زبان کی عام املاء میں بھی باعث صعوبت بنتی ہے۔ [دیکھئے عبود: ص۱۰ ببعد] لیکن مصاحف میں اس کے اپنے مخصوص رسم بلکہ 'عدم رسم' سے پیدا ہونے والے مختلف قراءت کے اپنے اپنے اَحکام ہمزہ مثلاً تحقیق، تسہیل یا بین بین وغیرہ نے اسے مزید پیچیدہ فن بنا دیا ہے۔ المحکم اور الطراز میں سب سے طویل بیان ہمزہ اور اس کے قواعد کا ہے۔ [نیز دیکھئے عبود: ص۴۰-۳۹] اور یہ تو ہمزۃ القطع کا قصہ

ہے۔ ہمزۃ الوصل یا الف الوصل کو ہمزۃ القطع سے ممتاز کرنے کے لیے مخصوص علامت (صلہ) کی ایجاد اور ہمزۃ الوصل میں وصل و ابتداء کی علامت کا تعین بھی اس فن (ضبط) کا ایک خاص موضوع ہے۔ اسی طرح کتابت ہمزہ ہی کے ضمن میں یہ دلچسپ بحث کہ 'لا' میں کون سا سرا الف اور کون سا لام ہے۔ اس بحث نے بھی اہل مشرق اور اہل مغرب کے طریق ضبط میں ایک زبردست تنوع پیدا کر دیا ہے اور علم الضبط میں کسی حرف کو ہر قسم کی علامات ضبط سے خالی رکھنے کے بھی مختلف قواعد ہیں، وغیرہ ذالک۔

اس طرح اگر تفصیل میں جائیں تو یہی پانچ بنیادی علاماتِ ضبط پھیل کر چالیس سے زائد علامات کی شکل اختیار کر جاتی ہیں۔

علامات ضبط کا تفصیلی بیان:

①: حرکات قصیرہ یعنی فتحہ، کسرہ اور ضمہ: شروع میں ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے طریقہ پر رنگدار اور نقطوں سے ظاہر کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد امام الخلیل رحمہ اللہ کی ایجاد کردہ حرکات استعمال ہونے لگیں اور یہی اب تک رائج ہیں۔

②: سکون: ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے خود تو حرف ساکن کے لیے کوئی علامت وضع نہیں کی تھی، البتہ نقطِ مصاحف میں ان کے متبعین نے علامت سکون کے طور پر حرف ساکن کے اوپر ہلکی سی سرخ اُفقی لکیر (جرّۃ حمراء) تجویز کی تھی۔ اہل مدینہ اس کے لیے سرخ گول دائرہ استعمال کرتے تھے۔ [المقنع ص ۱۲۹، المحکم (مقدمہ ۹ ص ۳۸] امام الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لئے 'ۃ' اور 'ہ' تجویز کیا، جس میں جزم کے 'ج' یا 'م' کی طرف اشارہ ہے۔ [الطراز ورق ۲۴، غانم ص ۸۸] اور یہی دو علامتیں آج کل استعمال ہوتی ہیں۔ افریقی ممالک میں زیادہ تر 'ہ' کا اور مشرقی ملکوں میں 'ۃ' کا رواج ہے۔ بعض 'ھ' کو خاص نون ساکنہ مظہرہ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور 'ہ' کو عام علامت سکون کے طور پر یا نون مخفاۃ اور میم مخفاۃ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ [مصحف الحلبی: ص ۵۲۴]

علامت سکون کی مختلف اشکال:

مشرقی ممالک میں سے چین میں عام علامت سکون 'ہ' ہی استعمال ہوتی ہے، اگرچہ وہاں اس کے لیے کبھی کبھار دوسری علامت ' ' بھی استعمال کر لیتے ہیں اور بظاہر دونوں علامات بغیر کسی 'رمز تمیز' ہونے کے مستعمل ہیں۔ یہی صورت بعض ایرانی مطبوعہ مصاحف کے اندر دیکھنے میں آئی ہے۔

تجویدی قرآن میں متعارف کرائی گئی اصطلاح:

بعض اہل علم نقاط نے مختلف مقاصد کے لیے مختلف علامات ہائے سکون وضع کی ہیں، مثلاً نون یا میم ساکنہ مظہرہ کے لیے: 'ذ' اور نون یا میم مخفاۃ کے لیے: نون ساکنہ کے ادغام ناقص کے لیے: ' ' اور قلقلہ کے لیے۔ [تجویدی قرآن (مقدمہ) ص۱۵ و ص۱۹]

ادغام تام اور ادغام ناقص کے لیے مختلف علامات:

عرب اور افریقی ممالک میں اِدغام تام کی صورت میں نون ساکنہ کو علامتِ سکون سے خالی رکھا جاتا ہے اور حرف مدغم فیہ پر علامت تشدید ڈالتے ہیں اور اِدغام ناقص یا اِخفاء کی صورت میں نون کو عموماً علامت سکون سے اور اگلے حرف کو تشدید سے خالی رکھا جاتا ہے یعنی اخفاء اور ادغام ناقص کے مابین کوئی علامت تمیز مقرر نہیں ہے۔ [الطراز ورق ۱۹/ب و ۲۰/الف] یہ طریقہ نہ صرف علامہ التنیسی رحمہ اللہ کی تصریح کے خلاف ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ اس میں 'ادغام مع الغنہ' کی کوئی رعایت نہیں کی گئی، یعنی حرف مدغم فیہ کے 'و' یا 'ی' ہونے کی صورت میں یا کوئی دوسرا حرف ہونے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا، مثلاً ان مصاحف (مصری، سعودی اور سوڈانی) میں 'من تحتها، من ثمرة' کی طرح 'مَن يَقُوْلُ' اور 'مِن وَالٍ' لکھا گیا ہے، حالانکہ آخری دو مثالوں میں ی اور و کا اِدغام مع الغنہ ہے۔ ان مصاحف میں قاری کے لیے اس غنہ کی پہچان کی کوئی علامت نہیں ہے۔

البتہ لیبیا اورتونس کے مصاحف بروایۃ قالون میں 'وْ اور' یْ کی صورت اِدغام میں نون ساکنہ پر علامت سکون اور 'وْ یا 'یْ' پر تشدید بھی ڈالی گئی ہے یعنی 'مَنْ يَّقُوْلُ' اور 'مِنْ وَّالٍ' لکھا گیا ہے۔ یہی طریقہ صاحب الطراز نے امام الدانی رحمہ اللہ اور امام ابوداوٗد نجاح رحمہ اللہ کا 'اختیار' قرار دیا ہے اور ٹھیک یہی طریقہ تمام پاکستانی مصاحف میں استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان کے 'تجویدی مصحف' میں ادغام مع الغنہ سے قاری کو بروقت متنبہ کرنے کے لیے نون پر مخصوص علامت سکون ( ) ڈالی گئی ہے اور یہ اس مصحف کی مزید خوبی ہے۔[دیکھئے اوپر حاشیہ ۸۹]

اقلاب کی علامت ضبط:

ساکن نون کے قبل از 'ب' ہونے کی وجہ سے اس کے اقلاب بمیم کی صورت میں 'ن' پر علامت سکون کی بجائے چھوٹی سی میم (م) لکھی جاتی ہے، مثلاً مصری سعودی اور افریقی مصاحف میں [دیکھئے ان کے ضمیمہ ہائے تعریفی] اور بعض اس 'مْ' کے اوپر علامت سکون ڈالتے ہیں، مثلاً پاکستانی تجویدی قرآن مجید میں [دیکھئے اس کا مقدمہ ص۲۰] یعنی پہلی صورت میں 'من بعدہ' لکھیں گے اور دوسری صورت میں یہ لفظ یوں لکھا جائے گا: ''من بعدہ''

③: تشدید (شد): یہ دراصل ہم مخرج یا ہم جنس حروف کے سکون اور حرکت کا اِمتزاج ہے، جو کبھی ایک کلمہ میں واقع ہوتا ہے اور کبھی دو کلمات میں۔ ابوالاسود رحمہ اللہ نے خود تو نہیں مگر ان کے متبعین نے اس کے لیے ' ' کی شکل تجویز کی تھی جو دال مقلوبہ سے ماخوذ تھی۔[المحکم ص۴۹ببعد، نیز الطراز ورق ۲۶] پہلے اس کے لیے قوس کی شکل بھی اختیار کی گئی تھی۔ امام الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے موجودہ علامت (ّ) ایجاد کی، جو تشدید یا شد کے 'ش' سے ماخوذ ہے۔ اشکال کے معمولی فرق، مثلاً یا کے ساتھ یہ نظام اب تک دنیائے اسلام کے مشرق و مغرب میں ہر جگہ مستعمل ہے، البتہ حرف مشدد مکسور کی حرکت کے موقع

میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔[غانم ص ۵۹۰ بعد ۱۰۱، المقنع ص ۱۲۷، المحکم ص ۶۸]

④ تنوین: یہ دراصل حرف متحرک اور نون ساکنہ کا امتزاج ہے، جو کسی کلمہ کے آخر پر واقع ہوتا ہے۔ اس میں نون ملفوظی شکل میں موجود مگر مکتوبی شکل میں غائب ہوتا ہے۔الدانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ابوالاسود رحمہ اللہ نے اس کے لیے دو نقطے تجویز کئے تھے، جو تنوین رفع کے لیے حرف کے سامنے (پیچھے)، تنوین نصب کے لیے حرف کے اوپر اور تنوین جر کے لیے حرف کے نیچے لگائے جاتے تھے۔ کسی حرف حلقی سے ماقبل یہ نقطے متراکب (:) اور حروف اخفاء سے پہلے متتابع (..) ہوتے تھے۔

امام الخلیل رحمہ اللہ کے ایجاد کردہ طریقے میں اسے دو دو حرکات سے ظاہر کیا جانے لگا اور اب تک کیا جاتا ہے۔

دیگر ممالک کا تنوین کا ضبط:

تنوین کے نون کے اِقلاب بمیم کو ظاہر کرنے کے لیے برصغیر اور چین کے مصاحف میں پوری تنوین لکھنے کے بعد اگلی 'ب' پر چھوٹی سی 'م' لکھنے کا رواج رہا ہے، مثلاً أمداً بعیداً۔ ترکی اور ایران کے بیشتر مصاحف میں یہ چھوٹی 'م' لکھنے کا مطلقاً رواج نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ اس 'ن' کی آواز کو کس طرح 'م' میں بدلتے ہیں۔ بظاہر یہ نہایت ناقص ضبط ہے اور قاری کو صحیح تلفظ میں کوئی مدد نہیں دیتا۔ عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں بصورتِ تنوین اس اقلاب کو ظاہر کرنے کے لیے تنوین کی صرف ایک حرکت لکھ کر ساتھ چھوٹی سی 'م' لکھ دی جاتی ہے۔ تجویدی قرآن میں یہ چھوٹی 'م' پوری تنوین اخفاء کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ یہ طریقہ مصری مصحف سے ہی ماخوذ ہے، مگر ذرا ترمیم کے ساتھ جو کاتب مصحف کے لیے مشکل پیدا کرنے والی ہے، مگر قاری کے لیے نہایت مفید ہے۔

تنوین کے نون ملفوظی اور مابعد کے مشدد یا ساکن حرف کے اتصال کی علامت کے طور پر مشرقی ممالک، خصوصاً ترکی، ایران، برصغیر اور چین میں حرف منون کے بعد یا

تنوین کے نیچے ایک چھوٹا سا 'ن' لکھتے ہیں جو اکثر مکسور ہی ہوتا ہی۔ ہمارے ہاں برصغیر میں اس نون کو 'نون قطنی' بھی کہتے ہیں۔ تجویدی قرآن میں یہ نون تنوین کی دوسری حرکت کے بدل کے طور پر ایک سرے پر لکھا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اس مقصد کے لیے کوئی علامت استعمال نہیں کی جاتی، حالانکہ اُصول تجوید میں اس نون اتصال یا نون قطنی کے طریق اداء سے بحث کی جاتی ہے۔ [حق التلاوۃ ص۶۹، الکلاک ص۷۰] شاید اہل زبان خود بخود ایسے موقع پر نون اتصال کا تلفظ پیدا کر لیتے ہوں، مگر اہل مشرق کے لیے اس علامت کے بغیر اسے صحیح پڑھنا ناممکن ہے۔

⑤: حرکات طویلہ: یعنی الف ما قبل مفتوح یا 'وٗ ما قبل مضموم یا 'ی' ما قبل مکسور، جسے دوسرے لفظوں میں مد طبیعی یا مد اصلی بھی کہتے ہیں۔ رسم عثمانی میں ان حرکات کے متعدد اور متنوع مظاہر پائے جاتے ہیں اور ان کے خلاف قیاس اور متباین کتابت نے علم الضبط کے لیے بھی کئی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ مد کی صورت میں یہ حروف مدہ یعنی ا، و، ی ہمیشہ ساکن ہی ہوتے ہیں اور اس وقت یہ حرف صامت کا نہیں، بلکہ حرف صائت کا کام دیتے ہیں۔ ان حروف کے بعد ہمزہ یا حرف ساکن کے آنے سے مد کی زیادہ کھینچے جانے والی صورتیں یعنی مد فرعی اور اس کی اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ اس صورت میں مقدار مد کی بنا پر حرف مد کے اوپر علامت مد (ٓ) لکھی جاتی ہے۔ یہ علامت بھی امام الخلیل رحمہ اللہ کی ایجاد ہے۔ افریقی ملکوں میں اور بعض دفعہ خط بہار کے مصاحف میں یہ علامت اس صورت میں لکھی جاتی ہے:

مد کی دو علامات:

کتب تجوید میں مد کے طول اور قصر کی بنا پر اس کی کئی اقسام مذکور ہوتی ہیں، عموماً تمام ملکوں میں ہر قسم کی مد کے لیے علامت ایک ہی استعمال ہوتی ہے۔ صرف برصغیر میں ہی مد متصل (ٓ) اور مد منفصل (ٓ) کی دو علامتیں مستعمل ہیں۔ بعض ایرانی نسخوں

میں بھی مد کی یہ دو علامتیں یعنی چھوٹی مد(ٓ)اور بڑی مد(ٓ) دیکھی گئی ہیں۔

حرف لین کی علامت:

الف تو ہمیشہ ماقبل مفتوح ہوتا ہے اور ممدود ہوتا ہے مگر 'و' اور 'ی' اگر ماقبل مفتوح ہوں تو اسے 'لین' کہتے ہیں اور اس میں صرف خاص شرائط کے ساتھ مد پیدا ہوتی ہے، جسے کتب تجوید میں مدُّ اللین کہتے ہیں، لیکن اس کے لیے کوئی علامت ضبط مقرر نہیں ہے۔ 'و' اور 'ی' لینہ ہوں تو ان پر علامت سکون ڈالنے کا رواج ہر جگہ ہے۔ مگر 'و' یا 'ی' مدہ پر علامت سکون ڈالنے کا رواج نہ افریقی ملکوں میں ہے، نہ بلاد عرب میں، بلکہ ترکی، ایران اور چین تک یہی طریقہ رائج ہے، البتہ صرف برصغیر میں واو مدہ اور یائے مدہ پر بھی علامت سکون ڈالتے ہیں، مثلاً یُورِثُ اور مِیزَانٌ کو یُوْرِثُ اور مِیْزَانٌ لکھیں گے۔

توضیح:

نحوی نقطہ نظر سے ، اور الف ماقبل مفتوح پر قیاس کرتے ہوئے شاید برصغیر کا یہ تعامل درست نہ سمجھا جائے، لیکن غالباً صوتیاتی اصولوں کے مطابق یہ زیادہ بہتر ہے، مثلاً اوّل تو عرب ممالک کے رائج طریقہ میں أولئك، أولُوا العزم اور أُولی الامر وغیرہ الفاظ میں پڑھنے والے کو التباس پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں یا علاقوں میں حرف مد (و یا ی) پر علامت سکون ڈالنے کا رواج نہیں ہے، وہاں قاری کو غلطی سے بچانے کے لیے مذکورہ قسم کے کلمات میں حرف مد پر حرف زائد کی علامت لکھتے ہیں، مثلاً أولئك، مثلاً مصری اور سعودی مصحف جہاں زائد کی علامت ' ' کی بجائے ' ' ڈالی گئی ہے۔ بعض جگہ حرف کے نیچے باریک قلم سے لفظ ''قصر'' (أولئك) لکھ دیتے ہیں اور بعض جگہ حرف کے نیچے لفظ 'بلا اشباع' لکھتے ہیں، جبکہ ایران، مصر اور ترکی سے مطبوعہ ایسے مصاحف بھی ملتے ہیں، جن میں اس التباس کے دور کرنے کے لیے کوئی علامت وغیرہ نہیں دی گئی۔

ایک اچھی روایت:

دوسرے یہ کہ جب حرف مد کے بعد حرف ساکن آ رہا ہو جس میں حرف ممدود کو آگے ملایا جاتا ہے تو اس صورت میں برصغیر میں حرف مد پر علامت سکون نہیں ڈالتے، جس سے قاری کو پتہ چل جاتا ہے کہ مد بلکہ حرف مد کا تلفظ ہی ختم ہو گیا، لیکن عرب ممالک کے ضبط کے مطابق قاری پہلے تو بادی النظر میں ایسے حرف مد کو بصورت مد پڑھے گا، پھر اسے پتہ چلے گا کہ اسے تو آگے ملانا ہے، مثلاً لفظ 'أُوْتُوا' برصغیر سے باہر 'أُوتُوْا' لکھا جاتا ہے، اس کے بعد مثلاً 'الْعِلْمَ' لکھا جائے تو یہ ہمارے ہاں 'أُوْتُوا' لکھا جائے گا، مگر دوسرے ملکوں میں یہ 'أُوتُوْا الْعِلْمَ' لکھا جاتا ہے۔ یہاں 'تُوا' کو 'ل' میں ملانے کا پتہ قاری کو 'تُوْ' یعنی 'تُوْ' پڑھ چکنے کے بعد چلتا ہے، مگر برصغیر کا قاری 'ت' اور 'ل' کے درمیانی حروف کو علامت سے خالی دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ ان کا تلفظ ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب هُوَ اور هِيَ میں 'وْ' یا 'یْ' پر علامت حرکت لگ سکتی ہے، تو هُو یا هِي میں علامت سکون کیوں نہ لگے؟

محذوف حروف مدہ:

مد کے ہی مسائل میں محذوف مگر ملفوظ حرف مد کے ضبط کا مسئلہ آتا ہے۔ عموماً تو یہ محذوف 'الف' ہوتا ہے، مثلاً 'رَحْمٰنْ' میں 'م' اور 'ن' کے درمیان الف محذوف ہے اور قرآن کریم میں اس کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ کبھی کبھار یہ محذوف 'وْ' یا 'یْ' بھی ہوتی ہے، مثلاً 'دَاوٗدَ' میں ایک 'وْ' اور 'أُمِّيّنَ' میں ایک 'یْ' محذوف ہے۔ قلمی دور میں یہ محذوف (ا، و، ی) سرخی سے باریک قلم کے ساتھ لکھ دی جاتی تھی اور اسے ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھ لیا جاتا تھا۔ دور طباعت میں عرب اور افریقی ممالک میں یہ محذوف (ا، و، ی) باریک قلم کے ساتھ متن کی ہی سیاہی سے لکھ دیئے جاتے ہیں اور ماقبل کی حرکت فتحہ، ضمہ یا کسرہ بھی لکھتے ہیں، مثلاً الرَّحمٰن، داوٗد اور 'أُمِّيّن' لکھیں گے،

مگر برصغیر میں اضافی حروف کی جگہ کھڑا زیر، الٹی پیش اور کھڑی زبر سے ہی لکھے جاتے ہیں۔اس طرح یہ لفظ الرحمٰن، داوٗد اور 'اُقِمۡنَ' لکھے جاتے ہیں۔عرب ممالک کے مصاحف میں سے صرف مصحف الحلبی میں ان مشرقی علامات کو اختیار کیا گیا ہے۔[مصحف الحلبی ص ۵۲۳،ص ۵۲۵، بیان علامات (التعریف] ترکی اور ایران میں کھڑی زبر 'ٰ' اور کھڑی زیرٖ' کا استعمال کہیں کہیں ملتا ہے،مگر ضمہ معکوس یا الٹی پیش 'ٗ' کا استعمال ان ملکوں میں مفقود ہے۔

اسم الجلالہ کی علامت اشباع:

اور اسی قسم کی مد (بحذف حرف مد) کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ اسم جلالت کی لام کے اشباع (مد اصلی) کا طریقہ کتابت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تمام عرب اور افریقی ممالک بلکہ ترکی اور ایران میں بھی اسم جلالہ یوں لکھا جاتا ہے:'اللّٰه' حالانکہ تلفظ میں یہ لفظ'الّٰہ' ہیں، بلکہ 'الآہ' ہے، بلکہ لام کے اشباع (مد) کے علاوہ اس لام کی تفخیم اور ترقیق علم تجوید کا ایک اہم قاعدہ ہے۔[حق التلاوۃ ص۶۸ والکلاک ص۶۹ وص ۱۰۴]

توضیح:

حقیقت یہ ہے کہ عرب اور افریقی ممالک میں الف مدہ محذوفہ میں ماقبل کی فتحہ لکھے بغیر مد کا تصور ہی نہیں ہے، اس لیے وہ اسم جلالت کے لام پر شد اور فتحہ ڈالتے ہیں۔اب اگر اس کے ساتھ مد کی خاطر الف محذوفہ کا اثبات بھی کیا جائے تو پھر اسے 'اللہٰ' لکھنا پڑے گا، جو ان کے ضبط کے مطابق لکھے ہوئے 'اللّٰت' سے مشابہ ہی ہو جائے گا۔اس لیے ان تمام ملکوں میں یہ لفظ جلالہ غلط علامت ضبط کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور اس کا درست پڑھنا صرف شفوی تعلیم پر منحصر ہے۔

برصغیر میں اسم الجلالہ کا ضبط:

صرف برصغیر میں لام جلالت کی اس مد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے 'اللّٰہ' لکھا جاتا ہے

یا پھر چین میں اسے 'اللہ' لکھا جاتا ہے۔ تلفظ کے تقاضوں کے مطابق اس معاملے میں عرب اور افریقی ممالک یا ایران اور ترکی سب کا طریق ضبط ناقص ہے۔ برصغیر کی تازہ ترین ایجاد اس معاملے میں یہ ہے کہ اب تجویدی قرآن (مطبوعہ پاکستان) میں لام اسم الجلالہ کی تفخیم یا ترقیق کے لیے دو الگ الگ علامات ضبط اختیار کی گئی ہیں۔ لفظ اسم الجلالہ کے تمام تجویدی تقاضوں کے مطابق یہ اس کے لیے بہترین ضبط ہے۔

زائد فی الرسم حروف کا ضبط:

علم الضبط کے مسائل میں 'زیادة فی الهجاء' یا حروف زوائد کا مسئلہ بھی اہم ہے، یعنی وہ حروف جو رسم عثمانی کے مطابق لکھے جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے، مثلاً مِائَة، جِائَ اور لِشَايْءٍ وغیرہ کا الف؛ أولئك، أُولي یا أُولو وغیرہ کی واو اور نبائ یا تِلْقَائ وغیرہ کی 'یا' واو الجماعۃ کے بعد لکھا جانے والا الف، جسے الف الاطلاق کہتے ہیں۔ [ابن درستویہ ص ۱۰۵ (حاشیہ ۴۶)] اور ضمیر واحد متکلم (أنَا) کے آخر پر آنے والا الف وغیرہ۔ [حروف زوائد کی تفصیل کے لیے دیکھیے: حق التلاوۃ ص ۱۵۴] عرب اور افریقی ممالک میں اس قسم کے زائد الف 'و' اور 'ی' پر ایک علامت زیادہ یا 'عدم نطق' ڈالی جاتی ہے، جو عموماً ایک بیضوی شکل کا دائرہ ہوتا ہے۔ ہجاء کے ان زوائد پر یہ علامت ڈالنے کا رواج بہت پرانا ہے۔ 'نقط المصاحف' کے طریقے میں بعض دفعہ اس مقصد کے لیے صرف سرخ نقطہ بھی استعمال ہوتا تھا۔ امام الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے کوئی الگ علامت وضع نہیں کی تھی۔ اس لیے بعد میں بھی یہی سرخ گول دائرہ (دائرۃ حمراء) اس مقصد کے لیے مستعمل رہا۔ [المقنع ص ۱۴۰ نیز الطراز ورق ۹۴] بلاد عرب اور افریقی ممالک کے اندر رائج طریقے پر مصحف میں حروف زوائد (محتاج دائرہ) کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے، خصوصاً الف الاطلاق کو بھی شامل کر لینے کی بناء پر۔

اہل مشرق کا طریقہ:

اہل مشرق نے اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو حرف زائد نطق میں نہیں آتا، اسے ہر قسم کی علامت ضبط سے معری رکھا۔ اس طرح حرف الف کی چند معدود صورتیں ایسی رہ جاتی ہیں کہ ان میں التباس واقع ہوسکتا ہے، مثلاً الف ماقبل مفتوح جبکہ اس کے بعد کوئی حرف ساکن یا مشدد بھی نہ آرہا ہو۔ یہ کوئی بیس کے قریب مقامات بنتے ہیں لہٰذا صرف ان پر علامت زائدہ جیسے دائرہ یا علامت تنسیخ لگا دیتے ہیں۔ اس طریقے پر نہ أولئك کی واو پر نشان لگانے کی ضرورت ہے، نہ تِلْقَائِ کی 'ی' پر اور صرف الف الاطلاق پر ہی یہ علامت نہ ڈالنے کے باعث مجموعی طور پر شاید کاتب کے کئی دن نہیں تو کئی گھنٹے یقیناً بچ جاتے ہیں۔

بعض لفظوں کے بارے میں یہ اختلاف بھی ہوتا ہے کہ اس میں زائد الف ہے یا 'ی'، مثلاً 'أفائن' اور 'ملائه' میں [المحکم ص ۱۹۴۔ الطراز ص ۲۱۰] اس لیے ان کی علامت زیادۃ کے موقع ضبط کی تعیین میں بھی اختلاف موجود ہے۔ اس فرق کو اچھی طرح اور عملاً سمجھنے کے لیے کلمہ 'أفائن' (آل عمران: ۱۴۴ اور الانبیاء ۳۴) کا ضبط کسی مصری یا سعودی مصحف میں اور پھر برصغیر کے کسی مصحف میں دیکھیے۔ آپ دیکھیں گے تلفظ دونوں ضبط کے ساتھ ایک ہی بنتا ہے، یعنی 'أَفَإِن' جو لین کی طرح ہے اور اگر لَئِنْ پر قیاس کریں، جو متفق علیہ ضبط ہے، تو پھر 'ی' کی بجائے الف کو زائد ماننے والوں کا موقف زیادہ قرین صواب ہے۔ واللہ اعلم

محذوف الرسم کلمات کی بحث:

علم الضبط کے مسائل میں سے ایک مسئلہ نقص فی الھجاء والے کلمات کا ضبط بھی ہے، یعنی ایسے حروف جو لکھے نہیں جاتے مگر پڑھے ضرور جانے چاہئیں، مثلاً الرَّحْمٰن اور

الْعٰلَمِیْنَ کا الف، دَاوٗد اور تَلْوٗنَ کی دوسری واو اور اُمِیّٖن اور نَبِیّٖنَ کی دوسری یاء یہ محذوف حرف عموماً الف 'و' ی ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی 'مدہ' اگرچہ ایک دو جگہ 'ن' بھی محذوف ہوا ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے: غانم ص۵۹۷، الطراز ورق ۷۱/الف] دورِ طباعت سے پہلے قلمی مصاحف میں ان محذوفات کا 'اثبات' باریک قلم اور سرخ سیاہی سے کیا جاتا تھا، یعنی سرخی سے حسب موقع 'ا' یا 'و' یا 'ے' یا 'ن'' لکھ دیتے تھے۔ دور طباعت میں یہ حروف متن کی سیاہی کے ساتھ مگر باریک قلم سے لکھے جانے لگے ہیں۔

حرف محذوف 'الف'، 'و' یا 'ی'' عرب ممالک کے طریقے کے مطابق تو الرَّحمٰن، صلٰحٰت، داوود، تلوون، اُمِیّٖن اور نَبِیّٖن لکھیں گے، مگر برصغیر کے ضبط کے مطابق یہی کلمات علی الترتیب یوں لکھے جائیں گے: الرحمٰن، صٰلحٰت، داوٗد، تلوٗن، اُمیّٖن، نبیّٖن۔

نوٹ کیجئے کہ تمام کلمات کا اصل عثمانی رسم، ضبط کی دونوں صورتوں میں برقرار رہا ہے۔ صرف علاماتِ ضبط کا فرق ہے۔ [حروف محذوفہ کی نوعیت اور مزید مختلف مثالوں سے آگاہی کے لیے دیکھئے: کتاب حق التلاوۃ ص۱۴۹ تا ۱۵۳]

ہمزہ وصل کا ضبط:

علامات ضبط کا ایک اور اہم مسئلہ ہمزۃ الوصل کا ضبط ہے۔ اس کے لیے الف الوصل کے اوپر ایک مخصوص علامت ڈالی جاتی ہے جسے 'صلۃ' یا 'علامة الصلة' کہتے ہیں۔ الخلیل رحمہ اللہ سے پہلے یہ علامت عموماً ایک ہلکی سرخ لکیر (جرہ لطیفہ) ہوتی تھی۔ [نمونے کے لئے دیکھئے: المحکم (مقدمہ محقق) ص۳۹] بعد میں بعض علاقوں میں اس کے لیے گول سبز نقطہ لگایا جانے لگا اور بعض علاقوں میں سرخ نقطہ ہی لگا دیتے تھے۔ [دیکھئے یہ کتاب: المحکم، ص۸۷ جہاں مؤلف نے ایسے دو مصاحف کا خصوصاً ذکر کیا ہے۔]

امام الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے'' '' کی علامت وضع کی، جو حرف صاد (ص) کے سرے سے ماخوذ ہے اور جو ہمیشہ الف الوصل کے اوپر ہی لکھی جاتی تھی اور بیشتر

عرب ممالک میں اب بھی لکھی جاتی ہے۔ چوتھی صدی ہجری سے ہی ہمزۃ الوصل کی علامت مطلقاً ترک کردینے کا رجحان پیدا ہوگیا تھا۔ [غانم ص ۵۹۳] شاید اس لیے بھی کہ علامت ہمزہ وصلی لکھنے سے ضبط کے کئی نئے مسائل بھی پیدا ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔ بیشتر مشرقی ممالک مثلاً برصغیر، چین، ایران اور ترکی میں بھی ہمزۃ الوصل کے لیے کسی علامت ضبط کا استعمال کافی عرصے سے متروک ہوچکا ہے۔ ترکی کے حافظ عثمان کے مکتوبہ مصحف میں علامۃ الصلۃ موجود ہے، مگر مصطفی نظیف اور حامد ایتاج نے اسے استعمال نہیں کیا ہے۔ اور ممکن ہے برصغیر میں تو اس کا استعمال شاید متعارف ہی کبھی نہ ہوا ہو۔

علامت صلہ کی دو اقسام:

جن ملکوں میں علامت صلہ استعمال ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں: اکثر عرب ملکوں میں تو امام الخلیل رحمہ اللہ والی علامت (ص یا ص) استعمال ہوتی ہے، اندلس اور مغرب میں مدت تک اس کے لیے عموماً سبز رنگ کے گول نقطہ کا رواج رہا۔ بعض افریقی ممالک میں علامۃ الصلۃ کے طور پر سبز نقطے کا رواج اب بھی موجود ہے۔ نائیجیریا کے بعض رنگدار مصاحف میں اس کی بہترین مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ آج کل عام طور پر افریقی ممالک میں علامۃ الصلۃ کے طور پر الف الوصل کے اوپر عموماً ایک باریک سیاہ نقطہ ڈالا جاتا ہے۔

ہمزہ وصلی کی ماقبل حرکت کا ضبط:

افریقی ممالک میں ہمزہ وصلی کے ماقبل کی حرکت کے لیے بھی ایک نشان اس (الف) پر ڈالا جاتا ہے۔ اس نشان کو 'صلۃ الوصل' یا 'خبش الف الوصل' بھی کہتے ہیں۔ یہ عموماً ماقبل کی فتحہ کے لیے الف کے اوپر دائیں طرف ایک ہلکی سی اُفقی لکیر ہوتی ہے، جو کسرہ کے لیے الف کے نیچے اور ضمہ کے لیے الف کے وسط میں لگائی جاتی ہے، مثلاً

اگر ہمزۃ الوصل سے ابتداء ہورہی ہو، مثلاً اس سے قبل مثل وقف لازم قوی وقف ہو، تو اس صورت میں اس کی ممکن حرکت کے لیے عرب ممالک میں کوئی علامت نہیں ڈالی جاتی، بلکہ قاری غالباً اپنی عربی دانی کے زور پر خود ہی نطق کے لیے حرکت متعین کرلیتا ہے۔ صرف سوڈانی اور لیبیا کے مصاحف میں اس کے لیے بھی خاص علامات مقرر کی گئی ہیں، اگرچہ دونوں ملکوں کی علامات میں معمولی تفاوت ہے تاہم فتحہ کے لیے یہ علامت (جو گول باریک نقطہ یا باریک سا دائرہ ہوتا ہے) الف کے اوپر، کسرہ کے لیے ٹھیک نیچے اور ضمہ کے لیے الف کے آگے (بائیں طرف) وسط میں لکھی جاتی ہے، جیسے "ا"، "ا"، "ا"

اہل مشرق کا انداز:

اہل مشرق نے الف الوصل کی علامت صلہ کا استعمال ہی ترک کردیا ہے۔ اگر الف الوصل والا لفظ ماقبل سے ملایا جارہا ہو تو الف الوصل پر کسی قسم کی علامت نہیں ڈالی جاتی اور اگر اس سے ابتداء ہورہی ہو تو اس الف پر علامت قطع (ء) ڈالے بغیر منطوق حرکت دے دی جاتی ہے۔ علامت قطع نہ ہونے سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ ہمزۃ الوصل ہے اور حرکت سے اس کے صحیح تلفظ کی طرف بھی اشارہ ہوجاتا ہے، مثلاً عرب ممالک میں 'الله الصمد' لکھتے ہیں، مگر برصغیر میں 'الله الصمد' لکھتے ہیں۔ پہلے طریقے پر قاری کو اللہ کے الف کی حرکت کا کچھ پتہ نہیں چلتا، دوسرے طریقے میں یہ چیز الف کی فتحہ نے واضح کردی ہے۔ مشرق کا کوئی عام ناظرہ خواں کسی عرب ملک کے مصحف سے سورۃ الاخلاص تک درست نہیں پڑھ سکتا، البتہ اہل مشرق میں عموماً ہمزۃ القطع بھی بغیر علامت قطع (ء) کے لکھنے کا رواج ہوگیا ہے، مثلاً 'بأس' کو 'باس' لکھ دیتے ہیں جو علمی لحاظ سے غلط ہے یا پھر علامت ہمزہ کی ایجاد سے پہلے کی یادگار ہے۔

ہمزۃ الوصل اور حرف زائد کے لیے علامت کے استعمال یا عدم استعمال سے اہل مشرق اور اہل مغرب کے طریقۂ کتابت یعنی ضبط میں بڑا فرق پڑتا ہے اور اس فرق کی

وجہ سے ایک علاقے کے آدمی کو دوسرے علاقے کے مصحف میں سے تلاوت کرنے میں سخت صعوبت پیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ 'أولوا العزم' کو لیجئے، اس کو ضبط کرتے وقت اہل مشرق تو دونوں او اور 'لو' کے بعد آنے والے دونوں الف بھی ہر قسم کی علامت سے خالی رکھتے ہیں، مگر عرب اور افریقی ممالک میں 'أولو' کی پہلی واو پر 'علامت حرف زائد' اور 'لو' کے بعد آنے والے دو الفوں میں سے پہلے پر 'علامت زیادۃ' اور دوسرے پر 'علامت صلۃ' ڈالیں گے۔ اس طرح اس لفظ کو پہلی صورت میں 'أولوالعزم' اور دوسری صورت میں 'أولوالعزم' لکھیں گے۔ اسی طرح اہل مشرق 'أوتوا الكتب' مگر عرب 'أوتوا الكتب' لکھیں گے۔ جس آدمی کو علامت صلہ اور 'علامت زیادۃ' کا علم نہیں، وہ دوسری صورت والی کتابت کو کبھی درست نہیں پڑھ سکتا۔ [المحکم ص ۲۴ پر علامہ الدانی رحمہ اللہ نے علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ علم النقط یعنی علم الضبط جانے بغیر کسی مصحف سے قراءت ناممکن سی بات ہے۔ یہی بات آج بھی سو فیصد درست ہے۔

ہمزہ قطعی کا ضبط:

ہمزۃ القطع کو ہمزۃ الوصل سے ممتاز کرنے کے لیے شروع کے نظام نقط میں اس کے لیے زرد رنگ اور بعض علاقوں میں سرخ رنگ کا گول نقطہ ڈالا جاتا تھا۔ [المحکم: ص ۸۷] امام الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے میں اس کے لیے 'ء' کی علامت تجویز کی گئی تھی اور یہ علامت اب تک مستعمل ہے، البتہ بعض افریقی ممالک میں اس 'ع' یا ' ' کی شکل میں اور چین میں عموماً ' ' یا ' ' کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ بعض افریقی ملکوں، مثلاً نائیجیریا میں یا سوڈان کے قلمی مصاحف میں اس کے لیے زرد گول نقطہ اب تک زیر استعمال ہے۔

ہمزہ کے طریق نطق کے اختلافات اور مختلف قراءات میں اس کے طریق ادا کے تنوع کی وجہ سے ہمزۃ قطع کی مختلف صورتوں کے لیے کچھ مختلف علامات بھی مقرر کی گئیں اور اس کا موقع ضبط تو کتب علم الضبط کی سب سے طویل بحث ہے۔

کسی کلمہ کی ابتداء میں آنے کی صورت میں ہمزہ کی اس علامت قطع (ء) کا استعمال اہل مشرق کے ہاں متروک ہوگیا ہے۔ اس صورت میں وہ صرف الف پر (اور ابتداء میں ہمزہ ہمیشہ بصورت الف ہی لکھا جاتا ہے) متعلقہ حرکت دے دیتے ہیں، مثلاً 'أ، إ، أُ' کی بجائے 'اَ، اِ، اُ' ہی لکھتے ہیں اور ابتداء کی صورت میں وہ ہمزۃ الوصل پر بھی اسی طرح حرکات لکھتے ہیں۔ اس فرق کو ذیل کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

1 ہمزۃ القطع کی صورت:

عرب ممالک میں أَنذر، أُنذر اور إِنذار لکھیں گے، مگر اہل مشرق اسے اَنذر، اُنذر اور اِنذار لکھیں گے۔

2 ہمزۃ الوصل کی صورت:

عرب ممالک میں اللّٰہ، ادع اور اھدنا لکھا جاتا ہے، مگر اہل مشرق اسے اللّٰہ، اُدع اوراِھدنا لکھتے ہیں، البتہ سوڈان میں اسے اللّٰہ، ادع اور اھدنا لکھتے ہیں اور لیبیا میں اسے اللّٰہ، ادع اور اھدنا لکھتے ہیں۔

کلمہ لا کی بحث:

ہمزہ ہی کے ضمن میں علماء ضبط نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ 'لا' میں کون سا سرا لام اور کون سا الف یا ہمزہ ہے اور ہر ایک نظریہ کے حق میں دلائل دیئے گئے ہیں اور یہ بحث خاصی دلچسپ بھی ہے۔ [الطراز ورق ۱۲۰/الف بعد، المحکم ص۱۹۷ بعد اور غانم ص۵۸۱] تاہم اب اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس وقت عملاً صورت حال یہ ہے کہ تمام افریقی ممالک ماسوائے مصر تو 'لا' میں پہلے سرے کو ہی الف یا ہمزہ اور دوسرے سرے کو لام سمجھتے ہیں، جبکہ مصر اور تمام مشرقی ممالک میں اس کے برعکس عمل ہے۔ اس کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا:

افریقی ممالک میں والأرض فی الاٰخرۃ اور الاٰیۃ لکھیں گے، جبکہ مشرقی ملکوں میں والأرض، فی الآخرۃ اور الآیۃ لکھیں گے۔

افریقی ملکوں کی علامتِ صلہ (٥) اور مصری علامت صلہ (ـ) کا فرق اور مشرقی ملکوں میں 'عدم علامت صلہ' اور 'عدم علامت قطع' قابل غور ہے۔ کیا ایک نظام ضبط کے ساتھ پڑھنے کا عادی قرآن خوان دوسرے نظام کے مطابق لکھے گئے مصاحف میں سے قراءت پر قادر ہوسکتا ہے؟

قرآن کے چار کلمات کے ضبط کی غلطی:

ابدال حروف والی بحث ضبط سے زیادہ رسم سے تعلق رکھتی ہے اور اس سے تعلیلات صرفی والی تبدیلیاں مراد نہیں ہوتیں، بلکہ چار خاص مقامات پر 'ص' کے تلفظ کے 'س' میں بدلنے یا نہ بدلنے کی ترجیح کی بنا پر حرف 'س' کو متعلقہ کلمہ میں 'ص' کے اوپر یا نیچے لکھتے ہیں۔ [حق التلاوۃ، ص ۱۰۵]

اس کی تفصیل یوں ہے:

①: یبصط (۲:۲۴۵)، المصیطرون [۵۲:۳۷]

②: بصطۃ (۷:۶۹)

③: بمصیطر (۸۸:۲۲) اور قراء کے ہاں ان کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔

[تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۲۴]

توضیح:

مصاحف مطبوعہ لیبیا، تیونس (بروایۃ قالون) اور مصاحف مطبوعہ تیونس و مراکش و نائیجیریا (بروایۃ ورش) میں ان چار مقامات پر صرف 'ص' کے ساتھ کتابت کی گئی ہے اور کہیں اوپر یا نیچے 'س یا س' نہیں لکھا گیا، جو شاید روایتِ قراءات کی خصوصیت ہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دو اساتذہ نے پاکستانی مصاحف کی اغلاط پر جو

رپورٹ تیار کی ہے، اس میں ان کلماتِ اربعہ میں سے موخر الذکر دو کلمات میں 'س' کی وضع (پوزیشن) کی غلطی کو ضبط کی اغلاط میں شمار کیا گیا ہے۔['رپورٹ' مذکور ص ۱۰ (ضبط:۳)] اس لیے ہم نے بھی ان کا ذکر اسی ضمن میں کر دیا ہے۔

مخصوص نطقی کیفیات:

مذکورہ بالا عام علامات ضبط کے علاوہ کچھ ایسی علامات بھی ہیں جن کا تعلق مخصوص نطقی کیفیات یعنی قراء ت کے کسی مخصوص طریق ادا سے ہے، مثلاً امالہ، اشمام، روم، اختلاس اور تفخیم یا ترقیق، قلقلۃ وغیرہ۔ یوں تو ان کو حرکات ثلاثہ کے بعد بیان کرنا چاہیے اور کتب ضبط میں عموماً یہی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے کیونکہ دراصل تو یہ کسی حرکت کا ہی مخصوص صوتی یا نطقی طریقہ اداء ہوتا ہے، مگر ہم اس کی مخصوص نوعیت کی بنا پر آخر پر لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ سب کیفیات اوّل تو تمام قراء ات میں نہیں پائی جاتیں، دوسرے ان کا استعمال بہت کم بعض معدود کلمات تک محدود ہے اور تیسرے اس لیے بھی کہ یہ کیفیات ایک طرح سے تجوید کے تکمیلی مراحل سے متعلق ہیں، اس لیے بھی ان کا بیان آخر پر ہونا چاہیے، لہٰذا ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں:

اِمالہ اور اِشمام کا چونکہ روایت حفص میں ایک ایک مقام ہے یعنی سورۃ ہود:۴۱ اور سورۃ یوسف:۱۱ میں ہوا ہے اس لیے بعض مصاحف میں تو اس کے لیے کوئی علامت مقرر کرنے کی بجائے متعلقہ لفظ کے نیچے باریک قلم سے 'امالہ' یا 'اشمام' لکھ دیتے ہیں۔ [دیکھیے مصحف الحلبی اور ترکی مصاحف بقلم حافظ عثمان و حامد ایتاج متعلقہ آیات۔] بعض مصاحف میں اس کے لیے نہ کوئی علامت بناتے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اشارہ کرتے ہیں، مثلاً ایرانی مصاحف اور عام پاکستانی مصاحف، البتہ ایسے پاکستانی مصاحف میں سورہ ہود آیت:۴۱ کے سامنے حاشیے پر یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ امام حفص رحمہ اللہ نے یہاں 'راء' کو امالہ سے پڑھا ہے۔ اشمام کے لیے عام پاکستانی مصاحف میں بھی کوئی

علامت یا اشارہ موجود نہیں۔ یہ علامت کی بجائے بصورت لفظ 'اشمام' یا 'امالہ' رہنمائی اصطلاح سے واقف آدمی کے لیے تو مفید ہوسکتی ہے مگر عام صرف ناظرہ خواں قاری کے لیے بے فائدہ ہے۔

بعض مصاحف میں اس ایک ایک مقام کے لیے الگ علامت وضع کی گئی ہے اور 'ضمیمۃ التعریف' یا مقدمہ میں اس کی وضاحت کردی جاتی ہے۔ [دیکھئے تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۲۴، مصری مصحف (ضمیمہ ص م۔ مصحف الجماہیریہ (ضمیمہ) ص م و ن مصحف المدینہ (ضمیمہ ص و۔ ان سب میں امالہ و اشمام کے لیے متشابہ اور مختلف علامات تجویز کی گئی ہیں، نیز اشمام (کلمات مشمہ) کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: حق التلاوۃ ص ۴۳]

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ضبط کی تمام علامات چاہے وہ برصغیر کے مصاحف میں استعمال ہورہی ہیں۔ یا عرب ممالک کے مصاحف میں استعمال ہورہی ہیں یا پھر افریقی ممالک میں مطبوعہ مصاحف میں استعمال ہورہی ہیں وہ سب اسی وقت قابل عمل ہیں جب پڑھنے والا بہرحال ان اصطلاحات سے واقفیت رکھنے کے علاوہ پڑھنے کا طریقہ اور انداز بھی جانتا ہو۔ جیسے اب امالہ کے لیے ایک علامت لگائی گئی ہے تو جو شخص جانتا ہے کہ مَجْرٖهَا میں لا مالہ پڑھ لے گا چاہے وہاں علامت امالہ ہو چاہے کھڑی زیر لگائی گئی ہو۔ مگر ایک شخص جو یہ جانتا ہی نہیں کہ اس حرف میں امالہ ہے اور اس امالہ کے ادا کرنے کی ایک خاص نوعیت ہے۔ اس کے لیے آپ چاہے امالہ کا لفظ لکھیں یا امالہ کا کوئی مخصوص علامت ضبط وضع کریں وہ سب بے کار ہیں۔

دیگر روایات والے مصاحف میں امالہ کا ضبط:

ورش، قالون اور دوری بصری کی روایات میں امالہ کبریٰ بھی حفص والے امالہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر آیا ہے، مثلاً قالون کے ہاں 'ھار' التوبۃ: ۱۰۹ میں اور ورش کے

ہاں لفظ 'طۂ' میں۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں امالہ صغریٰ (تقلیل) زیادہ ہے۔ الدوری کے ہاں بھی دونوں قسم کے 'امالے' موجود ہیں، اسی لیے سوڈانی مصحف میں ہر دو امالہ کے لیے الگ الگ علامات اختیار کی گئی ہیں۔ [کتابۃ المصحف" ص ۱۹ و ۲۰ نیز دیکھئے سوڈانی مصحف (بروایۃ الدوری) کا ضمیمۃ التعریف" ص ن اور س جہاں امالہ کبریٰ اور امالہ صغریٰ کی الگ الگ علاماتِ معہ امثلہ مذکور ہیں۔]

روم کی علامت ضبط:

روم ایک خاص نطقی کیفیت ہے جو ماہر اُساتذہ سے زبانی سیکھی جا سکتی ہے۔ [حق التلاوۃ ص ۴۲ و ۴۳]

کہا جاتا ہے کہ امام الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے بھی کوئی علامت تجویز کی تھی۔ مگر اب مصاحف میں اس کے لیے کوئی علامت نہیں لگائی جاتی کیونکہ اس کی تعلیم شفوی ہی ہو سکتی ہے۔

علامت اختلاس:

اختلاس کا استعمال بھی چند ایک قراءت میں اور چند کلمات میں ہے، مثلاً قالون اور الدوری کے ہاں اس کے لیے بطورِ علامت متعلقہ حرف کے اوپر یا نیچے ایک گول نقطہ بغیر حرکت کے لکھ دیتے ہیں۔ ایسا ہی گول نقطہ بعض دفعہ امالہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ [مصحف الجماہیریہ (التعریف) ص م اور سوڈانی مصحف (التعریف) ص س و ع]

ترقیق لام اسم الجلالہ کی علامت:

بعض خاص حرفوں مثلاً 'ل' اور 'ر' کی تفخیم یا ترقیق کے قواعد کتب تجوید میں بیان کئے جاتے ہیں، خصوصاً لام اسم الجلالہ اللہ کے ضمن میں، مگر کسی کتاب ضبط وغیرہ میں اس کے لیے کوئی علامت ضبط کبھی تجویز نہیں کی گئی۔ یہ پاکستان "تجویدی قرآن مجید" کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں لام اسم الجلالہ کی تفخیم اور ترقیق کے لیے مخصوص علامت ضبط اور

حرف 'ر' کی تفخیم یا ترقیق کے لیے یا 'ر' کا مخصوص طریق کتابت اختیار کیا گیا ہے۔
[وضاحت کے لیے دیکھئے: تجویدی قرآن مجید کا مقدمہ ص ۱۸ وص ۲۲ اور ۲۳]

حروف قلقلہ کی علامت:

حروف قلقلہ یعنی قُطْبُ جَدٍ کے پانچ حروف جب ساکن ہوتے ہیں تو ان کا تلفظ مخرج میں ایک خاص دباؤ کے ساتھ نکلتا ہے، اس کو قلقلۃ کہتے ہیں۔ امالہ کی طرح قلقلہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے: قلقلہ صغریٰ اور قلقلہ کبریٰ [حق التلاوۃ ص ۸۴ اور ۸۵] تاہم نہ تو کتب ضبط میں اس کے لیے کوئی علامت مذکور ہوئی ہے اور نہ مصاحف کی کتابت میں کہیں کوئی مستعمل علامت نظر سے گذری ہے۔ اس طرح یہ بھی پاکستانی 'تجویدی قرآن' کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں حروف قلقلہ کے لیے ایک مخصوص علامت سکون '۸' اختیار کی گئی ہے۔ [تجویدی قرآن مجید (مقدمہ) ص ۱۳]

علامات ضبط سے متعلق کچھ گزارشات:

①: کتابت مصاحف میں علامات ضبط اتنے متنوع اور مفصل استعمال کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ محض علامات ضبط کی بنا پر استاد کی شفوی تعلیم اور تلقی وسماع کے بغیر صحیح نطق اور درست قراءات اور ٹھیک ٹھیک 'اَداء' کا سیکھنا ممکن نہیں۔ علاماتِ ضبط تعلیم قراءات میں مدد ومعاون ہیں مگر شفوی تعلیم سے مستغنی نہیں اور نہ ہی استاد کا بدل ہیں۔

②: کتابت مصاحف میں علامات ضبط کے اس کثیر التنوع استعمال سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم الضبط کو علم الرسم کی طرح کی کوئی ایسی تقدیس حاصل نہیں ہے کہ کسی ایک زمانے یا کسی ایک علاقے میں رائج طریق ضبط کی پابندی کو واجب وضروری قرار دیا جائے۔ [کتابۃ المصحف ص ۱۸ اور ص ۳۱]

③: اوّل تو روایات قراءات کے اختلاف یا اداء کے اختلاف کے بناء پر علامت ضبط کا اختلاف لازمی ہے، گو یہ اختلاف تنوع ہے اختلاف تضاد نہیں ہے۔ [ایضاً

ص ۴۴]اس وقت دنیا بھر میں چار روایات کے ساتھ مطبوعہ مصاحف دستیاب ہیں، یعنی حفص عن عاصم، ورش عن نافع، قالون عن نافع اور الدوری عن ابی عمرو رحمہم اللہ۔ جس ملک اور جس علاقے میں جو قراءت متداول ہے، وہاں عام آدمی کے لیے دوسری قراءت کے ساتھ مطبوعہ مصحف سے درست تلاوت ہرگز ممکن نہیں ہوگی۔ حکومت سوڈان کے بروایۃ الدوری مصحف شائع کرنے کی وجہ یہی ہوئی کہ سوڈان میں صدیوں سے قراءت تو الدوری کی رائج تھی، جس کے لیے قلمی مصاحف کا خریدنا بوجہ گرانیٔ قیمت دشوار تھا۔ مصر سے درآمدہ روایۃ حفص کے مطبوعہ مصاحف کم ہدیہ پر ملتے تھے۔ اس سے اہل سوڈان کی قراءت نہ الدوری کی رہی اور نہ ہی حفص کی۔ علمائے سوڈان اور حکومت سوڈان کی اس سلسلے میں جملہ مساعی کی تفصیل وہاں کی وزارت اوقاف کے تعارفی کتابچہ 'کتابۃ المصحف الشریف' میں دی گئی ہے۔

④: ایک ہی قراءت کی صورت میں بھی علامات ضبط مختلف استعمال کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہ زمانی اور مکانی اختلاف موجود ہے۔ مصر اور تمام ایشیائی ممالک میں روایت حفص عن عاصم ہی رائج ہے، مگر مصر، ترکی، ایران، برصغیر اور چین وغیرہ میں رائج علاماتِ ضبط میں بڑا تنوع ہے، کم وبیش یہی حال اُن افریقی ملکوں کے مصاحف کا ہے جہاں قراءۃ ورش متداول ہے۔

یہ کچھ گزارشات اس مضمون میں درج کی ہیں مگر آپ مکمل مضمون پڑھ کر یہ رائے ضرور قائم کریں گے کہ علم ضبط میں تحقیق، جستجو اور مزید فنی کام ابھی بھی ہونے والے رہتے ہیں۔ جو کہ اہل علم کے لیے بہر حال چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں اہل علم حضرات اپنے ذوق کے مطابق اس فن میں مزید توضیح وتشریح کا کام سرانجام دیں۔

رہنمائے مدرّسین

قاری محمد سجاد قصوری

فاضل جامعہ اہلحدیث لاہور — رکن العاصم لجنة المحققين للدراسات العلوم الاسلامية

اساتذہ کرام سے التماس:

سب سے پہلے تو میں ان اساتذہ کرام سے جو ناظرہ، حفظ، تجوید وقرآءت پڑھانے کا کام کررہے ہیں اور خدمت قرآن میں مشغول ہیں ان سے عرض کروں گا کہ آپ جس کام میں مشغول ہیں اس کو حقیر یا کمتر نہ سمجھیں۔ اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کی ذات نے آپ کو اپنی کتاب عظیم کی تعلیم کے لیے مخصوص کیا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہیں:

❁ مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. [متفق علیہ]

''اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے اپنے دین کی سمجھ عطا کردیتے ہیں۔''

❁ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ. [رواہ بخاری]

''تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو قرآن کریم پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔''

❁ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ. [بخاری]

''جو شخص کسی راستہ پر اس لیے چلے کہ اس میں علم کو تلاش کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔''

❁ مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. [مسلم]

”جو شخص ہدایت کی طرف کسی کو بلاتا ہے۔ اس کو بھی مثل ان لوگوں کے ثواب ملتا ہے جو اس ہدایت پر چلتے ہیں اور ہدایت پر چلنے والوں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جاتی۔“

❁ مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ. [ترمذی]

”جو علم کی طلب میں نکلتا ہے وہ واپس ہونے تک مجاہد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے۔“

❁ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. [ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ]

”ایک عالم، شیطان پر ہزار (بے علم) عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔“

❁ مَنْ طَلَبَ اُعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَضٰى. [ترمذی، دارمی، عن شجرۃ الازدی، مشکوٰۃ]

”جو علم طلب کرتا ہے اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے یہ علم کفارہ بن جاتا ہے۔“

❁ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّيْ مَقْبُوْضٌ. [ترمذی، مشکوٰۃ]

”فرائض (یعنی وہ احکام جن کا کرنا فرض ہے) اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں عنقریب اٹھالیا جانے والا ہوں۔“

ایسی عظیم خوشخبریوں کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس قدر عالی شان کام اسی قدر توجہ اور تندہی کا تقاضا بھی آپ سے کرتا ہے۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس زمانے میں جو والدین اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں وہ قابل مبارک ہیں لہٰذا جو بچے آپ کے پاس مدرسے میں تعلیم قرآن کے حصول کے واسطے آرہے ہیں۔ ان سے حد درجہ محبت، الفت، پیار اور

شفقت سے پڑھانے کا معاملہ کریں گے تبھی وہ تحصیل علم کر سکیں گے۔ نرمی اور پیار ایسے ہتھیار ہیں جو ٹیڑھے سے ٹیڑھے آدمی کو بھی راہِ راست پر لے آتے ہیں۔ بچوں کو جسمانی سزا بہت زیادہ مجبوری کی حالت میں دیں جہاں آپ محسوس کرتے ہوں کہ اب اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ دنیاوی جاہ و حشم کی چکا چوند اور لہو لعب کے لوازمات ہی اس قدر زیادہ ہیں کہ بچے کے لیے اپنی پڑھائی پر دھیان دینا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں اگر آپ کی بے جا مار پٹائی سے بچہ حصول علم سے دستبردار ہو گیا تو یہ ایک بہت بڑا نقصان ہوگا جس کی تلافی شاید ممکن نہ ہو سکے۔

طلباء کے لیے ضروری ہدایات

لباس کی صفائی ستھرائی:

ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت صاف ستھرے اور سادہ لباس کا اہتمام کرے تاکہ اس سے انسیت پیدا ہو اگر وہ گندے اور میلے لباس میں رہے گا تو ساتھی اور استاذ اس سے ملنے میں دشواری محسوس کریں گے۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

اَلنَّظَافَةُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ.

''صفائی نصف ایمان ہے۔''

آرام کے ٹائم کی پابندی کرنا:

ضروری ہے کہ طالب علم رات کو عشاء کے بعد جلد سو جائے تاکہ سبق کے اوقات میں کسل اور سستی کا شکار نہ ہو۔ جب سونے کے اوقات ہوں تو فوراً آرام کے لیے لیٹ جائے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ دو تین طالب علم مل کر بیٹھتے ہیں اور خوب باتیں کرتے ہیں یا کھانے پینے میں مشغول رہتے ہیں۔ اس طرح خود بھی بے ترتیبی کا شکار ہوتے ہیں اور

دیگر سونے والے طلباء کی بے آرامی کا بھی باعث بنتے ہیں۔اسی طرح سونے کے اوقات میں مدرسے سے باہر پھرنا خواہ مخواہ فضول آوارہ گردی دراصل اوقاتِ تعلیم کا ہی نقصان ہے۔

استاد کے مہمان کا بھی احترام:

استاد کے مہمان کی موجودگی میں طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو زیادہ مودب ثابت کرے اور کسی قسم کی لاپرواہی کا ثبوت نہ دے۔

تمام خادمین قرآن خصوصاً اپنے اساتذہ کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرنا:

ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح سبق کا آغاز کرنے سے قبل اپنے ان محسنوں اور خادمین قرآن اور ان اساتذہ کرام رحمہم اللہ کے لیے دعا مغفرت ضرور کرے جن کی محنتوں اور کام کی بدولت یہ علم خوب پھیلا ہے۔

استاد کے سامنے مؤدب ہوکر بیٹھے:

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ استاذ کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھے۔ واضح اور صاف الفاظ میں اپنا سبق سنائے کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بڑے ادب سے سوال کرے۔اپنی نظریں سبق پر رکھے۔

تعلیم سے قبل مسواک ضرور کرے:

ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کے اوقات سے قبل مسواک ضرور کرے۔ مسواک کی حدیث میں بھی بڑی تاکید آئی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔

اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاتٌ لِلرَّبِّ. [بخاری]

"مسواک منہ کو پاک کرتی ہے اور رب کی پسندیدگی کا باعث ہے۔"

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

''قرآن کو نہ چھوا جائے مگر پاکی کی حالت میں۔''

مسواک کرنے کے ویسے بھی بہت فوائد ہیں۔ اس سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔ گلا صاف ہوتا ہے۔ معدہ صحیح ہوتا ہے۔ منہ کی بدبو جاتی رہتی ہے نظر تیز ہوتی ہے وغیرہ۔

جب منہ سے بدبو آئے گی تو اس کی وجہ سے استاذ اور دیگر ہم سبق رفقاء اس سے اجتناب برتیں گے اور ھرّضات ِللرّبّ والی کیفیت بھی اس طالب علم کو حاصل نہ ہو پائے گی لہذا یہ کیفیت تعلیم کے ضیاع کا سبب ہوگی۔

غلطی پر نشان لگانا:

جب طالب علم سبق، پارہ یا منزل میں غلطی کرے تو اسے ازخود اس غلطی کا نشان لگا لینا چاہیے تاکہ یاد کرنے کے دوران وہ ان کا تدارک کر سکے۔

استاذ کو سنانا:

استاذ کو سنانے کے دوران جو غلطی استاذ بتائے اس کو اس حد تک دہرانا کہ وہ یاد ہو جائے یا جب تک استاذ خود آگے پڑھنے کو نہ کہیں خود آگے پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنا:

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ قواعد تجوید کا خیال رکھتے ہوئے حتی المقدور اچھی اور خوبصورت آواز سے قرآن کو پڑھے کیونکہ حدیث میں اس کی بابت تاکید آئی ہے۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ.[متفق علیہ]

''اللہ تعالیٰ کسی آواز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ اس نبی (ﷺ) کی آواز کو جو خوش آوازی سے قرآن شریف پڑھ رہے ہوں۔''

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ. [بخاری، مشکوۃ]

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔''

حَسِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا.

[دارمی، مشکوۃ]

''قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ حسین بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو زیادہ کرتی ہے۔''

یاد کرنے کا ایک اور اہم طریقہ:

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ چلتے پھرتے قرآن مجید کو پڑھنے کا معمول بنائے اس سے بھی یاد کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

غلطی یاد کرنے کا طریقہ:

اگر کسی طالب علم کو کوئی غلطی لگے تو وہ اس کو اس قدر یاد کرے کہ اس کے دل میں یہ یقین بندھ جائے کہ ان شاء اللہ اب وہ غلطی ساری عمر نہیں کرے گا نیز اللہ تعالیٰ سے ہر دم اس سلسلے میں مدد و نصرت کی دعا بھی کرتا رہے۔

سبق حتی المقدور اچھی طرح یاد کرنا:

ضروری ہے کہ سبق، پارہ اور منزل سنانے کے دوران قرآن مجید کھول کر نہ دیکھا جائے۔ ایسا کرنے کی صورت میں اسے غلطی شمار کیا جائے گا۔

طلباء کی تجویدی اغلاط کی اصلاح:

جو طالب علم تجوید کی اغلاط بہت زیادہ کرتے ہوں ضروری ہے کہ ان کو روزانہ زیادہ سے زیادہ مشق کرائی جائے تا کہ ان کی تجویدی اغلاط کی اصلاح ہو سکے اور ایسے لڑکے جوان سے بہتر حالت میں ہوں۔ ان کے لیے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ استاد کو سبق سنانے سے قبل جب کسی لڑکے کو سبق سنائیں تو اس دوران اس نگران طالب علم سے مشق

بھی کریں۔ اس کے بعد استاد صاحب جب ان دونوں قسم کے طلباء سے سبق سنیں تو ان کی تجوید کی اغلاط پر نشان لگائیں اور دوسرے ٹائم ان کی اغلاط کو دوبارہ سن کر جائزہ لیں کہ آیا وہ کمزوریاں دور ہوگئی ہیں یا نہیں؟ نیز ایسے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ سبق کے اوقات کے علاوہ بھی کسی ایسے لڑکے سے جو حروف کی ادائیگی میں خوب بہتر ہو مشق کرتے رہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ استاذ اس سلسلے میں ماہر طلباء کو مشق کرانے کی ہدایت کریں خاص طور پر جن حروف میں طالب علم کمزور ہوں ان کی خصوصی مشق کروائی جائے نیز طلباء کو مفردات کی بھی مشق ضرور کروانی چاہیے۔

سبق استاذ سے لینے کے آداب:

① ضروری ہے کہ سبق جب استاذ محترم کہلوائیں تو وہ طلباء جو باہم قریب اسباق کے ہوں قریب ہو کر بیٹھیں اور اسے بغور سن کر نہایت تندہی سے یاد کریں۔

② استاذ محترم اوّل تو سبق اندازے سے دے دیں لیکن بعد میں طالب علم کی استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے سبق کا تعین کریں جو وہ بآسانی یاد کرسکتا ہو۔ اس صورت میں بہرحال استاذ کی رائے قابل ترجیح ہوگی اور طالب علم کی ذاتی رائے کی کوئی اہمیت نہ ہوگی۔ اور اگر استاذ نے کسی طالب علم کو سبق زیادہ دے دیا ہے تو ضروری ہے کہ طالب علم اس سبق کو یاد کرے یہ نہ سمجھیں کہ استاذ نے زیادہ سبق مجھ پر ٹھونس دیا ہے بلکہ زیادہ سبق یاد کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اگر تھوڑا سبق یاد کرنے کی عادت پختہ ہوگئی تو زیادہ سبق یاد کرنا اس کے لیے وقت اور پریشانی کا باعث ہوگا۔ محنت سے سب کچھ ہوسکتا ہے اور محنت سے جی نہ چرائے۔

نگران کے لیے بے توجہی سے سننے کا تدارک:

جو طالب علم کسی کی منزل سنے لازم ہے کہ وہ ہر پارہ میں سے منتخب شدہ رکوع نہایت توجہ سے سنے اور پھر سنانے والے کو غلطیاں بتا کر تصحیح کروائے ورنہ استاذ محترم کے

سننے پر ان غلطیوں کے اعادے پر سننے والے طالب علم کو منزل سنوائی جائے گی اور ان غلطیوں کے مکرر آنے پر سننے والے طالب علم کو بھی سزا دی جائے گی۔ اور ضروری ہے کہ سننے والا لڑکا سننے کے فوراً بعد استاذ کو ان غلطیوں کی بابت مطلع کر دے۔

سبق کو یاد کرنے کا ایک کامیاب طریقہ:

ہر طالب علم کو چاہیے کہ اپنے سبق کو ہر لمحہ یاد کرے۔ اس سلسلہ میں پہلے سبق کی اوّل آیت کو ناظرہ خوب پڑھے پھر اس کو زبانی پڑھے اور اچھی طرح یاد ہوجانے کے بعد اس میں دوسری آیت اس طرح ملالے اور اب ان دونوں آیات کو یاد کرے۔ ان دونوں کے یاد ہونے کے بعد اسی طرح تیسری آیت ملالے اور اس طرح پورے سبق کی آیات کو اسی طرز پر یاد کرتا چلا جائے۔ ان شاء اللہ قوی امید ہے کہ یہ طریقہ بڑا مجرب ثابت ہوگا۔

اسباق یاد کرنے کے بہترین اوقات:

سبق ویسے تو ہر دم دہراتے رہنا چاہیے لیکن اس سلسلے میں یہ اوقات بہت بہتر ہیں (اوّل) استاذ سے سبق لیتے ہی فوراً یاد کرے۔ (دوم) علاوہ تعلیم اوقات کے ایک مرتبہ ضرور سبق کو دہرائے خصوصاً مغرب اور عشاء کے درمیانی عرصہ میں یا اگر تہجد پڑھنے کی توفیق ہو تو نماز فجر سے قبل (سوم) استاذ کو سبق سنانے سے قبل سبق کو ضرور دیکھ لے۔

ناظرہ اور حفظ کے اساتذہ کرام کے لیے خصوصی ہدایات

حفظ میں داخلے کا معیار:

کوشش کریں کہ درجہ حفظ میں ان بچوں کو داخل کریں جو قرآن پاک ناظرہ پڑھ چکے ہوں عموماً دیکھا گیا ہے کہ ناظرہ پڑھے ہوئے بچے حفظ میں بہ نسبت بالکل نہ پڑھے ہوئے بچوں کے عمدہ چلتے ہیں۔

متشابہات والی آیات کو پختہ کرانا:

ایسی آیات جن پر متشابہات لگنے کا احتمال ہو اور طالب علم کو لگتے بھی ہوں ان کو خوب یاد کرایا جائے۔ اس سلسلے میں معین الحفاظ المعروف متشابہات القرآن جو کہ احقر کی تالیف شدہ ہے اور قراءت اکیڈمی کی مطبوعہ ہے۔ بچوں اور اساتذہ دونوں کے پیش نظر رہے تو بہت مفید ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ اب مفصل متشابہات القرآن بھی راقم نے ترتیب دی ہے جو حفظ کرنے والے طلباء کے لیے بہت مفید ہے اور جس میں بہت تفصیل سے متشابہات جمع کیے گئے ہیں۔ قراءت اکیڈمی سے یہ دونوں کتب دستیاب ہیں۔

جسمانی سزا:

اگر استاذ کسی طالب علم میں بدشوقی۔ تعلیم سے بہت زیادہ لاپرواہی نیز گستاخی اور بدتمیزی محسوس کرے تب اس کو سزا دے۔ ضروری ہے کہ ایسی ضرب شدید نہ لگائے جو اسے جسمانی طور پر نقصان پہنچائے نیز بچے کو منہ پر بھی طمانچے وغیرہ نہ مارے جائیں۔

جسمانی سزا سے زیادہ دیگر سزا دیں تو بہتر ہے:

بہتر یہ ہے کہ جسمانی سزا کی بجائے اس کی چھٹی کی منسوخی یا کھڑا کر دینا اور اس قسم کی سزا دے لیں۔ بچے کو پڑھائی سے زیادہ سے زیادہ مانوس کرنے کی کوشش کریں۔

غلطی پر تنبیہ فوراً کریں:

کسی بھی طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہونے پر اس کو فوراً تنبیہ کریں تاکہ اس کے دل میں یہ احساس ہر دم اجاگر رہے کہ میں استاذ کی نظروں میں ہمہ وقت موجود ہوں۔

کن مواقع پر طلباء کو سزا نہیں دینا چاہیے:

جب کوئی طالب علم بہت زیادہ خوفزدہ اور سہما ہوا ہو تو بہت بہتر ہے کہ اس کو زبانی کلامی ڈانٹ پلا دیں۔ جسمانی سزا نہ دیں۔ ایسے بچے جو سبق یا مدرسے میں نو وارد ہوں

ان کے ساتھ بھی ابتدائی ایک دو ماہ نرمی کا برتاؤ کریں۔ چھٹیوں سے ایک دن قبل بھی حتی الوسع کوشش کریں کہ بچوں کو سزا نہ دیں۔ طالب علم کی خطا پر صبر سے کام لیتے ہوئے پہلی تین مرتبہ طالب علم کی غلطیوں کو معاف کر دیں بعد ازاں غلطی ہونے پر مناسب اور جس قدر سزا کا وہ مستحق ہو اسی قدر سزا دیں پند و نصائح زیادہ کریں اور اس سلسلہ میں پہلے اساتذہ اور قرأ کے حالات بھی سنائیں جائیں کہ انہوں نے کس طرح علم کی بلندیوں کو محنت کر کے چھوا ہے نیز رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین ودیگر آئمہ دین رحمہم اللہ کے حالات بھی ان کو سنا کر ان کے حصول علم کے شوق کو بڑھایا جائے۔

عمدہ شرعی آداب سے آگاہی:

استاد کے لیے ضروری ہے کہ خود بھی متبع شریعت ہو اور طلباء کو بھی عمدہ اخلاقی باتوں، آداب اور شریعت مطہرہ کی باتوں کی تلقین کرتا رہے۔ خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور تلاوت قرآن کو حرز جاں بنانے کی تلقین ضرور کریں۔

امتحانات کا انعقاد:

اساتذہ کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے زیر تعلیم بچوں کا ہر تین ماہ کے بعد امتحان کروائیں اور اس کے لیے کسی اچھے استاذ اور غیر جانبدار قابل شخص کو منتخب کریں۔ اس سے ایک تو بچوں کی تعلیمی استعداد کا پتہ لگے گا اور دوسرے اپنے اندر احساس ذمہ داری بھی پیدا ہوگا۔

سہ ماہی امتحانات کرانے سے سال میں چار امتحانات ہوں گے یعنی سہ ماہی، شش ماہی، نوماہی اور سالانہ امتحان۔

بعض اساتذہ امتحان سے ایک ماہ قبل ہی طلباء کا سبق بند کر دیتے ہیں اور منزل کے اوپر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ میرے خیال میں اگر استاذ روزانہ کا اپنا معمول صحیح رکھتا

ہے اور سبق، سبقی پارہ اور منزل باقاعدگی سے سنتا رہتا ہے تو اس اس کو امتحان سے پہلے ایسے معمول اپنانے کی ضرورت نہیں رہے گی اور وہ معمول کے مطابق بآسانی پڑھاتا رہے گا۔ یا بعض کمزور طلباء کو ایک ہفتہ قبل ہی اس صورت سے گزارہ جائے تو بھی ان شاء اللہ مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

حفظ کے طلباء کو دَور کرنے کا کہیں:

حفظ کے اساتذہ اپنے زیر تعلیم بچوں کو آپس میں دَور کرنے کا کہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے آپ ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دَور کرتے تھے۔

دَور کرنے کا طریقہ:

ضروری ہے کہ اگر دَور ایک پارے کا کیا جارہا ہے تو پہلے ایک لڑکا دوسرے لڑکے کو ایک رکوع سنائے اور پھر دوسرا لڑکا پہلے لڑکے کو وہی رکوع سنائے۔ اس طرح باری تمام پارے کے رکوع ایک دوسرے کو سنائے جائیں۔ یہ طریقہ تو درجہ حفظ کے طلباء کے لیے ہے۔

اور اگر تجوید کے طلباء دَور کریں تو وہ پاؤ پاؤ سپارے کا معمول مذکورہ بالا طریقے کے مطابق دہرائیں۔

پڑھائی کے دوران بچوں کی حرکات پر کڑی نظر:

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف سبق پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کو ہی اپنا مقصود نہ جان لے بلکہ ہر دم تمام بچوں پر کڑی نظر رکھے ان کی لاپرواہی اور عدم توجہی کو مدنظر رکھے۔ بعض اوقات بچے نہایت چالاکی سے دوران تعلیم باتیں شروع کر دیتے ہیں یا کبھی رفع حاجت کے بہانے بہت بہت دیر تک باہر رہتے ہیں نیز ایسی جوڑی جن کے متعلق خدشہ ہو کہ یہ پڑھنے اور سننے میں خیانت کرے گی۔ انہیں اپنے قریب بٹھائے اور ہر دم چوکس اور مستعد رہ کر تعلیم دے۔

بعض اوقات طالب علم یہ بھی کرتے ہیں کہ قرآن سامنے رکھ کر ہلتے رہتے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ بہت خشوع وخضوع سے سبق پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ باتوں میں مشغول ہوتے ہیں بچوں کی ایسی عادات کا استاذ ہر دم خیال رکھیں اور ان کا مناسب تدارک کریں۔

طلباء کے ساتھ برابری کا سلوک:

استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام طلباء کو تعلیم دینے میں یکساں سلوک کرے۔ کسی کے ساتھ کوئی رعایت یا خصوصی تعلق بالکل نہ رکھے مبادا وہ بچہ اس تعلق سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھا پائے۔

نابالغ بچوں کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے:

استاذ کے لیے سخت ضروری اور لازمی ہے کہ نابالغ اور بے ریش بچوں کے ساتھ تنہائی میں (خصوصاً خوبصورت بچوں کے ہمراہ) ہرگز نہ بیٹھے کیونکہ شیطان لعین کی تباہ کاریاں از حد خطرناک ہیں اور اس طرح کے واقعات سے مدرس اور مدرسہ بلکہ اس تمام کام کو سخت اور انتہائی ناقابل تلافی نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔

اسی طرح الحمدللہ اب بچیوں کے مدارس بھی خوب فروغ پارہے ہیں۔شرعی پردہ کے احکامات وہاں بھی ملحوظ خاطر رکھے جائیں۔

یہاں ایک بات ذکر کرتا چلوں کہ راقم کو بچیوں کے مدارس میں تدریس کا موقع ملا ہے اور الحمدللہ میں نے بچیوں کو بچوں کے مقابلے میں زیادہ ذی استعداد اور علم حاصل کرنے کا شوقین پایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

اپنی جسمانی خدمت لینا:

بعض اساتذہ کو یہ عادت ہوتی ہے کو بچوں سے اپنی جسمانی خدمت لیتے ہیں، پیر

دبوانے، تیل لگوانا وغیرہ اس طرح کی عادات اپنے آپ کو بالکل نہ ڈالیں۔ ہاں اگر بیماری کی کیفیت ہوتو بہ امر مجبوری جسمانی خدمت لے لینی چاہیے لیکن اس وقت بھی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بے ریش بچے جسم دبانے کا کام نہ کریں بلکہ بڑی عمر کے بچوں سے یہ خدمت لی جائے۔

بچوں کی نفسیات کو مدنظر رکھیں:

استاذ کو بچوں کی نفسیات کا علم ہونا چاہیے۔ ایک اچھے استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زیر تعلیم بچوں کی عادات واطوار سے کما حقہ واقف ہو اس کو علم ہو کہ کون سا بچہ نیک ہے۔ کون سا بچہ شریر ہے۔ کون سا بچہ محنتی ہے کون سا بچہ بدشوق ہے اور کون سا غبی ہے۔ کون سا ذہین ہے۔ کون سا بچہ پیار سے پڑھنے والا ہے۔ کون سا بچہ ڈانٹ ڈپٹ سے پڑھنے والا ہے۔ کون سا بچہ مار سے پڑھنے والا ہے۔ ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر بچے کے ساتھ اس کے مزاج ذہن اور شوق کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ اب اس بات کو ذرا وضاحت سے سمجھئے۔ مثال کے طور پر ایک ایسا بچہ جو کہ محنتی ہے عادات کے لحاظ سے نیک ہے کسی وجہ سے ایک دن سبق نہیں سنا سکا۔ یا ایک دو دن اس کی منزل کا کام نامکمل رہا۔ اب اس بچے کو استاذ نے مارا اور سختی کی تو یہ بچہ بگڑ جائے گا۔ شیطان غلط قسم کے وسوسے اس بچے کے ذہن میں ڈالے گا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بچہ پڑھائی سے متنفر ہو جائے۔ اسی طرح ایک ایسا بچہ جو کہ عادتاً شریر ہے اور دماغی لحاظ سے بھی بہتر نہیں۔ سبق باوجود محنت کرانے کے یاد نہیں کرتا۔ پہلے اس کی ذہنی تربیت کی جائے۔ اسے سمجھایا جائے۔ اس کے بعد اسے ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ اگر تب بھی وہ اپنی سابقہ روش برقرار رکھے تب اس کو معمولی سرزنش کی جائے اور یہ اسی حد تک ہو جو کہ اس کو راہ راست پر لانے کے لیے کافی ہو۔ بے جا زیادتی نہ کرے کہ وہ گھبرا کر متنفر ہو جائے اور اس سلسلہ میں پڑھائی موقوف کر دے۔

اب ایک ایسا لڑکا جو بالکل غبی ہے اس کی حالت زار سے گھبرایئے نہیں جب آپ دیکھیں کہ وہ ایک صفحہ کی بجائے آدھا صفحہ سبق یاد کرتا ہے تو اتنا سبق ہی اسے یاد کرنے کے لیے دیں اگر اس کا سبق زیادہ بھی کرنا ہو تو پندرہ بیس دنوں کے بعد ایک ایک سطر زیادہ کرتے جائیں اور یہ بھی اس صورت میں ہو جب بچہ اس سبق کی زیادتی کو ذہنی طور پر قبول کرلے۔ اگر لڑکا شریر ہے اور وہ اپنا کام پورا نہیں کرتا تو سرزنش کرنے سے پہلے اس کے والدین سے رابطہ قائم کیا جائے اور ان کو اس کی حالت زار بتائی جائے اور وہ بھی اگر اس بات سے اتفاق کریں کہ اس بچے کو سزا دی جائے تب اس کو جسمانی سزا دیں اور اس طرح سے اس کی تعلیمی حالت ان شاء اللہ درست ہوجائے گی اس کے ساتھ ساتھ سمجھانے کا طریقہ بھی برابر جاری رکھیں۔ جسمانی سزا اور پندونصائح کو باہم مربوط کرکے اس طرح اس کی ذہنی اور تعلیمی تربیت کریں۔ کہ وہ آپ کی طرف سے دی جانے والی سزا کو بخوشی قبول کرے وگرنہ پندونصائح کو چھوڑتے ہوئے صرف مار پر زور دیا تو ہوسکتا ہے کہ بچہ استاد سے متنفر ہوجائے اور اس کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ جائے کہ استاذ میرا خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہے۔ نفسیات کے ضمن میں ایک بات اور کہتا چلوں کہ عموماً مدارس میں یہ ہوتا ہے کہ سارا ٹائم استاذ بیٹھا رہا جب چھٹی کا ٹائم قریب ہوا چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور بلا استثناء ہر طالب علم کو دو دو چھڑیاں رسید کی۔ اب اس طرح سے یہ ہوا کہ جو بچہ نہیں پڑھ رہا تھا اس کے ساتھ تو یہ معاملہ صحیح ہوا لیکن اب ایسا بچہ جو بڑی تندہی سے پڑھ رہا تھا اس کو بھی بلاقصور جب یہ چھڑیاں لگی تو وہ پڑھائی سے بددل ہوگا اور اس طرح استاذ اس بچے کے ساتھ حق تلفی کرے گا۔

استاذ کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ بچوں کا سبق سنتے ہوئے اسی میں صرف ہمہ تن مشغول نہ ہو بلکہ تمام درس والے بچوں پر نظر رکھے اور اس کو دیکھتا رہے کہ کون سا بچہ پڑھ رہا ہے۔ کون سا باتیں کررہا ہے۔ اس کے مطابق ہی بچوں کے ساتھ معاملہ کرے۔

سبقی پارہ سننے کا طریقہ:

اسی طرح استاد ربڑ اور پنسل اپنے پاس رکھے اور بچے کا سبقی پارہ قرآن کھول کر خود سنے۔ بعض اساتذہ قرآن میں سے دیکھ کر سبق سننے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں قرآن کھول کر سننے سے صحیح سبقی پارہ اور منزل سن سکتا ہے، استاذ کو بھی غلطی لگ سکتی ہے اس طرح غلطی کا امکان نہ رہے گا اگر زبانی سن رہا ہوگا تو قرآن کھولنے اور مذکورہ غلطی والا صفحہ نکالنے اور پھر اس میں غلطی لگانے میں وقت لگے گا اور اگر قرآن میں دیکھ کر سن رہا ہوگا تو غلطی فوراً لگا کر اپنے وقت کی بچت کرے گا اگر استاذ نے غلطی لگا دی ہے اور دوسرے دن لڑکے نے وہ غلطی درست نہیں کی تو حاشیہ پر ایک دائرہ بنا دے۔ اس سے پتہ لگے کہ یہ غلطی دو مرتبہ آچکی ہے اور اگر تیسری مرتبہ بھی یہ غلطی ہو تو اس دائرے میں ایک چھوٹا سا نشان یا نقطہ لگا دے جس سے یہ پتہ چلے کہ یہ غلطی تین مرتبہ ہو چکی ہے۔ اب مناسب معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں کہ اس کے مزاج اور عادات واطوار کو مدنظر رکھ کر اس سے برتاؤ کیا جائے اور جب یہ غلطی اس کی درست ہو جائے تو اس نشان کو مٹا دیا جائے اور گاہے بگاہے اس طالب علم سے بعد میں بھی ان اغلاط کو سنتا رہے (یعنی وہ آیات جن میں غلطی لگی) اس طرح اس کی اغلاط بالکل صحیح ہو جائے گی اور ان شاء اللہ آئندہ وہ ان غلطیوں کو نہیں دہرائے گا اور استاذ کو بھی کامل یقین ہو جائے گا کہ اب اس کی غلطیاں بالکل صحیح ہو گئی ہیں۔

منزل سننے کا طریقہ:

اس طرح استاذ ہر لڑکے کی منزل سنے جیسا کہ اوپر سبقی پارہ سننے کے طریقے میں درج کیا جا چکا ہے اگر لڑکے زیادہ ہیں تو پھر ان لڑکوں میں سے پانچ سات لڑکے منتخب کر کے ان کی منزل خود سنے اور جو لڑکے بقایا رہ گئے ہیں ان کی منزل وہ لڑکے سنیں جن

کی استاذ منزل سن رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ دولڑکے اپنے دائیں جانب اور دو لڑکے اپنے بائیں جانب بٹھالے۔ ایک سننے والا اور ایک سنانے والے دونوں یہ سمجھیں کہ استاذ ہم سے غافل نہیں ہے۔

سبق استاذ لازماً خود سنے:

ضروری اور لازم ہے کہ سبق ہر طالب علم کا استاذ خود سنے کیونکہ آگے چل کر اسی سبق نے سبقی پارہ اور منزل بننا ہے اور اگر سبق کچا رہا تو سبقی پارہ کچا رہا اور سبقی پارے کے کچے ہونے سے منزل کچی ہوگی اور اگر منزل کچی رہی اور جو غلطی رہ گئی وہ پھر ہمیشہ کچی رہے گی۔ کبھی بھی پختہ نہ ہوسکے گی یہ مشاہدے اور تجربے کی بات ہے لہٰذا استاذ سبق کو خصوصی توجہ دھیان اور محنت سے سنے۔

طلباء کی تعداد:

ایک استاذ کے پاس حفظ کے طلباء کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس تک ہونی چاہیے۔ اس سے زیادہ تعداد استاذ پر بھی ظلم ہے اور بچوں کے ساتھ بھی ناانصافی ہوگی۔ اگر طلباء کی تعداد بیس سے زیادہ ہو تو اس استاذ کو نائب دے دیا جائے یا پھر ایک درجہ مقرر کردیا جائے اگر مدرسے والوں کی مجبوری ہو کہ نہ تو وہ درجہ قائم کرسکیں اور نہ ہی معاون استاذ دے سکیں تو اس صورت میں استاذ اللہ کی رضا کی خاطر بچوں کے ساتھ محنت کرے اور مذکورہ بالا طریقہ استعمال میں لائے۔

استاذ حاضری ضرور لگائے:

استاذ طلباء کی حاضری روزانہ ضرور لگائے رجسٹر حاضری بنائے اور ان کی حاضری اس میں درج ہو۔ اس میں قطعاً کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اس معاملے میں کوتاہی کرنے سے طالب علم کی کمزوری یا کوتاہی استاذ ہی کی کوتاہی سمجھی جائے گی کیونکہ اس طرح مدرسے

والے اور بچے کے والدین استاذ کو مورد الزام ٹھہرائیں گے اگر رجسٹر حاضری میں حاضری کا اندراج ہوگا تو وہ رجسٹر کھول کر مدرسے کے منتظمین اور بچے کے والدین دونوں کو صحیح طور پر مطلع کر سکے گا کہ یہ بچہ پڑھائی میں کس قدر حاضر باش ہے رجسٹر میں بچے کی تاریخ داخلہ کا اندراج بھی ضرور کرے۔

طلباء کی ماہانہ تعلیمی رپورٹ بنائے:

استاذ کے لیے ضروری ہے کہ ہر ماہ باقاعدگی سے طلباء کی ماہانہ تعلیمی رپورٹ لکھے اس سے بھی یہ بات واضح ہوگی کہ آیا اس کی تعلیمی کمزوریوں میں استاذ کا قصور ہے یا طالب علم کا نیز اس سے ہر بچے کی تعلیمی کیفیت بھی ہمہ وقت اس کے سامنے موجود رہے گی اور منتظمین مدرسہ اور بچے کے والدین کو بھی ان کے استفسار پر فوراً تفصیلی اور صحیح تعلیمی رپورٹ دے سکے گا۔

روزانہ کی کیفیت بھی والدین کو بتائے:

ان طلباء کے لیے جو مقامی ہیں روزانہ کی ڈائری لکھے کہ اس نے کتنا سبق لیا۔ سبقی پارہ سنایا تو کیا وہ صحیح تھا منزل سنائی تو اس کی کیا نوعیت تھی۔ راقم نے اس کے لیے ایک تین مہینے کی ڈائری ''یومیہ تعلیمی کیفیت'' کے نام سے مرتب کی ہے جس سے استاذ اور والدین کے درمیان رابطہ بھی رہتا ہے اور طالب علم کی روزانہ کی کارکردگی بھی سامنے آجاتی ہے۔ قرآءت اکیڈمی لاہور سے یہ ڈائری دستیاب ہے۔ حفظ کے طلباء کے لیے یہ یومیہ تعلیمی کیفیت نامہ بہت ضروری ہے۔

منزل سننے کے دوران متشابہات کے متعلق سوال کریں:

جب طالب علم کی منزل سنیں تو اس دوران بعض اوقات مشابہہ آیات کے متعلق بھی سوال کرلیں جیسے اس طرح سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر طالب علم ساتویں سپارے میں

سورۃ انعام سنا رہا ہے اور وہ یہ آیت پڑھتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

اس میں طالب علم سے سوال کیا جائے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ سورۃ الانعام کے علاوہ اور کہاں کہاں آیا ہے۔ ضروری ہے کہ یہ سوال کرنے سے قبل طالب علم کو یہ بتلایا ہوا ضرور ہونا چاہیے کہ یہ سورۃ الانعام کے علاوہ سورۃ التکویر اور سورۃ یوسف میں بھی آئے ہیں اور جب آپ اس سوال کرنے سے قبل کسی موقع پر اس کو بتا چکے ہوں گے تو وہ یقیناً ان متشابہات کو ڈھونڈے گا اور یاد کرے گا اور منزل سننے کے دوران آپ اس سے جب دوبارہ یہ سوال کریں گے تو وہ جواب دے گا۔ اس کے لیے بچوں کو راقم کی متشابہات القرآن پڑھنے کی تلقین بھی کریں۔

ایک غلط روایت:

بعض مدارس میں اور بعض سخت گیر استاذ ایسے بچوں کو جو بدشوق ہوتے ہیں زنجیروں میں باندھ کر رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ انتہائی غلط ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ زنجیروں میں باندھے گئے بچے کوئی قابل ذکر کارکردگی پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ایسے بچوں کی بعض اخبارات میں تصاویر دکھائی گئی اور نام نہاد آزادی رائے اور آزادی اطفال وغیرہ جیسی تنظیموں نے دینی مدارس کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس پُرفتن دور میں جب دین کی تضحیک عام ہوتی جارہی ہے۔ ایسے امور سے سختی سے پرہیز کریں جس سے ہمارے کسی عمل کی بدولت دین یا دین کے ہونے والے کاموں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

مارنے میں احتیاط:

بعض سخت گیر استاذ بچوں کو بڑی بے رحمی سے مارتے ہیں اور جب چھڑی اٹھاتے ہیں تو پھر روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے ہیں۔ ان کو اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ چھڑی بچے کے جسم پر کہاں لگ رہی ہے۔ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ بچے پڑھائی

سے بددل بھی ہو سکتے ہیں بعض اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بچوں کی ہڈیوں پر، سر پر زور زور سے چھڑیاں مارتے ہیں یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ بعض استاذ بچوں کو تھپڑ، مکے، گھونسے اور لاتیں مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ بچوں کے ہاتھ اور پاؤں کو بے دردی سے مروڑتے ہیں یا اچانک منہ پر طمانچہ مارتے ہیں۔ یہ سب نہایت ناروا اور غلط طریقہ کار ہے۔ بچے کے چہرے پر مارنا تو بہت ہی غلط ہے۔ حدیث میں بھی چہرے پر مارنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

مدارس کی انتظامیہ سے درخواست:

یہاں میں نہایت دردمندانہ التجا مدارس کا اہتمام کرنے والے حضرات سے بھی کروں گا کہ خدارا استاذ کی ضروریات کا خیال رکھیں اس کو معقول تنخواہ دیں تاکہ وہ اپنے تدریسی فرائض تندہی سے انجام دے۔ اگر مدرس کو تنخواہ خاطر خواہ اور معقول ملے گی تو اس کی کارکردگی اچھی ہوگی اور اگر فکر معاش میں ہی ایک استاذ کھویا رہا تو اس کی تدریسی صلاحیت بہت زیادہ متاثر ہوگی۔

اساتذہ کو ایک اہم نصیحت:

میں حفظ اور تجوید وقراءت کے اساتذہ کو ایک نصیحت کروں گا کہ وہ صرف اور صرف اپنے تدریسی شغل سے تعلق رکھیں اور منتظمین مدرسہ کے انتظام واہتمام اور مدرسے کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ معاصرانہ لڑائی جھگڑا یا مدرسہ کے دیگر امور میں بالکل مداخلت نہ کریں۔ صرف اپنے کام سے کام رکھنا اور دوسروں کے ساتھ دوستانہ اور برابری کی سطح کے تعلق سے وہ مدرسے میں اپنا بہت عزت والا مقام بنالیں گے۔ یہ وہ نصیحت ہے جو راقم نے اپنے استاذ گرامی قدر حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ سے سنی ہے اور جو کامیابی کی بڑی اہم کنجی ہے۔

آدابِ تدریس

۱......(الف) کلاس میں جانے سے پہلے طہارت اور لطافت حاصل کرے، خوشبو لگائے اور اچھا پر وقار لباس پہنے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ درس حدیث سے پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس زیب تن فرماتے۔

(ب) درس شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے خیر کا طالب ہو۔ علم کی اشاعت، احکام دین کی تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی خیر کی نیت کرے۔

۲......گھر سے نکلتے وقت دُعا مسنونہ پڑھے۔ درس سے پہلے ذکر کرے۔ کلاس میں داخل ہوتے ہی سلام کرے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق اعانت اور عافیت طلب کرے، وقار سکون، تواضع وخشوع کی ہیت اختیار کرے۔ اور بدہیئتی سے پرہیز کرے۔ دوران درس، بدن، لباس یا کسی چیز سے نہ کھیلے اور ہنسی مذاق سے پرہیز کرے۔ بھوک پیاس غم وغصہ کی حالت میں نہ پڑھایا جائے۔

۳......تمام طلبہ کی جانب رخ رکھے۔ سب سے مہربانی سے پیش آئے خندہ پیشانی اور متبسم، چہرے کے ساتھ پڑھایا جائے۔ دورانِ درس جو طالب علم سوال یا بحث کرے۔ اس کی طرف خصوصی توجہ کرے، اگر چہ وہ چھوٹا اور بظاہر ادنیٰ، سوال یا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو۔

۴......تعوذ، تسمیہ، قرآن اور دُعا سے سبق شروع کرے اور نصیحت پر ختم کرے۔

۵......اگر مختلف مضامین پڑھانا ہوں تو الاشرف فالاشرف اور الاہم فالاہم کا اصول پیش نظر رکھے۔ درس میں جہاں تسلسل مناسب ہو وہاں تسلسل سے کام لے اور جہاں وقفہ مناسب ہو وہاں کچھ رک جائے۔ سبق نہ تو بہت دراز کرے اور نہ بالکل مختصر کرے اور طلباء کی حالت اور مزاج کا لحاظ کرے۔ مناسب مواقع میں بحث اور گفتگو کا موقع دے۔

۶......آواز زیادہ بلند نہ کرے اور نہ بالکل پست کرے بلکہ اعتدال اختیار کرے کیونکہ اس کے بغیر افادہ اور استفادہ ناقص رہتا ہے۔ مناسب ہے کلاس سے باہر آواز نہ جائے۔

اور ایسا بھی نہ ہو کہ پوری کلاس میں آواز نہ پہنچے۔ البتہ اگر کوئی طالب علم اونچا سنتا ہے تو اس پر خصوصی توجہ کرنا چاہیے۔ جلد جلد اور تیزی سے تقریر کرتا ہوا نہ گزر جائے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ترتیب کے ساتھ بات ذہنوں میں اتارے خود بھی بات شعور اور فہم کے ساتھ کہے۔ اور طلباء کو بھی سمجھنے کا موقع دے۔ اور جب کوئی بات پوری ہو جائے یا ایک بحث ختم ہو جائے تو دوسری بات اور دوسری بحث شروع کرنے سے پہلے کچھ وقفہ دینا چاہیے تا کہ ہر بحث کی بات الگ الگ ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔

۷......شور وشغب اور خلط مبحث سے کلاس کو محفوظ رکھے۔

۸......اگر کوئی طالب علم بدتمیزی اور بے ادبی پر اتر آئے یا سونے لگے یا ہنسی اور مذاق شروع کر دے، استہزا کرنے لگے یا کوئی بھی ایسی ناشائستہ حرکت کرے جس سے کلاس کا سکون برباد ہوتا ہو یا افادہ واستفادہ متاثر ہو یا دوسرے طلبہ پر برے اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لینا چاہیے بشرطیکہ اس ڈانٹ ڈپٹ سے کوئی مفسدہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ضروری سمجھے تو اس کے سر پرستوں سے بات کرے اور اگر باوجود سمجھانے کے وہ اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اس کو کلاس سے خارج کر دے۔

۹......تدریس اور تعلیم میں انصاف کا پہلو مد نظر رکھے طالب علم کے سوال کو توجہ سے سنے خواہ وہ چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ حیا یا قصور علم وفہم یا کسی بھی وجہ سے سائل اگر اپنے سوال یا اعتراض کی وضاحت نہ کر سکے تو معلم کو خود اس کی وضاحت کر کے جواب سمجھا دینا چاہیے! اور اگر کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کا جواب معلوم نہ ہو تو صاف کہہ دے۔ کہ مجھے معلوم نہیں اور بعد میں کسی سے دریافت کر کے یا مطالعہ کے ذریعے معلوم کر کے اس سوال کا جواب سمجھا دے۔

۱۰...... نئے طلبہ کے ساتھ خصوصی محبت اور شفقت اور خوش روئی سے پیش آئے تا کہ

اجنبیت رفع ہو اور گھل مل کر رہنے سے استفادہ تام کر سکیں۔ اوقات تدریس مقرر کرنے میں طلباء کی سہولت کا خیال رکھنا چاہیے۔

11 ...... درس شروع کرنے سے پہلے تمہیدی الفاظ جن سے طلبہ کا ذہن مسئلہ سمجھے کے لیے تیار ہو جائے کہنے چاہئیں اور درس ختم کرنے سے پہلے اختتامی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں تاکہ اچانک درس ختم نہ ہو جائے اور درس کا خلاصہ ذہنوں میں راسخ ہو سکے۔ معلم کو درس ختم ہونے کے بعد کچھ دیر ٹھہرے رہنا چاہیے تاکہ اگر کوئی طالب علم دریافت کرنا چاہے تو کر سکے۔

استاذ کا طلباء سے برتاؤ:

① ...... کسی طالب علم کو اس کی بدنیتی یا عدم خلوص کی بناء پر علم سے محروم نہ کرے، علم کی برکت سے اُمید ہے کہ اس کی بدنیتی حسن نیت سے بدل جائے گی۔ نیز اگر حسن نیت کو شرط لازم قرار دیا جائے تو یہ سلسلہ علم کے منقطع کر دینے کے مترادف ہوگا۔ البتہ استاد کا فریضہ ہے کہ طلبہ کو حسن نیت کی طرف رغبت دلاتا رہے۔

② ...... استاد کا فرض ہے کہ طلباء کو تحصیل علم کی طرف رغبت دلاتا رہے۔ ان وعدوں، فضیلتوں اور درجات کا شوق دلاتا رہے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے علماء کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔

③ ...... طلبہ کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ان کے لیے وہی ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ طلبہ کی مصلحتوں کا پاس ولحاظ کرے اور ان پر توجہ صرف کر دے۔ طلبہ کے ساتھ مہربانی، شفقت اور احسان کا ایسا برتاؤ کرے جیسا کہ عزیز ترین اولاد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ طلبہ کی جانب سے اذیت، سوء ادب وغیرہ کا اگر صدور ہو تو اس پر صبر کرے اور ان کا عذر حتی الامکان قبول کرلے۔ غلطی، قصور اور سوء ادب وغیرہ کے باوجود ان کے ساتھ خیر خواہی، مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرے۔ ناک بھوں چڑھانے اور خشک روئی سے پرہیز کرے کیونکہ حسن تربیت اور حسن تادیب کا

بھی تقاضا ہے کہ جو اسے لازماً اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

④ تربیت میں اخلاق سنوارنے اور حالت سدھارنے کے لیے اشارہ کنایہ سے کام چل جائے تو بہتر ہے ورنہ صریح الفاظ سے کام لے۔ البتہ تدریج اور نرمی کا ضرور خیال رکھے، مسنون آداب اور پسندیدہ اخلاق سکھائے اور معروفات کی وصیت کرے۔

⑤ طلبہ کو اپنے علمی سرمایہ میں سے مالا مال کرنے میں سخاوت سے کام لینا چاہیے۔ تعلیم اور تفہیم میں سہولت اور حسن تلطف کا بہر حال خیال رکھنا ضروری ہے۔ خصوصاً جب کہ طالب علم اہل ذوق وشوق اور حسن ادب بھی رکھتا ہو۔ فوائد علمیہ کی جانب رغبت دلائے۔ نوادرات علمیہ حفظ کرائے۔ اور اپنے خزانہ علمی سے دینے میں بخل سے پرہیز کرے۔ خصوصاً جب کہ وہ اہل ہونے کے ساتھ ساتھ خواہشمند بھی ہو۔ کیونکہ اس بخل سے اس کے سینے میں وحشت اور اس کے دل میں نفرت پیدا ہوگی۔ البتہ نااہل کو اہلیت پیدا کرنے کی خاطر متوجہ کرے۔ اور طلبہ کے فہم اور مقدرت سے زیادہ علمی اور فکری بوجھ ان پر نہ ڈالے۔ ان کی بساط سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے گریز کرنا ان کے ساتھ لطف و مہربانی اور ان پر شفقت ہی کا تقاضا ہے۔

⑥ تشریح وتوضیح میں پوری پوری کوشش صرف کرے۔ لیکن طلبہ کے ذہن اور مرتبہ فہم وعقل کا خیال ولحاظ رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ کسی مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد مثالوں سے اس کو توضیح کرے۔ جو طلبہ دلائل اور ماخذ کے فہم کی سکت نہ رکھتے ہوں ان کے لیے مسئلہ کی صورت گری اور صرف توضیح ہی پر اکتفاء کرے۔ کلاس میں تختہ سیاہ بھی رکھے تاکہ سمجھانے کے لیے اس کو بھی استعمال کرے اس کا استعمال طلباء کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

⑦ درس کی شرح وبسط سے فراغت کے بعد فہم وضبط مسائل کا اندازہ کرنے کے لیے چند متعلقہ سوالات طلباء کے سامنے رکھنے چاہئیں پس اگر صحیح جواب سامنے آئے تو ایسے

طلبہ کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرے۔ اور اگر جواب نہ دے سکیں تو نرمی اور شفقت کے ساتھ دوبارہ سمجھانا چاہیے۔ طلبہ کے سامنے سوالات رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ بعض اوقات طالب علم ''میں نہیں سمجھا'' کہتے ہوئے جھجکتا ہے یا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے اس کا موقع نہیں ہوتا یا اس کو حیا لاحق ہوجاتی ہے۔

⑧......طالب علم سے اگر پوری توقع ہو کہ وہ ''ہاں'' میں جواب دے گا تب تو ''کیا سمجھ گئے'' کا سوال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اندیشہ ہو کہ وہ شرم یا جھجک کی وجہ سے جھوٹ کہنے پر مجبور ہوجائے گا اور ''نہیں سمجھا'' نہیں کہے گا تو مذکورہ سوال (کیا سمجھ گئے؟ سمجھ میں آیا؟) ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے فہم کا اندازہ کرنا چاہیے چند متعلقہ سوالات کے ذریعہ ہی مناسب ہے۔ اگر طالب علم فہم کے سوال پر ''ہاں'' کہہ چکا ہے تو اس کے سامنے سوال نہیں رکھنا چاہیے کہ جواب نہ آنے پر خجالت اور شرمندگی کی عار نہ اٹھانا پڑے، طلبہ کو اسباق میں حاضر رہنے اور مسائل متعلقہ پر فارغ اوقات میں تکرار کر لینے اور غور وفکر اور عقل وفہم کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے پر ابھارتے رہنا ان میں تحقیق وتفتیش کا ذوق پیدا کرتے رہنا چاہیے۔

⑨......کبھی کبھی سوالات کے ذریعے اعادہ کراتے رہنا چاہیے تا کہ ان کے فہم اور یاد داشت کا اندازہ اور امتحان ہوتا رہے اور تا کہ طلبہ کو اصول وقواعد اور مسائل غریبہ ذہن نشین ہوتے چلے جائیں۔ پس جن طلبہ کے جوابات اچھے ہوں تو ان کی ہمت افزائی کرنا چاہیے۔ ان کے ساتھیوں کے سامنے ان کی تعریف کرنا چاہیے تا کہ وہ اور ان کے ساتھی اور زیادہ ذوق وشوق سے تحصیل علم میں کوشش اور جدوجہد کریں۔

⑩......طالب علم اگر اپنی طاقت بساط یا عمر سے زائد محنت کرے تو اس کو میانہ روی اور اعتدال سے کام لینے کی طرف توجہ دلائے۔ طالب علم کو ایسی تعلیم نہ دے اور ایسی کتاب کے مطالعہ کی طرف متوجہ نہ کرے جس کے بوجھ سے اس کا فہم، ذہن یا عمر قاصر ہو۔

⑪......ابتدا میں طلبہ کی ذہنی سطح کا اندازہ امتحان کے ذریعہ کر لینا چاہیے۔ دریافت حال اور ذہن کا تجربہ کیے بغیر کوئی علم وفن شروع نہ کرائے اور اگر اس جانچ میں اندازہ یا تجربہ کا موقع نہ ہو تو ابتدائی کتاب اور ابتدائی فن شروع کرا دے اور پھر حسب حال یا تو اسی کو باقی رہنے دے یا تبدیل کر دے۔

⑫......جوابات یا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس کا ماخذ بھی بتاتا جائے۔ اسی طرح جن علوم وفنون پر کوئی قاعدہ مبنی ہو ان کی بھی نشاندہی کرے لیکن جس فن کے بارے میں طلباء کو کچھ بتائے اس میں خود کو بھی لازمی طور پر دسترس ہونی چاہیے!

⑬......اور اسی علم وفن کی تعلیم دے جس پر اسے خود اچھی طرح دسترس حاصل ہو۔ خود معلم کو تاریخی شخصیتیں اور ان کے واقعات اچھی طرح ذہن نشین ہونا چاہیے! تاکہ موقع بہ موقع ان کو بیان کر کے طلباء میں علم سے شوق ومحبت اور اخلاق و عادات کی تعمیر میں مدد لے سکے۔

⑭......طلباء کے سامنے علوم کی قباحت بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے! ہاں وہ علوم جو شریعت مطہرہ نے حاصل کرنے سے منع کیے ہیں ان کی مذمت کھل کر کرے جیسے جادو ٹونے کا علم، نجوم کا علم، دست شناسی وغیرہ۔

⑮......بعض طلباء کے ساتھ ترجیحی برتاؤ نہ کرے۔ کیونکہ نامساویانہ برتاؤ سے سینوں میں توحش، دلوں میں تنفر پیدا ہوتا ہے۔ البتہ ذوق وشوق، محنت اور حسن ادب وغیرہ میں جو طالب علم آگے ہوں تو ان کو ترجیح دینا اور ترجیحی برتاؤ کا سبب ان خوبیوں کو قرار دینا مناسب بلکہ بہت اچھا ہے۔ اس طرح دوسرے طلباء کو بھی تحریص ہوگی اور یہ برتاؤ خود ان کے لیے بھی مہمیز کا کام دے گا۔

⑯......طلباء کے نجی حالات سے دلچسپی رکھنا چاہیے۔ ان کا نام، نسب، وطن ودیگر حالات معلوم کرتے رہنا چاہئیں اور ان کے لیے دست بدعا رہنا چاہیے۔

⑰...... طلباء کے اخلاق وعادات، سیرت وکردار اور ظاہر وباطن پر نگاہ رکھنا چاہیے۔ اگر کسی طالب علم میں کوئی غلط حرکت وفعل بدتمیزی، بدتہذیبی بدشوقی یا بے توجہی وغیرہ محسوس ہوتو اصلاح حال کی فکر کرے اور اخلاق سدھارنے کی طرف توجہ دے، پہلے عام انداز میں نصیحت کرے اور برائی سے روکنے کی کوشش کرے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہ ہوں تو خاموشی سے اشاروں اور کنایوں میں فہمائش کرے۔ پھر بھی کام نہ چلے تو سختی سے فہمائش کرے۔ اور زجر وتوبیخ اگر مفید ہوتو اس سے بھی کام لے تاکہ دوسرے طلباء اس سے سبق حاصل کریں اور اگر مفید نتیجہ ظاہر نہ ہوتو اس طالب علم سے اعراض کرے خصوصاً جب کہ دوسرے طلباء کے اس سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو۔

⑱...... مصالح کی فکر رکھے ان میں اطمینان قلب پیدا کرنے کی فکر کرے۔ اپنے تعلقات یا اپنے مال کے ذریعہ ان کی مدد کرتا رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کا ہاتھ بٹاتا رہتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت برآری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی کی تنگی میں آسانی پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں قیامت کے دن آسانی پیدا فرمائے گا۔ خصوصاً جب کہ یہ اعانت طلب علم میں ہو جو کہ قرب خداوندی حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ ہے۔

⑲...... حاضر رہنے والے طلباء اگر غیر حاضر ہوں تو ان کا حال اور خیریت معلوم کرنا چاہیے ان کے سرپرستوں اور متعلقین کی بھی خیریت معلوم کرے۔

پس اگر مریض ہوتو عیادت کرے۔ اگر کسی غم میں مبتلا ہوتو اس کا غم غلط کرنے کی فکر کرے اور اگر سفر پر گیا ہوتو اس کے گھر والوں کی خبر گیری کرے اور حتی الامکان ان کی اعانت کرے۔

⑳...... طلبہ کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے۔ ان کے لیے اپنے بازو جھکا دینا

چاہیے۔ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" نبی ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی تواضع اختیار کرو اور جس نے بھی اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ نے اس کو بلند مراتب عطا فرمائے۔ حدیث میں ہے: لينوا لمن تعلمون ولمن تعلمون منه. جس کو سکھاؤ اس سے نرمی برتو اور جس سے سیکھو اس سے بھی تواضع سے پیش آؤ۔

⑪ طالب علم کو اس کے پسندیدہ خطاب سے مخاطب کرنا چاہیے جس میں تعظیم اور توقیر ہو تا کہ اس کی عزت نفس محفوظ رہے اور ان کے ساتھ خوش معاملگی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے۔ اور ان کو ہر طرح کی خیر کی وصیت کرنا چاہیے چنانچہ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مجالست کے اعتبار سے اکرام الناس تھے اور اپنے شاگردوں کا احترام کرنے میں بھی انتہائی آگے رہتے تھے۔

استاد کے آداب

جن پر کاربند ہونا ہر خوش قسمت طالب علم کے لیے ضروری ہے۔

استاذ کا انتخاب:

سب سے پہلے استاد کے انتخاب کے اہم مسئلہ پر غور وخوض اور اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کے ساتھ توجہ کرنا ضروری ہے۔ استاد کے انتخاب میں اس کی اہلیت، شفقت اور مروت کو پیش نظر رکھے جس کی عفت اور پاک دامنی جانی پہچانی ہو جو تعلیم دینے کے فن سے واقف ہو۔ فہمائش کے بہترین ڈھنگ جانتا ہو۔ ایسے استاد کا انتخاب کرنا چاہیے البتہ اگر جامع شخصیت میسر نہ ہو تو ماہر فن کے مقابلہ میں ورع اور حسن اخلاق میں کامل اور صاحب نسبت استاد کو ترجیح دینا چاہیے۔

استاذ کی خدمت:

استاد کی خدمت اور اطاعت کو ہمیشہ باعث صد افتخار شمار کرے (اور اس کو عادت بنالے) اس کے مشوروں پر عمل کرے، اس کی خوشنودی مزاج کی فکر میں رہے۔ اس کی تعظیم اور احترام میں مبالغہ سے کام لے۔ اس کے سامنے ہمیشہ تواضع سے پیش آئے۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اگر ہو سکے تو کچھ صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ باری تعالیٰ میرے استاد کی خوبیوں سے مجھے مالا مال کر اور استاد کے سامنے کسی نالائقی اور کوتاہی سے محفوظ رکھ۔

استاد کو ہمیشہ تعظیم وتکریم کے الفاظ سے خطاب کرنا چاہیے:

استاد کا حق ہمیشہ پہچانے اور تشکر وامتنان کے جذبات کے ساتھ اس کا حق ادا کرتا رہے۔ تاحیات اس کی تعظیم ادب اور خدمت کرتا رہے۔ اور وفات کے بعد ہمیشہ اس کے لیے استغفار کرتا رہے اور اس کی اولاد واقارب سے محبت اور احترام کا سلوک کرتا رہے۔

استاذ کی سختی برداشت کرے:

استاد کے زجر وتوبیخ سے کبیدہ خاطر ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ اس کی سختی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہی۔ استاد کی طرف سے بالفرض اگر زیادتی کا بھی صدور ہو تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔ اور اس کی بہتر تاویل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

استاذ کے پاس اجازت لے کر آئے:

استاد کے پاس بغیر اجازت داخل نہیں ہونا چاہیے۔ الا یہ کہ مجلس عام ہو۔ اجازت نہ ملنے پر بغیر کسی ناراضگی یا دل شکنی کے واپس ہو جانا چاہیے۔ تین بار سے زیادہ اجازت چاہنا یا دستک دینا مناسب نہیں آواز یا دستک ہلکے سے دینا چاہیے۔ اجازت ملنے پر سلام کرکے داخل ہونا چاہیے۔

استاذ کے پاس اچھے لباس میں جائے:

استاذ کے پاس بدہیئتی کی حالت میں نہ جائے۔ بلکہ پُروقار اور صاف ستھرے لباس میں جانا چاہیے۔ گفتگو میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھے استاذ کے پاس فارغ قلب اور صاف ذہن لے کر حاضر ہونا چاہیے۔ نیند اور اونگھ، غصہ اور غضب یا شدید بھوک اور پیاس میں ہرگز حاضر نہ ہونا چاہیے۔

استاذ موجود نہ ہو تو انتظار کرے:

اگر استاذ موجود نہ ہو تو جلد واپس نہ ہو جائے بلکہ انتظار کی زحمت گوارا کرے اور درس نہ چھوڑے۔ کسی ایسے وقت میں جس میں کہ پڑھانا دشوار ہو یا استاذ کی عادت کے خلاف ہو، پڑھانے کا مطالبہ نہ کرے۔ اور نہ اپنے واسطے مخصوص وقت کا خواہشمند ہونا درست ہے۔ خواہ امیر کبیر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس میں استاذ پر اپنی برتری کا احساس و اظہار پوشیدہ ہے۔

درس میں شامل ہونے کے آداب:

استاذ کے سامنے ادب سے بیٹھنا چاہیے۔ اس کی تقریر توجہ سے اور کان لگا کر سننا چاہیے۔ اور خواہ مخواہ ادھر ادھر دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دوران درس اپنے کپڑوں یا جسم یا کسی اور چیز سے کھیلنا طالب علم کی بے پروائی کا ثبوت اور عدم توجہی کی کھلی شہادت ہے۔ جمائی اور انگڑائی کو بھی حتی الوسع (درس کے دوران) اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔ فرش پر سے تنکے اٹھانا یا اس پر انگلیوں سے لکیریں بنانا انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا بھی سبق کی طرف سے غفلت کو ظاہر کرتا ہے۔ بار بار کھانسنا، کھنکارنا اور تھوکنا بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ استاذ کے سامنے تخاطب، نشست و برخاست غرض ہر ہر حرکت و اطوار سے سکون۔ محبت ادب و تہذیب، سلیقہ اور تمیز کا ثبوت دینا چاہیے۔

استاد سے بحث ومباحثہ سوال وجواب کے دوران بھی ادب سلیقہ اور نرمی پر کار بند رہنا چاہیے۔ استاد سے اگر کسی سہو یا غفلت کا صدور ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ استاد نبی تو نہیں ہوتا کہ اس سے غلطی سرزد ہی نہ ہو۔

حفظ کرنے والے طلباء اور حفظ قرآن کرنے والے اساتذہ کے لیے اہم باتیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ہم نے ہی قرآن حکیم کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم کی حفاظت جن ذرائع سے کرنے کا بندوبست کیا گیا ان میں سے ایک اہم حفاظت حفظ قرآن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارکہ ہے:

”قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ تم پڑھتے جاؤ اور ترقی کے درجات یعنی جنت کے درجے چڑھتے جاؤ اور اسی طرح ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھو جیسے کہ تم دنیا میں پڑھا کرتے تھے تمہاری منزل وہ ہوگی جہاں تم آخری آیت تلاوت کرو گے۔“ [مسند احمد، ابن ماجہ]

ضرورت محسوس کی گئی کہ درجہ حفظ میں آج کل کے مادی دور کے لحاظ سے طلباء سے کس طرح کا برتاؤ کیا جائے پڑھانے کا انداز کیا ہو طلبا کے لیے یاد کرنے کا وقت کونسا موزوں ترین ہے اس حوالے سے کچھ مختصر باتیں کی جائیں۔

والدین کی ذمہ داری:

حفظ کرنے والے طلباء کے والدین اور خود حفظ کرنے والے بچے کو بھی اس بات کا شدت سے احساس ہونا چاہیے کہ قرآن کو حفظ کرنے کے بعد اسے یاد رکھنا واجب ہو جاتا

ہے حافظ قرآن کو اپنی منزل پختہ رکھنے کے لیے مسلسل اس قدر وقت نکالنا ہوگا کہ اسے بہت سی دنیاوی مشغولیتوں کو خیر باد کہنا پڑے گا اور اپنی سرگرمیوں کو محدود کر کے قرآن کے لیے وقت نکالنا ہوگا یہ والدین کی بھی ذمہ داری ہے اور حافظ قرآن کی اپنی بھی۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی بچہ والدین کی خصوصی توجہ کے بغیر ہی قرآن حفظ کر لے اور اس کی منزل درست ہو اس لیے والدین کو شروع ہی سے یہ ذہن بنانا ہوگا کہ انہیں بچے کی بھرپور انداز میں مستقل نگرانی اور راہنمائی کرنا ہوگی۔

یاد کرنے کا موزوں وقت:

یوں تو قرآن کسی بھی وقت یاد کیا جا سکتا ہے مگر حفظ کے لیے نماز فجر کے فوراً بعد کا وقت انتہائی موزوں ہے۔ اگر روزانہ فجر کے بعد دو گھنٹے قرآن کے لیے مختص کر دیئے جائیں اور استاد صحیح طور پر دلجمعی سے محنت کرانے والا ہو تو ڈیڑھ دو سال میں حفظ کر لینا بآسانی ممکن ہے۔ ہمارے برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں عموماً یہی دستور ہے کہ نماز فجر کے بعد استاذ بچوں کو قرآن مجید یاد کرنے پر لگا دیتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو نماز فجر سے قبل جگا دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب بچے کو رات کو بروقت سونے کے لیے بستر پر بھیج دیا جائے۔

یاد کرنے کے لیے ایک ہی نسخہ رکھیں:

حفظ قرآن کے لیے ایک ہی نسخہ استعمال کیا جائے کیونکہ حافظ کے ذہن میں اپنے قرآن کے صفحہ کا پورا نقشہ محفوظ ہوتا ہے اس کے علاوہ چونکہ حفظ کے دوران الفاظ پہ نشان لگانا ضروری ہوتا ہے اس لیے بھی ایک ہی قرآن کا استعمال کرنا ضروری ہے تاہم ابتداء میں بچوں کے لیے سپارے استعمال کیے جا سکتے ہیں اس حالت میں بھی ایسے سپارے کا اہتمام کیا جائے جس کے مطابق بعد میں قرآن کریم میسر آ سکے۔

موزوں اور قابل استاد کا انتخاب:

حفظ کے لیے ضروری ہے کہ ایسے استاد کا انتخاب کریں جو محنتی، جفاکش بچوں کے ساتھ شفیق اور ہمدرد ہو اپنی منزل پختہ یاد ہو۔ ایسا استاد جس کی اپنی منزل پختہ نہ ہو وہ بچے کی تربیت نہیں کرسکتا بلکہ اس قسم کے نااہل استاذ سے تو بچہ بھی قرآن حفظ کر کے ساری عمر کے لیے کچی منزل والا بن جائے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اساتذہ کا اس سلسلے میں راقم کو تجربہ بھی ہے کہ استاذ کو منزل صحیح یاد نہیں تھی للہذا طالب علم کی بھی منزل پختہ نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ بچے چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں اور فوری اثر قبول کرتے ہیں جو ان کے اذہان پر مکمل طور پر ثبت ہوجاتا ہے اگر یہ یاد کچی یا ناپختہ اغلاط سے بھرپور ہوگی تو اس کو دوبارہ صحیح کروانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔

مار پیٹ سے اجتناب:

برصغیر پاک وہند میں حفظ قرآن کی تعلیم کے ہمراہ تشدد اور مار پیٹ کا تصور بہت شدید قسم کی وابستگی رکھتا ہے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ سخت مار کے بغیر بچے حفظ نہیں کرسکتے یہ تصور غلط اور گمراہ کن ہے اس سے بچے کو قرآن سے نفرت بھی ہوسکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال سے کم عمر بچے کو تو نماز چھوڑنے پر بھی مارنے کی اجازت نہیں دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو بھی بری طرح مارنے اور زدوکوب کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے چنانچہ جو نام نہاد اساتذہ بچوں کو نہایت بے دردی سے مارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یوم حشر کے لیے جواب سوچ رکھیں۔

مار پیٹ کی بجائے یاد کرنے کے لیے دوسرے طریقے استعمال کریں:

مار پیٹ کی بجائے بار بار توجہ دلانا سبق کو بار بار کہلوانا یا بسا اوقات سزا کے طور پر

بچے کو کھڑا کر کے سبق یاد کرنے کا کہنا یا بچوں کو انعام وغیرہ دے کر حفظ قرآن پر مائل کیا جائے۔ بچوں میں مسابقت کا جذبہ ابھارنے سے آسانی سے حفظ کرایا جاسکتا ہے جیسے یہ اعلان کیا جائے کہ جو بچہ روزانہ سب سے زیادہ آیات حفظ کرے گا اسے انعام ملے گا۔ میرے خیال میں ان اقدامات سے مار پیٹ کے مقابلے میں زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکیں گے۔

طلباء کے لیے یاد کرنے کا آسان ومنفرد طریقہ:

یہ بات تو لازمی ہے کہ جو سبق حفظ کے لیے تیار کیا جائے اسے استاذ صاحب کو سنانے سے قبل ہی اس بات کو تسلی کر لی جائے کہ اغلاط سے بالکل پاک ہو۔ اس کے لیے کسی اچھے قاری کے حدر میں ریکارڈ شدہ قرآن حکیم بہت معاون ہوسکتا ہے۔ بیرون ملک قراء کرام میں شیخ خلیل محمود الحصری رحمہ اللہ اور شیخ عبدالباسط رحمہ اللہ کے حدر میں مکمل قرآن دستیاب ہیں۔ مقامی اساتذہ کرام میں استاذ القراء والمجودین الشیخ القاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ، استاذ القراء حضرت قاری محمد شریف صاحب رحمہ اللہ، استاذ القراء حضرت قاری حسن شاہ صاحب رحمہ اللہ اور استاذ القراء حضرت الشیخ قاری محمد صدیق لکھنوی رحمہ اللہ کے حدر اور ترتیل کو سنا جائے اور صحیح ادا اور تلفظ کو ان اساتذہ کی کیسٹوں سے اخذ کیا جائے۔ سبق والا حصہ ٹیپ ریکارڈ سے متعدد مرتبہ سن لینے سے سبق یاد کرنا آسان ہوجائے گا ایسے ہی ٹیپ ریکارڈ میں سبق ریکارڈ کر کے سننا بھی بہت مفید ہوگا۔

اگر آیات کا مفہوم ذہن میں ہوتو حفظ کرنا مزید آسان ہوسکتا ہے نیز متشابہ مقامات کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی سبق یاد کرنا آسان ثابت ہوسکتا ہے۔

سبق یاد کرنے کا طریقہ کار کیا ہو:

حفظ کرنے کا طریقہ کار یوں ہونا چاہیے کہ طالب علم اپنی استعداد کے مطابق

روزانہ سبق یاد کرے اور استاد کو سنائے۔ ایک یا دو غلطیاں ہوں تو قابل برداشت ہوں گی مگر اس سے زیادہ ہونے کی صورت میں طالب علم سبق دوبارہ یاد کرے۔

روزانہ گزشتہ تقریباً بیس اسباق پر مشتمل سبقی سپارہ طالب علم استاذ کو لازماً سنائے۔ روزانہ اپنے سبق کو سبقی پارہ میں شامل کرتا جائے اور آخری سبق کو سبقی پارہ میں سے حذف کرتا جائے۔ یاد رہے کہ سبقی پارے کی مقدار ایک پارے کے برابر ہونی چاہیے۔

روزانہ منزل بھی سنی جائے:

روزانہ کم از کم دو یا تین سپارے پر مشتمل منزل سنی جائے منزل کم کرنے کا نتیجہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ منزل کم کرنے سے ہر سپارے کی باری تاخیر سے آئے گی اور اس طرح منزل کی پختگی برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

متشابہ آیات کو یاد کرنا:

عموماً حفاظ کرام متشابہ آیات سے پریشان ہوجاتے ہیں ان کو یاد کرنے کا واحد طریقہ منزل کی پابندی ہے۔ مستقل مزاجی سے منزل سنانے والا اور قرآن حکیم کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے والا حافظ متشابہ مقامات کی بھول چوک سے محفوظ رہتا ہے۔ بار بار کی دھرائی سے ایسے متشابہ مقامات بھی اچھی طرح حفظ ہوجاتے ہیں۔

کچی منزل یاد کرنے کا طریقہ:

قرآن مجید حفظ کرنے کے دوران سب سے زیادہ پریشان کن مرحلہ وہ ہوتا ہے جب کوئی طالب علم زیادہ پارے حفظ کرچکا ہو مگر اس کی منزل مضبوط نہ ہو۔ آج کل مدارس میں ایک استاذ کے پاس زیادہ طالب علم ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ بہت زیادہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ منزل کسی بھی صورت میں ایک پارے سے کم نہ رکھی جائے اور اگر دو پارے ہوں تو بہت ہی بہتر ہے تاکہ ہر پارے کی

باری جلد جلد آتی رہے اور منزل کا عمومی معیار بہتر ہو۔ جن کی منزل کم ہو ان کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ منزل سنائیں تاکہ ابتداء میں ہی بنیاد مضبوط ہو اور وہ اس پریشان کن مسئلے سے دوچار ہی نہ ہوں۔

اگر کوئی طالب علم اپنی منزل کی کمزوری کی وجہ سے روزانہ دو سپارے یا ایک سپارہ نہیں سنا سکتا تو ایسی صورت میں مزید سبق لینا فوری طور پر بند کر دے اور صرف منزل پر توجہ دے۔ اور جب استاذ محسوس کرے کہ طالب علم کی منزل اب مضبوط ہوگئی ہے تو پھر دوبارہ سبق شروع کیا جائے۔ یہ بات از حد ضروری ہے کہ ہر حالت میں منزل کچی نہ ہونے دی جائے۔

دور کرنے کی عادت ضرور رکھیں:

حافظ قرآن کو دور کرنے کی عادت ضرور ڈالنی چاہیے چاہے وہ مکمل قرآن حفظ کر چکا ہو یا ابھی کر رہا ہو۔ یعنی دو حافظ مل کر ایک دوسرے کو اپنی منزل سنائیں۔ اس طرح سے دور کرنا سنت نبوی ﷺ ہے بخاری مسلم اور نسائی کی روایت ہے:

كان جبريل يلقاه كل ليلة من رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه النبي ﷺ القرآن

''یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان میں ہر رات کو حاضر ہوتے اور رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن سناتے۔''

پس اس سے ثابت ہوا کہ دور کرنا سنت ہے لہٰذا حفاظ کرام کو چاہیے کہ اس سنت پر عمل کیا کریں اس سے ان شاء اللہ منزل پختہ ہوگی اور طالب علموں کو تو سارے سال ہی یہ عمل جاری رکھنا چاہیے۔

دیگر کارآمد امور:

قرآن حفظ کرنے کے بعد بھی روزانہ دو پارے یا ایک پارہ لازماً سنائے جائیں

ایسے ہی ایک مرتبہ پورے قرآن کو زبانی ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ کرلیا جائے اور اس کو بغور سنا جائے کہ تلفظ میں غلط ادائیگی اور دیگر اغلاط کیا ہیں اور ان کو پھر دور کرنے کی کوشش کرے۔ اس ریکارڈنگ کو آئندہ کے لیے سنبھال کر رکھیں یہ ان شاء اللہ ایک تو منزل یاد کرنے میں معاون ہوگا اس کے علاوہ صحیح ادائیگی اور حروف کے تلفظ کو سنوارنے میں بہت معاون ہوگا۔ ان شاء اللہ

نورانی قاعدہ کے تعلیمی قواعد وضوابط

نورانی قاعدہ پڑھاتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ یہ چھوٹی عمر کے بچے ہی پڑھنا شروع کرتے ہیں جن کی آوازیں غیر واضح اور صاف بھی اس قدر نہیں ہوتی اور ان کو صحیح الفاظ کی ادائیگی میں کچھ شروع میں دشواری پیش آتی ہے اس سلسلے میں جسمانی سزا بہت ہی کم اور صبر وضبط کی از حد ضرورت ہوگی نیز درج ذیل امور بھی پیش نظر رکھیں۔

آغاز قاعدہ:

آغاز میں بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہلوائیں۔ بچہ پوری ایک سانس میں نہ کہہ سکے تو تھوڑا تھوڑا کہلوائیں۔ پھر حروف تہجی کہلوائیں ان کو یاد کرانے میں جس قدر محنت آپ کریں گے آگے چل کر یہی آپ کے لیے بہت معاون ہوگی۔

مفرادت کی تختی کو اوّل دائیں سے بائیں، پھر اوپر سے نیچے یعنی اوّل حروف کو ترتیب سے الف سے لے کر یاء تک ترتیب کے ساتھ پڑھائے اور بعد ازاں ان کو ترتیب کی بجائے بلا ترتیب پڑھائے یعنی اوپر سے نیچے بائیں سے دائیں وغیرہ کی ترتیب استعمال کریں۔

یاد رکھیں قرآن کریم کی ابتدائی تعلیم میں قاعدہ کی وہی اہمیت ہے جو جسم انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کی ہے اس لیے قاعدہ پڑھانے والے معلمین حضرات سے گزارش ہے کہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ بچے پر غیر ضروری دباؤ نہ آنے پائے اور اس کا قیمتی وقت

بھی محفوظ رہے۔

بچوں کو نقطوں والے اور بغیر نقطوں والے حروف کا فرق ذہن نشین کروائیں:

ضروری ہے کہ بچوں کو نقطوں والے اور بغیر نقطوں والے حروف کو یاد کروائیں۔ یاد رکھیے کہ اگر اس میں کمی رہی تو اس کا اثر بہت آگے تک جائے گا۔ اگر آپ نے اس موقع پر ان بچوں پر ان شاء اللہ محنت کردی تو آگے چل کر قرآن کریم پڑھنے میں بچوں کو بہت سہولت ہوگی۔

حروف کی ادائیگی:

حروف کی ادائیگی میں عربیت کو پیش نظر رکھیں۔ اُردو طرز پر بے، تے، ثے، حے، خے، اور طوے، ظوے وغیرہ ہرگز نہ بتائیں بلکہ عربی طرز پر با، تا، ثا، حا، خا، طا، ظا وغیرہ کہلوائیں۔

اُستاذ القراء والمجودین حضرت الشیخ القاری المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اوصاف اُستاذ

راقم نے تدریسی میدان میں جزوقتی طور پر سعودیہ جانے سے پہلے ہی قدم رکھ دیا تھا اور زمانہ تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کئی لڑکوں کو تجوید پڑھا کر حضرت اُستاذ المکرم رحمہ اللہ سے امتحان دلوایا اور سند فراغت دی گئی پھر جب راقم الحروف نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے فراغت کے بعد مستقل پڑھانا شروع کیا تو ایک دن حضرت الاستاذ کے دولت کدہ پر حاضری دی اور عرض کیا کہ حضرت پڑھانا تو شروع کردیا ہے مگر تدریس کے اصولوں سے ناآشنا ہوں کہ ایک اچھے استاذ کے کیا اوصاف ہونا چاہیے۔ فرمانے لگے بھائی اصول کیا ہوتے ہیں۔ اصل تو آدمی کا تجربہ ہے وہ ان شاء اللہ بتدریج ہوجائے گا۔

مگر استاذ کے لیے جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان میں اوّل چیز اخلاص ہے۔ استاذ کو علم اور طلبہ سے مخلص ہونا چاہیے۔ اگر استاذ مخلص نہ ہوگا تو علم میں برکت نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ دنیاوی لالچ نہ ہو تیسرے ریا کار نہ ہو۔ اللہ کی رضا کی خاطر پڑھائے۔ متکبر نہ ہو، تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ تقویٰ کا وصف استاذ کے لیے لازم ہے۔ یہ وصف بے حد جامع اور دیگر اوصاف پر حاوی ہے۔

استاذ خوش اخلاق اور خندہ جبین ہو، نرم مزاج ہو، ترش رو نہ ہو۔ تند خو انسان اچھا استاذ نہیں بن سکتا۔ استاد و شاگرد کا تعلق افادہ واستفادہ کا ہوتا ہے۔ یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب دونوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں اور شاگرد وبلا تکلف اور بلا جھجک علمی فوائد حاصل کرسکتا ہو۔ تنگ دل استاذ سے یہ ممکن نہیں۔

استاذ کی ناراضگی خیر خواہی، ہمدردی اور محبت پر مبنی ہونی چاہیے۔ وہ بے شک اُنہیں جفاکشی، محنت اور مسلسل کام کرنے پر مجبور کرسکتا ہے اور اس دوران سختی سے کام لینا معیوب نہیں مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں حسد وانتقام کا کوئی جذبہ پنہاں نہ ہو۔ استاذ کے لیے متبع شریعت ہونا نہایت ضروری ہے۔ ایک بے عمل شخص کی بات میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

عزت ووقار:

عزت وخودداری کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا اُستاذ کے لیے موزوں نہیں شاہ بخارا نے حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ قصر شاہی پر حاضر ہوکر اُس کے بچوں کو صحیح بخاری کا درس دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اُس کی خواہش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا تمہیں تو علم کے اعزاز کو قائم رکھنا چاہیے۔

اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ میرے پاس حاضر ہوکر مجھے حدیث پڑھائیں۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے انکار کردیا

اور فرمایا کہ تمھیں علم کو سربلند کرنا چاہیے اگر خلیفہ وقت ہی علم کی تذلیل پر اُتر آئے تو علم کی شان کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔

صبر و استقلال:

اُستاذ کو چاہیے کہ وہ صابر اور مستقل مزاج ہو۔ کسی حالت میں بھی صبر و حوصلہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ہمارے بزرگ اکابرین حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام مالک رحمہ اللہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس راہ میں جو شدائد و تکالیف کے پہاڑ برداشت کیے وہ بہت صبر آزما تھے۔

وسعت قلب:

استاذ کے لیے وسعت قلبی کا مالک ہونا ازبس ضروری ہے۔ ایک تنگ دل شخص ہرگز کامیاب استاذ نہیں بن سکتا۔ شاگرد شعوری یا غیر شعوری طور پر اُستاذ سے متاثر ہوتا ہے۔ والدین کی تربیت کے بعد بچہ جس شخصیت کا اثر سب سے زیادہ لیتا ہے وہ اُستاذ ہے۔ طلبہ کی اثر پذیری کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ تاثیر، اخلاق و عادات، طرزِ زندگی، علم وفن اور زہد وتقویٰ سب امور شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُستاذ کے انتخاب میں بڑی باریک بینی کی ضرورت ہے۔ اساتذہ میں اس اخلاص کا فقدان ہوتا جارہا ہے جو سلف کا امتیاز تھا۔ اساتذہ محض کسب معاش کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ تحصیل علم کی لگن ایک پیاس ہے جو ایک عالم میں ہونی چاہیے وہ اساتذہ میں باقی نہیں رہی ہے۔

علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے۔ وہ ان لوگوں کے سینوں کو اپنا نشیمن کبھی نہیں بناتا جو اُسے نیک مقاصد کے لیے حاصل نہ کرتے ہوں جب اُستاذ محض کسب معاش کے لیے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی۔ ہر دم مطالعہ کرو۔ ہمیشہ مطالعے کو اپنا معمول بنالو۔ بغیر مطالعہ کے کبھی سبق نہ پڑھانا۔ اکابرین کی تالیف شدہ خصوصاً عربی کتب جو فن کی بابت ہوں ضرور مطالعہ کرتے رہو بہت فائدہ ہوگا۔

اُستاذ الاساتذہ الشیخ قاری عبداللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ آداب معلم و متعلّم

آدابِ معلم:

مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، دین دار ہو، یاد خوب ہو، فسق و بد نیتی سے منزا ہو۔ جس طرح استاذ سے پڑھا ہے، اُسی طرح پڑھائے۔ نیت خالص رکھے۔ کوئی دنیوی غرض یا شہرت یا وجاہت یا مال مقصود نہ ہو، خوش خلق ہو، دنیا کا طمع نہ رکھے، سخی و حلیم ہو، کشادہ رو ہو۔ سکون و وقار و تواضع اختیار کرے۔ ہیئت، لباس وغیرہ درست رکھے۔ ممنوع لباس نہ پہنے۔ ہیئت تکبر سے نہ بیٹھے۔ حتی الامکان قبلہ رو بیٹھے، باوضو ہو، اگر ممکن ہو خوشبو لگائے ڈاڑھی یا کپڑے وغیرہ سے نہ کھیلے، جب متعلّم بھولے تو آہستہ سے اس کو ٹوکے، اگر خود نکال لے فبہا ورنہ آہستہ سے بتلادے۔ ریا، حسد، کینہ، غیبت دوسرے کی تحقیر اور عجب سے بچے۔ کشادہ مکان میں بیٹھے تاکہ طالبین فراغت سے بیٹھ سکیں۔ شاگردوں کی اعلیٰ قدر و منزلت خاطر برداشت کرے اگر حاجت ہو راہ میں بھی پڑھائے۔

آدابِ متعلّم:

نیت خالص رکھے۔ علائق و موانع کو حتیٰ الامکان کم کردے۔ وقت کو غنیمت سمجھے۔ دوسرے وقت پر نہ ٹالے، سیکھنے پر عار نہ کرے، شیخ کامل کو تلاش کرے جب اُس کے پاس جائے تو کپڑے صاف ہو۔ ادب سے پیش آئے، محبت اور ادب کی نگاہ سے اس پر نظر کرے جو بتلادے اُس کو توجہ سے سنے اور یاد رکھے۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے اپنا قصور سمجھے۔ اس کے روبرو کسی اور کے قول مخالف کو ذکر نہ کرے اگر کوئی اس کے استاد کو برا کہے تو حتی الوسع اس کا معقول جواب دے ورنہ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو۔ جب حلقے کے قریب پہنچے سب حاضرین کو سلام کرے پھر شیخ کو خصوصاً سلام کرے لوگوں کو پھاندتا ہوا

نہ جائے جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے لیکن شیخ کا اذن ہو تو مضائقہ نہیں۔ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ دو شخصوں کے درمیان میں بغیر ان کی اجازت کے نہ بیٹھے۔ بیٹھنے میں جگہ تنگ نہ کرے، اپنے رفقاء سے نرمی برتے، شور نہ مچائے، بے ضرورت نہ ہنسے، بہت باتیں نہ کرے، اِدھر اُدھر نہ دیکھے بلکہ شیخ کی طرف متوجہ رہے، شیخ کی بدخلقی کی سہار کرے۔ اس کی تند خوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑ دے۔ نہ اُس کے کمال سے بداعتقاد ہو بلکہ اس کے اقوال و افعال کی تاویل کرے جب شیخ کسی کام میں لگا ہو یا ملول و مغموم یا بھوکا پیاسا ہو یا اونگھتا ہو یا کوئی اور عذر ہو جس سے تعلیم شاق ہو، یا حضور قلب سے نہ ہو، ایسے وقت میں نہ پڑھے جب پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے مسواک کرے اگر پڑھنے میں استاذ یا کوئی دوسرا بزرگ آئے قرآءت قطع کرکے تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (تعلیم الوقف مولفہ حضرت استاذ الاساتذہ وقاری عبداللہ مکی رحمہ اللہ)

اختلاف قراءات کی حقیقت

قاری عبدالودود عاصم

رکن العاصم لجنة المحققین للدراسات العلوم الاسلامیة

اختلاف قراءات نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارکہ سے ثابت ہے اور اسی موضوع سے متعلق کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن یہاں طوالت کے ڈر سے صرف ایک حدیث ہم نقل کرتے ہیں۔

عَنْ أُبَيِّ بنْ كَعْبٍ ﷺ قَالَ لَقِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ جبريل فَقَالَ يَا جبريل إِنِّي بعثت إِلى أُمَّة اميين مِنْهُمْ الْعَجُوز والشَّيْخ الْكَبِيْر والغلام وَالجَارِيَةُ وَالرَّجل الَّذِي لَمْ يَقْرَاء كِتابًا قَطّ قَالَ يَا مُحَمَّد ﷺ إِنَّ القُرانَ أُنْزِلَ عَلى سبْعَةِ أَحْرُفٍ.

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل علیہ السلام میں ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ان میں بوڑھے بوڑھیاں اور لڑکے لڑکیاں ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے قرآن کبھی نہیں پڑھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے محمد ﷺ قرآن سات طریقوں پر اتارا گیا ہے (اس کو ترمذی نے روایت کیا)۔'' (رواہ الترمذی)

اختلاف قراۃ والی حدیث مختلف کتب میں مختلف الفاظ سے منقول ہوئی ہے، صحت اور تعدد طرق کے اعتبار سے حدیث متواتر ہے، لیکن ''سبعہ احرف'' کے معنی کی تعیین میں تقریباً چالیس اقوال علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں نقل کیے ہیں

مگران میں سے دو قول زیادہ مشہور اور نہایت ہی قوی وعمدہ تر ہیں۔

① ......اکثر علماء اور جمہور ائمہ محققین مثلاً امام ابو عبید رحمہ اللہ، امام ثعلب رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ، امام ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام دانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرھم کی رائے پر سات حروف سے سات لغات مختلفہ کی وجوہ مراد ہیں۔ پھر ان کے تعیین میں بھی اختلاف ہے کہ یہ لغات قبائل کی ہیں، چنانچہ امام ابوعبید رحمہ اللہ کی رائے میں یہ سات لغات مختلفہ قریش، ہذیل، ثقیف، ھوازن، کنانہ، تمیم اور یمن ہیں۔

امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کے نزدیک قریش، ہذیل، ھوازن، تمیم، ازو، ربیعہ اور سعد بن بکر ہیں۔

② ......علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث "سبعة احرف" کے بارے میں بہت عرصہ تردد رہا اور میں اس حدیث میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک غور وفکر کرتا رہا یہاں تک کہ رب العالمین احکم الحاکمین نے مجھ پر اس کا ایک مطلب منکشف فرمایا ممکن ہے کہ وہ درست ہو اور وہ یہ ہے کہ میں نے صحیح، شاذ، ضعیف، اور منکر تمام قراتوں کو دیکھا تو ان کے اختلاف کی نوعیت ذیل کی سات اقسام سے باہر نہیں پائی بس "سبعة احرف" سے لفظی اختلاف اور ادائی تغیر وتبدل کی سات وجوہ واقسام مراد ہیں۔

1 ......حرکات میں تغیر ہو لیکن لفظ کے معنی اور صورت رسمی میں نہ ہو جیسے: قَرْحٌ، قُرْحٌ

2 ......حرکات اور معنی میں تغیر ہو جائے صورت رسمی میں نہ ہو جیسے: اَمَدَ، اُمِدَ

3 ......حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے صورت رسمی میں نہ ہو جیسے: تَبْلُوْا، تَتْلُوْا

4 ......حروف اور صورت میں تغیر ہو جائے لیکن معنی میں نہ ہو جیسے: الصِّرَاطَ، السِّرَاطَ

5 ......حروف، معنی اور صورت تینوں ہی میں تغیر ہو جائے جیسے: يَاْتَلِ، يَتَاَلَّ.

6 ......تقدیم وتاخیر ہو جیسے: وَقَٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا، قُتِلُوْا وَقَٰتَلُوْا

7 ......حروف کی زیادتی وکمی کا تغیر ہو جیسے: سَارِعُوْا، وَسَارِعُوْا. مزید اس کو اس طرح

بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

①:اسماء میں واحد تثنیہ اور جمع کا اختلاف ہو جیسے: لِاَمَانَاتِهِمْ، لِاَمَانَتِهِمْ. وَهُمْ فِي الْغُرْفَةِ اٰمِنُوْنَ ، وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ اور اسی طرح افعال میں مذکر ومؤنث کا اختلاف جیسے: لَا يُقْبَلُ مِنْهَا، وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا.

②: افعال میں ماضی، مضارع اور امر کا اختلاف جیسے: بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا اور بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا، قَالَ رَبِّيْ يَعْلَمُ اور قُلْ رَبِّيْ وغیرہ۔

③:اختلاف وجوہ اعراب جیسے: وَلَا يُضَآرُّ اور وَلَا يُضَآرَّ، وَلَا تُسْئَلُ اور وَلَا تَسْئَلْ.

④: اختلاف بالنقص والزیادۃ جیسے: تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ اور تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ اور وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ.

⑤:اختلاف بالتقدیم والتاخیر جیسے: وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا اور وَقُتِلُوْا وَقَاتَلُوْا.

⑥:اختلاف بالابدال جیسے: نُنْشِزُهَا اور نُنْشِرُهَا (بالزاء و بالراء)

⑦: اختلاف اللغہ، اس سے مراد لہجات ہیں جیسے فتح، امالہ، ادغام واظہار، تسہیل، تحقیق، تغلیظ وترقیق۔

قبائل عرب میں جو اختلاف تغیر حرکات میں ہوتا ہے جیسے: بِيُوْتٍ، بُيُوْتٍ، خُفْيَةً اور خِفْيَةً، نیز سکون اور حرکت کے اختلاف جیسے: خُطْوَاتِ اور خُطُوَاتِ وغیرہ۔ یہ سب لہجات میں داخل ہیں۔

قراء عشرہ کے حالات

قاری اویس ادریس العاصم

① امام نافع مدنی رحمہ اللہ

قرأت کے پہلے امام سیدنا نافع رحمہ اللہ ہیں۔ آپ کے والد گرامی کا نام عبدالرحمن تھا۔ آپ کی کنیت ابورویم ہے آپ اصفہانی الاصل ہیں قرأت وعربیت کے زبردست عالم تھے۔ سیدنا امام ابوجعفر قرأت عشرہ میں آٹھویں امام تھے ان کے بعد المدینۃ المنورہ میں قرأت کے شیخ مانے جاتے تھے۔ نہایت خوش آوازی سے قرآن پڑھتے۔ دوران تلاوت منہ سے مشک کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ خواب میں آپ کو صاحب قرآن یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات نصیب ہوئی۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے منہ میں دم کیا۔ اُسی وقت سے آپ کے منہ سے مشک کی فرحت بخش خوشبو کا خروج شروع ہوگیا۔

آپ کی علمی قابلیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ستر تابعین سے قرأت حاصل کی جن میں امام ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ، امام ابوداؤد بن ہرمز رحمہ اللہ اور امام قاضی شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

باختلاف روایت ۱۶۷ھ یا ۱۶۹ھ میں المدینۃ المنورہ میں ہی رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ بے شمار شاگردوں نے آپ سے فیض اُٹھایا جن میں دو بہت زیادہ مشہور ہیں اور آپ کی قرأت کے راوی بھی ہیں۔

راوی اوّل: سیدنا قالون رحمہ اللہ

ابوموسیٰ عیسیٰ بن مینا نام اور قالون لقب ہے۔ آپ امام نافع رحمہ اللہ کے پہلے راوی

ہیں۔ مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور تیس سال کی عمر میں امام نافع ﷫ سے استفادہ کیا۔ قالون رومی زبان میں اچھے اور عمدہ کو کہتے ہیں آپ خصائص وعادات کی وجہ سے آپ قالون کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۲۳۰ھ میں مدینہ میں ہی رحلت فرمائی۔

راوی دوم: سیدنا ورش ﷫

ابو سعید عثمان بن سعید مصری نام اور ورش لقب تھا۔ امام نافع ﷫ کے دوسرے راوی ہیں۔ آپ وطناً مصری تھے۔ ۱۱۰ھ میں مصر ہی میں پیدا ہوئے چونکہ آپ سرخ وسفید رنگت کے نہایت خوبصورت جوان تھے۔ اس لیے امام نافع ﷫ آپ کو ورش کہہ کر پکارا کرتے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ عرصہ دراز تک امام نافع ﷫ سے استفادہ فرمایا۔ بعد ازاں مصر میں آپ کا بہت فیض جاری ہوا۔

② امام ابن کثیر مکی ﷫

عبداللہ بن کثیر مکی ﷫ قرأت کے دوسرے امام ہیں۔ آپ تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ کرام ﷡ سے استفادہ کیا جن میں حضرت عبداللہ بن سائب مخزومی ﷜ کا نام قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مجاہد بن جبیر ﷫ اور درباس ﷫ سے بھی پڑھا۔ ۴۵ھ بزمانہ سیدنا امیر معاویہ ﷜ ولادت ہوئی۔ قرآن کے علاوہ حدیث کے بھی امام تھے اور بہت عمدہ واعظ تھے آپ کا فیض مکۃ المکرمہ میں تاحیات جاری رہا۔ ۱۲۰ھ میں انتقال ہوا۔ بے شمار علماء وصلحاء آپ کے شاگرد تھے جن میں امام شافعی ﷫، امام خلیل بن احمد نحوی ﷫ اور امام سفیان بن عیینہ ﷫ بہت مشہور ہیں۔ آپ کے دو شاگرد بہت ممتاز ہوئے ہیں یہ دونوں آپ سے بواسطہ روایت کرتے ہیں یعنی سیدنا بزی ﷫ اور قنبل ﷫۔

راوی اوّل: سیدنا بزّی ﷫

آپ امام ابن کثیر مکی ﷫ کے پہلے راوی ہیں۔ آپ کا نام ابوالحسن احمد بزی ﷫

ہے۔ سلسلہ نسب احمد بن عبداللہ بن قاسم بن نافع بن ابی بزہ ہے۔ آپ نے عکرمہ ابن سلیمان رحمہ اللہ سے قرآءت حاصل کی اور انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ قسط رحمہ اللہ اور شبل بن عباد رحمہ اللہ سے حاصل کی اور یہ دونوں حضرات امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ مکۃ المکرمہ میں ۱۷۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۴۰ھ میں مکہ میں ہی وفات پائی۔ آپ مسجد الحرام کے مؤذن بھی رہے۔ علم قراءت میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔

راوی دوم: سیدنا قنبل رحمہ اللہ

آپ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ ۱۹۵ھ میں مکہ میں ولادت ہوئی آپ کا نام ابو عمر محمد، والد کا نام عبدالرحمن اور جدِ امجد کا نام خالد قنبل رحمہ اللہ تھا۔ آپ قنبل کے لقب سے مشہور تھے۔ حجاز کے سب سے بڑے قاری تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ نے قرآت احمد قواس رحمہ اللہ سے پڑھی انہوں نے ابوالاخریط رحمہ اللہ سے انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ قسط رحمہ اللہ سے اور انہوں نے شبل رحمہ اللہ اور معروف رحمہ اللہ سے اور یہ دونوں ائمہ حضرات امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں آپ نے باختلاف روایت ۲۷۰ھ یا بعد میں مکہ میں رحلت فرمائی۔

③ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ

امام ابوعمرو بن العلاء بن عمار بصری مازنی رحمہ اللہ قرآت کے تیسرے امام ہیں۔ ۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ وہ واحد امام قرآءت ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ قراء اور شیوخ سے علم قرآءت جیسے مقدس علم میں استفادہ کیا جن میں امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ جیسے اکابر کے نام نمایاں ہیں۔ آپ قرآت کے ماہر ہونے کے علاوہ علم نحو اور علم بلاغت میں بھی امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ مکہ میں ولادت ہوئی۔ بصرہ میں تربیت پائی اور کوفہ میں ۱۵۴ھ میں رحلت فرمائی۔ بے شمار ائمہ آپ کے ہوئے جن میں امام یحییٰ بن مبارک عدوی بصری المعروف یحییٰ یزیدی رحمہ اللہ اور علامہ

اصمعی رحمہ اللہ بہت مشہور ہیں۔ آپ کے دو راوی ہیں جو بواسطہ یحییٰ یزیدی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔ یعنی سیدنا دوری رحمہ اللہ اور سیدنا سوسی رحمہ اللہ۔

راوی اوّل: سیدنا دوری بصری رحمہ اللہ

آپ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے پہلے راوی ہیں۔ آپ اپنے دور میں امام قرأت تھے۔ بغداد کے نزدیک ایک بستی ''دور'' میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حفص بن عمر بن عبدالعزیز اور کنیت ابوعمر تھی۔ آپ وہ پہلے امام قرأت ہیں جنھوں نے قرأت کو کتابی صورت میں جمع کیا۔ آپ نے ۲۴۶ھ میں ''دور'' میں وفات پائی۔

راوی دوم: سیدنا سوسی رحمہ اللہ

آپ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ ابوشعیب کنیت اور صالح بن زیاد السوسی نام تھا۔ اہواز کے ایک مقام ''سوس'' میں پیدا ہوئے لہٰذا سوسی کہلاتے ہیں سال ولادت ۱۷۱ھ ہے۔ ۲۶۸ھ میں خراسان میں آپ کی وفات ہوئی۔

④ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ

آپ قرآءت کے چوتھے امام ہیں۔ آپ کا نام عبداللہ بن عامر یحصبی ابو عمران رحمہ اللہ ہے۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآءت حاصل کی جن میں حضرت مغیرہ بن ابی شہاب رحمہ اللہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نام نامی نمایاں ہیں۔ آپ ۸ھ یا دوسری روایت کے مطابق ۲۱ھ میں ملک شام کے ایک گاؤں رحاب میں پیدا ہوئے۔ آپ ملک شام کے سب سے بڑے قاری تھے۔ دمشق کے قاضی اور جامع اُموی دمشق کے خطیب بھی رہے۔ ماہ محرم ۱۱۸ھ بزمانہ ھشام بن عبدالملک انتقال فرمایا۔ آپ کے شاگردوں میں دو نے بہت شہرت پائی اور یہ دونوں بواسطہ آپ سے قرآءت کے راوی ہیں یعنی سیدنا ھشام رحمہ اللہ اور سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ۔

راوی اوّل: سیدنا ھشام رحمہ اللہ

آپ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کے پہلے راوی ہیں۔ ھشام بن عمار بن نصیر نام اور کنیت ابو الولید ہے۔ ۱۵۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۲۴۵ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ اپنے ہم عصر قراء میں سب سے بڑھ کر قرآن کے قاری، قرآءت کو جمع کرنے والے اور روایت کرنے والے تھے۔ علم قرآءت میں مہارت کے علاوہ آپ دمشق کے مفتی وقت، خطیب اور محدث بھی رہے۔ آپ نے قرآءت کا علم عراک بن خالد مروزی تابعی رحمہ اللہ اور ایوب بن تمیم رحمہ اللہ سے حاصل کیا اور ان دونوں اصحاب نے یحییٰ بن حارث ذماری رحمہ اللہ سے علم قرآءت حاصل کیا جو امام ابن عامر رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ آپ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں آپ سے روایت کی ہے۔

راوی دوم: سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ

آپ امام ابن عامر رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ آپ کا نام عبداللہ بن احمد بن بشر بن ذکوان قرشی اور کنیت ابو عمرو تھی۔ جامع دمشق میں امام اور اہل شام کے شیخ القراء تھے۔ یہ سند مذکور ایوب بن تمیم رحمہ اللہ روایت قرآءت کرتے ہیں۔ ۱۷۳ھ میں یوم عاشورہ دمشق میں ولادت ہوئی اور دمشق میں ہی ۲۴۲ھ میں رحلت فرمائی۔

⑤ امام عاصم کوفی رحمہ اللہ

قرآءت کے پانچویں امام سیدنا امام عاصم رحمہ اللہ ہیں جو کہ کوفہ کے شیخ القراء تھے۔ عاصم بن بہدلہ ابی النجود اسدی کوفی رحمہ اللہ آپ کا نام اور کنیت ابوبکر تھی۔ آپ تابعین میں سے ہیں۔ علم قرآءت کا حصول امام عبداللہ بن حبیب سلمی رحمہ اللہ امام زر بن حبیش اسدی رحمہ اللہ اور امام ابو عمر سعد بن الیاس شیبانی کوفی رحمہ اللہ سے کیا آپ امام قرآءت ہونے

کے علاوہ بہت بڑے فقیہہ، محدث اور امام لغت بھی تھے۔ بہت عابد وزاھد، خوش آواز اور فصیح اللسان تھے آپ کا نام اس لحاظ سے بہت مشہور ومعروف ہے کہ جو بقاء ودوام آپ کی قراءت کو حاصل ہوا وہ کسی اور قرآءت کو حاصل نہیں ہوسکا۔ ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی حسین تھے۔ ۱۲۸ھ میں رحلت فرمائی۔ بکثرت صلحاء وقت نے آپ سے علم قرآءت حاصل کیا جن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مفضل رحمہ اللہ اور امام حماد رحمہ اللہ جیسے اکابرین شامل ہیں۔ آپ کے دو راوی سیدنا شعبہ رحمہ اللہ اور سیدنا حفص رحمہ اللہ ہیں۔

راوی اوّل: سیدنا شعبہ رحمہ اللہ

آپ امام عاصم کے پہلے راوی ہیں۔ آپ کا نام شعبہ بن عیاش بن سالم کوفی رحمہ اللہ تھا۔ آپ کی کنیت راوی ابوبکر تھی۔ ۹۴ھ میں ولادت ہوئی۔ آپ کبار آئمہ میں سے ہیں۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ جاننے والے اور اُس کے عامل تھے۔ امام عاصم رحمہ اللہ سے تیس سال کی عمر میں استفادہ کیا۔ ۱۹۳ھ میں کوفہ میں رحلت فرمائی تلاوتِ قرآن کا از حد شوق رکھتے تھے۔

راوی دوم: سیدنا حفص رحمہ اللہ

آپ امام عاصم رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ آپ کا نام حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی کوفی رحمہ اللہ ہے۔ آپ امام عاصم رحمہ اللہ کے ربیب بھی تھے یعنی امام عاصم رحمہ اللہ کے سوتیلے بیٹے تھے آپ نے قرآءت عاصم میں حد درجہ کمال حاصل کیا یہاں تک کہ دنیائے اسلام میں اکثر مقامات پر آپ کی روایت نے شہرت دوام حاصل کی۔ آپ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں رحلت فرمائی۔

⑥ امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ

آپ قرآءت کے چھٹے امام ہیں۔ آپ کا نام حمزہ بن حبیب زیات کوفی رحمہ اللہ اور کنیت ابوعمارہ تھی۔ تبع تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔

امام عاصم رحمہ اللہ کے بعد کوفہ کے سب سے بڑے امام قراءت تھے۔ آپ قبیلہ تیم کی طرف نسباً یا ولاءً منسوب تھے۔ آپ کے اساتذہ میں امام اعمش رحمہ اللہ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ جیسے نامور اکابر شامل ہیں۔ حد درجہ متقی، پرہیز گار، عابد وزاہد اور نیک طینت صفات کے مالک تھے۔ آپ علم فرائض میں بھی امام مانے جاتے تھے۔ تلامذہ میں امام کسائی رحمہ اللہ،امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ جیسے کبار ائمہ کے نام شامل ہیں۔ سیدنا خلف رحمہ اللہ اور سیدنا خلاد رحمہ اللہ آپ کے راوی ہیں۔ آپ نے ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔

راوی اوّل: سیدنا خلف رحمہ اللہ

آپ امام حمزہ رحمہ اللہ کے پہلے راوی ہیں۔ آپ کا نام خلف بن ھشام بزار بغدادی رحمہ اللہ اور کنیت ابو محمد تھی۔ آئمہ عشرہ میں سے بھی ہیں۔ آپ بڑی ثقاہت کے مالک تھے۔ آپ نے زُھد وتقویٰ، علم وفضل وعمل میں بڑا نام پیدا کیا۔ آپ ۱۵۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۲۲۹ھ میں بغداد میں ہی رحلت فرمائی۔

راوی دوم: سیدنا خلاد رحمہ اللہ

آپ امام حمزہ رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ آپ کا نام خلاد بن خالد شیبانی صیرفی کوفی تھا اور کنیت ابو عیسیٰ تھی۔ آپ قرآءت کے امام وقت اور ثقہ عالم تھے۔ محقق ضابط اور عابد تھے۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۰ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔

خلف اور خلاد دونوں نے سلیم بن عیسیٰ کوفی رحمہ اللہ سے حصول علم قرآءت کیا اور انہوں نے امام حمزہ رحمہ اللہ سے پڑھا۔

⑦ امام کسائی کوفی رحمہ اللہ

قرآءت کے ساتویں بڑے امام اور کوفہ کے تیسرے بڑے امام ہیں۔ آپ کا نام

علی بن حمزہ بن عبداللہ اسدی رحمہ اللہ ہے۔ کسائی آپ کا لقب ہے چونکہ آپ اپنی چادر سے ہی احرام کا کام لیتے۔ اس لیے آپ کا لقب کسائی پڑ گیا۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ نے علم قرآءت امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ اور امام عیسیٰ بن عمرو رحمہ اللہ سے حاصل کیا۔ حلقہ تدریس بہت وسیع تھا۔ تلامذہ کا ہجوم رہتا۔ جامع کوفہ کے منبر پر درس دیتے تھے۔ علم نحو اور علم بلاغت میں بھی امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی۔ آپ کے دو راوی سیدنا ابوالحارث رحمہ اللہ اور سیدنا دوری رحمہ اللہ ہیں۔

راوی اوّل: سیدنا ابوالحارث رحمہ اللہ

آپ امام کسائی کے پہلے راوی ہیں۔ آپ کا نام لیث بن خالد المروزی البغدادی ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحارث تھی۔ علم قرآءت میں بڑے ثقہ عالم تھے۔ آپ اس لحاظ سے دیگر قراء سے ممتاز تھے کہ آپ نے قرآءت میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ آپ کو قراءت کے ضبط کا خاص فن حاصل تھا۔ آپ نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

راوی دوم: سیدنا دوری کسائی رحمہ اللہ

امام کسائی کے دوسرے راوی ہیں۔ آپ کا نام حفص بن عمر دوری تھا اور کنیت ابوعمر تھی۔ ۱۵۰ھ میں بغداد کے قریب ایک بستی دور میں پیدا ہوئے۔ آپ پہلے شیخ القرآءت ہیں جنھوں نے قرآءت جمع کی ہیں۔ آپ نے ۲۴۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

آپ نے امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ اور امام کسائی رحمہ اللہ دونوں سے قرآءت حاصل کی دو آئمہ قرآءت سے حصول علم کی بدولت آپ کو قراءت میں ایک خاص مہارت حاصل تھی لہٰذا اپنے دور میں امام القرآء مانے گئے۔

⑧ امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام ابوجعفر یزید بن القعقاع مخزومی المدنی ہے۔ آپ جلیل القدر تابعی

ہیں اور ابو الحارث مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی میں علم قراءت کی سرداری آپ پر ختم ہوتی ہے۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ قراءت میں اہل مدینہ کے امام اور ثقہ تھے۔ یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو جعفر رحمہ اللہ سے زیادہ سنت (طریقہ) کے موافق عمدہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو جعفر رحمہ اللہ بہت نیک انسان تھے اور مدینے میں لوگوں کو پڑھاتے تھے اور فتویٰ بھی دیا کرتے تھے۔

امام نافع رحمہ اللہ سے بسند روایت کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد ابو جعفر رحمہ اللہ کو جب غسل دیا گیا تو لوگوں نے آپ کے سینے اور دل کے درمیان قرآن کے ورق کی مانند ایک چیز دیکھی تمام حاضرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ نور قرآنی ہے۔ وفات کے بعد امام نافع رحمہ اللہ کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی آپ نہایت ہی عمدہ شکل وصورت میں ہیں فرمایا میرے شاگردوں اور ان تمام لوگوں کو جو میری تعلیم دی ہوئی قراءت پڑھتے ہیں یہ خوشخبری سنادو کہ حق تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے اور ان کے بارے میں میری دعا قبول کر لی ہے اور ان کو اس بات کا حکم کرو کہ جس طرح ہو سکے رات کے درمیانی حصہ میں کچھ رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔

ابن جماز رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

آپ نے تین حضرات سے پڑھا ہے اپنے مولی حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ الحبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمن بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ سے اور ان تینوں حضرات نے ابو المنذر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خزرجی سے پڑھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام ابو جعفر رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پڑھا مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس بات کی تردید کی ہے۔

آپ کو بچپن میں اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لایا گیا تو اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ نیز آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ سے بہت سے حضرات نے پڑھا مگر ان میں سے مشہور یہ ہیں۔ امام نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ سلیمان بن مسلم رحمہ اللہ ابن جماز رحمہ اللہ عیسیٰ بن وردان رحمہ اللہ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ وغیرہم۔ علاوہ ازیں آپ کے دو بیٹوں اسماعیل رحمہ اللہ اور یعقوب رحمہ اللہ اور صاحبزادی میمونہ رحمہا اللہ نے بھی پڑھا۔

آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک ۱۲۸ھ اور بعض کے نزدیک ۱۳۰ھ میں ہوئی دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ آپ کے دو راوی ہیں ① ابن وردان ② ابن جماز

راوی اوّل: سیدنا ابن وردان رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام عیسیٰ بن وردان مدنی رحمہ اللہ ہے۔ اور کنیت ابو الحارث ہے آپ ابو جعفر کے پہلے راوی ہیں اپنے زمانے میں مقری اور قراءت کے سردار ضابط محقق اور نافع رحمہ اللہ کے فائق شاگردوں میں سے تھے نیز آپ نافع رحمہ اللہ کے رفقاء میں سے ہیں کیونکہ ان دونوں نے امام ابوجعفر رحمہ اللہ سے پڑھا ہے۔ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے علاوہ آپ نے شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ سے بھی پڑھا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں اسماعیل بن ابوجعفر المدنی رحمہ اللہ، قالون رحمہ اللہ اور الواقدی شامل ہیں۔ آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

راوی دوم: سیدنا ابن جماز رحمہ اللہ

ابن جماز کے نام کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک سلیمان بن مسلم بن جماز ہے او بعض کے نزدیک سلیمان بن سالم بن جماز ہے اور آپ کی کنیت ابو الربیع الزہری ہے۔ آپ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں۔ جلیل القدر مقری،

ضابط وحافظ اور ابوجعفر اور نافع کی قراءات میں لوگوں کے لیے مرجع ومرکز تھے۔ آپ نے امام ابوجعفر ﷫ اور امام نافع ﷫ سے قراءت حاصل کی آپ کے مشہور تلامذہ میں اسماعیل بن ابوجعفر المدنی ﷫ اور قتیبہ بن مہران ﷫ شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۱۷۰ھ میں ہوئی۔

⑨ امام یعقوب الحضرمی ﷫

آپ کا پورا نام یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبداللہ بن ابی اسحاق ابومحمد الحضرمی ہے۔ آپ بصرہ میں قراءت کے امام تھے۔ قراءت میں حد درجہ ماہر اور مجود تھے۔ حافظ ابوعمرو دانی ﷫ فرماتے ہیں، اہل بصرہ نے امام ابوعمرو ﷫ کے بعد امام یعقوب کی اختیار کردہ قراءت میں ان کی اقتداء کی۔ آپ قراءت کے حروف واختلافات اور ان کی توجیہات وعلل اور نحو کے سب سے بڑے عالم اور قرآن کے حروف اور فقہاء کی حدیث کے سب لوگوں سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ آپ بصرہ کی جامع مسجد کے امام بھی رہے۔ طاہر بن غلبون ﷫ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بصرہ میں جامع مسجد کے امام قراءۃ یعقوب ہی پڑھتے تھے ابوالقاسم الھذلی ﷫ فرماتے ہیں کہ ان کے زمانے میں ان جیسا عالم عربیت کا نہیں تھا قراءت قرآن کے بہت بڑے فاضل تھے۔ بہت بڑے متقی اور پرہیزگار تھے نمازیں کثرت سے پڑھتے تھے۔

آپ نے ان شیوخ کرام سے استفادہ فرمایا ابوالمنذر سلام بن سلیمان مزنی طویل ﷫، شہاب بن شرنفہ ﷫، ابویحییٰ مھدی بن میمون معولی ﷫، ابوالاشہب جعفر بن حیان عطاردی ﷫، مسلمہ بن محارب عصمۃ بن عروہ الفقیمی ﷫، یونس بن عبید ﷫ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے امام ابوعمرو بصر ﷫ سے بھی پڑھا ہے۔

آپ کے تلامذہ میں درج ذیل بڑی شہرت کے حامل ہیں: زید بن اخیہ احمد ﷫، کعب بن ابراہیم ﷫، عمرو بن سراج ﷫، ابوالبشر القطان ﷫، ابوحاتم السجستانی ﷫،

روح بن قرۃ رحمہ اللہ ابو الفتح النحوی رحمہ اللہ ابو ہاشم الرفاعی رحمہ اللہ اور ابو عمرو الدوری رحمہ اللہ شامل ہیں۔

آپ نے ۲۰۵ھ میں بعمر اٹھاسی سال وفات پائی۔

آپ کے دو راوی ہیں ① رویس ② روح

راوی اوّل: سیدنا رویس رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن المتوکل لؤلؤی عرف رویس ہے۔ ابو عبداللہ آپ کی کنیت ہے اور رویس کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ امام یعقوب رحمہ اللہ کے پہلے راوی اور ماہر ترین شاگردوں میں سے تھے۔ آپ قراءت میں امام و حافظ ماہر وضابط اور مشہور حاذق تھے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے پڑھا مگر کچھ مشہور حضرات کے نام یہ ہیں محمد بن ہارون التمار رحمہ اللہ امام ابو عبداللہ الزبیر بن احمد الزبیری الشافعی رحمہ اللہ وغیرہم۔ آپ کی وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی۔

راوی دوم: سیدنا روح رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام ابو الحسن روح بن عبدالمؤمن الھذلی البصری النحوی ہے آپ کی کنیت ابو الحسن ہے آپ امام یعقوب رحمہ اللہ کے دوسرے راوی ہیں آپ جلیل القدر مقری ثقہ وضابط ومشہور اور امام یعقوب رحمہ اللہ کے بلند شان ومعتمد ترین شاگردوں میں سے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں آپ سے روایت کی ہے مزید آپ نے حروف کو روایت کیا ہے احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ، معاذ ابن معاذ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ ابن معاذ سے اور یہ سب امام ابو عمرو رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں آپ سے جن حضرات نے استفادہ کیا ان میں الطیب بن الحسن بن حمدان القاضی رحمہ اللہ ابوبکر بن وہب الثقفی رحمہ اللہ، محمد بن الحسن ابن زید رحمہ اللہ، احمد بن یزید الحلوانی رحمہ اللہ بہت مشہور ہیں۔ آپ کی وفات ۲۳۴ھ یا ۲۳۵ھ میں ہوئی۔

⑩ امام خلف العاشر رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام امام خلف بن ہشام بزار بغدادی ہے۔ ابو محمد آپ کی کنیت ہے آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی آپ امام حمزہ رحمہ اللہ کے روای بھی ہیں۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور تیرہ سال کی عمر میں تحصیل علوم شروع کی۔ آپ نہایت ہی زاہد وعابد اور عالم تھے۔ آپ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ کو نحو کے ایک باب میں مشکل پیش آئی اس کی خاطر آپ نے اسی ہزار درہم خرچ کیے یہاں تک کہ اس کو حل کرلیا۔ صاحب نشر فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو اختیار کردہ قراءت کی جستجو کی تو معلوم ہوا کہ آپ کسی حرف میں بھی کوفیین بلکہ حمزہ وکسائی وشعبہ کی قراءات سے خارج نہیں ہوئے البتہ صرف ایک حرف میں ''صحبہ'' کی مخالفت کی ہے اور وہ ہے سورۃ الانبیاء ع ۷ کا وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ جسے امام خلف نے حفص اور جماعت کی مانند بالالف پڑھا ہے جبکہ صحبہ نے اس کو وَحِرْمٌ حذف الف سے پڑھا ہے۔ ابوبکر اشتہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ نے اپنی اختیار کردہ قراءت میں ایک سوبیس حروف میں امام حمزہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے۔

آپ نے ابوعیسیٰ سلیم کوفی رحمہ اللہ متوفی ۲۰۲ھ سے (جو کہ امام حمزہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) پڑھا۔ یعقوب بن خلیفہ اعشی رحمہ اللہ جو ابوبکر الشعبہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ ابو زید سعید بن اوس انصاری رحمہ اللہ جو کہ مفضل جنی اور ربان عطار رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ پھر ابوبکر شعبہ رحمہ اللہ مفضل رحمہ اللہ اور ربان رحمہ اللہ تینوں نے امام عاصم سے پڑھا۔ ان کے علاوہ آپ کے شیوخ میں عبدالرحمن بن ابی حماد رحمہ اللہ الاسحاق بن الحسیبی رحمہ اللہ اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ عبدالوہاب بن عطاء رحمہ اللہ اور یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ شامل ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں چند مشہور اسماء یہ ہیں: احمد بن ابراہیم وراق رحمہ اللہ اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ ابراہیم بن علی القصار رحمہ اللہ احمد بن یزید الحلوانی رحمہ اللہ ادریس بن الکریم الحداد رحمہ اللہ احمد بن زہیر رحمہ اللہ سلمہ بن عاصم رحمہ اللہ عبداللہ بن عاصم رحمہ اللہ ابوبکر بن اسد

المؤدب رحمہ اللہ ابو الولید بن عبدالملک بن القاسم رحمہ اللہ وغیرہم۔

آپ کی وفات جمادی الثانی ۲۲۹ھ بعمر اناسی سال بغداد میں ہوئی۔

راوی اوّل: سیدنا اسحاق الوارق رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام ابو محمد یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابوعثمان بن عبداللہ المروزی البغدادی ہے۔ آپ امام خلف رحمہ اللہ کے پہلے راوی ہیں اور اسحاق مروزی وراق کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابن مہران نے ابن ابی عمر سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام خلف رحمہ اللہ کی اختیار کردہ قراءت کو اسحاق وراق سے پڑھا ہے آپ نہایت ثقہ اور امام خلف رحمہ اللہ کی قراءت کے بہت بڑے عالم تھے پھر ان کے کان بھاری ہو گئے اور اپنے بیٹے محمد بن اسحاق کو جانشین مقرر کر دیا پھر میں نے ان سے بھی پڑھا۔

یوں تو آپ سے بے شمار لوگوں نے پڑھا مگر چند کے نام یہ ہیں: محمد بن عبداللہ بن ابی عمر النقاش رحمہ اللہ، علی بن موسیٰ الثقفی رحمہ اللہ اور آپ کے صاحبزادے محمد بن اسحاق وغیرہم۔ آپ کی سن وفات میں اختلاف ہے صاحب نشر کے نزدیک آپ نے ۲۹۰ھ میں اور ابن مہران کی کتب کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

راوی دوم: سیدنا ادریس الحداد رحمہ اللہ

آپ کا پورا نام ابوالحسن ادریس بن عبدالکریم الحداد البغدادی رحمہ اللہ تھا۔ آپ ماہر قراءات اور نہایت ہی قوی حافظہ کے مالک تھے آپ امام وضابط متقن اور ثقہ تھے آپ نے امام خلف رحمہ اللہ کی روایت اور قراءت دونوں کو نقل کیا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ سے آپ کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا ثقہ بلکہ ثقہ سے بھی ایک درجہ اوپر یعنی بہت ہی قابل اعتماد ہیں۔

آپ نے ان شیوخ سے استفادہ فرمایا امام خلف البزار رحمہ اللہ، عاصم بن علی رحمہ اللہ

امام احمد بن حنبل ؒ، یحییٰ بن معین ؒ اور مصعب بن عبد اللہ ؒ۔

آپ کے تلامذہ میں ابوالحسن بن احمد بن ثوبان ؒ، ابن شنبوذ ؒ، ابو بکر بن مقسم ؒ اور ابوعلی احمد بن عبد اللہ بن حمدان ؒ شامل ہیں مزید آپ سے روایت کرنے والوں میں ابن مجاہد ؒ، ابو بکر النجار ؒ، اسماعیل الخطبی ؒ، ابو بکر حمدان القطیعی ؒ اور ابوالقاسم الطبرانی ؒ شامل ہیں۔

آپ نے ۲۹۲ھ میں ترانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

مزید مشہور قراء کرام کے اسماء گرامی

صحابہ کرام ؓ میں قرآن پڑھانے والے یہ سات حضرات زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان ؓ، حضرت علی بن ابی طالب ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت ابو الدرداء ؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری ؓ۔

حضرت ابی بن کعب ؓ سے صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت نے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کی مثلاً حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن سائب ؓ۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت زید بن ثابت ؓ سے بھی قراۃ حاصل کی ہے اور پھر ان حضرات سے بکثرت تابعین ؒ نے قراۃ کی تعلیم حاصل کی ہے۔

ذیل میں ہم دنیائے اسلامی کے شہروں کے مشہور تابعین قراء کے اسماء نقل کرتے ہیں۔

المدینۃ المنورۃ: ابن المسیب ؒ، عروۃ ؒ، سالم ؒ، عمر بن عبدالعزیز ؒ، مسلم بن جندب ؒ، سلیمان بن یسار ؒ، عطاء بن یسار ؒ، معاذ بن الحارث ؒ، عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج ؒ، ابن شہاب الزہری ؒ اور زید بن اسلم ؒ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں ابو جعفر یزید بن القعقاع ؒ،

شبیہ بن نصاح رحمہ اللہ اور پھر نافع بن نعیم رحمہ اللہ ہوئے۔

مکۃ المکرمہ: عمیر رحمہ اللہ، عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ اور ابن ابی ملکیہ رحمہ اللہ۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ، حمید بن قیس الاعرج رحمہ اللہ اور محمد بن ابی محیصن رحمہ اللہ بھی قابل ذکر ہیں۔

کوفہ: علقمہ رحمہ اللہ، الاسود رحمہ اللہ، مسروق رحمہ اللہ، عبیدہ رحمہ اللہ، عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ، حارث بن قیس رحمہ اللہ، ربیع بن ھیثم رحمہ اللہ، عمرو بن میمون رحمہ اللہ، ابو عبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ، زر بن حبیش رحمہ اللہ، عبید بن نضیلہ رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، نخعی رحمہ اللہ اور شعبی رحمہ اللہ۔ یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ، عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ اور سلیمان الاعمش رحمہ اللہ یہ تینوں ہم عصر تھے اور ان کے بعد حمزہ بن عمار کوفی رحمہ اللہ اور امام کسائی رحمہ اللہ کا دور دورہ رہا۔

بصرہ: ابو عالیہ رحمہ اللہ، ابو رجاء رحمہ اللہ، نصر بن عاصم رحمہ اللہ، یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ، حسن رحمہ اللہ، ابن سیرین رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن ابی اسحٰق رحمہ اللہ، عیسیٰ بن عمر رحمہ اللہ، ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ اور عاصم الجحدری رحمہ اللہ یہ چار اصحاب معاصر تھے اور ان کے بعد یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کا نام نمایاں ہے۔

شام یعنی دمشق: عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ، عطیہ بن قیس الکلابی رحمہ اللہ، عبداللہ بن المہاجر رحمہ اللہ، یحییٰ بن الحارث الذماری رحمہ اللہ، شریح بن یزید الحضرمی رحمہ اللہ، مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شاگرد)، خلیفہ بن سعد رحمہ اللہ (حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے شاگرد)۔

سوانحی حالات امام دانی رحمۃ اللہ علیہ

آمت محمدیہ کے بے شمار خصائص اور خوبیاں ایسی ہیں جو دیگر اقوام و امم میں بھی موجود نہ تھیں۔ اس اُمت کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس اُمت کے بیٹوں نے اپنے دینی ورثے کو سیکھا اور اس کی حفاظت کیلئے کمر کس لی اور اس کی حفاظت و امانت کا وہ حق ادا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ خادمین قرآن و حدیث کی فہرست میں لاکھوں لوگوں کا نام موجود ہے۔ انہیں میں سے ایک علامہ دانی رحمہ اللہ بھی ہیں جو یقینا آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اگر انہیں ہر فن کا بے تاج بادشاہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں جہاں جلیل القدر حفاظ حدیث کا ذکر چھیڑا ہے ان میں امام دانی رحمہ اللہ کو بھی جگہ دی ہے۔ عمدہ اور خوبصورت تعریفی کلمات کے ساتھ امام دانی رحمہ اللہ کے علم اور عمل پر پختہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔

نام ونسب:

آپ کا نام عثمان بن سعید بن عثمان دانی، کنیت ابو عمرو اور لقب المقری ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱۰۴۹۔ امام ذہبی)

ابتدائی حالات:

آپ قرطبہ کے رہنے والے، بلند پایہ حافظ حدیث ہیں اور بنو اُمیہ کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے اُموی کہلاتے ہیں۔

پیدائش:

امام صاحب کے مطابق ان کی پیدائش ۳۷۱ھ میں اندلس کے ایک مردم خیز قصبے

دانیہ میں ولایت بلنسیہ کی برلب دریا مشہور آبادی میں ہوئی۔

شہر دانیہ:

شہرِ دانیہ کو جو امتیاز حاصل ہوا دیگر بہت سے شہروں کو نہیں مل سکا، کیونکہ اس عظیم شہر نے بہت سے عظیم ترین ماہرین قراءت کو جنم دیا۔ ان میں سے ایک ابوعثمان سعید بن سلیمان ہذلی (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) تھے، جو اپنے علم وفضل اور قراءت نافع پر اپنی قدرت اور درک کے سبب نافع اندلس کے لقب سے ملقب تھے۔ انہوں نے علم قراءت أبوالحسن أنطاکی سے سیکھا اور اپنی وفات تک تعلیم وتدریس کے ذریعے اس عظیم فن کی اشاعت و فروغ کا فریضہ انجام دیا۔

امام دانی رحمہ اللہ اس عہد کے سب سے عظیم امام قراءت تھے جو اپنے زمانے میں ابن الصیر فی کہلاتے تھے کہ ان کی کسوٹی پر کھوٹا کھرا الگ ہوجاتا تھا۔

ابن جزری نے ان کو امام، علامہ، حافظ، أستاذ الاستاذین اور شیخ المشائخ المقرئین کہا ہے۔

اِبتدائی تعلیم:

۳۸۶ھ میں آپ نے پڑھنا شروع کیا۔

مشرق کا سفر:

۳۹۷ھ میں طلب علم کیلئے بلادِ مشرق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں چار مہینے قیروان میں ٹھہرے۔

مصر کی طرف روانگی:

اسی سال شوال میں مصر آئے اور ایک سال یہاں ٹھہرے۔

حجاز کا قیام:

ایک سال حجاز میں اور اسی قدر دیگر مقامات پر قیام کیا۔

اُندلس کی طرف روانگی:

حدیث وقراءت کی تکمیل کے بعد فریضۂ حج ادا کر کے ۳۹۹ھ میں اندلس واپس آ گئے۔

سرقسطہ میں قیام:

۴۰۳ھ میں دوبارہ تحصیل علم کے لیے نکلے اور سرقسطہ میں سات سال قیام کیا۔

اپنے وطن واپسی:

سرقسطہ میں سات سال قیام کرنے کے بعد آپ قرطبہ تشریف لے گئے اور ۴۱۷ھ میں دوبارہ اپنے وطن دانیہ تشریف لائے۔ آپ کے اپنے قول کے مطابق اس کے بعد میں نے کوئی سفر اختیار نہیں کیا اور گویا کہ آپ رحمہ اللہ مرتے دم تک یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۸/۸۰)

علوم قرآن وحدیث کا حصول:

امام موصوف نے علم حدیث، علم اسماء الرجال، علم قراءات، فقہ وتفسیر غرض تمام علوم میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ رحمہ اللہ نے مختلف روایات کے مطابق قرطبہ میں عبدالعزیز بن جعفر فارسی، ابوالحسن بن غلبون، خلف بن خاقان مصری، ابوالفتح فارس بن احمد وغیرہ سے قرآن پاک پڑھا اور حجاز، مصر، مغرب اور اندلس جیسے دور دراز ممالک میں جا کر اپنے سب سے بڑے شیخ ابومسلم کاتب احمد بن فارس عبقسی، عبدالرحمن بن عثمان قشیری، حاتم بن عبداللہ بزاز،

أحمد بن فتح بن رسان، عبدالرحمن بن عمر بن فاس مصری، ابوالحسن بن محمد قابسی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔'' (تذکرۃ الحفاظ :۱۹۴۹۷)

علامہ دانی رحمہ اللہ پر علماء کی شہادتیں:

وقال المغامي: كان أبوعمرو الداني مستجاب الدعوات، مالكي المذهب.

''امام مغامی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوعمرو رحمہ اللہ مستجاب الدعوات تھے اور مذہباً مالکی تھے۔'' [معرفۃ القرآء الکبار:۴۰۸]

قال ابن بشكوال:

"كان أبوعمرو أحد الأئمة في علم القرآن ورواياته وتفسيره، ومعانيه وطرقه وإعرابه، وجمع في ذلك كله تواليف حسانا مفيدة، يطول تعدادها، وله معرفة بالحديث وطرقه وأسماء رجاله ونقلته، وكان حسن الخط، جيد الضبط من أهل الحفظ والذكاء والتفنن ديناً فاضلات ورعاً سنياً" [سیر أعلام النبلاء:۱۸/۸۰]

''ابن بشکوال رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ابوعمرو رحمہ اللہ فن قراءات، ان کی مختلف روایات، ان کی تفسیر، معانی، طرق اور اعراب میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ ان سب مضامین پر انہوں نے بہت اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کو حدیث، اسانید اور اسماء الرجال میں بھی معرفت تامہ حاصل تھی۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے نیز حفظ، ذکاء اور علوم وفنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ فاضل، ادیب، متقی، پرہیزگار اور سنت کے پابند تھے۔'' [معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار:۴۰۸]

قال الإمام الذهبي:

إلى أبي عمرو المنتهى في تحرير علم القراءات وعلم المصاحف، مع البراعة في علم الحديث والتفسير والنحو وغير ذلك. [سیر أعلام

النبلاء:۱۸/۸۰]

’’امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم قراءات کا ضبط ابوعمرو دانی رحمہ اللہ پر ختم تھا اور وہ نحو، تفسیر اور علوم الحدیث وغیرہ میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔‘‘ [ترجمۃ المؤلف فی جامع البیان:۷]

الحافظ عبداللہ بن محمد خلیل رحمہ اللہ قال بعض الشیوخ لم یکن فی عصرہ ولا بعد عصرہ بمدد أحد یضاھیہ فی حفظہ و تحقیقہ.[غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء]

’’حافظ عبداللہ بن محمد بن خلیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض شیوخ نے علامہ دانی رحمہ اللہ کا ذکر کیا تو فرمایا حفظ اور تحقیق میں اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی اُن کے مثل کوئی نہ تھا۔‘‘

وکان یقول ما رأیت شیئا إلا کتبتہ ولا کتبتہ إلا حفظتہ ولا حفظتہ فنسیۃ.

’’اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میں کوئی چیز دیکھتا تو اُسے لکھ لیتا اور جسے لکھ لیتا اُسے یاد کر لیتا اور جسے یاد کر لیتا اُسے کبھی نہیں بھولتا۔‘‘ [غایۃ النھایہ فی طبقات القراء:۵۰۴]

علامہ دانی رحمہ اللہ سے جب آثار اور نصوص علماء سے متعلق مسئلہ پوچھا جاتا تو اُس کو تمام متعلقہ اسانید کے ساتھ بیان کرتے اور بغیر سند کوئی بات نہیں کہتے تھے۔[الإیضاح المقاصد شرح عقیلۃ أتراب القصائد:۲۵]

حمیدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوعمرو دانی رحمہ اللہ بہت علم رکھنے والے محدث تھے اور قرآن حکیم پڑھانے میں سب سے فائق تھے۔[تذکرۃ الحفاظ:۷۴۹]

حافظ ابومحمد بن عبداللہ حجری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے بعض شیوخ نے علامہ دانی رحمہ اللہ

کا ذکر کیا تو فرمایا کہ حفظ اور تحقیق میں اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ:۹:۷۴۹)

☆ محقق امام محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن نظر كتبة علم مقدار الرجل وما وهبه الله تعالى فيه فسبحان الفتاح العليم ولا سيما كتاب جامع البيان فيما رواه فى القراء ات السبع وله كتاب التيسير المشهور ومنظومته الاقتصاد أرجوزة مجلد، وكتاب إيجاد البيان فى قرائة ورش مجلد، وكتاب التلخيص فى قراء ة ورش أيضا مجلد لطيف، وكتاب المقنع مجلد فى رسم المصحف، وكتاب المحكم فى النقط مجلد وكتاب المحتوى فى القراء ات الشواذ مجلد وكتاب الأرجوزة فى أصول السنة مجلد، وكتاب طبقات القراء فى أربعة أسفار وهو عظيم فى بابه لعلى أظفر بجميعه إن شاء الله تعالى، وكتاب الوقف والابتداء وكتاب التمهيد لاختلاف قرائة نافع مجلد، وكتاب المفردات مجلد كبير، وكتاب الإمالات مجلد، وكتاب الراءآت لورش مجلد، وكتاب الفتن والملاحم، وكتاب مذاهب القراء فى الهمزتين مجلد، وكتاب اختلافهم الياءات مجلد، وكتاب الإمالة مجلد، وكتاب شرح قصيدة الخاقانى فى التجويد مجلد، وكتاب التحديد فى الإتقان والتجويد مجلد، وغير ذلك وغالب ذلك رأيته وملكته."

''میں (علامہ جزری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ جو ان کی کتابوں پر نظر ڈالے گا اسے اُن (امام دانی رحمہ اللہ) کے علمی مرتبے اور اس ضمن میں ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشش کا پتہ چل جائے گا (فسبحان الفتاح العليم) ان میں سے خاص

طور پر ان کی کتاب جامع البیان جو انہوں نے قراءات سبعہ (سات قراءتوں) پر لکھی ہے، قابل ذکر ہے۔ مشہور و معروف کتاب التیسیر ان کی تصنیف ہے اس کے علاوہ ان کی تصنیفات میں ان کی مختصر منظوم کتاب ارجوزہ مجلد، کتاب إیجاد البیان فی قراءۃ ورش مجلد ہیں۔ کتاب التلخیص فی قراءۃ ورش بھی ان کی ایک نفیس کتاب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کتابیں کتاب المقنع فی رسم المصحف مجلد، کتاب المحکم فی النقط مجلد، کتاب المحتوی فی القراءات الشواذ مجلد، کتاب الارجوزۃ فی أصول السنۃ مجلد، کتاب طبقات القراء فی أربعۃ أسفار، ضخیم، حجم ان کی تصانیف ہیں۔ خدا کرے کہ میں (علامہ جزری رحمہ اللہ) ان کی ساری کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ان شاء اللہ کتاب الوقف والابتداء، کتاب التمہید لاختلاف قراءۃ نافع مجلد، کتاب المفردات، ضخیم کتاب، کتاب الامالات مجلد، کتاب الراات لورش مجلد، کتاب الفتن والملاحم، کتاب مذاہب القراء فی الھمزتین مجلد، کتاب اختلافہم فی الیاءات مجلد، کتاب الامالہ مجلد، کتاب شرح قصیدہ الخاقانی فی التجوید مجلد، کتاب التحدید فِی الاتقان والتجوید مجلد وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کتابیں میں نے دیکھی ہیں اور میرے پاس ہیں۔''

شیوخ امام دانی رحمہ اللہ:

آپ کی کتاب المکتفی فی الوقف والابتداء کے محقق ڈاکٹر یوسف عبدالرحمن المرعشلی نے لکھا ہے کہ آپ نے درج ذیل شیوخ سے علم قراءات اور علم حدیث حاصل کیا۔

(۱) الشیخ أبوبکر بن خلیل رحمہ اللہ

(۲) الشیخ أبوبکر التجیبی رحمہ اللہ

(۳) الشیخ أحمد بن الفتح بن الرسان رحمہ اللہ

(۴)الشیخ أحمد بن فراس المکی العبقسی رحمہ اللہ

(۵)الشیخ أحمد بن محمد بن عمر المصری الجزی رحمہ اللہ

(۶)الشیخ أحمد بن محمد بن بدر القاضی رحمہ اللہ

(۷)الشیخ علی حسن بن سلیمان أنطاکی رحمہ اللہ

(۸)الشیخ أبوبکر حاتم بن عبداللہ البزار رحمہ اللہ

(۹)الشیخ علی حسن بن محمد بن إبراھیم البغدادی رحمہ اللہ

(۱۰)الشیخ خلف بن إبراھیم بن خاقان المصری الخاقانی رحمہ اللہ

(۱۱)الشیخ خلف بن یحییٰ رحمہ اللہ

(۱۲)الشیخ أبوعثمان سعید بن عثمان بن أبوسعید القزاز رحمہ اللہ

(۱۳)الشیخ أبوحسن طاھر بن عبدالمنعم بن غلبون الحلبی رحمہ اللہ

(۱۴)الشیخ أبوالمطرف عبدالرحمن بن عثمان القشیری الزاھد رحمہ اللہ

(۱۵)الشیخ أبومحمد عبدالرحمن بن عمر بن محمد المعدل النحاس رحمہ اللہ

(۱۶)الشیخ أبومحمد عبدالرحمن بن عمر بن محمد المالکی رحمہ اللہ

(۱۷)الشیخ أبوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بن خواستی الفارسی رحمہ اللہ

(۱۸)الشیخ علی عبداللہ بن أبوعبدالرحمن المصاحفی رحمہ اللہ

(۱۹)الشیخ عبدالوھاب بن منیر بن حسن خشاب مصری رحمہ اللہ

(۲۰)الشیخ علی عبداللہ بن سلمۃ بن حزم الیحصبی الندلسی رحمہ اللہ

(۲۱)الشیخ أبوالفتح فارس بن أحمد بن موسیٰ المحصی رحمہ اللہ

(۲۲)الشیخ أبو مسلم محمد بن أحمد بن علی رحمہ اللہ

(۲۳)الشیخ أبوعبداللہ محمد بن خلیفۃ رحمہ اللہ

(۲۴)الشیخ محمد بن عبداللہ بن أبوزمنین الفقیه الإبیری رحمہ اللہ

(۲۵)الشیخ أبوالفرج محمد بن عبداللہ النجاد رحمہ اللہ

(۲۶)الشیخ علی محمد بن عبدالواحد البغدادی رحمہ اللہ

(۲۷)الشیخ أبوالفرج محمد بن یوسف بن محمد أموی الأندلسی قرطبی المعروف بالنجاد رحمہ اللہ

(۲۸)الشیخ یونس بن عبداللہ القاضی رحمہ اللہ

تلامذہ اِمام دانی رحمہ اللہ:

① أبوالحسن بن الورش رحمہ اللہ

② أبوإسحاق إبراهیم بن علی الفیسولی رحمہ اللہ

③ أبوالقاسم أحمد بن عبدالملك بن موسیٰ بن أبوحمزہ المرسی رحمہ اللہ

④ أحمد بن عثمان بن سعید (بیٹا) رحمہ اللہ

⑤ أبوعبداللہ أحمد بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن عثمان خولانی رحمہ اللہ

⑥ حسین بن علی مبشر رحمہ اللہ

⑦ خلف بن إبراهیم طلیطلی رحمہ اللہ

⑧ خلف بن محمد أنصاری رحمہ اللہ

⑨ أبوالقاسم شیخ بن نمارۃ رحمہ اللہ

⑩ عبدالحق بن أبومروان بن ثلج أندلسی رحمہ اللہ

⑪ عبدالملك بن عبدالقدوس رحمہ اللہ

⑫ أبوبکر عمران بن أحمد فصیح رحمہ اللہ

⑬ أبوعبداللہ محمد بن إبراهیم بن إلیاس العمی رحمہ اللہ

⑭محمد بن أحمد بن مسعود دانیؒ

⑮أبوعبداللہ محمد بن عیسیٰ بن فرج تجیبی مغامی طلیطلیؒ

⑯أبوبکر محمد بن مخرجؒ

⑰ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مراحم أنصاری خزرجی طلیطلیؒ

⑱أبوداؤد بن سلیمان بن نجاح أمویؒ۔ مؤلف کتب کثیرۃ

⑲ أبوداؤد مخرجؒ

⑳أبوالحسن یحییٰ بن إبراھیم بن أبوزید الوائی المرسی المعروف ابن بیازؒ

آپ کی تصانیف:

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آپ ایک سوبیس (۱۲۰) کتابوں کے مصنف ہیں۔آپ نے تفسیر، معانی، طرق اور اعراب پر بہت اچھی کتابیں تصنیف فرمائیں۔اس کے علاوہ آپ نے قراءات، رسم، تجوید اور الوقف والابتداء وغیرہ پر بہت اعلیٰ پائے کی کتب لکھیں۔

'المکتفی' کے محقق ڈاکٹر یوسف عبدالرحمن نے آپ کی جن تصانیف کے نام ذکر کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)'اختلاف القراء' تین جلدوں میں ہے۔بعض نے اس کا نام 'رسالۃ فی اختلاف القراء' ذکر کیا ہے۔

(۲)اختلاف القراء فی الیاء ات ایک جلد

(۳)الادغام الکبیر فی قرائۃ القرآن

(۴)الأرجوزۃ فی أصول السنۃ

(۵)الإشارہ بلطیف العبارۃ

(۶)الاقتصاد فی رسم المصاحف

(۷)الاقتصاد فی القراءات السبع

(۸)الاکتفاء فی الوقف والابتداء

(۹)الإمالات (۱۰)الإمالة

(۱۱)الاھتداء فی الوقف الابتداء

(۱۲)إیجاد البیان فی قراءۃ ورش عن نافع

(۱۳)الإیضاح فی الھمزتین

(۱۴)البیان فی عدای القرآن

(۱۵)التحدید فی صاعۃ الاتقان والتجوید

(۱۶)التقریب (۱۷)التعریف فی القراءات

(۱۸)التلخیص فی قراءۃ ورش

(۱۹)التعریف فی القراءات الشواذ

(۲۰)التھذیب فی القراءات

(۲۱)التمھید الاختلاف قراءۃ نافع

(۲۲)جامع البیان فی عدای القرآن

(۲۳)التنبیہ علی النقط الشکل

(۲۴)الراءات الورش

(۲۵)التیسیر فی القراءت السبع

(۲۶)رسالۃ فی رسم المصحف

(۲۷)ذیل المقنع فی معرفۃ رسم المصاحف

(۲۸)شرح قصیدۃ الخاقانی فی التجوید

(۲۹)رسالۃ الظاء ات فی القرآن الکریم

(۳۰)الفتح والإمامة لابوعمرو بن العلاء

(۳۱)رسالۃ فی اختلاف القراء

(۳۲)الفتن والملاحم (۳۳)رسالة فی القراءات

(۳۴)الفتن (۳۵)طبقات القراء وأخبارهم

(۳۶)الفرق بين الضاد والظاء فی کتاب الله

(۳۷)قراءة ابن کثير (۳۸)إمالات الراءات لورش

(۳۹)اللوامع فی القراءت (۴۰)المعتوی فی القراءات الشواذ

(۴۱)المحکم فی نقط المصاحف

(۴۲)مختصر مرسوم المصحف

(۴۳)مذاهب القراء فی الهمزتين

(۴۴)مفردات القراء السبعة

(۴۵)مفردة يعقوب فی القراءة

(۴۶)الموضح فی الفتح الإمالة

(۴۷)الموضح فی القراءة

(۴۸)الموضح المذاهب القراءة

(۴۹)النقط (۵۰)ورود حرف الظاء خاصة فی کتاب الله

(۵۱)الوقف علی کلا وبلی (۵۲)الوقف التام

(۵۳)مسألة عن تأويل الاستثناء السعداء الأشقياء (۵۴)الياءات

(۵۵)تذکرة الحافظ تراجم القراء السبعة و اجتماعهم واتفاقهم فی حروف الاختلاف

(۵۶)الأرجوزة المنبة على أسماء القراء الرواة أصول القراء

(۵۷)فهرسة شيوخه (ويقال لها أيضاً فوائد أبي عمرو الدانى)

(۵۸)التنبيه على مذهب أبوعمر بن العلاء فى الامالة الفتح بالعلل

(۵۹)جامع البيان فى القراءت السبع طرقها المشهورة الغريبة

(۶۰)تبصرة المبتدى و تذكرة المنتهى فى القراءات

(۶۱)رسالة فى البيان مذهب أبويعقوب الأزرق

(۶۲)التلخيص الأصول قراءة نافع بن عبدالرحمن

(۶۳)المقنع فى معرفة رسم خطوط مصاحف أهل الأمصار نقطها

(۶۴)المكتفى فى الوقف والابتداء أيضا وقف التام الوقف الكافى الحسن فى كتاب الله.

تصانیف دانی رحمہ اللہ کی مقبولیت:

امام ابوعمر وعثمان بن سعید دانی رحمہ اللہ کی تین مشہور کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطاء کیا ہے کہ ان تینوں کتابوں کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے نظم کیا اور وہ تقریباً پوری دنیا کے مدارس میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

① آپ کی کتاب 'التیسیر' کو علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے منظوم کیا۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

وفى يسرها التيسير رمت اختصاره
فأجنت بعون الله منه مؤملا

''اور اس قصیدے کے آسان معانی میں، میں نے کتاب تیسیر کے اختصار کا ارادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس قصیدے نے اس کتاب سے اپنی آرزو کا پھل حاصل کرلیا۔''

پھر لکھتے ہیں:

وألفافها زادت بنشر فوائد
فلفت حياء وجهها أن تفضلا

''اور اس قصیدے کے مضامین میں بہت سے ایسے ہیں جو علمی فوائد میں تیسیر پر بڑھ گئے۔ لیکن ان فوائد نے شرم کی وجہ سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے کہ کہیں اس قصیدے کو (تیسیر پر) فضیلت نہ دی جائے۔''

یعنی میں نے تیسیر کے مسائل کا اختصار تو کیا ہی ہے ضمناً اشارتی رنگ میں بہت سے علمی نکات بھی شامل کر دیے ہیں۔ اشاراتی طرز بیان اس لیے کہ یہ قصیدہ تیسیر پر فضیلت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔

وسميتها حرز الأماني تيمناً
ووجه التهاني فاهنه متقبلا

''میں نے برکت کے حصول کے لیے اس قصیدے کا نام حرز الامانی ووجہ التہانی رکھا۔ پس تو اس کو مبارکباد کہہ کیونکہ وہ مقبول ہے۔''

② 'عقیلۃ أتراب القصائد' مصاحف عثمانیہ کے رسم میں امام دانی رحمہ اللہ کی کتاب 'مقنع' کا اختصار ہے۔

③ 'ناظمۃ الزھر فی علم الفواصل' اس میں بھی علامہ دانی رحمہ اللہ کی 'کتاب البیان فی عدآی القرآن' کا اختصار ہے۔

علامہ دانی رحمہ اللہ کی تیسیر کے ساتھ علامہ جزری رحمہ اللہ نے قراء ثلاث کی قراءات کا اضافہ کیا اور دس قراء کی قراءات کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام 'تحبیر التیسیر' رکھا۔

جیسا کہ علامہ جزری رحمہ اللہ الدرۃ میں فرماتے ہیں:

كما هو في تحبير تيسير سبعها

فأسأل ربي أن يمن فتكملا

’’جس طرح کہ سبعہ قراءات کی کتاب التیسیر کے تکملہ میں قراءت ثلاثہ کی کتاب تحبیر میں ہے، میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ احسان فرمائے کہ یہ قصیدہ مکمل ہو۔

یعنی یہ قراءاتِ ثلاثہ میں نے اپنی تصنیف ’تحبیر التیسیر‘ کے مطابق نظم کی ہیں۔تحبیر التیسیر، علامہ جزری رحمہ اللہ کی وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں موصوف نے قراءاتِ ثلاثہ کو نثر میں لکھا ہے اور ایک طرح سے یہ علامہ دانی رحمہ اللہ کی کتاب ’التیسیر‘ کا تکملہ ہے جو سبعہ قراءات پر نثر میں علامہ دانی رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف ہے اور مستند مانی جاتی ہے۔اس طرز پر علامہ جزری رحمہ اللہ نے تین قراءتوں کو مرتب کیا اور کتاب کا مذکورہ نام تجویز کیا۔ تحبیر بمعنی تزیین، گویا جزری رحمہ اللہ کی کتاب سے دانی رحمہ اللہ کی تیسیر کو تزیین حاصل ہوئی۔ اور نظم میں یہ کتاب ’الدرۃ المضیئۃ فی القراءات الثلاث‘ تصنیف فرمائی یہ گویا شاطبیہ کا تکملہ ہے اور نظم کا قافیہ و وزن شاطبیہ ہی کا اختصار فرمایا ہے۔’تحبیر التیسیر‘ مدتوں سے مخطوط شکل میں چلی آرہی تھی۔ الشیخ عبدالفتاح القاضی اور الشیخ محمد الصادق قمحاوی کی تعلیق و تصحیح سے مزین ہوکر الحمدللہ مصر میں چھپ گئی ہے۔(بحوالہ الدراری شرح الدرۃ المضیئۃ امام القراء حضرۃ قاری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ)

اسناد امام دانی:

امام دانی رحمہ اللہ کی اسناد کو پڑھنے سے پہلے ان چند سطور کو اچھی طرح پڑھ لیں۔

ہر روایۃ میں دو دو عنوان آئیں گے پہلا روایتی سند کا اور دوسرا تلاوتی کا۔سب سے پہلا نام علامہ دانی رحمہ اللہ کے شیخ کا ہوگا اور آخری نام امام کا ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ امام کے شاگرد کو راوی اور راوی کے شاگرد کو طریق اور کسی کو طرق کہتے ہیں پس تلاوتی سند میں جو نام سب سے پہلا ہو اس کو دانی رحمہ اللہ کا شیخ سمجھیں اور جو نام راوی مثلاً سیدنا قالون رحمہ اللہ کے نام سے پہلے ہو اس کو اس روایت کا طریق تصور کریں گے۔

امام نافع رحمہ اللہ کی قراءۃ سند

قالون رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند:

اس روایت کو ہم (یعنی علامہ دانی رحمہ اللہ) سے احمد بن عمر بن جیزی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن احمد بن منیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن عیسیٰ مدنی قرشی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے قالون نے نافع سے نقل کر کے بیان کیا۔

تلاوتی سند:

میں (یعنی علامہ دانی رحمہ اللہ) نے اس روایت میں تمام قرآن اپنے شیخ ابوالفتح فارس بن احمد موسیٰ بن عمران حمصی سے پڑھا جو قراءۃ کے معلم تھے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے یہ روایت ابوالحسن عبدالباقی بن حسین معلم قراءۃ سے پڑھی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اس میں پورا قرآن ابراہیم بن عمر معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابوالحسن احمد بن عثمان بن جعفر بن جویان معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر احمد بن محمد اشعث سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابونشیط محمد بن ھارون معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے قالون سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے نافع سے پڑھا۔

ورش رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند:

اس روایت کو مجھ (علامہ دانی رحمہ اللہ) سے شیخ ابوعبداللہ احمد بن محفوظ رحمہ اللہ جو مصر کے قاضی تھے نے بیان کیا ان سے شیخ احمد بن ابراہیم جامعؒ نے بیان کیا ان سے الشیخ ابوعمر بکر بن محمد بن شہاب نے بیان کیا ان سے شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمن رحمہ اللہ نے بیان کیا

ان سے سیدنا ورش رحمہ اللہ نے بیان کیا ان سے امام نافع رحمہ اللہ۔

تلاوتی سند:

اس روایت کو مجھ (علامہ دانی رحمہ اللہ) نے قرآن پڑھا شیخ ابوالقاسم خلف بن ابراہیم بن محمد بن خاقان رحمہ اللہ جو مصر میں قرآن کے معلم تھے۔ شیخ أبوجعفر أحمد بن أسامۃ تجیبی، شیخ اسماعیل بن عبداللہ نحاس رحمہ اللہ، شیخ ازرق ابویعقوب یوسف بن عمر بن یسار رحمہ اللہ، سیدنا ورش رحمہ اللہ، امام نافع رحمہ اللہ۔

امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی قراءت کی سند

قنبل کی روایت:

روایتی سند:

شیخ ابومسلم محمد بن احمد بن علی بغدادی، شیخ القراء ابن مجاہد، سیدنا قنبل، سیدنا قواس ابوالحسین احمد بن محمد بن عوف، سیدنا ابوالاخریط وہب بن واضح، سیدنا اسماعیل بن عبداللہ قسط رحمہ اللہ، سیدنا شبل بن عباد اور معروف بن مشکان رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ یعنی شبل اور معروف دونوں نے خود امام سے پڑھا ہے۔

تلاوتی سند:

شیخ ابوالفتح فارس بن احمد حمص مقری رحمہ اللہ، شیخ ابواحمد سامری عبداللہ بن حسین بغدادی رحمہ اللہ، امام ابن مجاھد رحمہ اللہ، سیدنا قنبل رحمہ اللہ۔

بزی رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند:

شیخ محمد بن احمد کاتبی رحمہ اللہ، الشیخ احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ، شیخ مفرج بن صمضی مکی رحمہ اللہ جو موذن اور بنی مخزوم کے مولیٰ تھے۔ سیدنا احمد بن ابی بزہ یعنی بزی رحمہ اللہ، الشیخ اسماعیل

عکرمہ بن سلیمان بن عامر رحمہ اللہ، الشیخ اسماعیل بن عبداللہ قسط رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ۔
سیدنا بزی رحمہ اللہ نے اپنی سند اسی طرح بیان کی ہے یعنی اپنے اور امام کے درمیان دو واسطے بتائے ہیں۔

تلاوتی سند:

شیخ ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بن محمد مقری فارسی رحمہ اللہ شیخ ابوبکر محمد بن حسین نقاش رحمہ اللہ، شیخ ابوربیعہ محمد بن اسحاق ربعی رحمہ اللہ، سیدنا بزی رحمہ اللہ۔

امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کی قراءۃ کی سند

ابوعمر دوری رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند:

شیخ محمد بن احمد بن علی، شیخ ابوعیسیٰ محمد بن احمد بن قطن نمبر ایک والے محمد بن احمد کہتے ہیں کہ ہم سے ابوعیسیٰ نے دوری کی روایت ۳۱۸ھ میں بیان کی۔ سیدنا ابوخلاد بن سلیمان بن خلاد، سیدنا ابوعمرو دوری رحمہ اللہ، سیدنا یزیدی رحمہ اللہ۔ امام ابوعمرو رحمہ اللہ۔

تلاوتی سند:

شیخ عبدالعزیز بن جعفر بن محمد بن اسحاق بغدادی فارسی موصوف بطریق ابوعمرو دوری (یعنی عبدالعزیز فارسی دانی کے روایت دوری کے شیخ ہیں سوسی کی روایت کے نہیں) شیخ ابوطاہر بن عبدالواحد بن عمر بن ہشام مقری شیخ عبدالعزیز فارسی نے علامہ دانی رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے شیخ ابوطاہر بن عبدالواحد سے سیدنا دوری کی روایت میں بہت مرتبہ قرآن پڑھا جن کو میں شمار نہیں کرسکتا۔ سیدنا ابوبکر بن مجاہد موصوف، سیدنا ابوالزعراء عبدالرحمن بن عبدوس۔ سیدنا ابوعمرو دوری۔ سیدنا یزیدی۔ امام ابوعمرو رحمہ اللہ۔

ابوشعیب سوسی کی روایت:

روایتی سند:

خلف بن ابراہیم بن محمد مقری، ابومحمد بن حسن رشیق معدل، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (مشہور محدث) ابوشعیب سوسی یزیدی۔ ابوعمرو۔

تلاوتی سند:

ابوالفتح فارس بن احمد مقری (دانی کہتے ہیں) کہ میں نے ان سے سوسی کی روایت میں پورا قرآن مثلین و متقاربین میں سے اوّل کے اظہار اور ادغام دونوں کے ساتھ پڑھا ہے (ابواحمد سامری) عبداللہ بن حسین مقری، ابوعمران موسیٰ بن جریر نحوی، ابوشعیب سوسی یزیدی، ابوعمرو، ابوعمرو دانی فرماتے ہیں کہ ہمیں ادغام کے قواعد ان دو سندوں کے ذریعے پہنچے ہیں۔ اوّل محمد بن احمد، ابن مجاہد، ابوالزاعراء عبدالرحمن بن عبدوس، ابوعمرو دوری، یزیدی، ابوعمرو۔ دوم دانی کے شیخ ابوالحسن، عبداللہ بن مبارک، جعفر بن سلیمان، ابوشعیب سوسی، یزیدی، ابوعمرو بن علاء۔

امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءۃ کی سند

ابن ذکوان رحمہ اللہ کی روایت

روایتی سند:

محمد بن احمد، احمد بن موسیٰ، محمد بن یوسف ثعلبی، عبداللہ بن ذکوان، ایوب بن تمیم، یحییٰ بن حارث زماری، ابن عامر، مصنف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی دوسری سند اس طرح ہے۔

تلاوتی سند:

عبدالعزیز بن جعفر فارسی مقری، ابوبکر محمد بن حسن نقاش، ابوعبداللہ ہارون بن موسیٰ بن شریک اخفش۔ نقاش کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت میں قرآن اخفش سے مشق سے پڑھا تھا۔ عبداللہ بن ذکوان۔

ہشام رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند

محمد بن احمد، ابن مجاہد، حسن بن ابی مہران جمال، احمد بن یزید حلوانی، ہشام بن عمارۃ، عراک بن خالد مقری یحییٰ بن حارث زماری، عبداللہ بن عامر۔

تلاوتی سند:

ابوالفتح (ابواحمد سامری) عبداللہ بن حسین مقری، محمد بن احمد بن عبدان مقری، حلوانی، ہشام بن عمارہ (واللہ اعلم)

امام عاصم کوفی رحمہ اللہ کی قراءۃ کی سند

ابوبکر کی روایت:

روایتی سند:

محمد بن احمد بن علی کاتب، ابن مجاہد، احمد بن ابراہیم بن عمرو کیسی، ابوعمرو، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

تلاوتی سند:

ابوالفتح فارس احمد مقری، ابوالحسن عبدالباقی بن حسین مقری، ابراہیم بن عبدالرحمن بن احمد مقری بغدادی، یوسف بن یعقوب واسطی، شعیب بن ایوب صیرفی، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

اسی روایت کی ایک اور تلاوتی سند:

فارس بن احمد، عبداللہ بن حسین، احمد بن یوسف قافلانی، صیرفی، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

حفص رحمہ اللہ کی روایت:

روایتی سند

ابوالحسن طاہر بن غلبون مقری، ابوالحسن علی بن محمد بن صالح بن محمد ہاشمی ضریر جو بصرہ میں قراءت کے معلم تھے۔ ابوالعباس احمد بن سہل اشنانی، ابومحمد عبید بن صباح، حفص، عاصم۔

تلاوتی سند:

ابوالحسن، ہاشمی، اشنانی،، عبید بن صباح، حفص، عاصم

امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کی قراءۃ کی سند

خلف رحمہ اللہ کی روایت

روایتی سند

محمد بن احمد، ابن مجاہد، ادریس بن عبدالکریم، خلف، سلیم، حمزہ۔

تلاوتی سند

دانی کے شیخ ابوالحسن طاہر بن غلبون، ابوالحسن محمد بن یوسف بن نہار حرتکی۔ ابن غلبون فرماتے ہیں کہ میں نے حرتکی سے بصرہ میں قران پڑھا۔ ابوالحسن احمد بن عثمان بن جعفر بن بویان، ادریس بن عبدالکریم، ابن بویان فرماتے ہیں کہ ابھی تک ادریس نے خلف کی اختیار کردہ دسویں قراءۃ پڑھنی شروع نہیں کی تھی کہ میں نے اس سے پہلے ہی اُن سے

خلف کی وہ روایۃ پڑھ لی تھی جس کو انہوں نے سُلیم کے ذریعے حمزہ سے نقل کیا ہے۔

خلف۔ سلیم، حمزہ۔

خلاد کی روایت:

روایتی سند:

محمد بن احمد، احمد بن موسیٰ، یحییٰ بن ہارون مزوق، احمد بن یزید، حلوانی، خلاد، سلیم، حمزہ۔

تلاوتی سند

ابوالفتح ضریر، ابواحمد سامری، عبداللہ محمد حسین مقری، محمد بن احمد بن شنبوذ، ابوبکر محمد بن شاذان جوہری مقری، خلاد، سلیم، حمزہ۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی قراءۃ کی سند

دوری کی روایت

روایتی سند:

ابومحمد عبدالرحمن بن عمر بن محمد بن معدل، عبداللہ بن احمد، جعفر بن محمد بن اسد نصیبنی، ابوعمر دوری، کسائی۔

تلاوتی سند:

دانی کے شیخ ابوالفتح، عبدالباقی بن حسین، محمد بن علی بن جلندی موصلی، جعفر بن محمد، ابوعمر ودوری، کسائی۔

ابوالحارث کی روایت

روایتی سند:

محمد بن احمد، ابن مجاہد موصوف، محمد بن یحییٰ، ابوالحارث کسائی۔

تلاوتی سند:

ابوالفتح فارس بن احمد، ابوالحسن عبدالباقی بن حسین مقری، زید بن علی، احمد بن حسن جو بطی سے مشہور ہیں۔محمد بن یحییٰ کسائی صغیر، ابوالحارث، کسائی۔

آپ رحمہ اللہ کی وفات:

شیخ الاسلام امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ ۴۴۴ھ میں شوال کے وسط میں پیر کے روز دانیہ میں انتقال فرما گئے اور اسی روز عصر کے بعد دفن کیے گئے۔

حاکم دانیہ نے ان کے جنازے کی قیادت کی اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے جنازے کی متابعت کی۔اس طرح ۴۴۴ھ کو دنیائے فانی کا یہ عظیم المرتبت علمی چراغ بجھ گیا اور عالم اِسلام ایک عظیم محدث و مقری اور صاحب علم و فضل سے محروم ہوگیا۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَارْفَعْ دَرَجَاتَهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ.

آمین! (بشکریہ ماہنامہ رشد)

سوانحی حالات امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ

فضیلۃ الشیخ قاری نجم الصبیح التھانوی
صدر مدرس شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور

نام، کنیت مولد اور تاریخ پیدائش:

مورخ ابن خلکان نے امام شاطبی رحمہ اللہ کا نام اور کنیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ابومحمد بن فیرہ بن ابی القاسم خلف بن احمدالرعینی الشاطبی الضریرالمقری.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ کا نام قاسم اور کنیت ابو محمد تھی ، پھر امام موصوف کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقیل ان اسم الشیخ المذکورابو القاسم وکنیته اسمه لکن وجدت فی اجازات اشیاخه له ابومحمدکما ذکرت ھھنا.

یعنی ایک قول یہ بھی ہے کہ شیخ شاطبی کا نام ابوالقاسم ہے اور جو کنیت ہے وہی ان کا نام ہے لیکن میں نے ان کے اساتذہ کی تحریرات میں ابومحمد القاسم دیکھا ہے جیسا کہ میں نے یہاں تحریر کیا ہے، یہ تحریرات اجازت اقراء سے متعلق ہیں، حسن المحاضرہ اور مفتاح السعادہ میں بھی نام قاسم بتایا ہے اور کنیت ابومحمد اور ابوالقاسم لکھی ہے۔ شرح سبعہ قراءت میں قاری محی الاسلام صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا نام قاسم تھا اور اس بارے میں علامہ جزری رحمہ اللہ، ابن خلکان رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے۔

نیز ابن خلکان رحمہ اللہ نے لفظ "فیرہ" وغیرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فیرہ (فاء کی زیر کے ساتھ) لاطینی زبان میں حدید یعنی لوہے کو کہتے ہیں اور الرعینی (را کے ضمہ

اور عین کے فتح کے ساتھ) ذی رعین کی طرف منسوب ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے بہت سے حضرات اس کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ الشاطبی یہ شہر شاطبہ کی طرف منسوب ہے جو اندلس کے مشرق میں واقع ہے۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے اس شہر میں بہت سے علماء پیدا ہوئے ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۲۳)

تحصیل علوم:

امام شاطبی رحمہ اللہ ۵۳۸ھ کے آخر میں شاطبہ میں پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا تو تحصیل علم میں لگ گئے، اپنے شہر میں قراءات پڑھیں، المقری ابو عبداللہ محمد بن ابی العاص النفزی رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر باکمال ہوئے، پھر بلنسیہ پہنچے جو شاطبہ کے قریب ہے یہاں حافظ ابن ہذیل کو التیسیر (للامام الدانی رحمہ اللہ) اور قراءات سنائیں نیز ابن ہذیل رحمہ اللہ سے حدیث کا سماع بھی کیا ہے اور ان سے حدیث کی روایت بھی کی ہے، محمد بن عبید رحمہ اللہ سے کتاب سیبویہ اور کامل (للمبرد) اور ادب الکاتب (لابن قتیبہ رحمہ اللہ) پڑھی اور دیگر اکابر سے بھی علم حاصل کیا۔ اس کے بعد حج کے لیے روانہ ہوئے اور اسکندریہ میں حافظ ابو طاہر سلفی رحمہ اللہ سے حدیث کا سماع کیا (مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۳۸۷)۔ ابن خلکان رحمہ اللہ نے ان کے اساتذہ حدیث میں ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن سعادہ رحمہ اللہ اور ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحیم الخزرجی رحمہ اللہ اور حافظ ابو الحسن بن النعمہ رحمہ اللہ کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔

قراءت اور تفسیر و حدیث، نیز عربیت میں مہارت اور بے مثال حافظہ:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ صرف امام القراءات ہی نہ تھے بلکہ باکمال مفسر اور محدث بھی تھے صرف ونحو اور لغات میں بھی اللہ تعالیٰ نے مہارت عطا فرمائی تھی، مورخ ابن خلکان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام شاطبی رحمہ اللہ قرآءت کی مہارت کے ساتھ تفسیر قرآن میں بھی باکمال تھے اور

حدیث نبوی کے علوم میں ممتاز تھے، جب ان کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور موطا پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو اپنے حافظے سے نسخوں کی تصحیح کراتے جاتے تھے اور اسی ذیل میں ضرورت کے موقع پر (سند اور متن سے متعلقہ) نکات بھی املاء کراتے تھے علم نحو اور لغت میں یکتائے زمانہ تھے تعبیر خواب میں باکمال تھے اپنے قول وفعل میں بہترین مقاصد (یعنی رضائے الٰہی اور نجات آخرت) کو سامنے رکھتے تھے"۔[ابن خلکان ج ا ص ۴۲۲]

اقراء وافادہ:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ حسن الحاضرہ (ص ۲۳۶ ج ا) میں لکھتے ہیں:

"علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا نام بہت مشہور ہوا دور دور تک ان کی شہرت ہوئی اطراف عالم سے طلبہ انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ امام تھے علامہ تھے بہت سے فنون میں باکمال تھے، علوم وفنون میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، آپ قراءت میں بہت ماہر تھے حدیث کے حافظ تھے عربیت میں گہری نظر رکھتے تھے وسیع العلم تھے"۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نہایت ذہین وفطین اور ذکی تھے اللہ تعالی نے علوم سے مالا مال فرمایا تھا حافظہ میں بے مثال اور نظم لکھنے میں یکتا تھے۔شیخ ابن حاجب رحمہ اللہ صاحب کافیہ جیسے علامہ آپ کے شاگرد تھے، آپ کچھ عرصہ شاطبہ کے خطیب رہے اور ۵۷۲ھ میں آپ مصر تشریف لے گئے اور قاضی فاضل کے مہمان ہوئے انہوں نے آپ کو مدرسہ فاضلیہ کا شیخ الاقراء مقرر کیا، آپ تازیست یہاں تدریس واقراء کی خدمت سرانجام دیتے رہے البتہ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے بیت المقدس میں بھی قیام کیا۔ابن خلکان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انتفع به خلق كثير وادركت من اصحابه جمعا كثيرا بالديار المصريه.

"یعنی حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ سے کثیر تعداد میں مخلوق خدا کو نفع پہنچا میں نے

دیار مصر میں ان کے شاگردوں کی جماعت کثیرہ کو پایا ہے‘‘۔

تقوی، طہارت اور زہد وعبادت و دیگر خصائل حمیدہ:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ محدث ومفسر اور القاری المقری ہوتے ہوئے عبادت وریاضت میں یکتائے زمانہ تھے آپ خاشع وخاضع تھے، ولی اللہ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے فضول کاموں سے احتراز فرماتے تھے اور اپنے اصحاب اور احباب کو بھی لایعنی باتوں سے باز رکھتے تھے آپ اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، مزاج میں تواضع بہت تھی، امرا کے درباروں سے دور رہتے تھے۔ایک مرتبہ امیر عزالدین نے آپ کو طلب کیا (شیخ ابن حاجب صاحب کافیہ رحمہ اللہ کے والد اسی امیر کے یہاں حاجب کی خدمت انجام دیتے تھے) جب امیر مذکورہ کا قاصد آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنے بعض تلامذہ سے فرمایا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو

قل للامیر مقالة
من ناصح فطن نبیه
ان الفقیه اذا اتی
ابوابکم لا خیر فیه

’’امیر سے کہہ دو، خیر خواہ، سمجھدار، ہوش مند آدمی کی طرف سے (کہ) بے شک دینی علم رکھنے والا جب تمہارے دروازے پر آجائے تو اس میں کوئی خیر نہیں‘‘[التاج المکلل]

حسن المحاضرہ میں بھی علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے یہ دونوں شعر نقل کیے ہیں مگر اس میں اول شعر یوں ہے:

قل للامیر نصیحه
لا ترکنن الی فقیه

آپ نہایت خشوع کے ساتھ درس میں بیٹھتے تھے گو نابینا تھے لیکن اللہ پاک نے آپ کو نابیناؤں والی حرکات سے محفوظ رکھا تھا، نہایت صابر، شاکر آدمی تھے، سخت بیماری میں آہ بھی نہ کہتے تھے جب کوئی شخص عیادت کرتا اور حال پوچھتا تو صرف یہ فرماتے عافیت ہے۔

کشف وکرامت:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ صاحب کشف وکرامت تھے بارہا کرامات ظاہر ہوتی رہتی تھیں اپنے شاگردوں کو ایسی باتوں پر مطلع کر دیتے تھے جن کی اطلاع دینے والا کوئی نہ تھا (محض کشف سے معلوم ہو جاتا کہ فلاں نے فلاں کام کیا ہے) آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدرسہ فاضلیہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر درس کے لیے بیٹھ جاتے جس کی وجہ سے تلامذہ رات کے اندھیرے میں چل کر آتے تھے اور چونکہ ان کی عادت تھی کہ درس کے لیے بیٹھنے کے ساتھ ہی فرماتے تھے: من جآء اولا فلیقراء (جو پہلے آیا ہو وہ پڑھنا شروع کرے) اس لیے مستفیدین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، ترتیب وار حاضرین مجلس کو پڑھنے کی اجازت دیتے تھے اور یہ ترتیب مجلس میں حاضر ہونے کی ترتیب کے مطابق ہوتی تھی۔

ایک دن درس کے لیے تشریف فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا: من جآء ثانیا فلیقراء (جو صاحب دوسرے نمبر پر آئے ہوں وہ پڑھنا شروع کریں) یہ سن کر اول نمبر پر آنے والے شاگرد کو بڑی حیرانی ہوئی اور غور کرنا شروع کیا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے بالآخر یاد آیا کہ رات کو غسل فرض ہو گیا تھا لیکن جلدی حاضری دینے کے شوق میں غسل کرنا یاد نہ رہا یوں ہی بلا غسل آ بیٹھا ہوں، فوراً ہی مجلس سے اٹھ کر مدرسہ کے قریب ہی ایک حمام میں غسل کر کے اتنی جلدی واپس آئے کہ جن صاحب سے قراءت شروع کرادی گئی تھی وہ ابھی فارغ نہ ہوئے تھے۔ ان کے فارغ ہوتے ہی امام شاطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: من جا

اول فلیقراء (جو سب سے پہلے آئے تھے وہ پڑھیں) حالانکہ آپ نابینا تھے اور کسی نے بتایا بھی نہ تھا کہ نمبر اول پر جو صاحب آئے تھے وہ غسل کر کے آ گئے ہیں۔

تالیفات:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ کی کوئی کتاب نثر میں ہے یا نہیں؟ اس کا پتہ نہ چل سکا۔

حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف قصیدہ شاطبیہ:

ان کی چار کتابیں نظم کی صورت میں امت کے سامنے آئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور قصیدہ لامیہ ہے اس قصیدہ کے لکھنے کا مقصد اور اس کا نام قصیدہ کے شعر (۶۸، ۶۹، ۷۰) میں اس طرح ذکر فرمایا ہے ۔

وَ فِيْ يُسْرِهَا التَّيْسِيْرُ اخْتِصَارَهُ
فَأَجْنَتْ بِعَوْنِ اللهِ مِنْهُ مُؤَمَّلَا
وَأَلْفَافُهَا زَادَتْ بِنَشْرِ فَوَائِدٍ
فَلَفَّتْ حَيَاءً وَجْهَهَا أَنْ تُفَضَّلَا
وَسَمَّيْتُهَا حِرْزُ الْاَمَانِيْ تَيُمُّناً
وَوَجْهَ التَّهَانِيْ فَاهْنِهِ مُتَقَبَّلَا

یعنی اس قصیدہ کی آسانی میں (علامہ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ ۴۴۴ھ کی کتاب) تیسیر (کا سب مضمون) موجود ہے۔ میں نے تیسیر کے اختصار کی نیت کی تھی (مگر) یہ قصیدہ اللہ کی مدد سے پھل لے آیا ہے اور اس قصیدہ کے گنجان درخت بہت سے فوائد نشر کرنے کے سبب تیسیر سے بڑھ گئے ہیں پس اس قصیدہ نے شرم سے منہ لپیٹ لیا کہ کہیں مجھے تیسیر پر فضیلت نہ دے دی جائے (اور یہ منہ لپیٹ لینا ادب کی وجہ سے ہے کہ جیسے تلمیذ استاد کے سامنے اپنے کمالات ظاہر کرنے سے شرماتا ہے) اور میں نے اس قصیدے کا نام برکت حاصل کرنے کے لیے حرز الامانی رحمہ اللہ ووجہ التہانی رکھ دیا ہے (پس

اے مخاطب) تو اس نظم کو قبول کرنے والا بن کر بشاشت اور خوشی کے ساتھ لے لے۔

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے علامہ دانی کی کتاب التیسیر کو مختصر کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن بہت سے مزید فوائد اس میں آ گئے اور تیسیر کو آسان اس لیے فرمایا کہ پوری کتاب فوائد مزیدہ کے اضافہ کے ساتھ چند اشعار میں آ گئی گو فی نفسہ قصیدہ کا سمجھنا اور اس کے لغات کا یاد رکھنا اور رموز و اشارات کے ذریعے مقصد تک پہنچنا مشکل کام ہے

حرز الامانی کا ترجمہ ہے آرزوؤں کی حفاظت کی جگہ اور وجہ التھانی کا ترجمہ ہے لذت حاصل کرنے والی چیزوں میں عمدہ چیز، قصیدہ کا پورا نام "حرز الامانی ووجہ التھانی" ہے جب علی الاطلاق شاطبیہ بولتے ہیں تو یہی قصیدہ مراد ہوتا ہے اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد کتاب کے اختتام پر علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

وَاَبْيَاتُهَا اَلْفٌ تَزِيْدُ ثَلَاثَةً
وَ مَعْ مِائَةٍ سَبْعِيْنَ زُهْرًا وَّكُمَّلَا

"یعنی اس کے اشعار ایک ہزار ایک سو تہتر ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے روشن اور معانی کے اعتبار سے کامل ہیں۔"

قصیدہ لامیہ کی مقبولیت عام:

قصیدہ لامیہ بہت زیادہ مشہور و مقبول ہوا، مورخ ابن خلکان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

فقل من يشتغل با لقرا ء ات الا ويقدم ومعرفتها وهي مشتملة على رموز عجيبة واشارات خفية لطيفة.

یعنی شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جس نے علوم قرات سیکھنے کا ارادہ کیا ہو اور اس نے اس قصیدہ کو پہلے حفظ نہ کیا ہو یہ قصیدہ عجیب رموز اور خفی و لطیف اشارات پر مشتمل ہے، امام شاطبی رحمہ اللہ کے بعد جتنے اصحاب فن قاری مقری پیدا ہوئے ہیں کسی کے بارے میں یہ

نہیں سنا گیا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ لامیہ کے پڑھے بغیر فضل وکمال کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچا ہو حضرت قاری محی الاسلام پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

''اگرچہ قرات کو نظم میں بیان کرنے کے موجد علامہ حصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں مگر پوری سبعہ نظم کرنے والے آپ (یعنی علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ) پہلے شخص ہیں۔''

اس قصیدہ کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ ناظم قصیدہ کا اخلاص اور بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی دعا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح شاطبیہ کے ختم پر علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ قصیدہ ختم کرکے بیت اللہ شریف کے بارہ ہزار طواف کیے اور دوران طواف اس دعا کا اہتمام والتزام کیا۔

اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة رب هذا البيت العظيم انفع بها كل من قرء ها.

''اے اللہ اے عالم الغیب والشہادۃ جو اس بیت عظیم کا رب ہے اس کتاب کے ذریعے ہر شخص کو نفع دینا جو اسے پڑھے۔''

یہ بھی روایت ہے کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور سامنے کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا اے میرے آقا! اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں قصیدہ لیا اور فرمایا یہ قصیدہ مبارک ہے جو اسے یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اول تو ناظم قصیدہ کا اخلاص، پھر اس کے نافع ہونے کے لیے بارہ ہزار طوافوں میں دل کی گہرائی کے ساتھ دعا کرنا اور پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو مبارک فرمانا اور اس کے پڑھنے والے کے لیے دعا فرمانا یہ ایسی چیزیں جمع ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے ان کے اس

قصیدہ کی مقبولیت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔مورخ ابن خلکان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد روی عنه انه كان يقول لا يقر احد قصيدتی الا وينفعه الله بها لانی نظمتها لله تعالی مخلصاً فی ذلك.

یعنی امام شاطبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اس قصیدہ کو پڑھے گا اللہ اسے ضرور اس کے ذریعہ نفع دے گا کیونکہ اس کو اخلاص کے ساتھ میں نے صرف اللہ کے لیے منظوم کیا ہے۔اس قصیدہ کے اشعار کا حل کرنا بہت مشکل ہے ،طرز بیان بالکل اچھوتا ہے قصیدہ کیا ہے مجموعہ چیستان ہے ،مگر پھر بھی بہت زیادہ مقبول ہے۔صاحب مفتاح السعادہ (ج۱ص ۴۲۹)علامہ جزری رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

''جو شخص علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے دونوں قصیدوں (لامیہ ورائیہ) سے واقف ہوگا وہ جان لے گا کہ اللہ نے علامہ شاطبی رحمہ اللہ کو کس قدر علم وفضل سے نوازا تھا ،خصوصا قصیدہ لامیہ تو ایسی چیز ہے کہ علامہ شاطبی کے بعد بلغاء اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے ،کیونکہ اس قصیدہ کا جو مقام طرز بیان اور قدرت علی الکلام کے اعتبار سے ہے اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کی طرز پر لکھنے کا ارادہ کرے، یا اس قصیدہ کے اور دوسرے کسی ایسے قصیدہ کے درمیان مقابلہ کرے جو اس کے طرز پر لکھا گیا ہو اس قصیدہ لامیہ کو اللہ نے جو شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی ہے اس فن کی کسی کتاب کو نصیب نہ ہوئی بلکہ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے فن کی کسی کتاب کو بھی ایسی قبولیت حاصل نہیں ہوئی ،میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی شہروں میں سے کوئی شہر اس سے خالی نہ ہوگا ،اس قصیدوں کے نسخوں کو حاصل کرنے میں لوگوں میں بے حد رغبت اور تنافس ہے،میرا خود اپنا واقعہ ہے کہ میرے پاس قصیدہ لامیہ اور رائیہ دونوں ایک جلد میں مجلد تھے جو سخاوی رحمہ اللہ کے شاگرد جیجع رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے مجھ سے ان قصائد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے وزن کے برابر چاندی پیش کی گی جو میں نے نامنظور کردی۔

علامہ جزری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا:

''قصیدہ لامیہ کے بارہ ،میں لوگوں کی عقیدت بہت غلو کو پہنچی ہوئی ہے حتی کہ اس کے اقوال والفاظ کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسے کسی معصوم کا کلام ہو اور بعض لوگوں نے حد سے اس قدر تجاوز کیا کہ یہ گمان کر بیٹھے کہ اس میں جو کچھ ہے وہی قرات سبعہ کا مجموعہ ہے ،اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شاذ ہے جس کی قراءت جائز نہیں۔''[مفتاح السعادۃ]

قصیدہ لامیہ کی شروحات:

حضرت الامام الہمام علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے قصیدہ لامیہ کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، سب سے پہلی شرح امام شاطبی رحمہ اللہ کے بعد بلاواسطہ شاگرد امام ابوالحسن علی بن محمد سخاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۴۳ھ) نے لکھی جس کا نام الفتح الوصید فی شرح القصید ہے ۔علامہ موصوف امام شاطبی رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے ،انہوں نے بھی علوم قراء ات کی بہت خدمت کی اور تلامذہ کی کثیر تعداد کو فیضیاب کیا،ان کی خدمت میں مستفیدین اور محصلین کا جمگھٹا رہتا تھا،قراء ات کے علاوہ تفسیر وادب اور عربیت میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے ،علم نحو میں بھی کتابیں تصنیف فرمائیں اور چار جلدوں میں ایک تفسیر بھی لکھی جو سورہ کہف تک ہوسکی۔علامہ جزری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہم کو علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی ولایت میں کوئی شک نہیں ان سے بعض جنات بھی قراء ات پڑھتے تھے۔[مفتاح السعادۃ]

قصیدہ لامیہ کی دوسری شرح شیخ ابوشامہ عبد الرحمن بن اسماعیل دمشقی رحمہ اللہ(المتوفی ۶۶۵ھ) نے لکھی جس کا نام ابراز المعانی من حرز الامانی ہے۔تیسری شرح برہان الدین ابراہیم بن عمر والجعبری رحمہ اللہ(المتوفی ۷۳۲ھ) کی ہے ۔اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں :احسنھا وادقھا یعنی تمام شروح میں یہ سب سے بہتر اور اوق ہے۔

علامہ جعبری رحمہ اللہ کی اس شرح کا نام صاحب مفتاح السعادۃ نے (کنز المعانی)

بتایا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے۔ شیخ علاؤ الدین علی بن عثمان المعروف بابن القاصح رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۱ھ) نے بھی اسکی شرح لکھی تھی جو سراج القاری کے نام سے مشہور ہے اور مصرو حجاز میں ملتی ہے، ہمارے دیار میں زیادہ مشہور و معروف ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱۴) کی شرح ہے موصوف بڑے محدث بھی تھے، حدیث وفقہ میں آپکی تالیفات کثیر تعداد میں معروف و مشہور ہیں، سب سے زیادہ مشکوۃ المصابیح کی شرح مشہور ومقبول ہوئی جس کا نام مرقاۃ المفاتیح ہے جو نسخہ ملا علی قاری کی شرح کا اس وقت ہمارے پیش نظر ہے دیوبند میں ۱۳۴۸ھ چھپا ہے جس کی تصحیح دارالعلوم دیوبند کے شیخ التجوید قاری محمد یامین صاحب رحمہ اللہ کی تھی، اس کی کتابت اچھی نہیں ہے اور کرم خوردہ نسخے سے نقل کرنے کی وجہ سے تصحیح بھی خاطر خواہ نہ ہوسکی تھی تاہم کتاب کا وجود میں آجانا ہی بہت غنیمت تھا۔

عنایات رحمانی کا مقدمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی یہ شرح پشاور میں طبع ہوئی تھی، جس کے ساتھ شاطبی کا فارسی ترجمہ بھی تھا، احقر نے ایک نسخہ قاری محمد عباس صاحب بخاری رحمہ اللہ نزیل المدینۃ المنورہ کے پاس دیکھا جو بہت صحیح ہے دوسری دو شرح اور ہیں کوئی صاحب طبع کرے تو وہ نسخہ ضرور حاصل کریں۔

حضرت الاستاذ مولانا القاری المقری محمد سلیمان صاحب دیوبندی شیخ التجوید والقراءت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے بھی اردو زبان میں قصیدہ لامیہ کی شرح لکھی جو صرف اصول کے ختم تک لکھی جاسکی تھی، حضرت کی خواہش تھی کہ طبع ہونا شروع ہو تو فروع بھی لکھنا شروع فرمائیں گے مگر ان کی حیات میں نہ مکتوبہ حصہ کی طباعت ہوسکی اور نہ فروش کا حصہ لکھا جاسکا اس کا نام جواہر ضائیہ رکھا تھا (اب یہ بھی چھپ چکی ہے الحمد للہ) تصحیح حضرت شارح کے صاحبزادے جناب قاری رضوان نسیم صاحب مدظلہ العالی شیخ التجوید مظاہر علوم سہارنپور نے کی ہے۔ الحمد للہ پاکستان میں قرآءت اکیڈمی لاہور نے

اسے طبع کیا ہے اللہ پاک فروش بھی مکمل کرا دے آمین۔ نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ۔

شیخ القراء شاطبی رحمہ اللہ وقت، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی مکمل شرح بنام عنایات رحمانی شرح قصیدہ لامیہ حرز الامانی دوجہ التھانی سالہا سال ہوئے چھپ کر عام ہوچکی ہے۔ (دیدہ زیب اور جاذب نظر، تین جلد مکمل مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور) ہندو پاک کے قراء کرام اس سے مستفید ہو رہے ہیں، درحقیقت قاری صاحب ممدوح نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے، اس کا مقدمہ ایسا جامع لکھا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، اللہ موصوف کو مستفیدین کے سروں پر تادیر قائم رکھے، آمین۔ اگر یہ کہا جائے کہ عرب و عجم میں قرآءت کا ماہر اس وقت ان جیسا کوئی نہیں ہے تو بے جا نہ ہوگا، آپ عالم باعمل عابد وزاہد اور متوکل علی اللہ ہیں حرمین شریفین میں مقیم ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جنت البقیع میں دفن ہونے کے امیدوار ہیں، اللہ ان کی آرزو پوری فرمائے اور احقر کو بھی اسی قبرستان کی آغوش میں جگہ عطا فرمائے۔ (دونوں بزرگوں کی یہ خواہش پوری ہوئی اور دونوں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ نجم الصبیح التھانوی)

صاحب کشف الظنون نے اپنی اطلاع کے مطابق قصیدہ لامیہ کی تیس کے قریب شروح کا تذکرہ کیا ہے، شروح کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جب سے یہ قصیدہ لکھا گیا ہے صدیاں گزر گئیں ہیں اور برابر شروح لکھی جا رہی ہیں، قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تالیف شرح سبعہ قراءت میں لکھتے ہیں کہ پچاس کے قریب شروع وحاشیے نکات وتکملے اس پر لکھے گئے۔

صاحب کشف الظنون نے چند ایسے حضرات کے نام بھی لکھے ہیں جنھوں نے قصیدہ لامیہ کا اختصار کیا یا تکملہ لکھا، اختصار کرنے والوں میں مشہور نحوی علامہ جمال الدین ابن مالک (المتوفی ۶۷۲ھ) صاحب الفیہ بھی ہیں، انہوں نے اس بارے میں قصیدہ دالیہ لکھا ان کے اس مختصر کا نام حرز المعانی ہے۔

شاطبیہ کی شروع لکھنے والوں میں قبلہ والدصاحب مرحوم حضرت الاستاذ القراء والمجودین قاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ (۱۴۱۲ھ) کا نام بھی شامل ہے حضرت قبلہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اول شرح شاطبیہ تقریباً پونے آٹھ سو صفحات بڑے سائز والی لکھی ہے اور اس کے بعد ایک دوسری شرح مختصر مگر نہایت مفید اور حل متن میں آسان ترین "امانیہ شرح شاطبیہ" لکھی جو تقریبا تین سو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے، دونوں شروح مطبوع ہیں اور دستیاب ہیں ایک ہی صاحب سے دو شروح کا ظہور بہت انوکھا واقعہ ہے، جس میں غالبا والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے علاوہ شیخ ابو شامہ دمشقیؒ "مولف" ابراز المعانی "شرح حرز المعانی" کا نام نامی ہی سامنے آتا ہے، شیخ دمشقی کی ایک شرح کبیر کا نام ابراز المعانی میں ملتا ہے مگر وہ دستیاب نہیں ہے۔ نجم الصبیح التھانوی)

قصیدہ رائیہ اور اس کی شروح:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ کی دوسری تصنیف قصیدہ رائیہ ہے جو "عقیلة اتراب القصائد" کے نام سے مشہور ہے، حضرت العلامہ مضامین ختم کرنے کے بعد قصیدہ مذکورہ کے خاتمہ میں فرماتے ہیں ۔

تَمَّتْ عَقِيْلَةُ اَتْرَابُ ا لْقَصَائِدِ فِيْ
اَسْنَى الْمَقَاصِدِ لِلرَّسْمِ الَّذِيْ بَهَرَا
تِسْعُوْنَ مَعْ مِائَتَيْنِ مَعْ ثَمَانِيَةٍ
اَبْيَاتُهَا يَنْتَظِمْنَ الدُّرَّ وَالدِّرَرَا

"اپنے ہم مثل قصائد میں سب سے عمدہ قصیدہ مکمل ہو گیا جو اعلی ترین مقصد (یعنی) رسم قرآن کے لیے لکھا گیا اور وہ رسم قرآنی سب رسموں پر غالب ہے اس قصیدہ کے اشعار دو سو اٹھانوے ہیں جو موتیوں کو اور بارش کے قطروں کو پروئے ہوئے ہیں۔"

عقیلہ عربی زبان میں عمدہ مال کو کہتے ہیں امام شاطبی رحمہ اللہ نے اس قصیدہ کو عقیلۃ اتراب القصائد فرمایا تو عقیلہ ہی کے نام سے مشہور ہوگیا، قصیدہ لامیہ میں امام شاطبی رحمہ اللہ نے شیخ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کی کتاب التیسیر کو منظوم اور مختصر کیا اور قصیدہ رائیہ میں ان کی کتاب المقنع کو منظوم کیا۔ المقنع رسم قرآنی کے متعلق ہے امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهَاكَ نَظْمُ الَّذِيْ فِيْ مُقْنِعٍ عَنْ اَبِيْ
عَمْرٍوَ فِيْهِ زِيَادَاتٌ فَطِبْ عُمُرَا

''اور تو اس مضمون کی نظم کو لے لے جو مقنع میں امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کی جانب سے ہے اور اس میں کچھ زیادہ باتیں آگئی ہیں پس تو عمر کے اعتبار سے خوش ہو جا (قرآن کی خدمت میں مشغول ہوگا تو پاکیزہ طریقے پر عمر گزرے گی)۔''

قصیدہ رائیہ کی بھی بہت سی شروحات لکھی گئیں ہیں، علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی جس کا نام ''الوسیله الی کشف العقیلة '' رکھا، نیز علامہ جعبری رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی جس کا نام ''جمیلة ارباب المراصد'' تجویز فرمایا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی اور اس کا نام ''الهبات السنية العلية علی ابيات الشاطبية الرائية'' رکھا۔صاحب کشف الظنون نے اس کے علاوہ اور بھی چند شروح کا تذکرہ کیا ہے۔

شاطبی وقت حضرت الفاضل الاجل شیخ المقرئین القاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ نے بھی اردو زبان میں اس کی شرح لکھی ہے جو'' اسهل الموارد '' کے نام سے چھپ چکی ہے (مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور) قاری صاحب موصوف رحمہ اللہ نے اپنی شرح کے دیباچہ میں مزید تین شرح کا ذکر کیا ہے۔

①...... افضل الدرر، مصنفہ خاتمۃ القراء فی الہند شیخ القراء حضرت مولانا قاری المقری

عبدالرحمن مکی ثم الہ آبادی، مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور۔

②......المعانی الجلیلہ، مولفہ حضرت القاری المقری عبداللہ صاحب تھانوی ثم مرادآبادی رحمہ اللہ جو سال تک مدرسہ شاہی مرادآباد میں شیخ التجوید رہے۔

③......شرح موسیٰ بن جار اللہ القازانی دستوفدونی۔

④......نیز علامہ قاصح رحمہ اللہ (صاحب سراج القاری) کی شرح ''تلخیص الفوائد وتقریب المتباعد'' بھی بہت مشہور ہے، اس کے علاوہ قبلہ والد صاحب استاذ القراء القاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی ایک نہایت مفصل شرح لکھی جو اردو زبان میں سب سے زیادہ رسم اور تاریخ قرآن کے متعلق مواد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اس کا نام ہے

⑤......ایضاح القاصد شرح عقیلۃ اتراب القصائد، مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور

قصیدہ رائیہ اور اس کی اصل شرح یعنی المقنع اور اس کی شروح اور رسم قرآنی پر لکھی جانے والی تمام کتب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے، ملحدین اس کوشش میں ہیں کہ رسم قرآنی کے خلاف قرآن کو لکھا کریں یہ ان لوگوں کی سخت جہالت ہے امت کا اس پر اجماع ہے کہ مقررہ رسم کے خلاف قرآن مجید کا لکھنا اور طبع کرنا جائز نہیں۔

ناظمۃ الزہر فی علم الفواصل:

یہ قصیدہ بھی رائیہ ہے جو ۲۹۷ اشعار پر مشتمل ہے جس میں حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ نے علامہ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کی کتاب البیان کو منظوم کیا ہے جس میں ان آیات کی نشان دہی کی ہے جن کو سب آئمہ نے بالاجماع شمار کیا ہے اور وہ مواقع بھی بتائے ہیں جہاں بعض قراء نے وسط آیت مانا وہاں آیت کا ختم ہونا تسلیم کیا ہے۔

شاطبی وقت حضرت مولانا قاری المقری الشیخ فتح محمد صاحب نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ''کاشف العسر'' ہے اور دیباچہ میں اس کی چند شروحات کا تذکرہ

فرمایا ہے جن کے نام یہ ہیں :(۱):لوامع البدر (۲)بشیر الیسر (۳)معالم الیسر

قصیدہ دالیہ:

اس میں پانچ سو اشعار ہیں یہ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب التمہید کا منظوم خلاصہ ہے، اس کی کسی شرح کا علم نہ ہوسکا اور یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ طبع ہوئی یا نہیں، (''التمہید لمعانی الموطا من المعانی والاسانید'' مولفہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ القرطبی الاندلسی م ۴۶۳ھ کی کتاب ہے، یہ دراصل موطا کی شرح اور اس کی اسانید حدیث کی تحقیق اور اس ضمن میں فقہ وحدیث کی بے شمار معلومات پر مبنی ہے اس کی ترتیب رواۃ کے نام پر ہے ،بعدازاں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ہی ''التمہید'' کا اختصار کیا جس کا نام ''الاستذکار'' رکھا ، پھر اسی کتاب ''التمہید'' کا اختصار ابن رشیق قیروانی رحمہ اللہ المتوفی ۴۵۶ھ نے کیا ،کتاب کا نام معلوم نہیں بعدازاں شیخ زین الدین عمر حلبی رحمہ اللہ نے بھی ''التمہید'' کا اختصار کیا جس کا نام ''الانتقاء'' ہے۔

علامہ ابن عبد البر القرطبی رحمہ اللہ کی اسی کتاب کو امام القاسم بن فیرہ شاطبی رحمہ اللہ نے منظوم کیا یہ قصیدہ صرف پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے اور قصیدہ دالیہ کے نام سے مشہور ہے یعنی قصیدہ دالیہ کی اساس امام مالک کی ''الموطا'' ہے۔قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

وفات:

حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ نے بتاریخ جمادی الثانی ۵۹۰ھ بروز یک شنبہ قاہرہ میں وفات پائی اور قرافہ کے قبرستان میں دفن ہوئے اور خطیب جامع مصر ابو اسحق عراقی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علامہ جزری رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے بارہا ان کی قبر کی زیارت کی اور میں نے وہاں قبولیت دعا کی برکت دیکھی۔[مفتاح السعادہ وابن خلکان]

اولاد:

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ نے چند عدد اولاد چھوڑی جن میں امام کمال الضریر المقری رحمہ اللہ کی زوجہ بھی ہے، پھر دوسرے صفحات کے بعد الکمال الضریر رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

یعنی شیخ القراء علی بن شجاع رحمہ اللہ جو الکمال الضریر کے لقب سے مشہور تھے، حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ کے داماد اور شاگرد اور ان کی صاحبزادی کے شوہر تھے انہوں نے زمانہ دراز تک قراءت کی تدریس کی (ان کے زمانہ میں) قراءت کی سرداری ان پر ختم تھی وہ امام تھے، دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے (تاریخ وفات ۷ ذی الحجہ ۶۶۲ھ) علامہ جزری رحمہ اللہ نے ''النشر'' میں الشاطبیہ کے روایت کرنے والے حضرات کے ناموں میں ناظم قصیدہ کے صاحبزادے محمد رحمہ اللہ اور ان کے داماد علی بن شجاع الکمال الضریر رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

نوٹ:(علامہ جزری نے غایۃ النہایہ میں شیخ الکمال الضریر کے بیٹے اور امام شاطبی رحمہ اللہ کے نواسے کا بھی تذکرہ کیا ہے، قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

سوانحی حالات امام جزری رحمۃ اللہ علیہ

فضیلۃ الشیخ قاری نجم الصبیح التھانوی
صدر مدرس شعبہ تجوید وقراءات مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور

پیدائش، نام، کنیت، لقب اور وطن:

حضرت العلام امام القراءت والتجوید صاحب المقدمۃ الجزریہ کا نام نامی اسم گرامی محمد ہے آپ کے باپ دادا کا بھی یہی نام تھا، آپ کی کنیت ابو الخیر اور لقب شمس الدین ہے اور آپ کو الجزری اور ابن الجزری سے زیادہ یاد کیا جاتا ہے، الجزری جزیرہ ابن عمر کی طرف منسوب ہے جو موصل کے شمال میں واقع ہے، اس کو نہر دجلہ بصورت ہلال تین جانب سے گھیرے ہوئے ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد اس جزیرے کے باشندے تھے (مگر اس کی تصریح نہیں ملی) جن کی طرف یہ جزیرہ منسوب ہے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی نہیں ہیں بلکہ یہ عبدالعزیز بن عمر برقعیدی رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے یہ جزیرہ آباد کیا (المنح الفکریہ)

آپ کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۷۵۱ھ کی شب میں دمشق میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔

والد کی دعا، ماہرین سے استفادہ اور تجوید وقراءت میں کمال اور مقبولیت عامہ:

علامہ جزری رحمہ اللہ کے والد کو شادی کیے ہوئے چالیس سال گزر گئے تھے کوئی اولاد نہیں ہوئی جب انہوں نے حج کیا تو چاہ زمزم پر آئے اور آب زمزم پی کر دعا کی یا اللہ مجھے ایک ولد صالح عطا فرما جو عالم بھی ہو اللہ نے دعا قبول فرمائی، اور علامہ جزری رحمہ اللہ

جیسا صالح، عالم باعمل، محدث، قاضی نیز قاری ومقری عنایت فرمایا۔

بارہ سال کی عمر میں علامہ جزری رحمہ اللہ حفظ القرآن سے فارغ ہوئے، پھر اپنے دور کے ماہر اساتذہ سے تجوید وقراءت کی تحصیل کی اور قراءت وتجوید میں ایسے لگے کہ اس کے امام بن گئے، آپ جدھر کو نکل جاتے پروانوں کی طرح مستفیدین گھیر لیتے اور جہاں قیام فرماتے وہیں تجوید وقراءت کے محصلین اور حدیث کے طلباء کا تانتا بندھ جاتا، آپ کی شخصیت علوم القراءت کا مرکز بنی ہوئی تھی اور آپ کی ذات گرامی ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھی، گو آپ اپنے زمانے کے مشہور مدارس کے شیخ القراء بھی رہے اور کئی جگہ خود بھی مدارس قائم کیے، مگر ایسے باکمال حضرات کے فیضان کے لیے مدرسوں کے در دیوار کی ضرورت نہیں ہوتی، شیخ جزری رحمہ اللہ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا ہے، آپ کے بارہ میں کسی نے الحافظ الامام المقری اور کسی نے شیخ القراء فی زمانہ کہا ہے، شیراز میں آپ کو الامام الاعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ انباء الغمر میں لکھتے ہیں:

انتهت اليه رياسة علم القراءات في الممالك

یعنی ممالک اسلامیہ میں شیخ جزری رحمہ اللہ پر علوم قراءت کی ریاست (یعنی سرداری) ختم ہوگئی، اس فن میں اور اس فن کی خدمت میں ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے بعد بھی کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکا اور اب تک یہ سرداری ان ہی پر ختم ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قد تفرد بعلم القراءات في جميع الدنيا ونشره في كثير من البلاد وكان اعظم فنونه اجل ماعنده. [البدر الطالع ۲ ص۲۸۹]

"شیخ جزری رحمہ اللہ علم قراءت میں ساری دنیا میں یکتا تھے اس علم کو بہت سے شہروں میں پھیلایا یہ علم ان کے فنون میں سب سے زیادہ بزرگ تر اور ان

کے علوم میں سب سے زیادہ نمایاں تھا۔"

حافظ سیوطی رحمہ اللہ ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

لا نضیرله فی القراء ت فی الدنیا فی زمانه حافافظا للحدیث وغیرہ.

"علوم قراءت میں پوری دینا کے اندر اپنے زمانہ میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا نیز حدیث اور دیگر دوسرے علوم کے بھی حافظ تھے۔"

اساتذہ کرام:

علامہ جزری رحمہ اللہ قرآن کریم حفظ کر کے تحصیل علوم میں لگ گئے اور شیخ وقت القاری المقری عبدالوہاب بن السلار رحمہ اللہ سے افراداً قراءت پڑھیں، شیخ ابن سلار رحمہ اللہ کے بارہ میں خود لکھتے ہیں کہ:

"یہ اپنے وقت کے امام تھے اور بہت صاحب خیر اور متدین تھے ان کا کوئی ہمسر نہ تھا علوم وفنون مثلاً نحو وصرف وتفسیر کے جامع تھے یہ سب سے پہلے شیخ ہیں جن سے میں منتفع ہوا میں پابندی کے ساتھ برابر ان کی خدمت میں حاضر رہتا رہا ان سے شاطبیہ کی تصحیح کی مجھے انہوں نے شاطبیہ درساً بھی پڑھائی اور عرضاً بھی میں نے ان کو سنائی، میں نے امام ابو عمرو رحمہ اللہ کی قراءت میں ان کو پورا ایک ختم سنایا لہذا انہوں نے مجھے ایسے وقت میں اجازت دی جبکہ میرے بالغ ہونے میں کافی دیر تھی"۔[غایہ النہایۃ ج ۱ ص ۴۸۳]

اور بطریق الجمع الکبیر الشیخ ابو المعالی ابن اللبان رحمہ اللہ سے قراءات پڑھیں، نیز ابن اللبان رحمہ اللہ سے دیگر کتابیں بھی پڑھیں۔

۷۶۸ھ حج کیا اور مدینہ منورہ کے امام وخطیب شیخ ابو عبداللہ رحمہ اللہ سے قراءات

پڑھیں، ۷۶۹ھ قاہرہ پہنچے وہاں ابوعبداللہ بن الصائغ رحمہ اللہ اور تقی بغدادی رحمہ اللہ وغیرہما سے قراءات کی تحصیل کی پہلے قراءات العشر پھر اثنا عشر پھر ثلاثہ عشر پڑھیں۔

قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب پانی پتی نے شرح سبعہ قراءت میں لکھا ہے کہ صرف قراءت میں علامہ جزری رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام چالیس کے قریب ہیں، اس کے بعد پھر دمشق میں آگئے اور محدث دمیاطی رحمہ اللہ اور محدث ابرقوہی رحمہ اللہ کے تلامذہ سے حدیث پڑھی، آپ کے اساتذہ حدیث میں مشہور محدث ومفسر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (صاحب البدایہ والنہایہ) اور محدث محمد بن المحب المقدسی رحمہ اللہ اور شیخ المحدثین حافظ عراقی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ فقہ علامہ جلال الدین اسنوی رحمہ اللہ سے اور شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ سے حاصل کی، علمی تشنگی نے اسکندریہ بھی پہنچایا اور وہاں کے اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا، علم اصول اور معانی اور بیان کی تحصیل شیخ ضیاء الدین قرمی رحمہ اللہ سے کی، بڑے بڑے اکابر نے آپ کو تدریس اور قراء کی اجازت دی، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۷۷۴ھ اور شیخ ضیاء الدین رحمہ اللہ نے ۷۷۸ھ اور شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ نے ۷۸۵ھ فتوی لکھنے کی اجازت دی۔

درس وافادہ اور مختلف ممالک میں قیام اور اسفارِ حج کی تفصیلات:

قراءات اور حدیث و فقہ کے اساتذہ کی اجازت کے بعد تدریس وتحدیث اور اقراء وافتاء کے مشاغل میں منہمک ہوگئے، چند سال جامع بنوامیہ میں تدریس قراءات کی خدمت سرانجام دی پھر دار العلوم عادلیہ کے شیخ الاقراء مقرر ہوئے پھر دار الحدیث اشرفیہ کے شیخ بنادیے گئے پھر اپنے استاد الشیخ محمد ابن السلار رحمہ اللہ (متوفی ۷۸۲ھ) کی جگہ مدرسہ تربت ام الصالح کے شیخ الاقراء مقرر ہوئے اور اسی مدرسہ میں اکابر اہل علم کی موجودگی میں درس دی، انہی ایام میں الملک الظاہر برقوق نے آپ کو جامع تونہ کا خطیب مقرر کیا اور دمشق میں آپ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا، ۷۹۵ھ میں بیت المقدس میں

مدرسہ صلاحیہ کی خدمت قبول فرمائی اور ۷۹۷ھ تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے ان سب مشاغل کے ساتھ ساتھ مملکت شام کی قضاء کا عہدہ بھی قبول کیا اور ۷۹۳ھ سے لے کر ۷۹۷ھ تک یہ خدمت انجام دی پھر حکومت سے بگاڑ ہوگیا جس کی وجہ سے ۷۹۷ھ براہ اسکندریہ بلادروم کا سفر اختیار کیا، یہاں بایزید بن سلطان یلدرم رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، اس نے دارالسلطنت بروصا میں نہایت اکرام واعزاز کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرایا، یہاں چند سال قیام کیا اور علوم القراءت اور حدیث کی خوب اشاعت کی اور ان کی ذات گرامی سے یہاں محصلین ومستفیدین خوب منتفع ہوئے، پھر جب تیمور (۸۰۵ھ) بلادروم میں داخل ہوا اور اس علاقہ پر قبضہ کرلیا تو شیخ جزری رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ سمرقند لے گیا اور آپ تیمور کی وفات ہونے تک (۸۰۷ھ میں ہوئی) وہیں رہے۔

تیمور کی وفات کے بعد ماوراء النہر کے علاقہ کو خیرباد کہہ دیا اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پہلے خراسان پھر ہراۃ پہنچے اس کے بعد یزد اور پھر اصبہان آئے اور ہر جگہ درس دیتے رہے اور فیض پہنچاتے رہے، ۸۰۸ھ میں شیراز میں پہنچے اور یہ سفر ایک سال میں طے ہوا۔ شیراز کا حاکم اس وقت تیمور کا پوتا پیر محمد تھا اس نے آپ کو شیراز اور اس کے اطراف کا قاضی بنادیا آپ اس سے پہلے شام میں بھی قاضی رہ چکے تھے، یہاں یہ عہدہ آپ نے بادل نخواستہ قبول کیا مگر طویل مدت تک خدمت قضاء سرانجام دیتے رہے۔

امور قضاء کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ تدریس وتحدیث اور اقراء کا سلسلہ برابر جاری رہا یہاں بھی خوب فیض پہنچایا اور تشنگان علوم کو سیراب کیا ۸۲۲ھ میں حج کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں بصرہ سے گزرے مگر اس سال حج نہ پاسکے کیونکہ راہزنوں نے آپ کو لوٹ لیا تھا، البتہ اس سے قبل طالب علمی کے دوران حج کر چکے تھے، راہزنوں کے لوٹنے کی وجہ سے مجبوراً چند ماہ ینبوع میں قیام کرکے ربیع الاول ۸۲۳ھ مدینہ منورہ پہنچے، پھر اسی سال رجب میں مکہ معظمہ آئے اور حرم میں مقیم ہوگئے، مدینہ اور مکہ کے دوران

قیام بہت سے حضرات نے آپ سے کسب فیض کیا اور مدینہ کے زمانہ اقامت میں شیخ الحرم نے بھی آپ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا،اس سال حج کر کے عراق کی طرف نکل گئے وہاں تجارت کی پھر ۸۲۶ھ میں اور اس کے بعد ۸۲۷ھ میں حج کیا،اس سال حج کر کے دمشق آئے (جو ان کا وطن تھا) پھر قاہرہ پہنچے وہاں سلطان اشرف سے ملاقات ہوئی،وہ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا،یہاں بھی تشنگان علوم کا تانتا بندھ گیا اور استفادہ کی غرض سے قرآت وحدیث کے طالبین جوق درجوق حاضر خدمت ہوئے یہاں جب تک قیام رہا تدریس جاری رہی۔

مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے:

''شیخ جزری رحمہ اللہ جب قاہرہ آئے اور مستفیدین کا اژدھام ہوا تو اتنا وقت نہ تھا کہ ہر ایک کو الگ الگ وقت دیتے اور سب سے الگ الگ سنتے،لہٰذا آپ ایک آیت سب کے سامنے پڑھ دیتے تھے وہ حضرات اس کا اعادہ کرتے تھے آپ نے محض اپنے سنانے پر اکتفاء نہیں کیا (بلکہ خود سنا کر حاضرین سے بھی سنا)۔'' (ج۲ص۲۶۰)

قاہرہ میں کچھ قیام کرنے کے بعد بحری راستہ سے یمن کا سفر کیا گو یہ سفر تجارت تھا مگر محصلین ومستفدین کا جمگٹا ہوگیا خود والی یمن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور حدیث کا اجازت لی،یمن میں آپ کی کتاب حصن والحصین کا بہت چرچا تھا،جن حضرات نے اس سے پہلے اس کتاب کا سماع کیا تھا ان میں سے بہت سے آدمی وفات پاچکے تھے،اس موقع پر بعض حضرات نے آپ سے دوبارہ سماع کیا،اور وفات پاجانے والے حضرات کی اولاد نے موقعہ غنیمت جان کر بلاواسطہ صاحب کتاب سے کتاب سنی،اہل یمن اس کتاب کی تحصیل اور روایت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

یمن سے مکہ معظمہ آئے اور بہت سے اموال ہمراہ لائے ۸۲۸ھ پھر حج کیا،حج

کے بعد قاہرہ کا سفر کیا اور اوائل ۸۲۹ھ قاہرہ پہنچے پھر شام اور بصرہ سے ہوتے ہوئے شیراز پہنچے یہاں چند سال قیام کرنے کے بعد ۸۳۳ھ میں وفات پائی۔[الضوء اللامع، الشقائق النعمانیہ، شذرات الذہب]

مجددین کی فہرست میں :

دینی خدمت اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس اور سنت کی تبلیغ وترویج کی وجہ سے بعض حضرات نے علامہ جزری رحمہ اللہ کو آٹھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے جس کی تفصیل مجموعہ فتاوی عبدالحی رحمہ اللہ میں مذکور ہے، اور درحقیقت آپ کو مجدد ماننا صحیح اور درست ہے۔

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ امراء اور ملوک کی نظر میں

امام جزری رحمہ اللہ کو اللہ نے مقبولیت عامہ سے نوازا تھا امراء اور ملوک سب ہی ان سے محبت کرتے اور اکرام واحترام سے پیش آتے تھے، الملک الظاہر برقوق رحمہ اللہ نے فضل وکمال دیکھ کر آپ کو جامع زیتونہ کا خطیب مقرر کیا، امیر قطلبک رحمہ اللہ نے آپ کو قاضی بنایا پھر جب روم کے دارالسلطنت بروصا پہنچے تو وہاں کا فرماں رواشاہ ابو یزید بن عثمان رحمہ اللہ بہت تکریم وتعظیم سے پیش آیا اور اپنے پاس قیام کروایا، پھر جب تیمور نے شاہ مذکور کو قید کرلیا تو تیمور نے آپ کو اپنے پاس بلالیا اور تادم آخر اپنے ساتھ رکھا اور برابر تعظیم اور تکریم سے پیش آتا رہا، شیراز پہنچے تو وہاں کے حاکم پیر محمد نے اپنی سلطنت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور بہت عزت سے رکھا، یمن پہنچے تو وہاں کے حاکم نے بھی آپ کی بہت قدردانی کی اور اپنے زیر اہتمام ان سے حدیث کا درس دلوایا، قاہرہ پہنچے تو سلطان اشرف نے بہت تعظیم وتکریم کی۔[الضوء اللامع، الشقاق النعمانیہ]

تیمور کے بہت سے کام مورخین نے ایسے نقل کیے ہیں جو بہت زیادہ قابل اعتراض

ہیں لیکن ان کے باوجود علماء اور اکابرین سے خاص عقیدت رکھتا تھا ان حضرات کی خدمت و پرورش کرنا اور ان کو اپنے پاس رکھنا ، فکر معاش سے بے فکر کر دینا یہ اس کا لائق تحسین کارنامہ ہے، خدا جانے کتنے حضرات اس کے پاس رہے اور بے فکری سے تالیف وتصنیف کرتے رہے ، میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ،علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ،علامہ جزری رحمہ اللہ ان حضرات میں سے ہیں جو تیمور کے پاس رہے، تیمور علماء ومشائخ کی نہ صرف تعظیم وتکریم کرتا تھا بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق ان میں فرق مراتب کا بھی خیال کرتا تھا، چنانچہ میر سید جرجانی رحمہ اللہ کوعلامہ تفتازانی رحمہ اللہ پر ترجیح دیتا تھا اور کہتا تھا کہ :فرضنا انهما سيا ن فی الاصل والعرفان فلسيد شرف النسب[الفوائد البہیہ :۱۲۵] ''یعنی اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ دونوں علم وعرفان میں برابر ہیں تو پھر بھی سید شریف رحمہ اللہ کونسبی شرف کی وجہ سے ترجیح ہے''۔

لیکن سید شریف رحمہ اللہ سے ایسی بھر پور عقیدت کے باوجود علامہ جزری رحمہ اللہ کو میر سید شریف پر ترجیح دیتا تھا۔اس کا ایک واقعہ صاحب الشقائق النعمانیہ نے علامہ جزری رحمہ اللہ کے صاحبزادہ محمد بن الجزری کے تذکرہ سے نقل کیا ہے ،جب تیمور علامہ جزری رحمہ اللہ کو ماوراء النہر لے گیا اور وہاں رہنے لگے تو ایک موقعہ پر اس نے ایک عظیم الشان دعوت ولیمہ کا انتظام کیا اس میں اپنی داہنی جانب علماء کو بٹھایا اور بائیں جانب امراء مملکت کو جگہ دی اور بیٹھنے کی ترتیب میں علامہ جزری رحمہ اللہ کو سید میر شریف رحمہ اللہ پر فوقیت دی اور اس بارے میں جب لوگوں نے کچھ کہا تو جواب دیا:

كيف لا اقدم رجلا عارفا بالكتاب والسنة ويشاورما اشكل منهما النبي ﷺ بالذات فيحل.

''یعنی میں ایسے شخص کو کیوں ترجیح نہ دوں جسے کتاب وسنت کا بھرپور علم ہے اور جو کتاب سنت میں پیش آمدہ اشکال کو براہ راست نبی اکرم ﷺ سے

حل کر لیتا ہے۔'' [الشقائق النعمانیہ]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے ملاقات:

صاحب فتح الباری شہاب الملۃ والدین حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ المولود ۷۷۳ھ والمتوفی ۸۵۲ھ بھی علامہ جزری رحمہ اللہ کے زمانہ میں تھے عمر میں علامہ جزری رحمہ اللہ سے ۲۲ سال چھوٹے تھے دونوں کی ذات بابرکات تھی ،علامہ جزری رحمہ اللہ تجوید وقراءت کے امام تھے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث اور اصول حدیث میں مرجع خلائق تھے۔

جیسا کہ علامہ جزری رحمہ اللہ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جس کی کتب کو بعدوالوں نے سرمایہ علم بنا کر مدار تحقیق قرار دیا ہو،ایسے ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بعد حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں مہارت رکھنے والا کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جس کی کتابوں نے دیگر کتب سے بے نیاز کر دیا ہو۔

ہمارے استاذ اور مرشد محدث العصر حضرۃ العلامہ محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر کے بعد کوئی شخص محدث نہیں بن سکتا جب تک ان کی جوتیاں اپنے سر پر نہ رکھے (یعنی ان کی کتب سے استفادہ کیے بغیر محدث نہیں بن سکتا) ولقدصدق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے علامہ جزری رحمہ اللہ سے ۷۹۷ھ میں ملاقات کی تھی انہوں نے مجھے دمشق جانے کی ترغیب دی اس سے قبل میں بطور وجادہ ان کی کتاب الحصن والحصین کی روایت کرتا تھا۔نیز لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے دوران قیام انہوں نے اپنے ہاتھ سے میری شرح بخاری کے مقدمہ کے شروع کا حصہ لکھا اور چند آدمیوں کو لگا کر تکمیل کروائی اور پورا مقدمہ حاصل کر لیا۔علامہ جزری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور ان کی اولا د کو مندرجہ ذیل اشعار میں اپنی روایات اور اپنی تالیفات کی اجازت دی۔

انی اجزت لھم روایۃ کل ما

اروِیه من سنن الحدیث ومسند
وکذا الصحاح الخمس ثم معاجم
والمشیخات وکل جزء مفرد
وجمیع نظم لی ونشرو الذی
الفت کالنشر الذکی ومنجد
فالله یحفظهم ویبسط فی حیاة
الحافظ الحجر المحقق احمد
وانا المقصر فی الوری العبد الفقیر
ومحمد بن محمد بن محمد

علامہ جزری رحمہ اللہ نے حافظ صاحب موصوف کے لیے اپنی کتاب النشر ہدیۃً بھیجی اور دونوں جلدوں پر حافظ صاحب کے لیے اجازت تحریر فرمائی اور لکھا اس کتاب کو مصر میں پھیلانے کی کوشش کریں۔[الضوء اللامع]

فصاحت وسخاوت:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابناء الغمر میں لکھتے ہیں:

کان مثریا شکلا وفصیحا بلیغا کثیر الاحسان لاهل حجاز انتهت الیه ریاسة علم القراءات فی الممالك.

''آپ دولت مند تھے شکیل وحسین تھے، فصیح وبلیغ تھے، اہل حجاز کے ساتھ بہت زیادہ فیاض کا سلوک کرتے تھے قراءات میں سارے ممالک میں ان پر سرداری ختم ہوگئی۔''

ذوقِ عبادت:

علامہ جزری رحمہ اللہ کو عبادت کا بھی خاص ذوق تھا تحدیث حدیث اور تدریس

قراءت اور تصنیف وتالیف کرنے کے علاوہ سراپا عبادت تھے ۔علامہ جزری رحمہ اللہ جیسا شخص اگر فرائض اور سنن پر بس کر کے اشاعت دین میں باقی وقت لگائے،اور نوافل میں وقت نہ لگائے یہ جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے لیکن جس کا باطن اخلاص وللّٰہیت سے معمور ہو اس سے صبر ہوتا ہی نہیں جب تک کہ کثیر نوافل اور اذکار میں وقت نہ لگائے ۔من احب شیئا اکثر ذکرہ جسے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا ذکر بہت کرتا ہے جب اللہ جل شانہ سے قلبی تعلق ہو تو اس کے ذکر کا ذوق کیونکر نہ ہوگا اور عبادت وریاضت کے بغیر کیسے تسلی ہوگی؟۔

خاصان خدا تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ کثرت عبادت وذکر کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے،قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جیسے کثیر المشاغل فقیہ ومحدث ساری علمی مشغولیتوں اور عہدہ کی ذمہ داریوں کے باوجود روزانہ دوسو رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ بھی خاصان خدا میں سے تھے،ذکر وعبادت کا خاص ذوق وشوق رکھتے تھے اس کی وجہ سے تدریس وتحدیث اور تالیف وتصنیف میں بھی برکت ہوتی اور ذکر وعبادت کے انوار سے علمی کاموں میں نورانیت وللّٰہیت آجاتی ہے۔صاحب اتحاف النبلاء لکھتے ہیں:

”باوجود ان کے پاس دو علوم (قراءت وحدیث) کے طلباء کا ہجوم رہتا تھا اور اد اور عبادت میں اوقات خرچ کرتے تھے اور (تدریس وعبادت کے شغل) کے علاوہ روزانہ اسقدر تصنیف کرتے تھے کہ زود نویس کاتب ہی اس کو نقل کرسکتا تھا،سفر وحضر میں شب بیدار رہتے تھے اور رات کے نوافل پابندی سے پڑھتے تھے،پیر اور جمعرات کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا اور ان کے علاوہ ہر ماہ تین روزے بھی رکھتے تھے۔“

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات:

علامہ جزری رحمہ اللہ تدریس وافتاء اور تحدیث واقراء کے مشاغل کے ساتھ تالیف و

تصنیف کا شغل بھی جاری رکھتے تھے، سفر وحضر میں یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، نوعمری ہی میں انہوں نے کتابیں لکھنا شروع کردی تھیں، بعض کتب سترہ سال کی عمر میں لکھنے کا تذکرہ ملتا ہے ابھی حوالہ اتحاف النبلاء گزرا ہے کہ روزانہ اس قدر تصنیف کرتے تھے جس قدر ایک جید زود نویس لکھ سکتا ہے اللہ کی توفیق سے بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں جو ان کی زندگی ہی میں معروف ومشہور ہوگیں تھیں اورعوام وخواص سب ان سے بہت فیضیاب ہوئے اور آج تک مستفیض ہورہے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے بعد کوئی شخص آپ کی کتابوں سے بے نیاز ہوکر مجود وقاری نہ بنا تو بے جانہ ہوگا، بعض بندوں کی کتابوں کو اللہ نے ایسی مقبولیت سے نوازتے ہوئے شرف بخشا کہ صدیوں تک ان سے فیض ہوتا رہا، علامہ جزری رحمہ اللہ کی کتابوں کو بھی خداوندعالم نے یہی شرف بخشا، عہد اول میں جو مقبولیت عامہ نصیب ہوئی آج تک اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ مورخ ابن العماد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> فانه كان عديم النظير طائر الصيت انتفع الناس بكتبه وسارت في الافاق مسير الشمس. [شذرات الذہب ج۲ ص۲۰۶]
>
> ''آپ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، مشہور خلائق تھے، لوگ ان کی کتب سے منتفع ہوئے، ان کی تصنیفات اطراف عالم میں ایسی تیزی سے چلیں جیسے آفتاب کی رفتار ہوتی ہے۔''

قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ شرح سبعہ قراءت میں لکھتے ہیں: کہ آپ کی تمام تصنیفات محققانہ ہیں، نشر کبیر میں تو کمال کیا ہے، ہر اختلافی مسئلہ کی ایسی چھان بین کی ہے کہ اس سے فوق ممکن نہیں، تیسری صدی سے آٹھویں صدی تک کی تمام تصنیفات کے حوالے نقل کیے ہیں اور مذہب منصور بتایا ہے اور ہر جگہ قلت کہہ کر رائے دی ہے جو تقریبا حق صواب اور درست ہوتی ہے، سب سے زیادہ یہ کہ دو صدیوں سے جو مقلدانہ رنگ

چڑھا ہوا تھا اس کو دور کیا اور شاطبیہ کے متاخرین شارحوں نے عربیت اور رسم کی بناء پر بلا مساعدت وجوہ ضعیفہ بیان فرمادی تھیں ان کی تردید فرمادی، خود فرماتے ہیں: ''یہ کتاب قراءات عشرہ کے لیے نشر ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ علم مرگیا ہے اس سے کہہ دو کہ نشر سے زندہ ہوگیا ہے''۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔ کاش آپ کے بعد کوئی اور ایسا ماہر پیدا ہوتا! بعد کے تمام مولفین و مصنفین کا بڑا ماخذ نشر ہے اور اس کی تحقیق پر ہر شخص کا اعتماد ہے۔[شرح سبعہ قراءات ص ۱۰۳]

مقدمۃ الجزری:

علامہ جزری رحمہ اللہ کی متعدد تالیفات متعلقہ تجوید و قراءت مشہور ہیں، ان میں سب سے زیادہ مقدمۃ الجزری مشہور ہے جو سو سے کچھ اوپر اشعار پر مشتمل ہے، تالیف کے بعد ہی اسکی مقبولیت عام ہوگئی تھی اور صدیاں گزر جانے پر بھی طالب علم اس کی تعلیم سے بے نیاز نہیں ہے اور گو اس کے بعض اشعار چیستاں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے بعد اور بھی سہل الحصول کتابیں لکھی جا چکی ہیں جو مبتدیوں کے لیے آسان ہیں، مگر پھر بھی ان کی طرف مدرسین اور محصلین کا التفات بہت زیادہ نہیں ہے، مقبولیت عامہ کی وجہ سے علامہ جزری کی یہ کتاب مرکز تجوید بنی ہوئی ہے، تجوید کے تقریبا تمام ہی مدارس میں داخل درس ہے اور سند لینے کے لیے اس کا پڑھنا اور یاد کرنا شرط ہے، مقدمہ الجزری پڑھ کر لاکھوں آدمی مجود بن گئے اور برابر اس کا فیض جاری ہے۔ ذلک فضل اللہ من یشاء۔

مقدمۃ الجزری کی عربی اور ترکی شروح:

جس کتاب کی مقبولیت عام ہوجاتی ہے اس کے شروح اور حواشی بھی کثیر تعداد میں لکھے جاتے ہیں صاحب کشف الظنون نے اس کی گیارہ شروح ذکر کی ہیں۔

علامہ جزری رحمہ اللہ کے بیٹے ابوبکر احمد الجزری رحمہ اللہ نے باپ کی زندگی میں اس کتاب کی پہلی شرح لکھی جس کا نام کشف الظنون میں الحواشي المفهمه شرح المقدمه

بتایا اور یہ غالباً اس کتاب کی پہلی شرح ہے (مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور)،دوسری شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی ہے جس کا نام الدقائق المحکمه فی شرح المقدمه، ہے، تیسری شرح شیخ احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ صاحب مواہب اللدنیہ کی ہے جس کا نام القعو دالسنیہ ہے، چوتھی شرح رضی الدین محمد ابراہیم حلبی رحمہ اللہ کی ہے جس کا نام الفوائد الدریہ ہے، پانچویں شرح شارح شفاء شمس الدین محمد بن محمد دلجی رحمہ اللہ کی ہے اور چھٹی شرح احمد بن مصطفی طاش کبری زادہ کی ہے،ساتویں اور آٹھویں شرح شیخ زین الدین عبدالدائم ازہری رحمہ اللہ کی ہے (انہوں نے دوشرحیں لکھی ہیں) نویں شرح شیخ خالد بن عبداللہ ازہری رحمہ اللہ کی ہے (یہ عربی میں ہے) دسویں شرح شیخ محمد بن عمر قودر آفندی رحمہ اللہ کی ہے جو ترکی زبان میں ہے،ان شروح کے علاوہ ایک اور شرح کا ذکر بھی صاحب کشف الظنون نے کیا ہے مگر شارح کا نام نہیں بتایا، بارھویں شرح ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی ہے جس کا نام المنح الفکریہ ہے جو سب سے زیادہ مشہور ومعروف اور متداول ہے (المنح الفکریہ مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور) تیرھویں شرح علامہ مقدسی رحمہ اللہ کی ہے اور چودھویں شرح شیخ ابن غازی رحمہ اللہ کی ہے اور پندرھویں شرح شیخ حجازی رحمہ اللہ کی ہے ان شروح کا تذکرہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے نہایۃ القول المفید کے دیباچہ میں کیا ہے اور ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں بعض جگہ شارح یمنی کا کلام ذکر کرکے رد کیا ہے اور شارح مصری پر لے دے کی ہے۔ یہ شارح مصری کشف الظنون میں مذکورہ شرح کے علاوہ یا ان ہی میں سے کوئی شارح ہیں اس کی تحقیق نہ ہوسکی۔

اردو فارسی شروح:

فارسی میں مولانا کرمت علی جونپوری رحمہ اللہ نے ایک شرح لکھی تھی پھر اس کے بعد اردو میں شرح لکھی تھی جو شرح جزری ہندی کے نام سے مشہور ہے (مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور) اس کی تصحیح زبان اور بعض مسائل کے حل کے لیے راقم الحروف نے حواشی

لگائے ہیں، دیدہ زیب اور عمدہ طریقہ پر چھپ گئی ہے قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ) احقر کے استاد حضرت العلامہ مولانا الفقیہ المحدث المجود القاری المقری سعید احمد اجراوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی تھی جس کا نام القلائد الجوہریہ فی جید المقدمۃ الجزریہ ہے، یہ شرح آپ نے اس وقت لکھی تھی جب جامع مظاہر علوم سہارنپور میں شیخ التجوید تھے، بعد میں جامعہ میں مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے، احقر نے اسی زمانہ میں آپ سے مشکوۃ المصابیح پڑھی تھی، پھر جب حضرت استاذی مولانا القاری المقری محمد سلیمان الدیوبندی رحمہ اللہ جامعہ مذکورہ کے شیخ التجوید تھے تو انہوں نے بھی سلسلہ تالیف جاری رکھا آپ نے فوائد مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ لکھی یہ شرح ۱۳۵۳ھ لکھی گئی حضرت الاستاذ الاجل المحدث الادیب اللغوی مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے اسکی تاریخ تالیف ظاہر کرنے کے لیے ایک شعر اردو میں ایک قطعہ فارسی میں کہا اردو میں یہ ہے ۔

سامان آخرت ہے حقیقت میں یہ کتاب
تاریخ بھی ہے اس کیے سامان آخرت ۱۳۵۳ھ

قطعہ:

چون سلیمان مجود بہر حق
کرد تالیف ایں کتاب خوب و بہ
سال ہجری بے تکلف نظم شد
یک الف وسہ صد و پنجاہ وسہ

حضرت الاستاد مولانا قاری المقری محمد سلیمان صاحب اعلی اللہ درجاتہ نے فوائد مرضیہ کے علاوہ بھی دیگر کتب لکھیں جن میں ضیاء التجوید اور رہنمائے تجوید زیادہ معروف ہیں، ضیاء التجوید اپنے استاد حضرت العلامہ القاری المقری ضیاء الدین صاحب الہ آبادی

کے نام پر رکھا، جواہر ضیائیہ کا تذکرہ شاطبیہ کی شروح میں ہو چکا ہے۔[فوائد مرضیہ مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور]

علامہ زمان حضرت مولانا القاری المقری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ سابقہ شیخ القراء والتجوید خیرالمدارس ملتان نے بھی مقدمۃ الجزری کی شرح لکھی ہے جس کا نام العطایا الوھبیہ ہے یہ شرح بہت جامع اور مفصل ہے بڑی تحقیق اور تدقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے اساتذہ کے مطالعہ کے قابل ہے احقر نے اپنی پیش نظر شرح التحفۃ المرضیہ تقریبا ایک ثلث لکھ لیا تھا کہ العطایا الوھبیہ نظر سے گزری اس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا درحقیقت اس کے ہوتے ہوئے اردو میں کسی شرح کی ضرورت نہیں مگر چونکہ احقر معتدبہ اور سہل عبارت میں لکھ رہا تھا اس لیے انجام تک پہنچانا مناسب جانا۔اگر اساتذہ کرام کے لائق نہ ہو تو طلباء کو تو ان شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا،اس کے بعد اردو میں دو شرح اور گزریں،اول شرح قاری شریف احمد صاحب رحمہ اللہ کی اور دوسری قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ کی (قبلہ والد صاحب مرحوم حضرت الاستاد القراء والمجودین قاری المقری اظہار احمد تھانوی مرقدہ کی شرح ''الجواہر النقیہ فی شرح المقدمۃ الجزریہ'' بڑے سائز کی تین سو صفحات پر مشتمل ہے،میرے قابل احترام استاد الشیخ القاری المقری سیدی ومولائی محمد ادریس العاصم دامت برکاتہم العالیہ اس شرح کے متعلق اپنی کتاب "تدریب المعلمین" میں فرماتے ہیں الجواہر النقیہ میں میرے استاد محترم نے المقدمۃ الجزریہ کے حل وتوضیح کا حق ادا کر دیا ہے ایسی مفصل پر مغز اور عام فہم تشریح فرمائی ہے کہ اس سے بہتر مفصل اور عمدہ تشریح ممکن نہیں۔علماء مظاہر علوم کے حالات پر جو کتاب محمد شاہد سہارنپوری صاحب نے لکھی ہے اس میں الجواہر النقعیہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ''مظاہر علوم کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔''

یادرہے قبلہ والد صاحب نے المقدمۃ الجزریہ کی اولین شرح جو علامہ جزری رحمہ اللہ

کے بیٹے علامہ احمد جزری رحمہ اللہ نے کی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو شرح مذکورہ کے ساتھ چھپ رہا ہے، العارض قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ) اللہ سب کو قبول فرمائے، آمین

تجوید و قراءات میں علامہ جزری رحمہ اللہ کی دیگر تالیفات:

②: النشر فی القراءات العشر، یہ دو جلدوں میں ہے اور بڑی محققانہ کتاب ہے اس کے بارے میں امام فن حضرت قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ کا ارشاد ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے، شیخ جزری رحمہ اللہ کے بعد آنے والے قراء و مجودین نے اسپر اعتماد کیا ہے، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: وهو الجامع لجمع طرق العشرةلم يسبق مثله. "یعنی النشر تمام طرق عشرہ کو جامع ہے اور اس جیسی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شیخ جزری رحمہ اللہ کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے طبقات القراء کے بارہ میں فرمایا ہے اجاد فیہ (اس میں کمال کیا ہے) اور النشر کے بارہ میں فرمایا جودہ (یعنی بہت عمدہ کتاب لکھی)

③: تقریب النشر، پھر علامہ جزری رحمہ اللہ نے خود ہی اس کا اختصار کیا اور اس کا نام التقریب رکھا، قاضی ابو الفضل محمد بن الشحنہ رحمہ اللہ اور شیخ مصطفی ازمیری رحمہ اللہ نے بھی النشر کا اختصار کیا جیسا کہ کشف الظنون میں مرقوم ہے۔

④: طیبۃ النشر تقریب النشر کے علاوہ علامہ جزری نے اس کو ایک اور طریقہ پر مختصر کیا یعنی صرف ایک ہزار اشعار میں اس کے اصل مقصد یعنی قراءات عشرہ کو منظوم کر دیا اور اس منظوم کا نام طیبۃ النشر رکھا اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

وهذه		ارجوزة	وجيزة
جمعت	فيها	طرقا	عزيزة
ضمنتها	كتاب	نشر	العشر
فهي	به	طيبة	النشر

پھر خاتمہ پر فرماتے ہیں۔

وھھنا تم نظام الطیبہ
الفیۃ سعیدۃ مھذبہ
بالروم من شعبان وسط سنۃ
تسع وتسعین وسبعمائۃ

النشر کی طرح الطیبۃ النشر بھی مقبول ہوئی اور قراء و مجودین اس سے بہت فیضیاب ہوئے ،لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کتاب کا نام کشف الظنون میں طہارۃ الحشر فی قراءت النشر لکھا ہے، جب کہ خود ناظم نے اس کو طیبۃ النشر لکھا ہے اغلب گمان ہے کہ طباعت میں کسی غلطی کی وجہ سے یہ نام چھپ گیا ہے۔

صاحب کشف الظنون نے اس کی تین شروح ذکر کیں ہیں ،خود مصنف علامہ جزری رحمہ اللہ نے غایۃ النہایہ ج۱ص۱۳۱ میں اپنے صاحبزادے کی شرح کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ :فاحسن فیه ماشاء مع انه لم یکن عنده نسخة بالحواشی ایتی کنت کتبت علیها. صاحبزادے کا نام احمد تھا یہ شرح طیبۃ النشر عربی شارح علامہ احمد الجزری مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہو شرح دوم شیخ ابو القاسم محمد نویری مالکی تلمیذ علامہ جزری رحمہ اللہ کی ہے شرح سوم شیخ زین الدین عبدالدائم ازہری کی ہے۔ اردو میں استاد القراء حضرت قاری المقری محمد عبداللہ مرادآبادی رحمہ اللہ کی بڑی عمدہ شرح ہے اس کا نام ’’توضیح الحشر‘‘ ہے اب یہ شرح نایاب ہے اس کے علاوہ ایک شرح ’’المراۃ النیرہ فی حل الطیبہ‘‘ کے نام سے استادالقراء حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ کی بھی ہے ایک شرح ایضاح الحشر فی قراءت الحشر قاری مقری ابوالحسن اعظمی مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور۔ میرے استادمحترم استادالقراء والمجودین المقری القاری محمد ادریس العاصم حفظہ اللہ نے بھی شرح طیبۃ النشر کے نام سے اس کی بڑی علمی اور محققانہ شرح لکھی ہے جو قرآءت اکیڈمی سے

طبع ہوئی ہے۔قاری نجم الصبیح تھانوی عفی عنہ۔

⑤:تحبیر التیسیر فی القراءات العشر ،یہ علامہ عمرو دانی رحمہ اللہ کی کتاب التیسیر کی تکمیل ہے ،التیسیر میں قراءات سبعہ بیان کی ہیں علامہ جزری رحمہ اللہ نے تین قراءات کا اضافہ کر کے قراءات عشرہ کا بیان مکمل کردیا ہے۔

⑥:التمہید فی علم التجوید،علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ تحبیر اور التمہید علامہ جزری نے سترہ سال کی عمر میں لکھیں۔

⑦:الدرۃ المرضیہ فی قراءات الائمہ الثلاث المرضیہ تحبیر التیسیر،میں جن قراءتوں کولکھ کرتیسیر کی تکمیل کی ہے ان قراءتوں کو اس میں منظوم کیا ہے اور یہ تین قراءتیں سبعہ قراءات کے بعد والی ہیں ،حمد وصلوۃ کے بعد دیباچہ میں فرماتے ہیں:

وبعد	فخذ	نظمي	حروف	ثلاثة
تتم	بها العشر	القراءات		وَانْقُلَا
كما هو	في	تحبير	تيسير	سبعها
فاسئل	ربي	ان	يمن	فتكملا

قراءات ثلاثہ کا اضافہ کرکے جیسا کہ تحبیر التیسیر میں التیسیر کی تکمیل کی اسی طرح قراءات ثلاثہ کومنظوم کرکے امام شاطبی رحمہ اللہ کے قصیدہ لامیہ کی تکمیل کردی اور اس میں طرز وہی رکھا ہے جوامام شاطبی رحمہ اللہ کا طرز ہے نیز وزن اور قافیہ بھی وہی اورحروف روی وہی ہیں امام شاطبی کی طرز پرلکھنا بہت مشکل ہے ،بہت بڑا ادیب ،ماہرلغات،قادرالکلام شاعران کے طرز کو اپنانے کا ارادہ کرسکتا ہے درحقیقت یہ اللہ کی عطاء ہے جسے چاہے نوازے۔الدرۃ المضیہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے ۸۲۳ھ میں لکھی تھی اس میں ۲۴۰ اشعار ہیں اور اس عدد کوانہوں نے خاتمہ پرظاہر کردیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وتم	نظام	الدرة	احسب	بعدها

وعام　　اضاحجی　　فاحسن　　تقولا

''اور درہ کا مکمل کرنا ختم ہوگیا اور تو لفظ درة کے حروف سے عدد اشعار کا حساب کرلے اور یہ نظم اس سال مکمل ہوئی جس سال میراحج روشن ہوا، لہذا تو بات کہنے میں خوبی اختیار کرنا۔''

لفظ الدرة کے عدد ۲۴۰ ہوتے ہیں اس میں قصیدہ کے اشعار کی تعداد بتادی ہے (الدرة (بالهائي الوقف) کے عدد ۲۴۰ ہیں اس کو تاء پڑھنے سے عدد بہت زیادہ ہوجاتے ہیں۔) اور آضَاحَجِّیْ کے لغوی معنی میراحج روشن ہوا لیکن ساتھ ہی اس لفظ سے سال تصنیف کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کیونکہ آضَاحَجِّیْ کے عدد ۸۲۳ ہوتے ہیں، یہ لفظ اصل میں آضَاءَ حَجِّیْ ہے درمیان کا ہمزہ حذف کردیا ہے اور اس وزن کو سن تالیف بتانے کے واسطے اختیار کیا ہے کہ ۸۲۲ھ میں حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے کہ راہ میں بدوؤں نے آپ کو لوٹ لیا تھا اور اس سال حج نصیب نہ ہوا، بدوؤں کے لوٹنے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی حج بھی نہ ملا اور سفر میں مالی پریشانی لاحق ہوگئی، کیونکہ راہزنوں نے کچھ بھی نہ چھوڑا تھا، اللہ کا فضل ہوا صرف مال جانے پر بات ہوئی اور جان محفوظ رہ گئی قریب تھا کہ آپ بھی مقتول ہوجاتے، پھر اللہ کا فضل شامل حال ہوا اور اللہ کے کسی بندے نے آپ کی مدد فرمائی اور آپ کو مدینہ منورہ پہنچانے کا انتظام کردیا، حج فوت ہونے کے بیس دن بعد ۸۲۳ھ شروع ہوچکا تھا یہ پورا سال سفر میں گزرا، پہلے ینبوع میں پھر مدینہ منورہ میں کئی ماہ گزارے پھر رجب میں مکہ آئے اور حرم میں مقیم رہے اسی سفر کے دوران قصیدہ الدرہ لکھا اس سال حج بھی روشن ہوا یعنی حج نصیب ہوا، اور قصیدہ الدرة بھی منظوم ہوا۔ الدرہ کے اختتام پر یہ سرگزشت بیان فرمائی، چنانچہ فرماتے ہیں:

غريبة　　اوطان　　بنجد　　نظمتها

وعظم　　اشتغال　　البال　　واف　　وكيف　　لا

صددت عن البیت الحرام زوری ال
مقام الشریف المصطفی اشرف الملا
وطوقنی الاعراب باللیل غفلة
فماترکوا شیئا وکدت لاقتلا
فادرکنی اللطف الخفی وردنی
عنیزة حتی جاء لی من تکفلا
بحملی وایصالی لطیبة امنا
فیارب بلغنی مرادی وسهلا

ایسی مصیبت اور پریشانی کی حالت میں کتاب لکھنا بس اللہ کے فضل و کرم سے ہوسکتا ہے۔ وهو نعم المولی ونعم الوکیل.

صاحب کشف الظنون نے الدرہ کی درج ذیل شروحات کا ذکر کیا ہے۔

اول: الغرہ، جو جمال حسین بن علی حسنی کی تالیف ہے

دوم: ناظم الدرہ کے شاگرد کی شرح (یعنی علامہ نویری کی شرح الدرہ)

سوم: عقدۃ الدرہ المضیہ (اس کے مولف کا نام نہیں بتایا) اور لکھا ہے یہ شرح مبسوط ہے اور عنایات رحمانی کے مقدمہ میں چودھویں صدی کی تالیفات کے ذیل میں ایک مختصر شرح البهجة المرضیہ (مولفہ استاذ القراء الشیخ محمد الصباع المصری رحمہ اللہ) کا بھی ذکر کیا ہے اس وقت ہمارے دیار میں مولف عنایات رحمانی شیخ الاقراء العلامہ القاضی فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کی شرح القرۃ المرضیہ فی شرح الدرۃ المضیہ معروف اور متداول ہے جو قراءات کے طلبہ کے لیے انمول دولت ہے (مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور۔ اس کے علاوہ الشیخ عبدالفتاح القاضی المصری رحمہ اللہ کی ''الایضاح شرح الدرہ'' (عربی) بہت مشہور ومتداول ہے۔ یادر ہے کہ شیخ موصوف کی شاطبیہ کی شرح ''الوافی فی شرح الشاطبیہ'' بھی نہایت معروف ہے دونوں کتابیں قراءت اکیڈمی سے مطبوع ہیں، اس کے علاوہ میرے

والد محترم الشیخ القاری المقری اظہار احمد التھانوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی ''الدراری شرح الدرہ'' کے نام سے شرح لکھی ہے جو حل نظم میں نہایت مفیداور آسان انداز میں ہے ،قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ۔

(۸)اتحاف المهرہ فی تتمة العشرہ (۹)غایة المهرہ فی الزیادۃ علی العشرہ(منظوم) علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں اعانة المهرہ فی الزیادۃ علی العشرہ لکھا ہے مگر کشف الظنون اور الشقائق النعمانیہ نے غایۃ المھرہ لکھا ہے، نیز حضرات قراء کرام نے بھی صاحب کشف الظنون کی موافقت کی اس لیے ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ۔الضوء اللامع میں طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (۱۰)منجد المقرئین، مقدمۃ الجزری سے لے کر یہاں تک جن کتابوں کا ذکر کیا ہے علامہ سخاوی نے ان کو الضوء اللامع میں ذکر کیا ہے ،ان کے علاوہ بھی تجوید و قراء ت میں علامہ جزری کی تالیفات ہیں جن کا ذکر کشف الظنون میں ہے مثلاً (۱۱)اصول القراء ات (۱۲)الالغاز اوراس کی شرح (۱۳)العقد الثمین ،الغاز ایک ہمزیہ ہے جو کہ مجموعہ چیستان ہے اس میں مشکل ترین سوالات متعلقہ علوم قراء ات منظوم کیے ہیں پھر العقد الثمین میں ان کا جواب دیا ہے پہلا مصرعہ یہ ہے۔

سالتکم　　　یامقری　　　الارض　　　کلھا

(۱۴)القراء ت الشاذۃ، یہ بھی منظوم ہے اور شاطبیہ کی طرز پر اس میں شاذ قراتیں جمع کیں ہیں ،رمضان ۷۹۷ ھ میں اسکی تکمیل کی ۔ پہلا مصرعہ یہ ہے

بدات　　　بحمدللہ　　　نظمی　　　اولا.

علامہ جزری رحمہ اللہ کو تجوید وقراء ت اور ان کے حاملین سے بہت شغف تھا مذکورہ کتابوں کے علاوہ حضرات قراء کرام کے حالات میں بھی دو کتابیں طبقات القراء الکبریٰ اورطبقات القراء صغریٰ لکھیں جن کا ذکر تاریخ وسیر کے ذیل میں آئے گا۔

تفسیر:

(۱۵) کفایۃ الالمعی فی ایہ یارض ابلعی صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں سورہ ہود کی آیت وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ کی وجہ اعجاز بیان کی ہے اور علامہ سکا کی رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجوہ اعجاز میں اضافہ کیا ہے۔

حدیث وفقہ میں تالیفات:

حضرت علامہ جزری رحمہ اللہ کا خاص فن گو قراءات میں تھا مگر آپ بہت بڑے محدث اور فقیہ بھی تھے اور دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے مذہبا شافعی تھے اور شافعی مذہب کے مفتی بھی تھے نیز الجامعہ الصلاحیہ میں بھی خدمات سرانجام دیں ہیں، فقہ اور اصول فقہ میں بھی بعض تالیفات کا ذکر ملتا ہے، حدیث میں علامہ جزری رحمہ اللہ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ومتداول الحصن والحصین من کلام سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

الحصن الحصین:

یہ کتاب اذکار وادعیہ کا مجموعہ ہے جسے اکیس محدثین کرام کی کتابوں سے اقتباس کر کے ترتیب دی ہے ان محدثین میں صحاح ستہ کے مولفین بھی ہیں اور دیگر مشاہیر بھی، جن کے اسماء گرامی دیباچہ میں لکھ دیے گئے ہیں، اختصار کی وجہ سے یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے، شیخ خود فرماتے ہیں:

> وقد جمع الله تعالى هذاالمختصر اللطيف مالم يجمعه من التاليف.

علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کے دو مختصر مجموعے بھی لکھے جن کا ایک نام (۱۷) جنۃ الحصن الحصین اور دوسرے کا نام (۱۸) عدۃ الحصن الحصین ہے اول الذکر کے طبع ہونے کا علم نہیں (اب یہ کتاب طبع

ہو چکی ہے) آخر الذکر اس صدی کے اوائل میں طبع ہوئی تھی، عدة الحصن الحصين کی شرح علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے لکھی ہے جو مطبوعہ ہے اس کا نام تحفة الذاکرین ہے۔ موصوف نے الحصن الحصين کے دیباچہ میں اپنے ارادے کا اظہار کیا ہے کہ:

''اللہ تعالی سے امید ہے کہ جب یہ کتاب ختم ہو جائے گی تو اس کے آخر میں ایک فصل لکھیں گے جس میں مشکل الفاظ کی تشریح ہوگی۔''

موصوف نے یہ شرح، الحصن الحصين کی تالیف کے چالیس سال بعد لکھی تھی جیسا کہ مفتاح الحصن کے دیباچہ میں ذکر ہے۔

دیگر اکابر نے بھی الحصن الحصين کی شروح لکھی ہے جن میں سب سے زیادہ مشہور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح ہے، جس کا نام الحرز الثمین ہے۔ مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ نے علامہ حنفی رحمہ اللہ کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے اردو میں الحصن الحصين کے متعدد تراجم لکھے گئے ہیں اور مترجمین نے اردو ہی میں ضروری فوائد اور تشریحات بھی لکھی ہیں ان تراجم میں ظفر جلیل از نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمہ اللہ مصنف مظاہر حق شرح مشکوۃ اور اس ترجمہ کی تسہیل اور تہذیب بنام محمد احسن صاحب نانوتوی رحمہ اللہ غایۃ الاوطار و مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین زیادہ مشہور ہے، شرح جزری لکھنے کے دس بارہ سال بعد احقر نے بھی حصن حصین کی اردو شرح لکھی تھی جو فضل کے نام سے مطبوع اور مشہور ہے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ کی کتاب الحصن الحصين کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ آپ کے بعد جس کسی نے اذکار و ادعیہ کا مجموعہ لکھا تقریباً سب ہی نے اس کتاب کو سامنے رکھا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے الحزب الاعظم کی ترتیب کے وقت جن کتب کو سامنے رکھا تھا دیباچہ میں ان کا ذکر کیا ہے ان میں سرفہرست شیخ جزری کی حصن حصین ہی ہے۔ الحصن الحصين علامہ جزری رحمہ اللہ نے سخت آزمائش کے وقت لکھی تھی، اس وقت دمشق میں مقیم تھے، دمشق کے باہر دشمن کی یلغار اور لوٹ مار کے واقعات پیش آ رہے تھے، دشمن نے

دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اہل دمشق سخت مصیبت میں گرفتار تھے، ایسے وقت میں کتاب لکھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، تصنیف کرنا تو کجا ہوش باقی رکھنا بھی مشکل ہے اللہ جس کی مدد فرمائے اور جس کے قلب کو قوت بخشے اور جسے حوصلہ سے نواز دے وہی اس موقعہ پر ایسی تصنیف کرسکتا ہے، اللہ جل شانہ نے علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کو توفیق دی انہوں نے سخت مصیبت کے وقت تقریباً تیس کتب حدیث سے اقتباس کر کے یہ کتاب لکھی ہے چونکہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب آڑے وقت میں لکھی تھی اور مصیبت عظیمہ سے بچنے کے لیے اس کو اپنا قلعہ بنایا تھا، اس لیے دفع مصائب کے لیے اس کو ختم کر کے دعا کرنا مشائخ کا معمول بن گیا، صدیوں سے یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ جب کبھی اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھ کر دعا کی گی ضرور دعا قبول ہوئی، ولی ذلك قيل ۔

ان نابك الامر المهو
ل اذكر اله العالمينا
واذابغى باغ على
ك فدونك الحصن الحصينا

حصن حصین کو ختم کرنے کے لیے بعض حضرات نے چار حصے کئے تا کہ چار دن میں ختم کی جاسکے اور بعض حضرات نے سات دن کے لیے سات منزلوں پر تقسیم کر دی تا کہ سات دن میں پوری ہوجائے، بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ سات آدمی ایک مجلس میں پڑھ کر ختم کرتے ہیں اس کے بعد دعا مانگتے ہیں، مولف حصن حصین دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کو اس مصیبت سے بچنے کے لیے قلعہ بنایا ہے جو اچانک آگئی ہے اس کتاب میں (جو ذکر و دعا) کے تیر ہیں ان کے ذریعہ میں ہر ظالم سے محفوظ ہوگیا یہ تیر دشمن کے لگنے والے ہیں، اس سلسلہ میں میں نے شعر بھی کہے ہیں (جو عربی عبارت میں مذکور ہیں) مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اپنے بندوں کو نفع دے گا

،اوراس کی وجہ سے ہر مسلمان کی تکلیف دور فرمادے گا۔''

ختم کتاب پر لکھتے ہیں:

''اے اللہ ! بحق نبی کریم ﷺ اپنی مخلوق سے وہ مصیبت ہٹادے جو ان پر نازل ہوئی ہے اوران پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرما جو ان پر رحم نہ کرے کیونکہ ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جسے تیرے سوا کوئی ہٹانہیں سکتا اور جسے آپ کے علاوہ کوئی دفع نہیں سکتا ،اے اللہ!اے ارحم الراحمین !ہماری مصیبت کو دور فرما میں اس قلعہ کی تعمیر سے جو کلام سید المرسلین ﷺ سے بنایا گیا ہے ،بروزاتوار بعد نماز ظہر مورخہ ۱۲ذی الحجہ ۷۹۱ھ اپنے قائم کردہ مدرسہ میں فارغ ہوا،یہ مدرسہ شہر دمشق کے اندرراس عقبۃ الکتان میں واقع ہے ،اللہ دمشق کو اور مسلمانوں کے تمام شہروں کو آفات ومصائب سے محفوظ رکھے ،یہ کتاب ایسے وقت میں لکھی گئی ہے کہ دمشق کے سارے دروازے بند ہیں بلکہ مضبوطی کے ساتھ پتھروں سے چن دیے گئے ہیں اور لوگ شہر پناہ کی دیواروں پر اللہ تعالی سے فریاد کررہے ہیں اور دشمن کے گھیراؤ کی وجہ سے سخت مصیبت میں ہیں،پانی ختم ہوچکا ہے اور ہاتھ دعا کے لیے اوپر اٹھے ہوئے ہیں،شہر کے بیرونی مقامات کو جلا دیا گیا ہے اور اکثر وبیشتر لوٹ کیے گئے ہیں ۔ہر شخص اپنی جان ومال اہل وعیال کے بارہ میں خائف ہے اور اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے لرزاں وترساں ہے،ہر شخص نے اپنے مقدور بھر حفاظت کا سامان کیا ہے لہذا میں نے اپنا قلعہ اس کتاب کو بنالیا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا،وہی مجھے کافی ہے اور بہتر کارساز ہے''۔

نیز دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''اور جب میں اس کتاب کی ترتیب وتہذیب سے فارغ ہواتو مجھے ایک ایسے دشمن نے طلب کیا جسے اللہ کے سوا کوئی دفع نہیں کرسکتا تھا میں اس دشمن سے (بچنے کے لیے)پوشیدہ طور پر فرار ہوگیا اور اپنے اس قلعہ (یعنی حصن الحصین کتاب) کی پناہ لے لی

اسی دوران میں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم کیا چاہتے ہو، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا فرمائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور میں آپ کے مبارک ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آپ نے اپنے دست مبارک چہرہ پر پھیر لیے، یہ جمعرات کی رات کا واقعہ ہے، اس کے بعد اتوار کی رات کو وہ دشمن بھاگ گیا، اور اللہ نے ان چیزوں کی برکت سے جو اس کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں میری اور تمام مسلمانوں کی مصیبت دور فرمائی۔"

یہ دشمن کون تھا، جس نے دمشق کا حصار کر رکھا تھا اور اس کی وجہ سے مخلوق پریشان تھی اس کے بارے میں محشی کتاب حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ دشمن تیمور لنگ تھا مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ علامہ جزری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ تیمور آپ کو ساتھ لے گیا تھا اور عمر بھر ان کر جدا نہ ہونے دیا اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تیمور کے ساتھ (طوعا وکرہا) چلے گئے تھے اور حصن الحصین کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دشمن سے بچنے کے لیے یہ کتاب لکھی تھی وہ بھاگ گیا تھا اور شیخ جزری رحمہ اللہ پر قابو نہ پاسکا لہذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے کہ جس دشمن سے بچنے کے لیے یہ کتاب لکھی تھی وہ تیمور کے سوا کوئی دوسرا تھا۔ تیمور نے آپ کو ۸۰۵ھ میں اپنے ہمراہ لیا تھا جیسا کہ الشقائق النعمانیہ میں مذکور ہے، اور علامہ جزری نے الحصن الحصین ۷۹۱ھ میں لکھی تھی جیسا کہ ختم کتاب پر انہوں نے بلتصریح سن نقل کیا ہے اور تیمور لنگ نے ۸۰۳ھ میں شام کے علاقوں کو تہہ وبالا کیا اور اسی موقعہ پر اس کی جانب سے دمشق پر حملہ ہوا، جیسا کہ عام تاریخوں میں مذکور ہے (مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے بھی الفوائد البہیہ کے حاشیہ میں فتح المتعال سے نقل کیا ہے کہ تیمور کے ہاتھوں دمشق کی بربادی کا حادثہ ۸۰۳ھ میں رونما ہوا اور اس کی تاریخ لوگوں نے لفظ "خراب" سے نکالی ہے۔)

النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ میں ۸۰۳ھ کے حالات میں تیمور کے فوجیوں کی غارتگری کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے

یعنی تیمور لنگ بروز شنبہ ۸۰۳ھ میں اسی دن قیام کرنے کے بعد دمشق سے روانہ ہوا، (النجوم الزہرہ ج ۱۲ ص ۲۴۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق پر تیمور کا حملہ الحصن الحصین کی تالیف کے گیارہ سال بعد ہوا تھا، واللہ اعلم

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ دشمن اگر تیمور نہیں تھا تو کون تھا؟ اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے جب تاریخ کی ورق گردانی کی جائے اور ۷۹۱ھ کے حوادث پر نظر ڈالی جائے (جو کہ حصن حصین کی تالیف کا سال ہے) تو الملک الظاہر برقوق اور امیر منطاش کی جنگ کے واقعات سامنے آگئے رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ ۷۹۱ھ میں ان دونوں کے معرکے رہے ہیں اس دوران لوٹ مار اور آتشزدگی وغیرہ کے واقعات ہوتے رہے۔ تفصیلی واقعات النجوم الزاہرہ جلد ۱۱ میں مذکور ہیں۔ علامہ جزری ؒ نے ۲۲ ذوالحجہ ۷۹۱ھ اتوار کی بتائی ہے اور النجوم الزاہرہ کے مصنف ؒ نے یکم ذوالحجہ سینچر کی بتائی ہے اس حساب سے ۲۲ ذوالحجہ بھی سینچر کی پڑتی ہے۔ ممکن ہے کہ ماہ سابق کے دن ۲۹ یا ۳۰ ہونے کے اختلاف رونما ہوا ہو۔ الملک الظاہر اور امیر منطاش کی جنگ محرم الحرام ۷۹۱ھ میں ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے آخری عشرہ میں دمشق چھوڑ کر بھاگ گیا تھا مگر شام کے دوسرے علاقوں میں جنگ جاری رہی۔ واللہ اعلم

التوضیح فی شرح المصابیح:

یہ علامہ بغوی ؒ کی مشہور کتاب مصابیح السنہ کی شرح ہے، الشقائق النعمانیہ میں لکھا ہے کہ علامہ جزری ؒ نے یہ کتاب ماوراء النہر کے علاقہ میں لکھی تھی جب کہ آپ کو تیمور اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

(۲۱) الاجلال والتعظیم فی مقام ابراہیم: (۲۲) غایۃ المنٰی فی زیارۃ منٰی۔

(۲۳)عقدااللالی فی الاحادیث المسلسلة العوالی. (۲۴)فضل حرا (۲۵)المسند الاحمد فیما یتعلق بمسند احمد. (۲۶)المصعد الاحمد فی ختم مسند احمد (۲۷)القصد الاحمد فی رجال مسند احمد (۲۸)الالویه فی الاحادیث الاولیه (۲۹)اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب.

ان کتابوں کا ذکر علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے الضوء اللامع میں اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے البدر الطالع میں کیا ہے۔ نیز ان دونوں حضرات نے (۳۰) الھدایہ فی فنون الحدیث اور (۳۱) البدایہ فی علوم الروایہ کا بھی ذکر کیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے آخر الذکر کا نام تذکرۃ العلماء فی اصول الحدیث لکھا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے اس میں علم حدیث کا شرف وفضل بتاتے ہوئے بزمانہ تالیف اس علم شریف کی کساد بازاری کا شکوہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ روم میں حدیث کے جاننے والے کم ہیں۔ نیز اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے اور سند بھی ذکر کی ہے اور بتایا ہے کہ ماورا النھر کا سفر میں نے علم حدیث کے پھیلانے کے لیے کیا ہے، شہر کش کے زمانہ قیام میں مصابیح السنۃ کی شرح لکھی تو وہاں کے محصلین ومستفیدین نے درخواست کی کہ ایک ایسی کتاب لکھیں جو علوم حدیث پر مشتمل ہو۔ اس سے پہلے آپ نے نظم میں الھدایہ الٰی معالم الدرایہ لکھی تھی لیکن وہاں کے لوگوں کو شرح وبسط کی حاجت تھی لہٰذا البدایہ مرتب کی جو ایک مقدمہ اور چار اصول پر مشتمل ہے اس کی تالیف سے ۸۰۶ھ میں فارغ ہوئے۔

تاریخ وسیر:

امام جزری رحمہ اللہ نے تاریخ وسیر پر بھی کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور (۳۲)طبقات القراء الکبریٰ ہے اس کا نام نہایت الدرات فی اسماء رجال القراءات ہے، پھر اس کا اختصار کیا اور اس مختصر کا نام (۳۳)غایۃ النھایۃ رکھا۔ اسے طبقات القراء الصغری کہا جاتا ہے یہ دونوں کتابیں امام جزری رحمہ اللہ کے وقت تک کے

قراء کرام کے حالات جاننے کے لیے نہایت معتبر و مستند ذخیرہ ہیں۔

صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب (۳۴)التعریف فی المولد الشریف کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعد میں موصوف نے اس کی تلخیص کی اور اس کا نام (۳۵)عرف التعریف رکھا انہوں نے اس کے ایک فارسی ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۳۶)تاریخ الجزری رحمہ اللہ۔صاحب کشف الظنون نے تاریخ الجزری رحمہ اللہ کے نام سے بھی ایک کتاب امام جزری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ۷۹۸ھ تک کے حالات ہیں۔(ج:۱،ص:۲۳۱)

مختلف کتب:

(۳۷)الابانہ فی العمرۃ من الجعرانہ (۳۸) التکریم فی العمرۃ من التنعیم (۳۹)الجوھرۃ فی النحو (یہ منظوم ہے) (۴۰)حاشیہ الایضاح (یہ صاحب تلخیص المفتاح علامہ قزوینی رحمہ اللہ) کی کتاب الایضاح فی المعانی والبیان کا حاشیہ ہے۔(۴۱)امام رازی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب المحصل کا اختصار محمود بن ابی بکر الارموی رحمہ اللہ نے کیا تھا جس کا نام التحصیل رکھا۔ (یہ اصول فقہ میں ہے) علامہ جزری رحمہ اللہ نے تین جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔

(۴۲)احاسن المنن علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے امام جزری رحمہ اللہ کی تالیفات کے سلسلہ میں اس کا ذکر کیا ہے مگر یہ پتہ نہ چلا کہ کس موضوع پر ہے۔

(۴۳)(علم وقف سے متعلق ایک کتاب، الاھتداء فی الوقف والابتداء'' کا ذکر علامہ جزری رحمہ اللہ نے النشر جلداوّل میں وقف کے بیان میں کیا ہے۔ایسے ہی (۴۴)علم رسم میں بھی ایک کتاب کا ذکر النشر فی القراءات العشر میں ملتا ہے۔قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

امام جزری رحمہ اللہ کی تالیفات کی فہرست میں ان کتب کے علاوہ دیگر کتب بھی ذکر کی گئی ہیں صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام جزری رحمہ اللہ صرف علوم قرآءت وتجوید کے امام ہی نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

اولاد:

علامہ جزری رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی خوب نوازا تھا باکمال باپ کو اولاد بھی باکمال دی۔ الحصن الحصین کے خاتمہ پر آپ نے چار لڑکوں اور چار لڑکیوں کے نام لکھے ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ میں اپنی اولاد کو اور اپنے اہل عصر کو اس کتاب کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔ لڑکوں کے نام مع کنیت یہ ہیں:

① ابو الفتح محمد ② ابو بکر احمد ③ ابوالقاسم علی ④ ابوالخیر محمد۔ اور لڑکیوں کے یہ نام لکھے ہیں: ① فاطمہ ② عائشہ ③ سلمہ ④ خدیجہ۔ صاحب الشقائق النعمانیہ نے مذکورہ اولاد کے علاوہ ان کے دو مزید لڑکوں کا نام لکھا ہے۔ (۹) ابوالبقاء اسماعیل (۱۰) ابوالفضل اسحٰق، لڑکوں اور لڑکیوں کا ذکر لکھنے کے بعد صاحب الشقائق النعمانیہ لکھتے ہیں کہ:

وجميع هو لا من القراء المجودين والمرتلين ومن الحفاظ المحدثين رضي الله عنهم وارضاهم.

یعنی یہ سب حضرات قراء اور مجود ومرتل تھے نیز حافظ اور محدث تھے۔

صاحب الشقائق النعمانیہ نے لکھا ہے کہ علامہ جزری رحمہ اللہ کے صاحبزادے ابوالفتح محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ بتاریخ ۲ ربیع الاول ۷۷۷ھ دمشق میں پیدا ہوئے انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا پھر قرآءت وتجوید کی مشہور کتابیں پڑھیں اور دیگر علوم کی مختلف کتب حفظ کیں، اساتذہ نے تدریس وافتاء کی اجازت دی اور دمشق میں تدریس واقراء کی خدمت انجام دیتے رہے حتیٰ کہ طاعون میں مبتلا ہو کر ۸۱۴ھ میں وفات پائی

اور اس طرح درجہ شہادت نصیب ہوا۔ اس وقت ان کے والد شیراز میں تھے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ کے دوسرے صاحبزادے ابوالخیر محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ بماہ جمادی الاولی ۷۸۹ھ میں پیدا ہوئے یہ بھی حافظ قرآن تھے اور تجوید وقرآءت میں باکمال تھے۔

تیسرے صاحبزادے ابوبکر احمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ بتاریخ ۱۷رمضان ۷۸۰ھ دمشق میں پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا تو تحصیل علوم میں لگ گئے اور تجوید وقرآءت میں ماہر ہوکر تدریس واقراء اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہوگئے حافظ عراقی رحمہ اللہ وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی، اپنے والد کی کتاب طیبۃ النشر اور مقدمۃ الجزری کی شروح لکھی، (دونوں شروح قرآءت اکیڈمی لاہور سے دستیاب ہیں۔ ناشر) نیز منظومہ فی علم الحدیث (مؤلفہ شیخ جزری رحمہ اللہ) کی شرح لکھی۔

ان کے والد لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا دینداری اور پاکبازی میں پلا اور بڑھا، اللہ تعالیٰ اسے سعادتوں سے مالا مال کرے اور برکت دے (علامہ احمد الجزری رحمہ اللہ نے ۸۵۹ھ میں وفات پائی۔ حالات کے لیے الحواشی المفہمہ شرح المقدمۃ الجزریہ ملاحظہ فرمائیں۔ قاری نجم الصبیح التھانوی)

وفات:

علامہ جزری رحمہ اللہ نے بروز جمعہ بوقت چاشت بتاریخ ۵ ربیع الاوّل ۸۳۳ھ شہر شیراز میں وفات پائی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ دارالقران میں مدفون ہوئے جنازہ میں بہت زیادہ ہجوم تھا۔ حاضرین کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ اٹھانے اور تبرکا مس وتقبیل کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کررہے تھے کثرت اژدھام کی وجہ سے جو لوگ جنازے تک نہ پہنچ سکے وہ ان لوگوں کے ہاتھوں کو چھوکر برکت حاصل کرتے تھے جن کو جنازہ اٹھانے کا موقعہ مل گیا تھا۔ (الشقائق النعمانیہ)

آپ کی عمر شریف تقریباً ساڑھے اکیاسی سال کی ہوئی۔ تقریباً چونسٹھ سال تک بڑی آب وتاب کے ساتھ تجوید وقراءات اور علم حدیث کی تعلیم وترویج میں مشغول رہے۔ نیز دیگر علوم کی بھی خدمت کی، اپنے دور کے مفتی ہونے کی وجہ سے فتاوئ بھی لکھتے رہے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ان کے تذکرہ کے ختم پر جو شعر نقل کیے ہیں ہم بھی ان پر موصوف کا تذکرہ ختم کرتے ہیں۔

ایا شمس علم بالقراءات اشرقت
وحقك قد من الا له علی مصر
وها هي بالتقریب منك تضوعت
عبیرا واضحت وهي طیبة النشر

سوانحی حالات مکی ابن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ

قاری محمد طارق بالاکوٹی
فاضل قراءات عشرہ
رکن العاصمہ لجنۃ المحققین للدراسات العلوم الاسلامیۃ

نام ونسب:

علمی حلقوں میں آپ مکی ابن ابی طالب کے نام سے جانے جاتے ہیں پورا نام اس طرح ہے۔ ابو محمد مکی ابن ابی طالب بن حموش (یا حیوش یا حیوس) بن محمد مختار القیسی المقری۔

آپ کے نام کے ساتھ چار نسبتیں مستعمل ہیں۔ اوّل المغربی، دوم القیسی، سوم القیروانی، چہارم الاندلسی۔

پیدائش ووفات:

دیار مغرب کے ایک شہر قیروان کے قبیلہ قیس میں آپ ۹ شعبان ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور وفات اندلس کے مشہور شہر قرطبہ میں ۲ محرم ۴۳۷ھ میں ہوئی۔ اس طرح آپ المغربی، القیسی القیروانی، الاندلسی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے۔

تعلیم واستفادہ:

مرکز علم وادب قیروان میں علوم وفنون کا فیض عام تھا، تشنگان علوم دور دراز سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے یہاں آتے تھے، علامہ مکی نے قبیلہ قیس کے ایک معزز دولت مند گھرانے اور علمی ماحول میں آنکھ کھولی تھی، جس میں دین ودنیا دونوں کے حسنات وبرکات موجود تھے، تعلیمی ترتیب کے مطابق آپ نے اولاً قرآن کریم حفظ کیا اس کے بعد تفسیر حدیث، فقہ وفتاویٰ، نحو وصرف، ادب ولغت، نقد وبلاغت اور منطق وفلسفہ کی تعلیم قیروان میں حاصل کی۔

کتب تاریخ وتراجم کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ تیسری چوتھی اور پانچویں صدی ہجری حقیقتاً علمی صدیاں کہلانے کی بجا طور پر مستحق تھی پورا عالم اسلام گویا دار العلوم تھا۔

بقول مؤرخ شہیر قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ عالمی شاہراہوں پر علوم قرآنی اور حدیث کے طلبہ کے قافلے رواں دواں تھے جن کے گھسے ہوئے جوتے، پھٹے ہوئے کپڑے، گردوغبار میں اٹے ہوئے چہرے، ہوا سے بکھرے ہوئے بال، بھوک پیاس کے مارے ہوئے جسم تحصیل علم میں وارفتگی ودیوانگی کی خبر دے رہے تھے۔

مقرئین ومحدثین کے اس مقدس کا روان علم میں امام مکی ابن ابی طالب قیسی رحمہ اللہ بھی شامل تھے قیروان میں آپ مصر سے چار بار آئے۔ اور یہ سفر آپ کا علمی سفر تھا، قیروان میں مجموعی طور پر مدتِ قیام گیارہ سال ہے تحصیل علم میں آپ نے مصر، حجاز اور اندلس کے متعدد اسفار کیے۔

آپ کے اساتذہ وشیوخ:

آپ نے قیروان میں جن ارباب علم وفضل سے تحصیل علم کی ان میں سے سب سے جلیل القدر استاذ الحافظ ابوالحسن القابسی رحمہ اللہ ہیں، علامہ مکی رحمہ اللہ نے آپ سے علم قراءت اور حدیث میں استفادہ کیا، دوسرے استاذ ابومحمد ابن ابی زید رحمہ اللہ ہیں۔ دیارِ مغرب میں مالکی مسلک کی ریاست آپ پر منتہی ہوتی ہے، آپ کو مالک اصغر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (م ۳۸۹ھ)

مصر کا علمی سفر:

قیروان سے نکل کر پہلے آپ نے مصر کا سفر کیا، اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ یہاں آپ نے جن شیوخ سے اکتساب فیض کیا، ان میں خاص طور پر امام ابوالطیب عبدالمنعم بن عبید اللہ بن غلبون المقری رحمہ اللہ ہیں، علامہ دانی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ) امام

غلبون رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں:

کان حافظًا للقراء ضابطا، ذاعفاف ونسك وفضل وحسن تصنیف.

حافظ قراءت ضابط، عفیف صاحب علم وفضل اور جید التصانیف تھے (م۳۸۹ھ)

نیز امام ابوالطیب رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور نامور امام قراءات ابو الحسن طاہر ابن غلبون رحمہ اللہ (م۳۹۹ھ) سے بھی فن قراءات میں زبردست استفادہ کیا، اسی طرح اپنے زمانہ کے سید العلماء زبردست نحوی اور مفسر امام ابوبکر محمد بن علی الاذفوی (م۳۸۸ھ) سے بھی استفادہ کیا اور امام عبدالعزیز بن علی بن احمد بن محمد بن اسحاق بن الفرج بوعدی المصری المعروف بابن الامام مقری محدث رحمہ اللہ سے بھی علم قراءت میں استفادہ کیا (م۳۸۰ھ) علامہ مکی رحمہ اللہ مصر میں مجموعی طور سے دس سال مقیم رہے۔

حجاز کا سفر:

مصر سے آپ نے حجاز کا رخ کیا یہاں مکہ میں آپ کے اساتذہ میں سب سے اہم شخصیت امام ابوالحسن احمد بن ابراہیم العقبی رحمہ اللہ (م۴۰۵ھ) ہیں، آپ اپنے وقت میں اہل حجاز کے لیے مدارِسند تھے، ان کے علاوہ اور جن ارباب فضل وکمال سے آپ کو شرف تلمذ رہا ان میں امام ابوالطاہر محمد بن محمد بن جبریل العجیفی رحمہ اللہ امام ابوالقاسم السقطی رحمہ اللہ، امام ابوالحسن بن زُریق البغدادی رحمہ اللہ امام ابوبکر بن احمد بن ابراہیم المروزی رحمہ اللہ اور امام ابوالعباس السوی رحمہ اللہ شامل ہیں۔

مشرق میں دوران سفر آپ نے جن محدثین اور فقہاء سے شرف ملاقات حاصل کیا ان میں امام ابوالفضل احمد بن عمران الہروی رحمہ اللہ، امام ابوالعباس احمد بن محمد بن زکریا البسری رحمہ اللہ، امام عبدالرحمن بن علی العباس ابوالحسن المطوعی رحمہ اللہ، صدقة بن احمد الرّقی رحمہ اللہ، امام ابن فارس رحمہ اللہ وغیرہ حضرات مشائخ کبار ہیں۔

حجاز میں آپ نے چار سال گزارے اس دوران میں آپ نے مسلسل چار حج بھی

کیے۔

اندلس کا سفر:

حجاز کے باکمالان علم وفن کے علمی خزانوں سے اپنے کشکول کو بھر لینے کے بعد آپ نے معمورۂ علم مردم خیز شہر اندلس کا سفر کیا یہاں آپ نے امام یونس ابن عبداللہ القاضی رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا۔ یہ نہایت ذہین ثابت کہنہ مشق خطیب اور بہت سی اہم صفات اور خصوصایت کے مالک تھے۔

اندلس علامہ مکی رحمہ اللہ کے علمی سفر کی انتہا تھی، یہاں پہنچ کر آپ نے عصاء اسفار رکھ دیا اور عمر کا بقیہ حصہ اندلس ہی کے شہر قرطبہ میں رہ کر جامع قرطبہ میں قراءت کی تعلیم وتدریس میں گزار دیا جس کی مدت تقریباً چوالیس سال ہوتی ہے یعنی ۳۹۳ھ سے وفات ۴۳۷ھ تک۔

آپ کے معاصرین:

علامہ مکی رحمہ اللہ کے ہم عصر حضرات بجائے خود بڑے درجہ کے مشائخ ہیں اور مستقل تذکرہ کے مالک ہیں یہاں اختصاراً اہم ترین معاصرین میں صرف چار حضرات کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب تراجم دیکھی جائیں۔

① ......امام اصبغ بن راشد بن اصبغ اللخمی رحمہ اللہ۔ آپ نے علامہ مکی رحمہ اللہ کے ساتھ امام ابن ابی زید رحمہ اللہ اور امام ابوالحسن القابسی رحمہ اللہ سے فقہ پڑھا۔ (م تقریباً ۴۴۰ھ)

② ......الامام المقری المفسر ابوالعباس احمد بن عمار بن ابی العباس المہدوی رحمہ اللہ صاحب الہدایہ فی السبعہ، سن وفات کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ بعد ۴۳۰ھ لکھتے ہیں۔

③ ......صاحب کتاب العنوان فی السبعہ والاکتفاء، امام اسماعیل بن خلف بن سعید (یا ابن سعد) بن عمران الانصاری السرقسطی الاندلسی الاصل ثم المصری الادیب المقری النحوی رحمہ اللہ (م ۴۵۵ھ)

﴿۴﴾......صاحب کتاب الروضہ امام احمد بن محمد بن عبداللہ بن لب بن یحییٰ بن محمد قرلمان الاستاذ ابوعمرالطلمنکی المعافری الاندلسی رحمہ اللہ (م ۴۲۹ھ)۔

﴿۵﴾......مشہور عالم قراءات امام ابوسعید عثمان بن سعید الدانی الاندلسی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ)۔

آپ کا مقام معاصرین میں:

علامہ مکی رحمہ اللہ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا علم تفسیر اور قراءت میں اس وقت آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا خاص طور پر علم قراءت میں آپ کی تصانیف اس پر شاہد وعدل ہیں، آپ کے معاصرین آپ کی علمی بصیرت اور علومِ قرآنی کی خدمات کے معترف تھے۔

آپ کے تلامذہ:

آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ اس کا احصاء اور شمار ممکن نہیں ایک خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا یہاں صرف چند مشاہیر تلامذہ کے نام لکھے جاتے ہیں:

ابوالولید الباجی رحمہ اللہ، ابومحمد عبدالرحمن بن عتاب رحمہ اللہ، آپ کے بیٹے امام محمد ابن مکی رحمہ اللہ اور رئیس قرطبہ امام ابوالولید محمد بن جہور رحمہ اللہ اور دوسرے بہت سے حضرات۔

عادات واخلاق اور مسلک وعقیدہ:

علامہ مکی رحمہ اللہ کے ایک شاگرد امام احمد بن مہدی المقری رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''علوم قرآنی اور عربیت میں آپ کو تبحر حاصل تھا۔ بڑے ہی نیکوکار تھے، اعلیٰ درجہ کے مجود تھے، معانی قراءت کے بڑے عالم تھے۔'' [غایۃ النہایہ ج:۲، ص:۳۰۹]

الرعایہ کے مقدمہ نگار احمد حسن فرحات رقم طراز ہیں:

انہ کان من اھل التبحر فی علوم القرآن والعربیة حسن الفهم والخلق، جید الدین والعقل دینا، فاضلا، تقیًا، صواما، متواضعا، عالمًا قوامًا مستجاب الدعواة، ادیبًا، نحویًا، فقیها متفننًا، امام القرآن فی وقته وخاتمة ائمة القرآن بالاندلس۔

عقیدۃً اورمسلکاً آپ مالکی تھے مگر متعصب بالکل نہیں تھے آپ نے اپنے مسلک کی تشریح وتوضیح میں بھی چند کتابیں لکھی ہیں۔ آپ معتزلہ اور مرجۂ جیسے باطل فرقوں کے سخت مخالف تھے۔

آثار وتصانیف:

امام مکی رحمہ اللہ کو کثرت تصانیف اور اس کے اندر تفنن میں شہرت حاصل ہے، ڈاکٹر محی الدین رمضان کے بیان کے مطابق آپ کی تصنیفات اور تالیفات مکمل سو کی تعداد ہے، آپ کی تصانیف کا بیشتر حصہ تفسیر، قراءت، دیگر علوم قرآنیہ اور عربیت سے متعلق ہیں۔

آپ کا اختصاصی فن:

آپ کی تصانیف اگرچہ تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ فلسفہ وکلام، تجوید وقرأت، ناسخ ومنسوخ، نحو وصرف، نظم واعجاز اور اعراب ورسم الخط جیسے موضوعات پر ہیں، جن سے آپ کی وسعت علمی، فکری بلندی اور اعلیٰ تحقیقی مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ آپ کا دور دیگر علوم وفنون کے ساتھ قراءت قرآن میں عام دلچسپی اور شغف کا دور تھا چنانچہ سب سے زیادہ لگاؤ اور تعلق آپ کو اس عظیم الشان فن کے ساتھ تھا۔

آپ نے علم قراءت کو قیروان کے علاوہ مصر، حجاز اور اندلس کے جہابذۂ علم اور مشائخ کبار سے حاصل کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس علم میں مہارت تامہ اور کمال حاصل ہونے کے باعث آپ کو ''المقری'' (معلم قراءت) کا خطاب ملا، یہ خطاب اس زمانہ میں امام فن اور رئیس اعظم ہی کو ملا کرتا تھا۔

علم قراءت کے ساتھ خصوصی اعتناء اور اختصاصی تعلق ہی کی بات تھی کہ آپ نے قراءت، وقوف اور اس کے متعلقات پر تقریباً چھتیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں اگرچہ اکثر کتابیں مختصر ہیں مگر بقامت کہتر بقیمت بہتر کی مصداق ہیں۔

امام مکی رحمہ اللہ کی تصانیف اکثر معدوم یا غیر مطبوعہ ہیں اب تک کی معلومات کی روشنی میں جتنی کتابیں زیور تحقیق سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں ان کی فہرست ڈاکٹر اجمل اصلاحی کے شکریہ کے ساتھ تاریخی ترتیب سے پیش کی جارہی ہے:

[١]......الابانة عن معانی القراءت: تحقیق عبدالفتاح اسماعیل شلبی، مکتبہ النہضہ قاہرہ ١٩٦٠ء یہی کتاب دوبارہ ڈاکٹر محی الدین رمضان کی تحقیق سے دارالمامون للتراث دمشق نے ١٩٧٩ء میں شائع کی۔

[٢]...... شرح كلا وبلى ونعم والوقف على كل واحدة منهم فى كتاب الله عزوجل: تحقیق حسین نصار، مجلّہ کلیۃ الشریعہ بغداد ١٩٦٧ء دوبارہ اسے ڈاکٹر فرحات کی تحقیق سے ١٩٦٨ء میں دارالمامون للتراث دمشق نے شائع کی۔اس کا اُردو ترجمہ قرآءت اکیڈمی لاہور سے طبع ہوا ہے۔

[٣]...... الرعايه التجويد القراء وتحقيق لفظ التلاوة: تحقیق احمد حسن فرحات دارالکتب العربیۃ دمشق ١٩٧٢ء طبع دوم، دارعمار، عمان ١٩٨٤ء۔

[٤]......الكشف عن وجوه القراءت السبع وعللها وحججها: تحقیق ڈاکٹر محی الدین رمضان، مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق ١٩٧٤ء طبع دوم، موسسۃ الرسالۃ بیروت ١٩٨١ء۔

[٥]......مشكل اعراب القران: تحقیق یاسین محمد السواس مجمع اللغة العربية دمشق ١٩٧٤ء دوسرا ایڈیشن زیادہ محققانہ حاتم صالح الضامن کی تحقیق سے وزارۃ الاعلام بغداد نے ١٩٧٥ء میں شائع کیا۔

[٦]......الايضاح لناسخ القران ومنسوخه: تحقیق ڈاکٹر احمد حسن فرحات جامعہ الامام

محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض ۱۹۷۶ء۔

۷۔۔۔۔۔اختصار القول فی الوقف علی کلا وبلا ونعم: (۲) کی تلخیص خود مصنف رحمہ اللہ کے قلم سے ہے تحقیق احمد حسن فرحات ۱۹۸۰ء میں مجلّہ عالم الکتب ریاض ج۱، شمارہ ۲ میں چھپی دوسرا ایڈیشن کتابی صورت میں ۱۹۸۲ء میں مکتبہ الخافقین دمشق سے شائع ہوا۔

۸۔۔۔۔۔الیاء ات المشددات فی القرآن وکلام العرب: تحقیق ڈاکٹر احمد حسن فرحات مکتبۃ الخافقین دمشق ۱۹۸۲ء۔

۹۔۔۔۔۔تمکین المد فی اٰتی واٰمن واٰدم تحقیق ڈاکٹر فرحات، دارالارقم کویت ۱۹۸۴ء۔

۱۰۔۔۔۔۔التبصرۃ فی القراءۃ السبع: تحقیق محمد غوث الندوی الدار السّلفیہ بمبئی ۱۹۸۴ء دوسرا ایڈیشن زیادہ معیاری ڈاکٹر محی الدین رمضان کی تحقیق سے معہد المخطوطات کویت نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔

۱۱۔۔۔۔۔کتاب "ھجاء المصاحف"

۱۲۔۔۔۔۔تفسیر المشکل من غریب القرآن: اس کتاب کے تین مختلف ایڈیشن تین الگ الگ محققین کی تحقیق سے چھپ چکے ہیں۔

① تحقیق ڈاکٹر محی الدین رمضان دارالفرقان ریاض ۱۹۸۵ء

② علی حسین البواب، مکتبۃ المعارف ریاض ۱۹۸۵ء

③ ہدی الطّویل المرعشلی دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۸ء

مذکورہ بالا کتابوں میں ۳، ۴، ۵، ۶ اور ۱۰ ضخیم ہیں باقی مختصر رسائل ہیں، علم قراءت سے متعلق امام طالب قیسی رحمہ اللہ کی سب سے اہم کتاب الکشف ہے، یہ کتاب دراصل التبصرہ فی السبعۃ کی شرح ہے اور یہی اس اہم کتاب کا اولین ماخذ و مصدر ہے، خود علامہ رحمہ اللہ نے بار بار اس کا تذکرہ فرمایا ہے، الکشف کے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

''میں نے مشرق میں ۳۹۱ھ میں ایک مختصر کتاب قراء سبعہ کے اختلافات سے

متعلق بنام ''کتاب التبصرہ'' تالیف کی تھی، طلبہ کے لیے تسہیل وتخفیف کی غرض سے حجج اور علل نحوی قیاسات فی القراءت واللغۃ سے صرف نظر کرلیا تھا مگر اس کے آغاز میں ایک تفصیلی کتاب کی تالیف کا وعدہ بھی کرلیا تھا جس کا ذکر مذکورہ کتاب التبصرہ میں بھی کردیا تھا......الخ'' [ص:۳،۴، کتاب الکشف المذکور]

یہ اپنے نام کی طرح اسم بامسمی ہے بلا مبالغہ اظہارِ علل اور قراءت کی توجیہ وبیان میں ایک بے مثال اور منفرد کتاب ہے، دو ضخیم جلدوں میں اسے ایڈٹ کر کے ڈاکٹر محی الدین رمضان نے موسسۃ الرسالۃ بیروت سے شائع کرا کے شائقین فن قراءت پر احسان عظیم کیا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء.

وفات:

علامہ مکی رحمہ اللہ نے امراء اور احکام کی خواہش اور اصرار کے باوجود کبھی سرکاری مناصب کی طرف رُخ بھی نہ کیا، آپ نے دنیوی شہرت اور عزت کے بجائے اُخروی عزت وسرخروئی کو ہمیشہ ترجیح دی اور پوری زندگی قرآنی علوم وتعلیمات کی ترویج واشاعت میں صرف کردی اسی بناء پر عوام وخواص کے قلوب آپ کی محبت وعزت اور عظمت واحترام کے جذبات سے معمور تھے۔

۲ر محرم الحرام ۴۳۷ھ کو قرطبہ (اندلس) میں آپ اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، آپ کے انتقال کے بعد ایک بڑی تعداد نے جنازے میں شرکت کی

اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ.

[معرفۃ القراء الکبار ج:۱،ص:۳۹۴، ۳۹۶، غایۃ النہایہ ج:۲،ص:۳۰۹، ۳۱۰، معجم حفاظ القرآن ج:۲،ص:۴۰۶، ۴۰۹، مقدمہ ''الرعایۃ'' مقدمہ ''الکشف عن وجوہ القراءات السبع]

Quartarly
AL-ASIM
Lahore
May to July 2016